خلیفۂ ثالث، دامادِ رسول، جامعِ قرآن، پیکرِ حیا

سیدنا عثمان بن عفان کی نہایت مستند و جامع سیرت و سوانح

سیرتِ عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

ڈاکٹر علی محمد الصلابی



دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سیرتِ عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
دارالسلام DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa, riyadh@dar-us-salam.com
Website:www.darussalamksa.com

الریاض۔العلیا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945 الملز فون: 4735220 01 فیکس: 4735221 سویلم فون: 2860422 01
مندوب الریاض: موبائل: 0503459695-0505196736 قصیم (بریدہ): فون/فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948-0506640175 مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
ینبع البحر فون/فیکس: 3908027 04 موبائل: 0500887341 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07 موبائل: 0500710328

شارجہ فون: 5632623 6 00971 امریکہ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 نیویارک فون: 6255925 718 001
لندن فون: 4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

• پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم) •

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072 موبائل: 0322-8484569
غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 موبائل: 0322-4439150
Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 042-5084895 موبائل: 0321-4212174
Website: www.darussalampk.com E mail: info@darussalampk.com
اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 2281513 51 0092 موبائل: 5370378 0321
کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی
فون: 4393936 21 0092 فیکس: 4393937 موبائل: 0321-2441843

خلیفۂ ثالث، دامادِ رسول، جامعِ قرآن، پیکرِ حیا

سیدنا عثمان بن عفّان کی نہایت مستند و جامع سیرت و سوانح

سیرتِ عثمان ذوالنّورین رضی اللہ عنہ

تالیف: دکتور علی محمد محمد الصلابی

ترجمہ: مولانا محمد عثمان منیب

دارالسلام
DARUSSALAM

مكتبة دار السلام، ١٤٣١هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
الصلابي، علي محمد علي
سيرة عثمان / علي محمد علي الصلابي- الرياض، ١٤٣١هـ
٧٩٦ ص: ١٤×٢١ سم
ردمك: ٣-٥٤-٥٠٠٠-٦٠٢-٩٧٨
(النص باللغة الأوردية)
١- عثمان بن عفان بن ابي العاص، ت ٣٥ هـ ٢- التاريخ الإسلامي- عصر صدر الاسلام أ. العنوان
ديوي ٩، ٢٣٩ ١٤٣١/٩٠٦٠
رقم الايداع: ١٤٣١/٩٠٦٠
ردمك: ٣-٥٤-٥٠٠٠-٦٠٢-٩٧٨

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

مضامین

● عرض ناشر 33

● مقدمہ 37

باب 1:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ قبل از خلافت

● نام ونسب، مقام ومرتبہ، قبولِ اسلام اور ہجرتِ حبشہ 53

◌ نام ونسب، کنیت اور القاب 53

◆ نام ونسب 53

◆ کنیت 53

◆ لقب 54

◆ ولادت 54

◆ حلیہ مبارک 55

◌ خاندان 55

◆ بیویاں 55

◆ بیٹے 56

◆ بیٹیاں 59

◆ بہنیں 59

◆ اخیافی (ماں جائے) بھائی 60

- اخیافی (ماں جائی) بہنیں 60
- ایامِ جاہلیت میں آپ کا مرتبہ 60
- قبولِ اسلام 62
- رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی 65
- ہجرتِ حبشہ 68
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قرآن کریم سے گہرا لگاؤ 74
- قرآن کریم سے لگاؤ 75
- حفظِ قرآن کا اہتمام 76
- قرآن کریم کے متعلق چند اقوال 76
- کثرتِ تلاوت 77
- قرآنی طرز زندگی 78
- قرآنِ کریم کی نشر و اشاعت 84
- مدینہ منورہ میں رسول اکرم ﷺ کی رفاقت 85
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کے میدانوں میں 87
- سیدنا عثمان اور غزوۂ بدر 88
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ احد 90
- ایک اعتراض کا جواب 93
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ غطفان 94
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ ذات الرقاع 94
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور بیعت رضوان 94
- شرکائے بیعت رضوان کی فضیلت 99

- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے لیے سفارش 102
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ تبوک 104

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ میں معاشرتی زندگی 108

- سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی 108
- عبداللہ بن عثمان کی وفات 110
- سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات 110

تاسیسِ حکومت کے لیے اقتصادی تعاون 112

- بئر رومہ 112
- مسجد نبوی کی توسیع 113
- تنگی کے حالات میں سخاوت بیکراں 114

● فضائل عثمان رضی اللہ عنہ بزبان نبوت 115

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مصائب جھیلنے پر جنت کی بشارت 115

اُحد! حرکت نہ کر...... 116

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جذبۂ شرم وحیا 117

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں 117

شہادتِ عثمان کی پیش گوئی 119

● دورِ صدیقی و فاروقی میں ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا کردار 125

عہدِ صدیقی میں کردار 125

- اسلامی سلطنت کی مجلسِ شوریٰ کے رکن 125
- عہدِ صدیقی میں معاشی بحران 127

عہد فاروقی میں کردار 130

- دیوان و تاریخ 133
- خراج کی زمین 133
- امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ حج 134

باب :2
خلافت، طرزِ حکومت اور ذاتی خوبیاں

- خلافت ذوالنورین 136
  - انتخابِ خلیفہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فراست 136
    - مجلس شوریٰ کے ارکان کی تعداد اور ان کے نام 137
    - طریقۂ انتخاب 138
    - انتخابی عمل کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات 138
    - اختلاف کی صورت میں حکم 140
    - خلیفہ کے انتخاب کا اہتمام 140
    - کم مرتبہ شخص کے تقرر کا جواز 140
    - تعیینِ خلیفہ کی درمیانی راہ 141
    - ارکان شوریٰ کی حقیقی تعداد 141
    - اہلِ شوریٰ 142
  - سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اپنے بعد والے خلیفہ کو وصیت 143
    - تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی ترغیب 146
    - سیاسی حوالے سے وعظ ونصیحت 147

- عسکری حوالے سے تذکیر و یاددہانی 147
- معاشی نقطۂ نظر سے پند و نصائح 148
- معاشرتی حوالے سے وعظ و نصیحت 148

شوریٰ کے نظم و نسق میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا کردار 150
- مجلسِ شوریٰ کا اجلاس 150
- سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی طرف سے ارکان شوریٰ کو...... 150
- انتخابی کمیٹی کی نظامت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سپرد 151
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اتفاق 152
- شوریٰ کے لائحۂ عمل کے نفاذ میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی...... 153

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کرنے والی مجلسِ شوریٰ کے بارے...... 155
- صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اقرباء پروری کا الزام 156
- اموی اور ہاشمی دھڑے 158
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب غلط اقوال 159
- سیدنا عمرو بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما پر الزام 159

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا جواز 160

قرآن آیات سے استدلال 160

احادیث مبارکہ سے استدلال 162

خلافتِ عثمان پر اجماع 167

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دینے کا حکم 173

● سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا طرزِ حکومت 174

عاملین، گورنروں، کمانڈروں اور عام لوگوں کے نام خطوط 175

- گورنروں کے نام پہلا خط 175
- فوجی کمانڈروں کے نام خط 177
- عمال کے نام خط 179
- عوام الناس کے نام خط 180

سلطنت کا دستورِ اعلیٰ 181
- پہلا مرجع اللہ کی کتاب 181
- دوسرا مرجع سنت مطہرہ 182
- تیسرا مرجع شیخین رضی اللہ عنہما کی اقتدا 182

خلیفۂ وقت کا محاسبہ 183

مجلس شوریٰ 183

عدل ومساوات 186

آزادی اور خودمختاری 187

احتساب 188
- زرد کپڑے پہننے پر تنقید 188
- دورانِ عدت حج وعمرہ کرنے والی عورتوں پر تنقید 188
- کبوتر ذبح کرنے کا حکم 188
- شطرنج پر پابندی 189
- شریر عناصر اور سرعام اسلحہ لہرانے والے کی جلاوطنی 189
- رسول اللہ ﷺ کے چچا کی توہین کرنے والے کو سزا 189
- شراب ام الخبائث ہے اس سے مکمل اجتناب کرو! 190
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خطبے اور نکات 190

* آخرت کی تیاری کے لیے خطبہ 190
* مکارمِ اخلاق کی تعلیم وتذکیر 191
* معروف حکیمانہ اقوال 191
◆ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور شعروشاعری 193
● ذاتی اوصاف ومکارم 196
○ علمی فضیلت اور عوامی تعلیم کی قائدانہ صلاحیت 197
◆ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول چند فرامینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 200
* قرآنی تعلیم وتعلیم کی اہمیت 200
* وضو کی اہمیت 201
* وضو میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع 201
* وضو کا گناہوں کے لیے کفارہ بننا 202
* وضو اور دو رکعت نماز گناہوں کی معافی کا سبب ہیں 202
* اخلاص اور تقویٰ کا کلمہ 203
* اللہ تعالیٰ کی معرفت دخول جنت کا باعث ہے 203
* نیکیاں اور باقی رہنے والے اعمال 203
* رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ منسوب کرنے پر زبردست وعید 205
○ حلم وبردباری 205
○ عالی ظرفی اور فراخ دلی 206
○ نرم خوئی 207
○ عفوودرگزر 208
○ عجزوانکسار 209

- حیا اور پاکدامنی 210
- جود وسخا 211
- بہادری 212
  - ★ غزوۂ بدر 212
  - ★ صلح حدیبیہ میں سفارت کے فرائض 212
  - ★ جان فدا کرنا 213
  - ★ مالی جہاد 213
- مستقل مزاجی اور دور اندیشی 214
- صبر وتحمل 216
- عدل وانصاف 217
- عبادت وریاضت 218
- محاسبۂ نفس اور خشیتِ الٰہی 219
- زہد وورع 221
- شکر وسپاس اور قدر شناسی 222
- لوگوں کے احوال کی خبر گیری 222
- ذمے داریوں کی تقسیم 223
- باصلاحیت لوگوں سے استفادہ 224

باب:3

محکمۂ مالیات اور عدالتی نظام

- ● محکمۂ مالیات 227

- مسندِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد مالی پالیسی کا اعلان 227
  - عام مالی پالیسی کا مقصد 228
  - محصولات کی وصولی کے معتدل طریقے 229
  - مسلمانوں کے ذمے بیت المال کے حقوق 231
  - بیت المال پر مسلمانوں کے حقوق 232
  - ادائے حقوق کا اہتمام 233
  - یتیم پر ظلم سے گریز 235
  - باوفا اور دیانت دار عمال 236
  - امت کے طرزِ زندگی پر آرام و آسائش کا اثر 237
  - سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کی پالیسیوں کا موازنہ 238
- زکاۃ کے قواعد وضوابط کی وضاحت کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی...... 238
  - قرض دیے ہوئے مال پر زکاۃ کا حکم 241
  - زکاۃ کا مال فلاحِ عامہ کے لیے 241
  - زکاۃ کی رقم سے مسافروں اور فقراء کے لیے کھانے کا بندوبست 242
  - مالِ زکاۃ سے مہمان خانوں کی تعمیر 242
  - بیت المال سے ہر غلام کے لیے وظیفہ 243
- مالِ غنیمت کا خمس 243
  - مال غنیمت میں بچے کا عدم استحقاق 244
  - مجاہد قاتل کو مقتول کافر کے سامان کا استحقاق 244
  - صرف ایک فتح میں حاصل ہونے والی غنیمت کی مالیت اور...... 246

- خمس سے عام اخراجات 247
- فتوحات پر خرچ کرنے کی کامیاب مالی پالیسی 247

عہد عثمان میں جزیہ کی عام تفصیلات 248

- بیت المال کو وصول ہونے والے جزیے کے چند نمونے 248
- رسول اللہ ﷺ کی شرائط پر اہل نجران سے مصالحت 249
- خلاصۂ کلام 250
- اہل کتاب جب تک جزیہ ادا کرتے رہیں گے مسلمانوں کی...... 250
- ریاست کے اخراجات میں ذمیوں کا استحقاق 251

خراج اور ٹیکس کی عام تفصیلات 253

- خراج 253
- تجارتی ٹیکس 253

اراضی الاٹ کرنے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی 254

سرکاری چراگاہوں کی پالیسی 258

عام اخراجات کی اقسام 259

- خلیفہ کے اخراجات 259
- بیت المال سے گورنروں کی تنخواہیں 259
- فوجیوں کی تنخواہیں 260
- بیت المال سے حج پر خرچ 260
- بیت المال سے مسجد نبوی کی ازسرِ نو تعمیر 260
- بیت المال سے مسجد حرام کی توسیع 261

◆ پہلے اسلامی بحری بیڑے پر خرچ 262
◆ بندرگاہ کے شعیبہ سے جدہ منتقلی پر اخراجات 262
◆ بیت المال سے کنووں کی کھدائی 262
◆ بیت المال سے مؤذنوں کی امداد 263
◆ اسلام کے اعلیٰ مقاصد کے لیے خرچ 263
◌ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں عطیات کا نظام 264
◌ معاشرتی اور اقتصادی زندگی پر مال و دولت کی فراوانی کا اثر 265
◌ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عزیز و اقارب اور بیت المال سے نوازشات...... 267
● **عدالتی نظام کے سلسلے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فقہی اجتہادات** 273
◌ دارالقضاء 277
◌ خلافتِ عثمانی کے مشہور قاضی 277
◆ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی قاضی بننے سے معذرت 277
◌ قصاص، حدود اور تعزیرات کے سلسلے میں اجتہادات 278
◆ قتل کا فیصلہ 278
◆ چوروں کا قتل 281
◆ تاجر کے قتل کا فیصلہ 282
◆ جادوگر کو سزا 282
◆ اندھے کی زیادتی کا عدمِ اعتبار 283
◆ باہم لڑنے والوں کا ایک دوسرے پر ظلم 283
◆ جانور پر زیادتی کی سزا 284
◆ حملہ آور پر زیادتی کا معاملہ 284
◆ مرتد کی توبہ اور حد 284

- ◆ میں نے قتل کیا ہے، کیا میری توبہ ہے؟ 285
- ◆ شراب کی حد 285
- ◆ اخیافی بھائی ولید بن عقبہ پر حد 286
- ◆ بچے پر چوری کی حد کا عدمِ نفاذ 287
- ◆ سزا کے طور پر قید کرنا 287
- ◆ تعریضاً تہمت لگانے پر حد 288
- ◆ بدکاری کی سزا 288
- ◆ جلاوطنی کی سزا 288
- ◆ سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کے جنازے پر کنٹرول 289

عبادات اور معاملات میں اجتہادات 290

- ◆ منیٰ اور عرفات میں پوری نماز 290
- ◆ جمعہ کی دوسری اذان کا اضافہ 293
- ◆ اسلام لانے کے بعد روزانہ غسل 295
- ◆ سجدۂ تلاوت 296
- ◆ شہروں اور مضافات میں نمازِ جمعہ 296
- ◆ خطبۂ جمعہ میں استراحت 296
- ◆ رکوع سے پہلے قنوت 297
- ◆ احکامِ حج کا سب سے زیادہ علم 297
- ◆ میقات سے پہلے احرام باندھنے کی ممانعت 297
- ◆ عدت گزارنے والی عورت کا حج وعمرہ 297
- ◆ حج تمتع کی ممانعت 298

- دورانِ حج شکار کے گوشت سے احتراز 299
- باہم قرابت دار خواتین سے بیک وقت نکاح کی کراہت 300
- رضاعت کے بارے میں فیصلہ 300
- خلع میں اجتہاد 300
- خاوند کی وفات پر اس کی بیوی کا سوگ 300
- حلالہ کی ممانعت 302
- نشے میں مدہوش شخص کی طلاق 302
- والد کا اپنے بیٹے کو ہبہ کرنا 303
- کم عقل پر مالی تصرف کی پابندی 303
- مفلس پر مالی تصرف کی پابندی 304
- مال سٹاک کرنے کی ممانعت 304
- گم شدہ اونٹوں کا مسئلہ 305
- مرض الموت میں طلاق دینے والے شخص کی بیوی کی وراثت کا حکم 307
- عدت ختم ہونے تک عورت کی وراثت کا مسئلہ 308
- حمیل (پچھ لگ) کی وراثت کا بیان 309

باب 4:

عہدِ عثمانی کی فتوحات

- عہدِ عثمانی کی فتوحات (تمہیدی کلمات) 311
- بلادِ مشرق کی فتوحات 312
- آذربائیجان 312

- رومیوں کے حملوں کو ناکام بنانے کے لیے اہل کوفہ کا کردار 315
- سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی طبرستان پر فوج کشی 316
- ایران کے بادشاہ یزدگرد کا خراسان کی طرف فرار 320
- شاہِ ایران یزدگرد کا قتل 324
- یزدگرد کے قتل کے بعد عیسائیوں کی اس سے ہمدردی 326
- سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی فتوحات 328
- دربند اور بلنجر کی جنگ 330
  - یزید بن معاویہ کی شہادت 330
  - عمرو بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی شہادت 331
  - کپڑوں پر خون کا داغ کتنا بھلا لگتا ہے! 331
  - یہ بھی تمھاری طرح مرتے ہیں 331
  - آلِ سلمان صبر کرو! 331
- اہلِ کوفہ اور اہلِ شام میں پہلا اختلاف 333
- 32ھ میں ابن عامر رضی اللہ عنہ کی فتوحات 334
- طخارستان، جوزجان وغیرہ کی اتحادی فوجوں اور احنف رحمہ اللہ کے لشکر 337
- احنف کی اہل بلخ سے صلح 341
- ابن عامر رضی اللہ عنہ کا نیشاپور سے احرام 343
- خراسان میں قارن کی شکست 343
- بلادِ مشرق کی فتوحات کے ایک قائد کا تذکرہ 346
  - احنف بن قیس رحمہ اللہ 346
    - نام و نسب اور خاندان 346

* حلم وبردباری 347
* عقل ودانش 348
* علم 349
* حکمت ودانائی 351
* فصاحت وبلاغت 352
* ایثار وقربانی 352
* امانت 252
* وقار وتمکنت 253
* ورع 254

● شام میں فتوحات 257
- فتوحات حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ 257
  ◆ فتوحات شام میں سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا کردار 35[illegible]
- سب سے پہلے بحری جنگ کی اجازت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دی 359
- جنگِ قبرص 361
  ◆ خودسپردگی اور صلح کی درخواست 365
  ◆ شام کے اسلامی بحری بیڑے کے قائد عبداللہ بن قیس رحمہ اللہ کا تذکرہ 366
  ◆ عبداللہ بن قیس کی شہادت سے ماخوذ احکام واسباق 368
  ◆ اہل قبرص کی عہد شکنی 369
  ◆ اللہ کی نافرمانی سے انسان کتنا گر جاتا ہے؟ 371
  ◆ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کا قبرص کی غنیمتیں تقسیم کیں 372

● مصر کے محاذ پر فتوحات 373

- اسکندریہ میں سرکشوں کی سرکوبی 373
- نوبہ کے شہروں کی فتوحات 379
- افریقیہ کی فتح 382
  - افریقیہ کی فتح میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بہادری 388
  - سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا کارنامہ 390
- معرکہ ذات الصواری 394
  - معرکے کی جائے وقوع 395
  - معرکہ کے واقعات 397
  - معرکہ ذات الصواری کے نتائج 402
- فتوحات عثمان رضی اللہ عنہ کے فوائد ونتائج 404
  - اللہ تعالیٰ کا مومنوں سے کیا گیا وعدہ پورا ہوا 404
  - جنگی طریقوں اور پالیسی میں تبدیلی 406
  - سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جاری کردہ لازمی فوجی بھرتی کا قانون برقرار رہا 406
  - مملکت اسلامیہ کی سرحدوں کی نگہبانی 407
  - اہل شام اور اہل عراق میں مالِ غنیمت کی تقسیم 411
  - دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کی وحدت کا تحفظ 412
  - لشکر کو صلح کی دفعات میں حسبِ ضرورت شرط عائد کرنے کی 412
  - دشمن کی سرگرمیوں پر نظر 413
  - عظیم سپہ سالار عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کا تعارف 413
  - سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ 417
  - حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کا تعارف 419

- امت کو ایک مصحف پر جمع کرنے کا عظیم دینی اور تاریخی کارنامہ 423
- کتابت قرآن کے مراحل 423
  - عہد نبوی میں کتابت قرآن 425
  - عہد ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں کتابتِ قرآن 427
    - تدوین کے دوسرے مرحلے سے ماخوذ چند نتائج 428
    - سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو تدوینِ قرآن کی ذمہ داری سونپنے...... 429
    - عہد نبوی اور عہد صدیق کی کتابت کے مابین فرق 429
  - عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں تدوینِ قرآن 430
    - فوائد 431
  - قرآن جمع کرنے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا صحابۂ کرام سے مشورہ 432
  - سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے جمع قرآن میں فرق 434
  - کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ مصاحف قراءت سبعہ پر مشتمل تھے؟ 436
  - مختلف شہروں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کے ارسال کردہ صحیفوں کی تعداد 438
  - مصحف عثمانی کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے 440
  - صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں اختلاف کی ممانعت کرنے والی آیات...... 443

باب 5:
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا انتظامی ڈھانچہ

- مملکتِ اسلامیہ کے صوبے اور ان کے گورنر 451
  - مکہ مکرمہ 453
  - مدینہ منورہ 453

- بحرین اور یمامہ 453
- یمن اور حضرموت 455
- شام 457
- آرمینیہ 458
- مصر 460
- بصرہ 462
- کوفہ 467

- **گورنروں کے بارے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی 475**
  - حکام کی نگرانی 477
    - حج کے لیے جانا 477
    - مختلف شہروں اور ریاستوں سے آنے والوں سے تفتیش 478
    - خلیفہ کے نام بعض لوگوں کے خطوط 478
    - تحقیقاتی خیموں کے ملک گیر دورے 478
  - براہ راست معلومات 479
  - ریاستوں سے وفود کی طلبی 479
  - گورنروں کی دارالخلافہ طلبی 479
  - گورنروں سے خط کتابت 479
- حکام اور گورنروں کے حقوق 481
  - امورِ خیر میں اطاعت 481
  - حکام کی خیر خواہی، ضروری نصیحتیں اور ہدایات 483
  - حاکم تک صحیح خبروں کی رسائی 483

◆ حاکم کے موقف کی تائید وحمایت 483
◆ معزولی کے بعد احترام 484
◆ گورنروں کی تنخواہ 484
گورنروں اور دیگر حکام کے فرائض 485
◆ دینی امور کا نفاذ 485
✱ دین اسلام کی نشر واشاعت 485
✱ نظامِ صلاۃ کا قیام اور امانت کی ذمہ داری 486
✱ دین اور شریعت کے اصولوں کی حفاظت 486
✱ مساجد کی تعمیر اور لائحۂ عمل 487
✱ حجاج کرام کے لیے سہولتوں کا اہتمام 487
✱ شرعی حدود کا قیام 488
◆ امن وامان کا قیام 488
◆ جہاد فی سبیل اللہ 489
✱ رضا کاروں کو میدانِ جہاد میں بھیجنا 490
✱ شہروں کا تحفظ 490
✱ دشمن کی جاسوسی 491
✱ جہادی گھوڑوں کی فراہمی 491
✱ بچوں کی تعلیم اور جہادی مشق 491
✱ فوج کا ریکارڈ 491
✱ معاہدوں کا نفاذ 492
◆ لوگوں کو معاشی تحفظ فراہم کرنے کے اقدامات 492

- عمال اور جملہ ملازمین کا تقرر 492
- ذمیوں کا خیال رکھنا 493
- ریاست کے بارے میں اہل حل وعقد سے مشورہ 493
- ریاست کی تعمیراتی ضرورتوں کا خیال 493
- شہریوں کے معاشرتی احوال کی دیکھ بھال 494
- گورنر کے اوقاتِ کار 495

● سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر 495

- معاویہ بن ابی سفیان بن حرب اموی رضی اللہ عنہما 499
  - ★ قرآن کریم کی روشنی میں 499
  - ★ سنت کے آئینے میں 500
  - ★ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نظر میں 501
  - ★ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی نظر میں 502
  - ★ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے تاثرات 502
  - ★ قاضی ابن العربی رحمہ اللہ کا اظہارِ خیال 502
  - ★ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ 503
  - ★ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی نظر میں 503
  - سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور روایتِ حدیث 504
- عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ 505
  - عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بصرہ میں معاشی اصلاحات 508
- سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ 511
  - شراب پینے پر سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر حد جاری کرنا 518

- سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ 521
- سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ 528
- مروان اور اس کا والد حکم رحمہ اللہ 532
- کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کا مال اپنے رشتہ داروں پر خرچ...... 536
- **سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے باہمی تعلقات** 541
- کیا سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن سبا سے متاثر تھے؟ 554
- عبداللہ بن سبا سے ملاقات کا واقعہ 555
- سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات اور اہل وعیال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں 557

باب 6:
شہادت عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے اسباب

- **شہادتِ عثمان کے واقعات اور اس کے اثرات، یعنی ......** 561
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں سے آگاہ فرمادیا تھا 569
- **شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے اسباب** 576
- ◆ خوشحالی اور معاشرے پر اس کے اثرات 583
- ◆ عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں معاشرتی تبدیلیوں کا انداز 588
- ✱ معاشرے میں رونما ہونے والی تبدیلیاں 590
- ✱ معاشرے میں تہذیبی تغیرات 597
- ✱ نئی نسل کا ظہور 599
- ✱ افواہوں کو معتبر سمجھنے کا مرض 601
- ◆ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بارعب شخصیت کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بننا 603

- مدینہ منورہ سے کبار صحابہ دوسرے شہروں میں منتقلی 604
- جاہلی عصبیت 606
- فتوحات کا رک جانا 607
- ورع کا غلط مفہوم 608
- جاہ و منصب کے خواہش مند لوگوں کی توقعات 609
- حاسدوں کی سازشیں 609
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام تراشیوں کو پھیلانے کی گھناؤنی سازش 611
- لوگوں کو برانگیختہ کرنے کے لیے مختلف وسائل و ذرائع کا استعمال 613

فتنہ انگیزی میں سبائیوں کا کردار 615

- سبائیت حقیقت یا افسانہ؟ 615
- شیعہ کی کتابوں میں ابن سبا کا تذکرہ 620
- فتنے کی تحریک میں عبداللہ بن سبا کا کردار 622

باب: 7

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

- فتنے کی چنگاریاں 630

کم ظرف کینہ پروروں کی سرگرمیاں 632

شرپسندوں کا سرغنہ عبداللہ بن سبا یہودی کے خفیہ کرتوت 633

فتنہ پرور لوگوں نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی مجلس میں فساد برپا کر دیا 636

راتوں کے بھوت گ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں 638

- دوبارہ نصیحت 643

◆ کوفہ کے شریروں کے بارے میں امیر المومنین کے نام 648

❊ شرپسندوں کی کوفہ واپسی اور جزیرہ کی طرف جلاوطنی 649

◆ فتنہ گروں کا اشج عبدالقیس پر افترا 651

◆ ابن سبا کا تحریک کے ایجنڈے کی حتمی شکل 652

◆ فتنہ گروں کے کارستانیوں کے وقت اہلِ کوفہ کے حالات 653

◆ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے پہلی سازش کچل دی 653

◆ یزید بن قیس کا جزیرہ میں مقیم شرپسندوں سے رابطہ 654

◆ فتنہ گروں کے سرغنہ کو قتل کرنے کی تجویز 655

◆ فتنہ گروں اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا آمنا سامنا 656

◆ فسادیوں کو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف سے اطاعت امیر کی نصیحت 658

◆ کوفہ کے خارجیوں کے نام سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خط 659

● فتنوں کے سد باب کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی 660

● مختلف علاقوں میں تحقیقاتی ٹیموں کی روانگی 660

● عوام الناس کے نام کھلا خط 663

● مختلف شہروں کے گورنروں سے مشورے 664

◆ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی دو تجاویز اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قبول کرنے 667

◆ شرپسندوں کی مدینہ آمد 668

● سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سبائیوں پر اتمامِ حجت 670

● سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سبائیوں کے بعض مطالبات تسلیم کر لیے 676

● فتنوں سے نبٹنے کے عثمانی ضابطے 677

تحقیق و تفتیش	677
عدل وانصاف کا التزام	677
حلم وبردباری اور ہوش مندی کا ثبوت	677
اتفاق واتحاد کی کوشش اورانتشار سے اجتناب	678
کثرت کلام سے پرہیز	678
علمائے ربانی سے مشورہ	678
فتنوں کے انسداد کے لیے رسول اکرم ﷺ کی احادیث سے رہنمائی	679
فتنہ پروروں کا مدینہ منورہ پر قبضہ	680
شرپسندوں سے مذاکرات کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روانگی	693
اہلِ مصر کے وفد کو قتل کرنے کا جعلی حکم نامہ	684
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ اور فتنہ پروروں کے سرغنے کے پیچھے	690
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور محاصرہ کرنے والوں کے مابین مذاکرات	691
سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے خلافت سے دستبردار نہ ہونے کا مشورہ	692
محاصرین کی طرف سے قتل کی دھمکی	694
صعصعہ کے غلط استدلال کا مدلل رد	695
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے فرامین نبویہ کی روشنی میں اپنے	697
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے دفاع کی	700
سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ	700
سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی پیش کش	701
سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ	702
سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی رائے	703

◆ سیدنا کعب بن مالک اور زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہما کی پیش کش 703
◆ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو واپس چلے جانے کا حکم 704
◆ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسلح ہو کر آ گئے 704
◆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کو تلوار اٹھانے کی ممانعت 704
◆ سلیط بن سلیط کے جذبات 705
◆ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ کی طرف نکل جانے کی تجویز مسترد کر دی 705
◆ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے جنگ سے کنارہ کشی کے اسباب 706
● امہات المومنین اور بعض دیگر صحابیات رضی اللہ عنہن کا موقف 708
◆ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا بال بال بچ گئیں 708
◆ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے لکڑی کا پل بنا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ...... 709
◆ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا باغیوں پر برہم ہو کر مدینہ سے چلی گئیں 710
◆ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابوبکر اور محمد بن جعفر کو روکا اور ٹوکا 711
◆ سیدہ صعبہ بنت الحضرمی رضی اللہ عنہا 713
● فتنے کے دوران 35ھ کا خطبۂ حج، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا آخری خطاب 714
◆ 35ھ خطبۂ حج 714
◆ کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنروں سے مدد طلب کی؟ 725
◆ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا آخری خطاب 726
● شہادت عثمان رضی اللہ عنہ 728
◆ محاصرے کی آخری رات اور خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت 729
◆ شہادتِ عثمان کے المناک مناظر 729

- ★ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ 735
- ★ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ 735
- ★ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ 736
- ★ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ 736
- ● تاریخِ شہادت، نمازِ جنازہ اور کفن دفن 737
  - ◆ تاریخِ شہادت 737
  - ◆ عمر مبارک 738
  - ◆ جسد خاکی، نماز جنازہ اور کفن دفن 739
  - ◆ محمد بن ابی بکر کے بارے میں ایک شبہے کا ازالہ 741
- ● شہادتِ عثمان کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف 743
- ● اہل بیت کی طرف سے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ سے بری ہونے کا اعلان 746
  - ◆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو برا کہنے والوں پر اللہ کی 746
  - ◆ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ 750
  - ◆ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما 755
  - ◆ سیدنا زید بن علی رحمہ اللہ 755
  - ◆ سیدنا علی بن حسین رحمہ اللہ 756
- ● سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا موقف 757
  - ◆ کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو پیٹا؟ 758
  - ◆ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ پر قتلِ عثمان اور ہنگامہ کرانے کا الزام 760
  - ◆ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی خونِ عثمان سے براءت 763
- ● سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خونِ عثمان رضی اللہ عنہ سے براءت 764

- شہادتِ عثمان کے بارے میں دیگر صحابہ کے تأثرات 767
  - سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ 767
  - سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما 767
  - سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا 768
  - سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ 768
  - سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ 769
  - سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ 769
  - سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ 769
  - سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما 769
  - سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ 769
  - سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما 770
  - سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ 770
  - سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما 771
- شہادت عثمان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فتنے 771
  - دوسروں پر ظلم و زیادتی دنیا و آخرت کی بربادی کا باعث ہے 772
  - شہادت عثمان پر عام مسلمانوں کے تاثرات اور حزنیہ اشعار 774
  - خلاصہ 779
  - اختتامیہ 795

626

629

عرض ناشر

آج کل سائنس کے انکشافات اور ٹیکنالوجی کے کمالات کے نتیجے میں جو قیامت خیز بم، ہلاکت بار طیارے اور آتش فشاں جنگی بیڑے وجود میں آ گئے ہیں، انھیں دیکھ کر ساری دنیا ہیبت زدہ ہوگئی ہے اور زندگی پر موت کا ہراس طاری ہے۔ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو بھی ٹھیک ایسی ہی صورت حال پیش آئی۔ انھیں اس دور کی سب سے بڑی طاقت قیصر روم نے چیلنج دیا مگر ان پر ذرہ بھر بھی خوف طاری نہیں ہوا۔ رومیوں کے پاس بہت بڑی تربیت یافتہ فوج تھی۔ جدید ترین تیر تھے جو اپنے ہدف پر پہنچ کر آگ لگا دیتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے پاس جدید ترین جنگی بیڑے تھے۔ رومی فوجیں جنگی بیڑوں پر سوار ہو کر سمندر کی موجوں کو چیرتی ہوئی دم بدم چلی آتی تھیں۔ مسلمانوں پر حملے کرتی تھیں اور صحیح سالم واپس چلی جاتی تھیں۔ اس صورتحال کے مقابلے کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان سے درخواست کرتے تھے کہ ہمیں جنگی بیڑے بنانے کی اجازت دی جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بوجوہ یہ اجازت نہیں دی۔ لیکن جب رومیوں کی جارحیت بڑھ گئی اور ان کی اشتعال انگیزی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے آئی تو ان کی رگوں میں غیرت وحمیت کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ مجاہدین اسلام جدید جنگی ہتھیاروں سے نابلد تھے۔ انھوں نے کبھی بحری جنگ بھی نہیں کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قادر مطلق پر بھروسہ کیا۔ درپیش صورتِ حال کا ایک مدبر جرنیل کی طرح جائزہ لیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص سے مشاورت کے بعد حکم دیا کہ مجاہدین اسلام کے لیے بھی بحری جنگ کی تربیت کا انتظام کیا جائے۔ جنگی بیڑے بنائے جائیں اور سمندر پار

کر کے دشمن کے دانت کھٹے کر دیے جائیں، مجاہدین نے امیر المومنین کی حکم کی اطاعت کی۔ بحری جنگ کے حربے سیکھے اور رومیوں پر جھپٹ کر ان کی قوت وہیبت کے سفینے ڈبو دیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فضائل و مکارم کا مجسمہ تھے۔ اگر آج امت مسلمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کے صرف اسی جراء تمندانہ پہلو سے ہمت، جراءت اور استقامت کا سبق سیکھ لے کہ وہ کس طرح سر بکف ہو کر اپنے عہد کی سب سے بڑی طاقت سے ٹکرا گئے تو آج مسلمانوں کے سارے درد اور درماندگیاں آسانی سے دور ہو سکتی ہیں۔

جب سے تاریخ کی صبح طلوع ہوئی ہے، سرمایہ و محنت کی جنگ جاری ہے۔ اس جنگ کا نہایت منصفانہ حل صرف اسلام نے پیش کیا ہے۔ سیدنا عثمان کا عہد خلافت سرمائے کی بہتات اور اس کی عادلانہ تقسیم کا آئینہ دار تھا۔ آپ کو ایک طرف بیرونی محاذ پر رومیوں سے واسطہ پڑا تو دوسری طرف اندرونی محاذ پر دولت کے فتنے سے سابقہ پیش آیا۔ آپ کے دور میں مجاہدین کی فتوحات کا تانتا بندھ گیا۔ یوں دیار عرب کے صحراؤں، ایران کے لالہ زاروں اور روم کے جزیروں سے خُمس خراج اور جزیے کی صورت میں دولت کے انبار لگا تار مدینہ منورہ پہنچتے رہے۔ سیدنا عثمان اس دولت کو مسلمانوں میں نہایت عادلانہ طور پر تقسیم فرماتے رہے۔ اس طرح عام لوگ بھی بہت امیر ہو گئے۔ دولت کی فروانی رنگ لائی۔ بے تحاشا دولت مند خاندانوں کے اکثر نوجوان فرزند عیش کے متوالے ہو گئے۔ وہ غُلیلیں بنانے لگے۔ کنکوے اڑانے لگے اور نبیذ کی شراب پینے لگے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یہ بے راہروی برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے کسی کا لحاظ نہ کیا۔ اپنے کمانڈروں کو حکم دیا کہ شراب پینے والوں کو شریعت کے مطابق کوڑے مارے جائیں۔ اس طرح جونہی امیر زادے نوجوانوں کی پٹائی ہوئی تو وہ اور ان کے سارے خاندان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو صرف احکام الٰہی کے پابند تھے وہ کسی کی خوشی یا ناراضی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ داخلی محاذ پر بے چینی کی یہ پہلی لہر تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پھیلی۔ دوسری طرف شکست خوردہ ایرانی اور رومی

مسلمانوں کے خلاف گھات لگائے بیٹھے تھے، انھوں نے عبداللہ بن سبا جیسے منافق اور بدباطن شخص کے جھنڈے تلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازشیں اور شرارتیں شروع کر دیں، ان لوگوں نے کوفہ میں اپنے اڈے بنائے اور خفیہ طور پر مختلف علاقوں میں سیدنا عثمان کے خلاف اقربا نوازی اور سرکاری خزانہ ہڑپ کرنے کا جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے لگے۔ داخلی اور خارجی محاذ کی یہ سرکش لہریں رفتہ رفتہ بے قابو ہو کر اس قدر تموج میں آگئیں کہ اپنے عہد کا سب سے بڑا مسلمان عثمان بن عفان جیسا خلیفۂ عادل اپنے ہی گھر میں انتہائی سفاکی سے شہید کر دیا گیا۔ یہ اتنا بڑا المیہ تھا کہ مسلمان آج تک اس کے اذیت ناک مؤثرات سے نجات نہیں پا سکے۔ سیدنا عثمان کا عہد خلافت بے شمار اسباق کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں عہدِ عثمانی کے تمام واقعات مستند حوالوں سے بیان کیے گئے ہیں اور ان کے ہر پہلو کا نہایت احتیاط سے جائزہ لیا گیا ہے۔ یوں اس کتاب میں امت مسلمہ کے ہر طبقے کے لیے رہنمائی کے سبق موجود ہیں۔ جب تک سورج طلوع وغروب کے مناظر دکھائے گا، سیرت عثمانی رضی اللہ عنہ کے اوراق دمکتے رہیں گے اور مسلمانوں کو یہ سبق دیتے رہیں گے کہ خلیفہ مظلوم نے دیارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پوری طرح ملحوظ رکھی۔ حریفوں کے خون کی ایک بوند بھی نہیں بہائی۔ انھوں نے باغیوں کی چمکتی ہوئی تلواروں کی چھاؤں میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے کرتے اس طرح جان دے دی کہ خود ان کے قاتل بھی شرما گئے۔

قرآن کریم کی اشاعت، جہاد کے معرکے، بحری بیڑوں کی تیاری، جنگی چالیں، سیاست کی گتھیاں، دولت کی منصفانہ تقسیم، سچائی، سخاوت، شفقت، امن عامہ کا اہتمام، عدل و انصاف کی فرمانروائی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شان کے علاوہ اور دیگر بے شمار سبق ہیں جو اس کتاب کی ہر سطر کے پیچ وخم میں اس طرح جھلملا رہے ہیں جس طرح گھٹاؤں میں بجلی چمکتی ہے۔ حکام اور عوام سمیت یہ کتاب سبھی کو پڑھنی چاہیے۔ اس کے مطالعے سے سبق آموزی اور عبرت پذیری کے وہ سارے راستے روشن ہو جائیں گے جن کی آج امتِ مسلمہ کو

اشد ضرورت ہے۔

اس کتاب کی ایک منفرد خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عہد عثمانی کی نہایت اہم معلومات اُجاگر کرنے والے 19 نادر نقشے شامل ہیں۔ یہ نقشے رفیق ادارہ جناب انور اعوان کی ہنرمندی کا نتیجہ ہیں۔ دارالسلام کے مخلص خادم جناب احمد کامران نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ پروف حافظ محمد نعمان فاروقی، حافظ محمد فاروق، حافظ سیف اللہ، مولانا ساجد الرحمٰن اور جناب حافظ محمد ندیم نے پڑھے ہیں، کمپوزنگ اور ڈیزائننگ میں جناب ابومصعب، محمد عامر رضوان نے اور تزئین جناب زاہد سلیم چوہدری نے کی ہے۔ مدیر دارالسلام جناب حافظ عبدالعظیم اسد کی شبانہ روز نگرانی کے نتیجے میں اب یہ کتاب منظر عام پر آرہی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاگو ہوں کہ یہ کتاب مسلمانوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسی صفاتِ جلیلہ پیدا کرنے کا باعث بنے۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

اکتوبر 2010 — مینجنگ ڈائریکٹر دارالسلام الریاض، لاہور

مقدمہ

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، وَ نَسْتَغْفِرُهُ، وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ۝﴾

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝﴾

زیر نظر کتاب میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت اور آپ کی خلافت کے عہد سعید کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب خلفائے راشدین کی سیرت کے بارے میں لکھی گئی کتابوں کے سلسلے ہی کی ایک کڑی ہے جن میں ان کے عہد کے حالات و واقعات بڑی تحقیق سے پیش کیے گئے ہیں۔ اس سیریز کا مقصد خلفائے راشدین کے عہد سے اسباق اور عبرتوں کا سامان فراہم کرنا اور معاشروں کی سرگرمیوں، سلطنتوں کی تشکیل، قوموں کی ترقی، قائدین کی تربیت اور دینِ اسلام کے مبلغین کی تعلیم و تربیت کے طریقوں اور قوانینِ الٰہیہ کا احاطہ کرنا ہے۔

اُمت مسلمہ جس طرح پہلے انسانیت کی قیادت کرتی رہی ہے، اسی طرح دوبارہ قیادت

کے منصب پر فائز ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلے۔ نبی اکرم ﷺ نے امت پر گزرنے والے تاریخی حوادث کے بارے میں چودہ سو برس پہلے ہی خبردار کر دیا تھا جن سے بعد میں امت کو واسطہ پڑنا ناگزیر تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَكُونُ النُّبُوَّةُ فِيكُمْ مَّا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ إِذَا شَاءَ أَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا عَاضًّا فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»

''جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا تم میں نبوت رہے گی، جب اللہ تعالیٰ اسے اٹھانا چاہے گا اٹھا لے گا، پھر نبوی منہج پر خلافت استوار ہوگی اور اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ جب اللہ تعالیٰ اسے اٹھانا چاہے گا اٹھا لے گا، پھر ایسی حکومت آئے گی جس میں ظلم وزیادتی کا دور دورہ ہوگا۔ وہ حکومت اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اٹھانا چاہے گا اٹھا لے گا، پھر خلافت علی منہاج النبوہ قائم ہوگی۔''[1]

عہدِ خلافتِ راشدہ اور منہاج النبوہ کی عملداری میں امت جن مقاصد اور اہداف کے حصول کی کوشش کرتی رہی، ان کی پہچان نہایت ضروری ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: «عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ»

''میری سنت کو لازم پکڑو اور (میرے بعد) میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مشعل راہ بناؤ۔''[2]

[1] مسند أحمد: 273/4، ومسند البزار، حديث: 1588 ورجاله ثقات. [2] سنن أبي داود، حديث: 4607، وجامع الترمذي، حديث: 2676.

خلفائے راشدین کے عہد کی تاریخ نہایت سبق آموز اور عبرتوں سے بھری ہوئی ہے۔ یہ عبرتیں اور مواعظ تاریخ، حدیث، فقہ، ادب، تفسیر اور اس کے علاوہ مراجع ومصادر کی مختلف کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان عبرتوں کو جمع کرکے مرتب کریں اوران کی تصدیق وتجزیہ کرکے ان سے رہنمائی حاصل کریں۔

تاریخ خلافت راشدہ کا سلیقے سے جائزہ لیا جائے تو یہ روحوں کو غذا بہم پہنچاتی ہے۔ انسانی نفوس کومہذب بناتی ہے، دلوں کو روشن کرتی ہے اور اعلیٰ ذہن سازی کا سامان فراہم کرتی ہے۔ اس سے حوصلے بلند ہوتے ہیں، عبرت وموعظت حاصل ہوتی ہے، نظریات میں پختگی آتی ہے اور خلافت کے اموراور حالات وحوادث واضح ہوتے ہیں، نیز خلفائے راشدین کی صفات، رعایا کا اخلاق، نظام حکومت، اس کی ترقی کے محرکات اور (بعد میں ہونے والے) زوال کے اسباب منظر عام پر آتے ہیں۔ اس کے مطالعے سے مستفید ہوکر ہم ایسی مسلمان نسل تیار کرسکتے ہیں جو نبوی منہج اور خلافتِ راشدہ کی فراست کی روشنی میں پروان چڑھے گی، نیز ہم اس دور کے لوگوں کی زندگی سے بھی آگاہ ہوسکیں گے جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

”اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبول اسلام میں) سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“[1]

[1] التوبة 9:100.

نیز فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾

’’محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع و سجود کرتے دیکھیں گے۔‘‘[1]

اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِي بُعِثْتُ فِيهِمْ......»

’’میری امت کا سب سے بہترین دور وہ ہے جس میں مجھے مبعوث کیا گیا ہے......۔‘‘[2]

ان کے بارے میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’اگر کوئی شخص کسی کی اتباع کرنا چاہتا ہے تو وہ فوت شدگان میں سے کسی کو اپنے لیے نمونہ بنائے، اس لیے کہ زندہ آدمی کسی بھی وقت فتنے میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اللہ کی قسم! محمد ﷺ کے ساتھی اس امت کے افضل ترین لوگ تھے، سب سے زیادہ پاکباز، نیک دل، راسخ العلم اور بے تکلف تھے۔ اس عظیم قوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے پسند فرمایا اور انھیں اقامت دین کا فریضہ تفویض فرمایا۔ ان کی فضیلت اور عظمت شان کو پہچانیے، ان کے نقش قدم پر چلیے اور ان کے اخلاق اور دین پر گامزن ہو جائیے کیونکہ وہ صراط مستقیم پر کاربند تھے۔‘‘[3]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلامی احکام کی عملی تشکیل کی اور اسے شرق و غرب میں ہر سو پھیلا دیا، سو ان کا زمانہ تمام زمانوں سے بہتر تھا۔ اُنھی نے امت کو قرآن مجید کی تعلیم دی اور رسول اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کو آگے نقل کیا۔ ان کی تاریخ وہ خزانہ ہے جس نے امت کے فکر و ثقافت، علم و جہاد، فتوحات اسلامی کی تحریک اور مختلف اقوام و ملل سے باہمی

[1] الفتح 29:48. [2] صحیح مسلم، حدیث: 2534. [3] شرح السنة للبغوي: 215,214/1.

روابط کا سرمایہ محفوظ کیا۔

تاریخ کے اس عظیم دور میں آپ کو ایسے رفیع الشان لوگ نظر آئیں گے جن کے طرزِ عمل سے زندگی کو صحیح ڈگر پر چلانے میں مدد ملتی ہے۔ اس بابرکت تاریخ کے مطالعہ سے آپ کو اس کے حقیقی پیغام اور لوگوں کی زندگی میں اس کے کردار کا بھی علم ہوگا۔

تاریخ اسلام مختلف عقائد و نظریات کے حامل اسلام دشمنوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا نشانہ بنی رہی ہے۔ دشمنانِ دین ہمیشہ اس میں رخنہ اندازی کی کوشش کرنے کے علاوہ اس روشن تاریخ کو داغدار کرنے میں مصروف رہے ہیں تاکہ نئی نسلوں کو دین اسلام، اس کے عقائد، شریعت، روایات اور علمی ورثے سے دور رکھا جائے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے وہ اسلامی معاشرے میں اختلاف و انتشار کا زہر پھیلانے کی مسلسل کوشش کرتے چلے آرہے ہیں۔

مستشرقین اور اس سے قبل رافضیوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص کے لیے ہر باطل روایت کو پھیلانے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کا مقصد اسلام کی نہایت شاندار تاریخ کو داغدار کرنا تھا۔ انھوں نے من مانے طور پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تاریخ سے یہ تصور اور تصویر پیش کرنے کی کوشش کی کہ یہ صرف اقتدار کی طلب اور سیادت و حکومت کے حصول کی کشمکش تھی۔ اس لیے ہر جھوٹے رافضی، کینہ پرور مستشرق، جاہل سیکولر اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہر مکار کی سازش سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنی لازوال تاریخ کا پوری قوت سے دفاع کرنا چاہیے۔ آج جھوٹے ''دانشوروں'' اور دین سے منحرف لوگوں کے نظریات کا پوسٹ مارٹم کرنے کی ضرورت ہے اور یہ مبارک کام بھرپور علمی حقائق، فیصلہ کن دلائل اور ناقابل تردید براہین پر مبنی ہونا چاہیے۔

نئی نسل کے لیے اسلامی تاریخ کو اہل سنت کے منہج کے مطابق ڈھالنے کی اشد ضرورت ہے۔ محققین اور مؤرخین نے اس کے لیے باقاعدہ کاوشیں شروع کردی ہیں۔ یہ کوئی بے فائدہ

یا معمولی کام نہیں ہے کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے (ان کے ذریعے سے) اپنے دین اور امت کی حفاظت کا بندوبست کر دیا ہے۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تاریخ کو محفوظ کرنے کے لیے ایسے رجالِ کار عطا کر دیے ہیں جو اس دور کے واقعات کی چھان بین کرتے ہیں اور جھوٹ کا پلندہ جمع کرنے والوں اور من گھڑت روایات تخلیق کرنے والوں کا پردہ چاک کرتے ہیں۔

یہ ساری کاوشیں محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں اور ان کا سہرا اہل سنت کے محدثین اور فقہائے کرام کے سر بندھتا ہے جن کی کتابیں صحیح روایات اور ایسے اشارات سے بھری پڑی ہیں جو جھوٹ کا پلندہ جمع کرنے والوں کی قلعی کھول دیتے ہیں اور حقائق کو بے نقاب کر کے ان کی دروغ گوئیوں کو نمایاں کرتے ہیں۔[1]

اس کتاب میں اہل سنت کے منہج کی پیروی کی گئی ہے اور اس کے لیے قدیم اور جدید مراجع ومصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد زریں کی تحقیق کے لیے صرف تاریخ طبری، ابن اثیر، ذہبی اور تاریخ کی دوسری مشہور کتابوں ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ کتب تفسیر، حدیث، شروحات، فرق ومذاہب، تراجم رجال، جرح وتعدیل اور فقہ کی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جن میں اچھا خاصا تاریخی مواد موجود ہے۔ اگر صرف معروف ومتداول مشہور تاریخی کتب ہی پر انحصار کیا جاتا تو اس تک رسائی ناممکن تھی، چنانچہ اس کتاب میں خلیفۂ راشد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سیرت اور حالات و واقعات کا ذکر اس حدیث سے شروع کیا گیا ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: «وَأَصْدَقُهَا حَيَاءً عُثْمَانُ» ''اور سب سے سچے حیا دار عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔''[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

[1] المنهج الإسلامي لكتابة التاريخ للدكتور محمد محزون، ص: 4. [2] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 604/1، إسناده صحيح.

بہت بڑی مقدار میں اپنا مال پیش کیا تو آپ نے فرمایا:

«مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ»

''آج کے بعد عثمان کا کوئی عمل اسے نقصان نہیں دے گا۔'' آپ نے یہ جملہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا۔[1]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے انھیں پہنچنے والی آزمائش اور مصیبت پر جنت کی بشارت دی۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ فتنوں کے دور میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کا ساتھ دیں۔ اس بارے میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّكُمْ تَلْقَوْنَ بَعْدِي فِتْنَةً وَّاخْتِلَافًا أَوِ اخْتِلَافًا وَّ فِتْنَةً، فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ مِّنَ النَّاسِ: فَمَنْ لَّنَا؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: عَلَيْكُمْ بِالْأَمِينِ وَأَصْحَابِهِ وَهُوَ يُشِيرُ إِلٰى عُثْمَانَ»

''تمھیں میرے بعد کئی طرح کے فتنوں اور اختلاف سے واسطہ پڑے گا۔'' یا فرمایا: ''اختلاف اور فتنوں سے واسطہ پڑے گا۔'' لوگوں میں سے کسی نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! ہم کس کا ساتھ دیں؟'' آپ نے فرمایا: ''تم امین اور اس کے ساتھیوں کا ساتھ دینا۔'' آپ کا اشارہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔''[3]

رسول اکرم ﷺ کے دور میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک مراتب کی تقسیم اس طرح تھی کہ سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

[1] جامع الترمذي، حديث: 3701. [2] صحيح البخاري، حديث: 3695. [3] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 550/1، إسناده صحيح.

«كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا، ثُمَّ عُمَرَ، ثُمَّ عُثْمَانَ، ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ»

''ہم نبی ﷺ کے زمانے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے بعد ہم نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں مقام ومرتبہ کے لحاظ سے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔''[1]

آپ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے شاعر نمیری کہتا ہے:

عَشِيَّةَ يَدْخُلُونَ بِغَيْرِ إِذْنٍ عَلٰى مُتَوَكِّلٍ أَوْفٰى وَ طَابَا
خَلِيلُ مُحَمَّدٍ وَّ وَزِيرُ صِدْقٍ وَرَابِعُ خَيْرِ مَنْ وَّطِئَ التُّرَابَا

''(ظالم لوگ) دن کے دوسرے حصے میں بغیر اجازت کے ایک متوکل، وفادار اور اچھے انسان پر داخل ہوئے جو محمد ﷺ کے پیارے دوست اور سچے وزیر اور زمین پر بسنے والوں میں سب سے بہتر لوگوں کے چوتھے درجے میں تھے۔''[2]

ابو محمد قحطانی آپ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

لَمَّا قَضٰى صِدِّيقُ أَحْمَدَ نَحْبَهٗ دَفَعَ الْخِلَافَةَ لِلْإِمَامِ الثَّانِي
أَعْنِي بِهِ الْفَارُوقَ فَرَّقَ عَنْوَةً بِالسَّيْفِ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ
هُوَ أَظْهَرَ الْإِسْلَامَ بَعْدَ خِفَائِهٖ وَ مَحَا الظَّلَامَ وَ بَاحَ بِالْكِتْمَانِ
وَمَضٰى وَخَلَّى الْأَمْرَ شُورٰى بَيْنَهُمْ فِي الْأَمْرِ فَاجْتَمَعُوا عَلٰى عُثْمَانَ

''جب احمد ﷺ کے دوست نے اپنی مدت پوری کی اور ان کی موت کا وقت قریب آ گیا تو انھوں نے خلافت امام ثانی کے سپرد کر دی۔ میری مراد سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھوں نے تلوار کے زور سے کفر اور ایمان کو جدا جدا کر دیا۔ انھوں نے اسلام

[1] صحيح البخاري، حديث: 3698. [2] البداية والنهاية: 206/7.

کے دب جانے کے بعد اسے غالب کیا اور تاریکیوں کو مٹا کر دبے ہوئے لوگوں کو نمایاں کر دیا۔ وہ (خلافت کا) معاملہ شوریٰ کے ذمے چھوڑ کر اِس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے، پھر اراکینِ شوریٰ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اتفاق کر لیا۔'' پھر بعد میں یہ کہا:

وَالْوَيْلُ لِلرَّكْبِ الَّذِينَ سَعَوْا إِلٰى عُثْمَانَ فَاجْتَمَعُوا عَلَى الْعِصْيَانِ

''ان سواروں کے لیے تباہی ہو جنھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور ان کے خلاف بغاوت اور نافرمانی پر متحد ہوئے۔''[1]

ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زندگی یقیناً امت مسلمہ کی تاریخ کا نہایت روشن باب ہے۔ آپ کی زندگی کے واقعات اور دورِ خلافت کے حالات کو اکٹھا اور مرتب و منظّم کر کے ان کی توثیق و تجزیہ کیا گیا ہے تاکہ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے امت محمدیہ کے افراد، علمائے کرام، مبلغوں، خطیبوں، سیاستدانوں، دانشوروں، کمانڈروں، حکمرانوں، طلباء اور عوام الناس کو خلیفۂ سوم کی سیرت بآسانی دستیاب ہو سکے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی میں اس سے استفادہ کریں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ان واقعات اور حالات کو نمونہ بنائیں۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ انھیں دونوں جہانوں میں کامیاب کر کے عزت سے نوازے گا۔

اس کتاب میں سیدنا ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے نام و نسب، کنیت، القاب اور خاندان کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جاہلیت اور اسلام میں آپ کے مقام و مرتبے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے دورِ آزمائش اور ہجرتِ حبشہ کا حال بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم سے محبت اور اس کی خدمت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور غزوات رسول میں آپ کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مدینہ منورہ کی معاشرتی زندگی اور مملکت اسلامیہ کی تعمیر و ترقی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے

[1] نونية القحطاني، ص:21-25.

زبردست اقتصادی تعاون کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں وارد احادیث، جن میں ان کے ساتھ ساتھ دوسرے صحابہ کے فضائل بھی ہیں، جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فتنۂ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کا تذکرہ بھی کردیا گیا ہے۔ سیدنا صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کے دور حکومت میں آپ جس مقام ومرتبے پر فائز تھے اسے بھی واضح کیا گیا ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر ہونے کی پوری داستان اور سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مجلس شوریٰ کے چیئرمین ہونے کی حیثیت سے اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی سرگزشت شرح وبسط سے بیان کی گئی ہے، نیز شوریٰ کے بارے میں رافضیوں کے باطل نظریات کا کافی شافی رد کیا گیا ہے اور نہایت مضبوط علمی اور منطقی دلائل کے ساتھ ان کا ابطال ثابت کیا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفۂ برحق ہونے اور آپ کی خلافت پر مسلمانوں کے اجماع ہونے کے بارے میں اہلِ علم کے اقوال بھی درج کیے گئے ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رعایا، گورنروں اور کمانڈروں کو جو خطوط لکھے ان سے آپ کے طرز حکومت، کارناموں اور پالیسیوں کا استنباط کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ نے مملکت کے اقتدار اعلیٰ کی کیا تشریح وتوضیح کی۔ اس کے ساتھ ہی خلیفہ کے انتخاب میں امت کے حقِ رائے دہی کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ نظامِ شوریٰ، عدل ومساوات اور آزادی کے قواعد وضوابط بیان کرنے کے علاوہ معاشرتی زندگی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

زیر نظر کتاب میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی چیدہ چیدہ قائدانہ صلاحیتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ آپ کی انیس (19) نمایاں خوبیوں کا خصوصی تذکرہ کیا گیا ہے۔ مزید برآں آپ کے اخلاق حمیدہ پر دلالت کرنے والے کارنامے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح اسلامی مملکت کے مالیاتی ادارے پر گفتگو کرتے ہوئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ مالیاتی پالیسی بھی بیان کی گئی ہے جو آپ نے برسر اقتدار آنے پر وضع کی۔ آپ کی خلافت کے عام مصارف،

گورنروں اور سپاہیوں کی تنخواہیں، حج کے انتظامی اخراجات، مسجد نبوی کی ازسرنو تعمیر اور توسیع حرم کے مصارف، پہلا اسلامی بحری بیڑا بنانے اور بندرگاہ کو شعیبہ سے جدہ منتقل کرنے، کنویں کھدوانے کے اخراجات، بیت المال سے پورے کیے جاتے تھے۔ مؤذنوں کی تنخواہیں بھی بیت المال ہی سے ادا ہوتی تھیں۔ معاشی ترقی کے معاشرتی اور اقتصادی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟ اس سوال کا خاص طور پر جائزہ لیا گیا ہے۔ اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اپنے اعزہ واقارب سے تعلقات اور صلہ رحمی کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سلسلے میں انھیں بیت المال سے نوازنے کی بے بنیاد اور من گھڑت روایات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ نظامِ عدل اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فقہی اجتہادات اور فقہی مسالک پر اس کے اثرات کے بارے میں بھی گفتگو کی گئی ہے۔

کتب تاریخ میں بکھرے ہوئے آپ کی فتوحات کے احوال یکجا کر دیے گئے ہیں۔ یہ حالات مشرق، بلادِ شام، مصر کے محاذ اور شمالی افریقہ کے علاقوں میں لشکروں کی پیش قدمی کے لحاظ سے بیان کیے گئے ہیں۔ پھر ان فتوحات کی تحریکوں سے فوائد، اور سبق آموز باتوں کا استنباط کیا گیا ہے جن میں سے چند یہ ہیں:

- مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر پکا یقین ہونا چاہیے۔
- جنگی سازوسامان اور سیاسی پالیسیاں حالات کے مطابق ہونی چاہئیں۔
- مملکت کی سرحدوں کی پوری حفاظت ہونی چاہیے۔
- دشمن کے خلاف باہمی اتحاد ہونا چاہیے۔
- جاسوسی کا مؤثر اور مستحکم نظام کامیاب مملکت کی بڑی مُستند پہچان ہے۔

اسی طرح چند اہم کمانڈروں، مثلاً: احنف بن قیس، عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی، سلمان بن ربیعہ باہلی اور حبیب بن مسلمہ فہری کے حالات زندگی بھی درج کیے گئے ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے زیادہ عظیم الشان اور قابل فخر کارنامہ امت کو ایک مصحف پر جمع کرنے کا اہتمام ہے، یہ کارنامہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور قرآن مجید کی کتابت

جن جن مراحل سے گزری ہے ان کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ جو چیز امت کو ایک مصحف پر جمع کرنے کا باعث بنی اس کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں مشورہ کرنے کی روداد بھی بیان کی گئی ہے۔ آپ نے جن جن شہروں میں جتنے مصحف بھیجے ان کا حوالہ دیا گیا ہے، اسی طرح جن آیات میں اختلاف سے روکا گیا ان کا جو مفہوم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا اس کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

مملکت اسلامیہ کے صوبوں میں امراء وعمّال کے تقرر کا کیا معیار تھا؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اپنے گورنروں کے بارے میں کیا پالیسیاں تھیں اور ان کے حقوق و واجبات کیا تھے؟ آپ ان کی نگرانی کس طرح کرتے تھے؟ اور ان کے بارے میں معلومات کے کیا ذرائع تھے؟

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے گورنروں کی خوبیاں اور کوتاہیاں بھی بتائی گئی ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سیدنا ابو ذر، سیدنا عمار اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ تعلقات کی صحیح نوعیت واضح کی گئی ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اسباب کی تفصیل اور اس فتنے کے واقعات کی تحقیق کی اہمیت بھی اجاگر کی گئی ہے۔ ہر سبب کا الگ الگ تذکرہ کیا گیا ہے، مثلاً:

- خوشحالی اور معاشرے پر اس کے اثرات
- معاشرتی تبدیلیوں کا انداز
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد برسر اقتدار آنا اور کبار صحابہ کا مدینہ منورہ سے باہر چلے جانا
- جاہلی عصبیت کا دوبارہ جاگ اٹھنا
- فتوحات کا رک جانا
- خود غرضی
- کینہ پرور لوگوں کی سازشیں اور مظلوم خلیفۂ راشد کی کمزوریوں کو اچھالنے کی منظّم تدبیر

❁ لوگوں کو بھڑکانے کے ہتھکنڈے
❁ فتنے بھڑکانے میں سبائیوں کا کردار
اور دیگر اہم اسباب پر گفتگو کی گئی ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فتنوں کی آگ بجھانے اور بگڑتے ہوئے حالات پر کنٹرول کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کیے ان کا تذکرہ بھی کیا گیا، مثلاً: تحقیقی اور تفتیشی کمیٹیوں کا قیام عمل میں لایا گیا، تمام علاقوں کی طرف ایک جامع خط تحریر کیا گیا جو تمام مسلمانوں کے لیے اعلانِ عام کے قائم مقام تھا (جس کا مقصد رعایا کو امن وامان میں رکھنے اور اپنی شکایات مرکز تک پہنچانے کی ہدایات تھیں۔) آپ نے تمام صوبوں کے گورنروں سے مشورے کیے، سرکش اور باغیوں پر حجت قائم کی اور ان کے بعض مطالبات تسلیم کر لیے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی فقہ کی روشنی میں فتنوں کے دور میں طرز زندگی کے ضوابط بھی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً:

❁ دین پر ثابت قدمی
❁ عدل وانصاف کا اہتمام
❁ حلم وبردباری اور سوچ بچار کے بعد قدم اٹھانا
❁ اتفاق واتحاد کی فضا قائم کرنا
❁ اختلاف وانتشار پیدا کرنے والے عوامل سے اجتناب
❁ خاموشی اختیار کرنا اور کثرت کلام سے گریز کرنا
❁ علمائے ربانی سے مشورہ
❁ فتنوں کے بارے میں وارد احادیث نبویہ سے رہنمائی حاصل کرنا

فتنہ پرور اور باغیوں کے مدینہ منورہ پر بالجبر قبضہ کرنے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کا خلیفۂ راشد کا دفاع کرنے کی روداد بھی لکھی گئی ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تاثرات اور موقف، نیز فتنوں کے بارے

میں منقول اقوال کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

یہ کتاب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت پر دلیل قاطع ثابت ہوگی اور پڑھنے والے کو پورا یقین ہو جائے گا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایمان، علم اور اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ آپ کی یہ عظمت آپ کے دینی فہم، دینی تعلیمات پر عمل، اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت مضبوط تعلق اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا نتیجہ تھی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار ان معزز شخصیات اور برگزیدہ ائمہ میں ہوتا ہے جن کی سیرت، اقوال اور افعال کو لوگ نمونہ بناتے ہیں۔ آپ کی سیرت ایمان کے حصول، صحیح اسلامی تعلق کو جاننے اور دینِ اسلام کو سمجھنے کا بڑا اہم ذریعہ ہے۔

اس لیے میں نے اپنے علم کے مطابق حتی الوسع کوشش کی ہے کہ آپ کی شخصیت اور آپ کے دور خلافت کا کوئی سبق آموز پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ مجھے معصوم ہونے کا دعویٰ ہے نہ اپنے آپ کو لغزش سے مبرا سمجھتا ہوں۔ یہ کام میں نے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ثواب کی غرض سے کیا ہے۔ اس کی تکمیل کے لیے اسی کی معاونت کا محتاج ہوں۔ اسی سے التجا ہے کہ وہ اسے نفع بخش بنائے۔ اسی کے اچھے اچھے نام ہیں اور وہی اپنے بندے کی پکار کو خوب سننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں اس کتاب کی تالیف سے 8 ربیع الثانی 1423ھ بروز بدھ بمطابق 18 جون 2002ء کو فارغ ہوا۔

میں اللہ تعالیٰ سے اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عُلیا کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کوشش کو خالص اپنی ذات کے لیے قبول فرمائے، اسے اپنے بندوں کے لیے نفع بخش بنائے، مجھے ہر ہر حرف کے بدلے نیکیاں عطا فرمائے، اسے میری نیکیوں کے میزان میں اضافے کا باعث بنائے اور اس حقیر کاوش میں دل و جان سے میری معاونت کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جن بھائیوں تک یہ کتاب پہنچے ان سے درخواست ہے کہ وہ اس فقیر الی اللہ کو جو اللہ کی رحمت، بخشش اور خوشنودی کا محتاج ہے، اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

آخر میں باری تعالیٰ سے دعا ہے:

﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾

''اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہے اور اس بات کی بھی کہ میں ایسے نیک کام کروں جو تو پسند کرے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔'' [1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

''اللہ لوگوں کے لیے (اپنی) رحمت سے جو کھول دے تو کوئی اسے بند کرنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اس کے بعد کوئی اسے بھیجنے (کھولنے) والا نہیں اور وہ غالب، خوب حکمت والا ہے۔'' [2]

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِينَ. سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَ أَتُوبُ إِلَيْكَ. وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

اللہ کی مغفرت، رحمت اور رضا کا خواستگار

علی محمد محمد صلابی

[1] النمل 19:27. [2] فاطر 2:35.

باب

1

سیرتِ عثمان رضی اللہ عنہ

✿ (قبل از خلافت)

نام ونسب، مقام ومرتبہ، قبول اسلام اور ہجرت حبشہ

نام ونسب، کنیت اور القاب

نام ونسب: عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی بن کلاب۔ ①

عبدمناف پر جا کر آپ کا نسب رسول اکرم ﷺ کے عالی نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام اروی بنت کُریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی تھا۔ ② آپ کی نانی ام حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب تھیں، یعنی رسول اکرم ﷺ کے والد بزرگوار کی حقیقی بہن تھیں۔

زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کے والد ماجد اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ گویا نبیِ کریم ﷺ کی پھوپھی زاد کے فرزند تھے اور نبیِ اکرم ﷺ آپ کی والدہ کے ماموں زاد تھے۔ آپ کی والدہ نے اسلام قبول کیا اور آپ ہی کے دور خلافت میں وفات پائی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خود کفن دفن کا انتظام کیا۔ ③ آپ کے والد محترم ظہور اسلام سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔

کنیت: قبل از اسلام آپ کو ''ابوعمرو'' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ نبیِ اکرم ﷺ کی مصاہرت میں آنے کے بعد جب آپ کی بیوی رقیہ بنت رسول اللہ کے بطن سے عبداللہ کی ولادت ہوئی

① الطبقات لابن سعد: 53/3، والإصابة: 377/4. ② التمهيد والبيان لمحمد يحيىٰ الأندلسي، ص: 19. ③ الخلافة الراشدة والدولة الأموية للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص: 388.

تو آپ نے اپنی کنیت ''ابو عبداللہ'' رکھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو ابو عبداللہ ہی کہہ کر پکارتے تھے۔ ①

لقب: آپ کا لقب ''ذوالنورین'' تھا۔ علامہ بدرالدین عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ مُہَلَّب بن ابوصفرہ سے پوچھا گیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کیوں کہا جاتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''اس لیے کہ ان کے علاوہ (تاریخ میں) کسی ایسے شخص کا ذکر نہیں ملتا جس نے نبی کی دو بیٹیوں سے شادی کی ہو۔'' ②

عبداللہ بن عمر بن اَبان جُعفی کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے ماموں حسین جعفی نے پوچھا: بیٹے! تمھیں معلوم ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کیوں کہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا: مجھے تو علم نہیں۔ انھوں نے کہا: تخلیق آدم سے لے کر آج تک سوائے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جس نے نبی کی دو بیٹیوں سے شادی کی ہو، اس لیے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ ③

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ رات کی نماز میں قرآن کی بہت زیادہ تلاوت کیا کرتے تھے اور قرآن اور رات کا قیام دونوں نور ہیں، اس لیے آپ کو ذوالنورین، یعنی دو نوروں والا کہا جاتا ہے۔ ④

ولادت: صحیح قول کے مطابق آپ عام الفیل کے چھ سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ⑤ ایک روایت کے مطابق آپ کی ولادت طائف میں ہوئی۔ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً پانچ سال چھوٹے تھے۔ ⑥

① التمهيد والبيان لمحمد يحيىٰ الأندلسي، ص: 19. ② عمدة القاري شرح صحيح البخاري: 201/16. ③ السنن الكبرىٰ للبيهقي: 73/7، قال الدكتور عاطف لماضة: خبر حسن. حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی مروی ہے کہ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کے لقب سے موسوم کیا، دیکھیے: (المعجم الكبير للطبراني: 89/1. ④ عثمان بن عفان ذوالنورين لعباس العقاد، ص: 79. ⑤ الإصابة: 377/4. ⑥ عثمان بن عفان لصادق عرجون، ص: 45.

حلیہ مبارک: آپ کا قد درمیانہ تھا۔ چھوٹے قد کے تھے نہ زیادہ لمبے۔ جلد ملائم تھی، ڈاڑھی گھنی اور لمبی تھی، اسے خضاب لگاتے تھے۔ سر کے بال بھی گھنے تھے۔ جسم کے جوڑ بڑے بڑے تھے اور کندھوں کا درمیانی فاصلہ زیادہ تھا، یعنی چوڑے کندھوں والے تھے۔

امام زہری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ درمیانے قد کے آدمی تھے۔ نہایت خوبصورت نورانی چہرہ، چمکتے دانت، گھنگریالے لمبے بال، سفید رنگ، باریک تلوار جیسی ناک، کشادہ ٹانگیں اور لمبے خوبصورت بازو، جنھیں ڈھانپ کر رکھتے تھے۔ اگرچہ سر کے اگلے حصے کے بال قدرے گرے ہوئے تھے لیکن کندھوں کو چھوتے ہوئے لمبے اور خوبصورت دکھائی دیتے تھے۔ صحیح بات یہی ہے کہ آپ کا رنگ سفید تھا، تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی رنگت گندم گوں تھی۔ [1]

خاندان

بیویاں: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آٹھ شادیاں کیں اور تمام نکاح قبولِ اسلام کے بعد کیے۔ آپ کی بیویوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(1) رقیہ بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ ان کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے۔

(2) ام کلثوم بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان سے نکاح کیا۔

(3) فاختہ بنت غزوان۔ یہ عتبہ بن غزوان کی بہن تھیں۔ ان کے بطن سے عبداللہ اصغر پیدا ہوئے۔

(4) ام عمرو بنت جندب الازدیہ۔ ان سے آپ کے چار بیٹے: عمرو، خالد، اَبان اور عمر اور ایک بیٹی مریم پیدا ہوئی۔

(5) فاطمہ بنت ولید بن عبد شمس بن مغیرہ مخزومیہ۔ ان سے آپ کے تین بچے: ولید، سعید

[1] تاریخ الطبري: 440/5، وصفة الصفوة لابن الجوزي: 295/1، وصحيح التوثيق في سيرة و حياة ذي النورين للدكتور مجدي فتحي السيد، ص: 15.

اور ام سعد پیدا ہوئیں۔

(6) ام البنین بنت عیینہ بن حصن فزاریہ۔ ان سے عبدالملک پیدا ہوئے۔

(7) رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ امویہ۔ ان سے تین بیٹیاں: عائشہ، ام ابان اور ام عمرو پیدا ہوئیں۔

(8) نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ۔ [1]

بیٹے: آپ کے ہاں پانچ بیویوں سے نو بیٹے پیدا ہوئے۔ اُن کے نام اور مختصر تعارف درج ذیل ہے:

(1) عبداللہ: یہ رقیہ بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بطن سے ہجرت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور رقیہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو انھیں بھی ساتھ لے گئے۔ مدینہ منورہ میں ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ ان کے چہرے پر آنکھ کے قریب مرغ نے چونچ ماردی۔ معمولی سا زخم چند روز میں پھیل گیا اور ان کا چہرہ ورم آلود ہو گیا حتی کہ اسی زخم کی وجہ سے 4 ھ کو چھ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ [2]

(2) عبداللہ الاصغر: ان کی والدہ فاختہ بنت غزوان تھیں۔

(3) عمرو: ان کی والدہ ام عمرو بنت جندب تھیں۔ آپ جوان ہوئے اور عمر کا وافر حصہ پایا۔ اپنے والد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے احادیث بیان کیں۔ ان کے شاگردوں میں علی بن حسین، سعید بن مسیّب اور ابوالزناد رحمہم اللہ کے نام شامل ہیں لیکن اُن سے صرف چند احادیث مروی ہیں۔ آپ نے رملہ بنت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے شادی کی اور 80 ھ میں وفات پائی۔

(4) خالد: یہ ام عمرو بنت جندب کے بطن سے پیدا ہوئے۔

(5) اَبان: ان کی والدہ بھی ام عمرو بنت جندب تھیں۔ کنیت ابوسعید تھی۔ فقہ کے بہت بڑے

[1] تاريخ الطبري: 441/5، والتمهيد والبيان لمحمد يحيىٰ الأندلسي، ص: 9، والأمين ذوالنورين لمحمود شاكر، ص: 364. [2] الأمين ذوالنورين لمحمود شاكر، ص: 365، والتمهيد والبيان لمحمد يحيىٰ الأندلسي، ص: 19.

امام مانے جاتے تھے۔ عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں سات سال تک مدینہ کے گورنر رہے۔ اپنے والد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے چند احادیث روایت کیں۔ ان میں سے ایک روایت جسے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''جس نے دن اور رات کے شروع میں تین مرتبہ یہ دعا پڑھ لی:

«بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ»

''شروع اللہ کے نام سے کہ نہیں نقصان دے سکتی اس کے نام کی برکت سے کوئی چیز زمین میں نہ آسمان میں اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''

تو اسے اس دن یا رات میں کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔

جب حضرت ابان رحمہ اللہ کو فالج ہوا تو انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں (اس روز) دعا پڑھنا بھول گیا تا کہ اللہ کی تقدیر مجھ پر لاگو ہو جائے۔''[1]

آپ کا شمار اپنے زمانے کے فقہائے مدینہ میں ہوتا ہے۔ 105ھ میں وفات پائی۔[2]

(6) عمر: ان کی والدہ ام عمرو بنت جندب تھیں۔

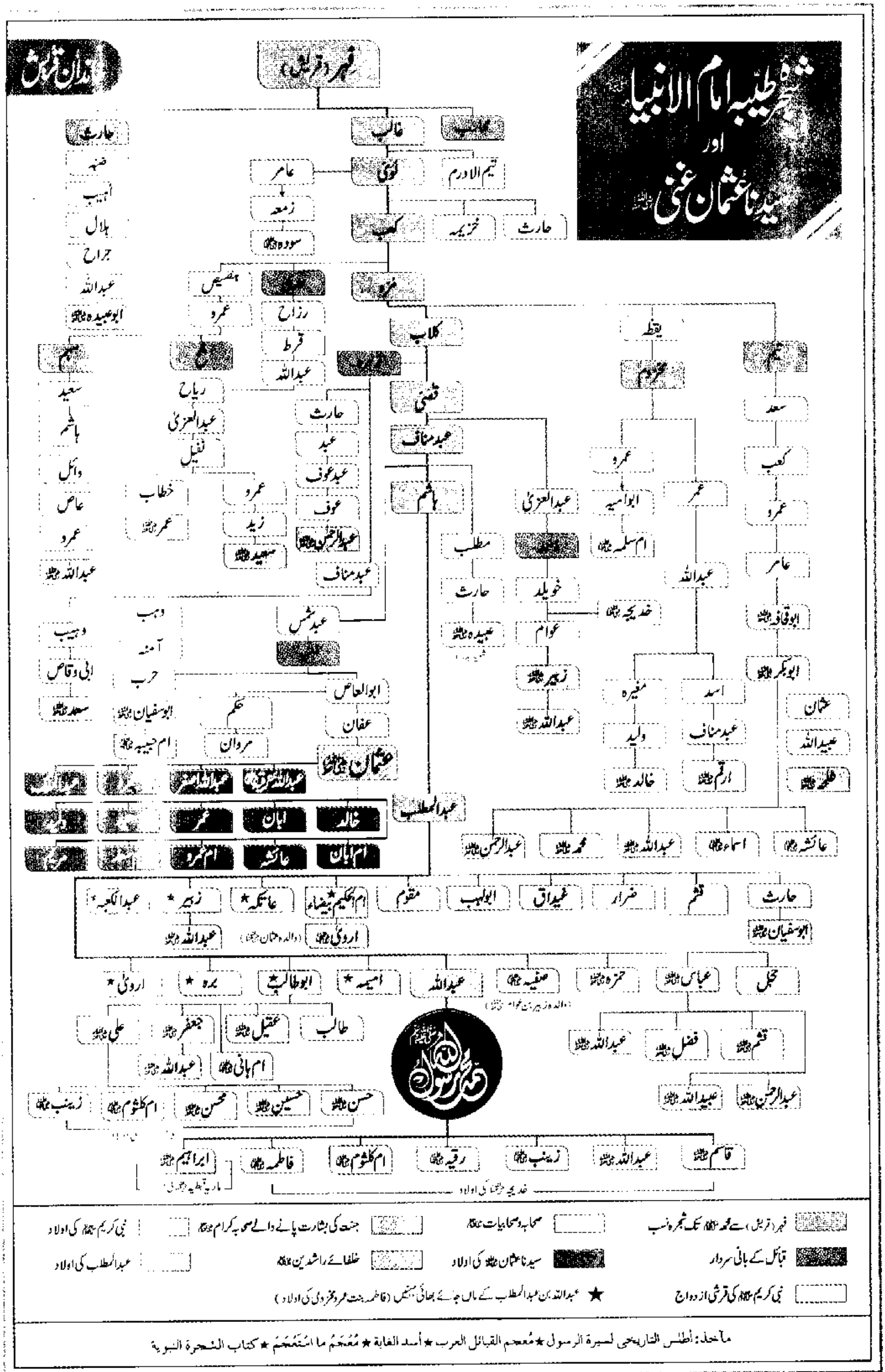
(7) ولید: ان کی والدہ فاطمہ بنت ولید بن عبدشمس بن مغیرہ مخزومیہ تھیں۔

(8) سعید: یہ بھی ولید کے حقیقی بھائی تھے۔ 56ھ میں سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے دورِ حکومت میں خراسان کے گورنر مقرر ہوئے۔

(9) عبدالملک: ان کی والدہ ام البنین بنت عیینہ تھیں۔ یہ صغرسنی ہی میں فوت ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ نائلہ بنت فرافصہ کے بطن سے بھی آپ کا ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عنبسہ تھا۔[3]

[1] سنن أبي داود، حديث:5088، وجامع الترمذي، حديث:3388، و مسند أحمد:66/1 واللفظ له. [2] سير أعلام النبلاء: 253/4، وتاريخ القضاعي، ص: 308. [3] الأمين ذوالنورين لمحمود...



شجرہ طیبہ امام الانبیاء ﷺ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ
خاندان قریش
فہر (قریش)
غالب
لؤی
عامر
تیم الادرم
زمعہ
سودہ رضی اللہ عنہا
کعب
خزیمہ
حارث
مرہ
ہصیص
عمرو
رزاح
قرط
عبداللہ
کلاب
یقظہ
مخزوم
تیم
سعد
کعب
عمرو
عامر
ابوقحافہ رضی اللہ عنہ
ابوبکر رضی اللہ عنہ
قصی
عبدمناف
ہاشم
عبدالعزیٰ
عمرو
ابوامیہ
ام سلمہ رضی اللہ عنہا
عمر
عبداللہ
مطلب
حارث
عبیدہ رضی اللہ عنہ
خویلد
خدیجہ رضی اللہ عنہا
عوام
زبیر رضی اللہ عنہ
عبداللہ رضی اللہ عنہ
مغیرہ
ولید
خالد رضی اللہ عنہ
اسد
عبدمناف
ارقم رضی اللہ عنہ
عثمان
عبیداللہ
طلحہ رضی اللہ عنہ
حارث
ضبہ
اہیب
ہلال
جراح
عبداللہ
ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ
سہم
سعید
ہاشم
وائل
عاص
عمرو
عبداللہ رضی اللہ عنہ
ریاح
عبدالعزیٰ
نفیل
خطاب
عمر رضی اللہ عنہ
عمرو
زید
سعید رضی اللہ عنہ
حارث
عبد
عبدعوف
عوف
عبدالرحمن رضی اللہ عنہ
عبدمناف
عبدشمس
وہیب
ابی وقاص
سعد رضی اللہ عنہ
وہب
آمنہ
حرب
ابوسفیان رضی اللہ عنہ
ام حبیبہ رضی اللہ عنہا
حکم
مروان
ابوالعاص
عفان
عثمان رضی اللہ عنہ
عبداللہ اصغر
عبداللہ اکبر
عمر
ابان
خالد
ام عمرو
عائشہ
ام ابان
عبدالمطلب
عبدالرحمن رضی اللہ عنہ
محمد رضی اللہ عنہ
عبداللہ رضی اللہ عنہ
اسماء رضی اللہ عنہا
عائشہ رضی اللہ عنہا
عبدالکعبہ
زبیر
عاتکہ
ام حکیم بیضاء
مقوم
ابولہب
غیداق
ضرار
قثم
حارث
ابوسفیان رضی اللہ عنہ
عبداللہ رضی اللہ عنہ
اروی رضی اللہ عنہا
(والدہ عثمان رضی اللہ عنہ)
اروی
برہ
ابوطالب
امیمہ
عبداللہ
صفیہ رضی اللہ عنہا
حمزہ رضی اللہ عنہ
عباس رضی اللہ عنہ
حجل
(والدہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ)
علی رضی اللہ عنہ
جعفر رضی اللہ عنہ
عقیل رضی اللہ عنہ
طالب
عبداللہ رضی اللہ عنہ
ام ہانی رضی اللہ عنہا
عبداللہ رضی اللہ عنہ
فضل رضی اللہ عنہ
قثم رضی اللہ عنہ
عبیداللہ رضی اللہ عنہ
عبدالرحمن رضی اللہ عنہ
محمد رسول اللہ ﷺ
زینب رضی اللہ عنہا
ام کلثوم رضی اللہ عنہا
محسن رضی اللہ عنہ
حسین رضی اللہ عنہ
حسن رضی اللہ عنہ
ابراہیم رضی اللہ عنہ
فاطمہ رضی اللہ عنہا
ام کلثوم رضی اللہ عنہا
رقیہ رضی اللہ عنہا
زینب رضی اللہ عنہا
عبداللہ رضی اللہ عنہ
قاسم رضی اللہ عنہ
ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا
خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اولاد
فہر (قریش) سے محمد ﷺ تک شجرہ نسب
صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم
جنت کی بشارت پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
نبی کریم ﷺ کی اولاد
قبائل کے بانی سردار
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد
خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم
عبدالمطلب کی اولاد
نبی کریم ﷺ کی قرشی ازواج
★ عبداللہ بن عبدالمطلب کے ماں جائے بھائی بہنیں (فاطمہ بنت عمرو مخزومی کی اولاد)
مآخذ: أطلس التاريخي لسيرة الرسول ★ معجم القبائل العرب ★ أسد الغابة ★ مُعجم ما استعجم ★ كتاب الشجرة النبوية

نقشہ: 1

بیٹیاں: آپ کی پانچ بیویوں سے سات بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(1) مریم بنت ام عمرو بنت جندب۔

(2) ام سعید بنت فاطمہ بنت ولید بن عبد شمس مخزومیہ۔

(3) عائشہ بنت رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ۔

(4) ام اَبان بنت رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ۔

(5) ام عمرو بنت رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ۔

(6) مریم بنت نائلہ بنت فرافصہ۔

(7) ام البنین، ان کی والدہ ایک لونڈی تھیں۔[1]

بہنیں: آپ کی حقیقی بہن آمنہ بنت عفان تھیں۔ قبل از اسلام وہ بالوں کی تزیین کاری (بیوٹی پارلر) کا کام کرتی تھیں۔ ان کی شادی ہشام بن مغیرہ کے حلیف حکم بن کیسان کے ساتھ ہوئی۔ سریۂ عبداللہ بن جحش میں حکم بن کیسان گرفتار ہو گئے اور مدینہ ہی میں اسلام قبول کر لیا۔ شرف صحابیت سے سرفرازی کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی پسند نہ کی حتی کہ بئر معونہ کے دن رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ یہ 4 ھ کی بات ہے۔ آمنہ بنت عفان تا حال مکہ ہی میں مقیم تھیں اور اپنے آباء و اجداد کے دین پر کار بند تھیں۔ اللہ نے جب

» شاکر، ص: 369، امام طبری اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک اور بیٹے عتبہ بن عثمان کا تذکرہ بھی کیا ہے جو ام البنین بنت عیینہ بن حصن سے تھا۔ دیکھیے: (تاریخ الطبری: 445/3، والبدایة و النهایة: 204/7). [1] التمهید والبیان لمحمد یحییٰ الأندلسي، ص: 20، سابقہ صفحات میں بیویوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی اولاد کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اور وہاں 5 بیٹیاں مذکور ہیں، لیکن یہاں پر کیونکہ صرف بیٹیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اس لیے تمام مذکورہ بیٹیوں کا تذکرہ موجود ہے۔ نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ کی اولاد کا تذکرہ وہاں موجود نہیں ہے۔ لیکن یہاں پر اُن کی بیٹی مریم بنت نائلہ کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اسے مریم العفری بھی کیا گیا ہے، دیکھیے: (التاریخ الإسلامي لمحمود شاکر: 214/3) اسی طرح امام طبری نے واقدی کے حوالے سے ایک اور بیٹی کا تذکرہ بھی کیا ہے جس کا نام ام البنین ہے۔ دیکھیے: (تاریخ الطبري: 445/3)

مسلمانوں کو مکہ مکرمہ کی فتح نصیب فرمائی تو اس وقت آمنہ نے بھی اپنی والدہ اور دوسری بہنوں کے ساتھ اسلام قبول کرلیا تھا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ انھوں نے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنے اور چوری اور بدکاری سے ہر ممکن اجتناب کرنے کا عہد اور بیعت کی تھی۔[1]

اخیافی (ماں جائے) بھائی: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی تین تھے:

(1) ولید بن عقبہ: ان کے باپ عقبہ بن ابی معیط کو غزوۂ بدر کے دن گرفتار کرنے کے بعد قتل کیا گیا، (اس لیے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمنوں میں سے تھا۔) ولید اور عمارہ صلح حدیبیہ کے بعد اپنی بہن ام کلثوم کو، جو مسلمان ہو کر مدینہ چلی گئی تھیں، واپس لانے کے لیے مدینہ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثوم کو واپس بھیجنے سے انکار کر دیا۔ ولید فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گیا۔

(2) عمارہ بن عقبہ: اس نے اسلام قبول کرنے میں کچھ تاخیر کی۔

(3) خالد بن عقبہ: (اس کے اسلام یا عدم اسلام کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکا)

اخیافی (ماں جائی بہنیں): آپ کی اخیافی بہنوں میں ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تھیں۔ مکہ مکرمہ میں اسلام لائیں، ہجرت کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کرنے والی یہ پہلی خاتون تھیں۔ ام حکیم بنت عقبہ اور ہند بنت عقبہ بھی آپ کی اخیافی بہنیں تھیں۔[2]

ایام جاہلیت میں آپ کا مرتبہ

ایام جاہلیت میں آپ کا شمار قوم کے برگزیدہ لوگوں میں ہوتا تھا۔ آپ بلند مرتبہ، مالدار، شیریں کلام اور شرم و حیا کے پیکر تھے۔ آپ کی قوم آپ کو نہایت محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ قبل از اسلام ظاہری و باطنی پاکدامنی کا یہ حال تھا کہ آپ نے کبھی کسی

[1] الأمین ذوالنورین لمحمود شاکر، ص: 346. [2] الأمین ذوالنورین لمحمود شاکر، ص: 354.

بت کو سجدہ کیا نہ بے حیائی کے مرتکب ہوئے نہ کبھی شراب پی بلکہ اس کی مذمت کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ عقل کو زائل کر دیتی ہے۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں میں عقل ہی سب سے اعلیٰ اور قیمتی چیز ہے۔ انسان کو چاہیے کہ عقل کے ذریعے سے بلندی حاصل کرے نہ کہ اپنے آپ کو تباہ و برباد کرے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ کو نوجوانوں کی محفلوں کی رنگینیاں اپنی طرف مائل کر سکیں نہ بے حیائی اور لہو ولعب کی مجلسیں آپ کو فریفتہ بنا سکیں۔[1]

اللہ تعالیٰ عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، انھوں نے اپنے بارے میں خود ہی یہ بتا کر ہمارے لیے ان کی تعریف آسان کر دی:

"میں نے کبھی گانا گایا نہ اس کی خواہش کی۔ جب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے دائیں ہاتھ سے کبھی شرمگاہ کو نہیں چھوا، جاہلیت اور اسلام دونوں ادوار میں کبھی شراب کے قریب نہیں پھٹکا۔ نہ کبھی بدکاری کا مرتکب ہوا۔"[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے مروجہ علوم، انساب، امثال اور تاریخ پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ شام، حبشہ اور دوسرے علاقوں کی طرف کثرت سے سفر کرتے تھے۔ اِس وجہ سے آپ غیر عرب قوموں کے اطوار، کلچر اور طرزِ بود و باش سے دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ واقف تھے۔[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے پیشے تجارت کو اپنایا اور اسے خوب ترقی دی حتی کہ آپ کا شمار بنو امیہ کے ان مالداروں میں ہونے لگا جن کی قریش کے نزدیک بڑی قدر و منزلت تھی۔ مکہ کے جاہلی معاشرے میں شرف و عزت کا معیار دولت تھی۔ دولت ہی کی بنا پر لوگوں کی تعظیم کی جاتی تھی۔ جس خاندان کے بیٹے اور بھائی زیادہ ہوتے تھے وہ خاندان

[1] موسوعة التاريخ الإسلامي لأحمد شلبي: 618/1. [2] حلية الأولياء لأبي نعيم الأصفهاني: 61,60/1، والخبر صحيح. [3] عبقرية عثمان للعقاد، ص: 72.

مضبوط مانا جاتا تھا۔ لوگ مرعوب رہتے تھے۔ آپ کو اپنی قوم میں بڑی عزت حاصل تھی۔ لوگ آپ کو محبت اور قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ کی عظیم خوبیوں نے آپ کو سب کا محبوب بنادیا تھا۔ آپ کی محبت لوگوں کے دل و دماغ میں کس قدر راسخ ہوگئی تھی؟ اس کا اندازہ اس انوکھے واقعے سے لگایئے کہ ایک مرتبہ آپ کے دور کی ایک عرب خاتون اپنے بچے کو لوری دیتے ہوئے کہہ رہی تھی:

«أُحِبُّكَ وَالرَّحْمٰنِ حُبَّ قُرَيْشٍ لِّعُثْمَانَ»

''رحمٰن کی قسم! میں تجھ سے اس طرح محبت کرتی ہوں جس طرح قریش عثمان سے محبت کرتے ہیں۔''[1]

قبولِ اسلام

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی، اس وقت آپ 34 برس کے تھے۔ آپ نے چون و چرا کیے بغیر فوراً سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر لبیک کہا اور حلقہ بگوش اسلام ہو کر سابقون الاولون کی صف میں کھڑے ہو گئے۔ ابو اسحاق کا بیان ہے: ''ابوبکر صدیق، علی اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کے بعد ایمان لانے والے عثمان رضی اللہ عنہ ہی تھے۔''[2]

اس طرح آپ مردوں میں اسلام قبول کرنے والے چوتھے شخص تھے۔ شاید آپ کے اسلام قبول کرنے کا سبب وہ واقعہ بنا جو آپ کو شام سے واپسی پر پیش آیا۔ آپ نے وہ واقعہ قبول اسلام کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا جب آپ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما دونوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی، قرآن کی تلاوت کی، اسلام کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا اور اللہ کے انعام و اکرام کا وعدہ فرمایا تو دونوں ایمان لے آئے اور تصدیق کی، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ

[1] موسوعة التاريخ الإسلامي لأحمد شلبي: 618/1. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 287/1-289.

کے رسول! میں حال ہی میں شام سے آیا ہوں۔ جب ہم معان اور زرقاء کے درمیان تھے تو ہم آرام کے لیے اترے اور ابھی نیم خوابیدگی ہی میں تھے کہ کسی نے آواز دی: ''اے سونے والو! بھاگو، مکہ میں احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہو چکا ہے۔'' ہم یہاں آئے تو آپ کے بارے میں سنا کہ اللہ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔[1]

ظاہر ہے اس طرح کا واقعہ ایک مثبت اثر چھوڑتا ہے اور آدمی متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، بالخصوص جب کھلی حقیقت اپنے سامنے دیکھ لے۔ بھلا ایسا کون ہوسکتا ہے جو بیرون شہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سنے، پھر اپنے شہر میں آئے اور سارے حوادث اور حقائق ٹھیک اسی طرح دیکھے جیسے اس نے سنے تھے اور پھر بھی قبولِ دعوت میں تامل کرے؟ کبھی نہیں! بڑے سے بڑا مخالف اور معاند بھی دعوت حق کو قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اگر کوئی دشمنی کا مظاہرہ کرے اور اس دعوت کو ٹھکرا دے تو اس کا ضمیر اس کے سینے میں ایک ہنگامہ برپا کیے رکھے گا یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئے یا ضمیر کی اس ملامت سے بچنے کے لیے موت کے منہ میں چلا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا فوراً اسلام قبول کرنا کوئی جذباتی اور احمقانہ فیصلہ نہ تھا بلکہ آپ نے پختہ یقین اور تصدیق قلب کے ساتھ بغیر کسی شک وشبہ کے یہ فیصلہ کیا تھا۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حسب عادت نہایت سنجیدگی سے اس نئی دعوت کا جائزہ لیا اور سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ عزت وشرف کی طرف دعوت ہے، رذائل کو دور پھینکنے کی دعوت ہے، اللہ کی توحید کے اقرار اور شرک سے اجتناب کی دعوت ہے، غفلت کو ترک کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی دعوت ہے، برے اخلاق چھوڑنے اور عمدہ اخلاق اپنانے کی دعوت ہے۔

(1) الطبقات لابن سعد: 55/3. (2) جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين للدكتور محمد السيد الوكيل، ص: 302.

پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کی طرف نظر دوڑائی تو وہ لوگ بتوں کی عبادت میں غرق نظر آئے۔ مردار کھانا، ہمسایوں سے بُرا سلوک کرنا، حرمتوں کی پامالی اور ناجائز خون بہانا ان کے مذہب کی نمایاں خصوصیات تھیں۔[1]

اب ایک طرف آپ کی قوم کا مذکورہ بالا مذہب، دوسری طرف صدق و وفا کے پیکر، مجسمۂ خیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کے قریب کبھی جھوٹ اور خیانت کی پرچھائیں بھی نہیں پھٹکی تھی جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلا رہے تھے، صلہ رحمی، حسن سلوک، نماز، روزے کا سبق دے کر شرک سے اجتناب کی دعوت دے رہے تھے۔[2]

آخر کار سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا اور ایمان میں برابر آگے بڑھتے گئے اور ایک مضبوط رہنما کی حیثیت سے سامنے آئے۔ آپ سنجیدہ اور خاموش طبع تھے۔ صبر و رضا کے پیکر عظیم اور سخی انسان تھے۔ شریف الطبع، نیک سیرت اور رحمدل تھے۔ غریبوں کی غم خواری اور کمزوروں کی مدد آپ کی زندگی کا اہم مقصد بن گیا تھا۔ آپ کا یہ فیض اسلام کے مضبوط ہونے تک بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہا۔[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے پر انھیں ان کی خالہ سُعدیٰ بنت کریز نے یوں خراج تحسین پیش کیا:

هَدَى اللّٰهُ عُثْمَانًا بِقَوْلِي إِلَى الْهُدٰى ... وَأَرْشَدَهُ وَاللّٰهُ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ

فَتَابَعَ بِالرَّأْيِ السَّدِيدِ مُحَمَّدًا ... وَكَانَ بِرَأْيٍ لَا يَصُدُّ عَنِ الصِّدْقِ

وَأَنْكَحَهُ الْمَبْعُوثُ بِالْحَقِّ بِنْتَهُ ... فَكَانَ كَبَدْرٍ مَازَجَ الشَّمْسَ فِي الْأُفُقِ

فِدَاؤُكَ يَا ابْنَ الْهَاشِمِيِّينَ! مُهْجَتِي ... وَأَنْتَ أَمِينُ اللّٰهِ أُرْسِلْتَ لِلْخَلْقِ

”اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ عثمان کو ہدایت دی۔ حق کی طرف رہنمائی

[1] مرويات العهد المكي لعادل عبدالغفور: 805/2. [2] فتنة مقتل عثمان للدكتور محمد عبدالله الغبان: 37/1. [3] عثمان بن عفان لصادق عرجون، ص: 53.

کی اور اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ انھوں نے اپنی صائب رائے کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی۔ وہ ایسی سوچ کے حامل تھے جو حق کو قبول کرنے سے نہیں روکتی، (پھر) رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ وہ ایسے ہو گئے جیسے افق میں چاند سورج کے ساتھ مل گیا ہو۔ اے رسولِ ہاشمی! میری جان آپ پر قربان ہو۔ آپ اللہ کے امین ہیں اور مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں۔‘‘ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر اہل اسلام نہایت خوش ہوئے۔ مسلمان ہونے کے بعد آپ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخوت ایمانی اور محبت کی کڑیاں نہایت مضبوط ہو گئیں، پھر اللہ تعالیٰ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے اسباب پیدا فرما کر آپ کو بہت بڑے اعزاز سے نواز دیا۔ اس معاملے کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کر دیا تھا لیکن ابھی رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ سورۂ لہب نازل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝ ﴾

’’ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور وہ ہلاک ہو گیا۔ نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے۔ عنقریب وہ ضرور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے، اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔‘‘ [2]

چنانچہ ابولہب اور اس کی بیوی نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں

[1] البداية والنهاية: 210/7. [2] اللهب 111:1-5.

کو طلاق دے دو، چنانچہ انھوں نے رخصتی سے پہلے ہی طلاق دے دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی دونوں بیٹیوں کی عزت اور ابولہب کے بیٹوں کی ذلت کا اعلان ہوگیا۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جونہی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی طلاق کی خبر سنی، فوراً رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیج کر رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ ﷺ نے یہ رشتہ منظور فرما لیا اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ خود ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انھیں رخصت کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خوبصورت شخصیت کے مالک تھے اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی حُسنِ سیرت اور حسنِ صورت میں بے مثل تھیں۔ رخصتی کے وقت اس مبارک جوڑے کو یہ خراجِ تحسین پیش کیا گیا:

أَحْسَنُ زَوْجَيْنِ رَآهُمَا إِنْسَانُ رُقَيَّةُ، وَ زَوْجُهَا عُثْمَانُ

''انسانی آنکھ نے جو خوبصورت ترین جوڑا دیکھا ہے وہ سیدہ رقیہ اور ان کے شوہر عثمان رضی اللہ عنہما کا جوڑا ہے۔''[2]

عبدالرحمٰن بن عثمان قُرشی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ اپنی بیٹی رقیہ کے ہاں تشریف لے گئے تو اُس وقت وہ عثمان رضی اللہ عنہ کا سر دھو رہی تھیں، آپ نے فرمایا:

«يَا بُنَيَّةُ! أَحْسِنِي إِلٰى أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ، فَإِنَّهُ أَشْبَهُ أَصْحَابِي بِي خُلُقًا»

''پیاری بیٹی! ابوعبداللہ کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔ کیونکہ اخلاق کے لحاظ سے میرے صحابہ میں یہی میرے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔''[3]

ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل دونوں یہ سمجھتے تھے کہ وہ آپ ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دلوا کر آپ کے گھر صف ماتم بچھوا دیں گے یا کم از کم آپ کو کمزور کر دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ

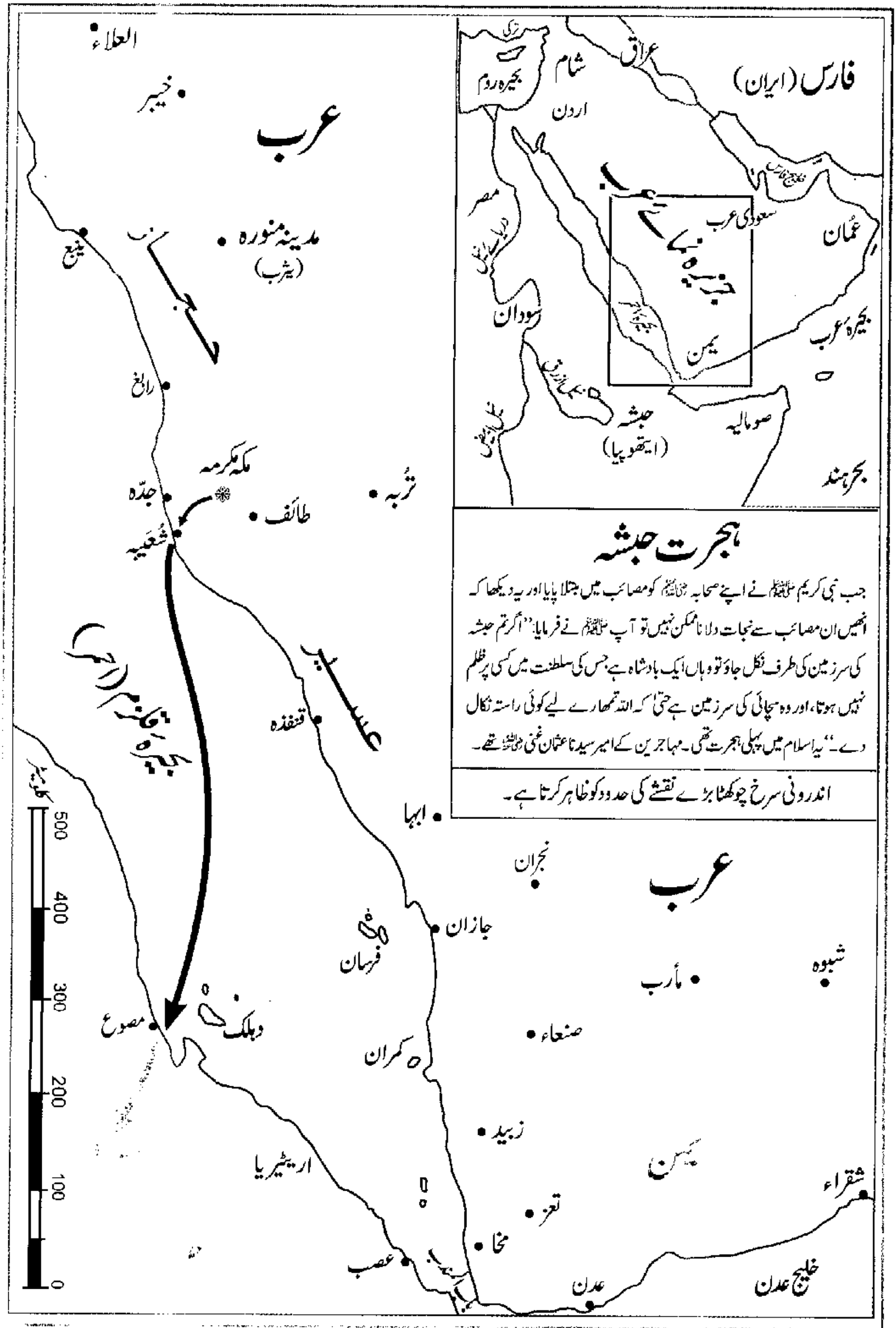
[1] ذوالنورين عثمان بن عفان لمحمد رشيد رضا، ص: 12. [2] أنساب الأشراف، ص: 89. [3] مجمع الزوائد: 81/9، حديث: 14500.

نے رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے لیے اس سے کہیں بہتر انتظام کر دیا اور دشمنانِ رسول کو ناکام و نامراد کر دیا اور وہ ہمیشہ کے لیے خیر سے محروم ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو اللہ تعالیٰ نے ان کے شر سے محفوظ رکھا اور اللہ کا فیصلہ پہلے سے طے شدہ ہے۔[1]

ہجرتِ حبشہ

ابتلا سنت ربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ افراد، جماعتوں، معاشروں، قوموں اور سلطنتوں کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے۔ ابتلا کے کڑے دور سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی گزرنا پڑا۔ انھوں نے ایسے مصائب جھیلے جو بڑے بڑے پہاڑوں کو بھی ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنا مال اور اپنا خون اللہ کے راستے میں پیش کر دیا۔ اللہ کے راستے میں پہنچنے والی ہر تکلیف خندہ پیشانی سے برداشت کی۔ اس آزمائش سے کمزور لوگوں کے ساتھ ساتھ با اثر مسلمانوں کو بھی گزرنا پڑا، لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ کے راستے میں سخت تکلیفیں دی گئیں، آپ کے چچا حکم بن ابو العاص بن امیہ نے آپ کو باندھ دیا اور کہا: ''تجھے اپنا آبائی دین چھوڑنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ اللہ کی قسم! تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین ترک نہیں کرے گا۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! یہ ممکن ہی نہیں کہ میں اس دینِ حق کو چھوڑ دوں۔'' جب حکم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی استقامت دیکھی تو انھیں چھوڑ دیا۔[2] تمام مسلمان سخت مصیبتیں جھیل رہے تھے۔ آزمائشیں آئے دن بڑھتی جا رہی تھیں اور اس وقت تو ان کی انتہا ہو گئی جب سیدنا یاسر اور ان کی بیوی سمیہ رضی اللہ عنہما کو بہیمانہ طور پر شہید کر دیا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس الم انگیز سانحے پر بے حد قلق ہوا۔ آپ اس فکر میں مبتلا ہو گئے کہ مسلمان کہاں جائیں؟ پھر آپ کو حبشہ کی سرزمین میں خیر نظر آئی تو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا:

[1] دماء علی قمیص عثمان للدكتور إبراهيم المنتاوي، ص: 84. [2] التمهيد والبيان للدكتور محمد يحيیٰ الأندلسي، ص:22.



ہجرت حبشہ

جب نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مصائب میں مبتلا پایا اور یہ دیکھا کہ انھیں ان مصائب سے نجات دلانا ممکن نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم حبشہ کی سرزمین کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک بادشاہ ہے جس کی سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، اور وہ سچائی کی سرزمین ہے حتیٰ کہ اللہ تمھارے لیے کوئی راستہ نکال دے۔'' یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔ مہاجرین کے امیر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔

اندرونی سرخ چوکھٹا بڑے نقشے کی حدود کو ظاہر کرتا ہے۔

نقشہ: 2

«لَوْ خَرَجْتُمْ إِلَى الْحَبَشَةِ، فَإِنَّ بِهَا مَلِكًا صَالِحًا لَا يُظْلَمُ عِنْدَهُ أَحَدٌ»

''اگر تم حبشہ چلے جاؤ تو وہاں ایسا نیک حاکم ہے کہ اس کی سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔''[1]

ہجرت شروع ہوئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بے گھر ہوتے دیکھا تو آپ حزن وملال کی تصویر بن گئے۔[2] مومنوں کا گروہ مکہ کو خاموشی سے خیر باد کہہ رہا تھا۔ کچھ لوگ مکہ سے سمندری سفر کے لیے روانہ ہو چکے تھے، کچھ پیادہ تھے اور کچھ سوار، ہنستے بستے گھروں کو چھوڑنے والے اس قافلے نے سفر جاری رکھتے ہوئے سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر بنالیا۔ تقدیر الٰہی نے ساتھ دیا۔ انھیں سمندر پر جاتے ہی دو بحری جہاز مل گئے۔ ہر آدمی کا کرایہ نصف دینار طے ہوا۔ جہاز سمندر کی موجوں سے کھیلتے ہوئے سفر شروع کر چکے تھے کہ اسی دوران مشرکین مکہ بھی ان کے تعاقب میں ساحل تک آپہنچے لیکن انھیں منہ کی کھانی پڑی۔[3]

ان داعیانِ حق میں، جنھوں نے حبشہ کی طرف پہلی اور دوسری ہجرت کی اور انھیں دین ہی سب سے بڑھ کر عزیز تھا، سرِ فہرست سیدنا عثمان اوران کی بیوی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا تھے۔ رجب 5 نبوی کو یہ قافلہ حبشہ پہنچا تو انھوں نے سکون کا سانس لیا۔ آزادی سے رب تعالیٰ کی عبادت کا موقع ملا اورامن وسکون سے رہنے لگے۔ قرآن مجید نے ان کی اس ہجرت کا تذکرہ یوں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝﴾

[1] الهجرة في القرآن الكريم للدكتور أحزمي، ص :290، والسيرة النبوية لابن هشام: 413/1.

[2] دماء على قميص عثمان للدكتور إبراهيم المنتاوي، ص: 15، والطبقات لابن سعد:204/1.

[3] الطبقات لابن سعد :204/1، وتاريخ الطبري:69/2.

''اور جن لوگوں نے ظلم وستم سہنے کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی تو ہم انھیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور یقیناً آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش کہ وہ جانتے ہوتے۔''[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ نے قتادہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں جن پر مشرکین مکہ نے ظلم ڈھائے اور انھیں مکہ سے نکال دیا۔ ان میں سے ایک گروہ حبشہ چلا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں دار الہجرت (مدینہ) میں ٹھکانا دیا اور ان کے مومن مددگار پیدا کر دیے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

''کہہ دیجیے: اے میرے مومن بندو! اپنے رب سے ڈرو، جنھوں نے اس دنیا میں اچھے عمل کیے ان کے لیے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین وسیع ہے، بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا پورا پورا اجر بے حساب دیا جائے گا۔''[3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اس سے مراد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ حبشہ ہجرت کرنے والے صحابہ ہیں۔''[4]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مبارک سفرِ ہجرت سے کئی سبق سیکھے۔ ان کے تجربات و مشاہدات کا ماحصل یہ ہے:

❁ مومنوں کا ظلم و استبداد کے خلاف ایمان پر ڈٹ جانا اور اپنے عقیدے کے لیے سب کچھ قربان کر دینا ان کے مخلص اور سچے مسلمان ہونے کی واضح دلیل ہے۔ انھوں نے اپنے آپ کو اتنا بلند اور اپنی ارواح کو اتنا پاکیزہ بنا لیا تھا کہ ان کے نزدیک اللہ کی رضا مندی

[1] النحل 16:41. [2] الجامع لأحکام القرآن: 10/107. [3] الزمر 39:10. [4] الجامع لأحکام القرآن: 15/240.

اتنی بڑی متاعِ عزیز تھی کہ اس کے آگے وہ شدید ترین جسمانی تشدد اور بڑے سے بڑے ظلم وستم کو بھی ہیچ اور ناقابل توجہ سمجھتے تھے۔ وہ نہایت مطمئن تھے۔ انھیں کوئی ملال نہ تھا، اس لیے کہ سچے مومنوں اور مخلص داعیوں کے نزدیک حقیقی غلبہ روح کا ہے، جسم کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ جسمانی لذت اور آسائش و آرام کی پروا کیے بغیر انھیں جہاں بھی روح کی غذا ملتی ہے وہ فوراً اس کی طرف لپکتے ہیں۔

یہی چیز تحریکوں کو جلا بخشتی ہے اور اسی جذبے سے بیشتر لوگ ظلم و جہالت کے اندھیروں سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں۔ [1]

❁ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے نرمی اور امت کے ساتھ شفقت اور پیار و محبت کا سبق سیکھا۔ یہ نرمی آپ کی زندگی کا بہت نمایاں اخلاق تھا لیکن خلافت کا بوجھ پڑنے کے بعد تو آپ بے حد نرم ہو گئے۔ آپ نے عرصۂ دراز تک نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت اور شفقت کا مشاہدہ کیا تھا، آپ خوب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سکون و آرام کے لیے کتنی تڑپ اور کیسی شدید خواہش رکھتے تھے۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو حبشہ بھیجنا صرف اس بنا پر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ظلم وستم برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اور واقعی اسی طرح ہوا جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، حبشہ پہنچ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے دین پر بے خوفی سے عمل کرنے کی آزادی نصیب ہوئی اور حبشہ کے بادشاہ نے انھیں بہت عزت دی۔ [2]

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ظلم و استبداد سے بچانے اور دعوتِ حق کے لیے موزوں اور پرامن ماحول فراہم کرنے کے لیے ہی حبشہ کا انتخاب کیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر زمانے کے مسلمان قائدین اور حکمرانوں کے لیے ایک سبق پیش کر دیا کہ انھیں

(1) السيرة النبوية للدكتور مصطفى السباعي، ص: 57. (2) الهجرة في القرآن الكريم للدكتور أحزمي، ص: 312.

حالات و واقعات کی کروٹوں کے پیش نظر حکیمانہ فیصلے کرنے چاہئیں اور دور رس نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے دعوتِ حق کے ارتقاء اور کارکنانِ دعوت کی حفاظت کی منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ اگر کسی جگہ دعوت کے پھیلنے میں کوئی رکاوٹ ہو تو وہاں صلاحیتیں ضائع کرنے کے بجائے کوئی مناسب جگہ تلاش کر لینی چاہیے۔ اس ہجرت میں مسلمان حکمرانوں کے لیے یہ بھی سبق ہے کہ اگر دارالحکومت میں خطرات امنڈ آئیں تو اس کے متبادل کوئی دوسری جگہ اور مرکز کی تلاش پیش نظر رہنی چاہیے جہاں قوت جمع کی جا سکے اور افراد کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے، اس لیے کہ مخلص مبلغین اور کارکن ہی حقیقی سرمایہ ہوتے ہیں۔ سمجھ دار حاکم انھیں بچانے اور محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور ان کے لیے امن اور سکون کی فضا مہیا کرنے کے بارے میں کسی کوتاہی کا ارتکاب نہیں کرتا۔ یہ اقدام اس لیے نہایت ضروری ہے کہ روئے زمین کے تمام کافروں اور مشرکوں کے مقابلے میں ایک مسلمان بے حد قیمتی ہے۔[1]

❁ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیرت نبوی سے یہ بات بھی سیکھی کہ تکالیف اور مصائب قائد کے رشتہ داروں اور قریبی دوستوں ہی کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ جس سربراہ حکومت کے رشتے دار اور دوست احباب ہر قسم کی پریشانیوں سے محفوظ ہوں لیکن عوام طرح طرح کی مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کر رہے ہوں، ایسی حکومت نبوی منہج کے خلاف ہے۔[2]

یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو لشکر کی اگلی صفوں میں لڑنے والے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے رشتہ دار تھے۔ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ افریقیہ[3] کی فتوحات میں پیش پیش تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عامر مشرق کی فتوحات

[1] التربية القيادية للدكتور منير الغضبان: 333/1. [2] التربية القيادية للدكتور منير الغضبان: 333/1، والسيرة النبوية للصّلابي: 348/1. [3] ابو عبد اللہ قصاعی کہتے ہیں کہ افریقیہ کا نام فارق بن بیصر بن حام بن نوح علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا۔ افریقیہ کی حدود طرابلس الغرب سے لے کر برقہ، اسکندریہ، بجایہ اور بلاد سوڈان تک وسیع ہیں۔ (معجم البلدان للبلاذري: 228/1) ماضی میں افریقیہ کی اصطلاح ◄◄

میں مصروف تھے۔ سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما اپنے اہل و عیال سمیت غزوۃ البحر کی مہم میں اسلامی لشکر کی قیادت کر رہے تھے۔ ان غزوات کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

❁ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس امت کے پہلے فرد ہیں جنھوں نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کی۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«صَحِبَهُمَا اللّٰهُ، إِنَّ عُثْمَانَ لَأَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ إِلَى اللّٰهِ بِأَهْلِهِ بَعْدَ لُوطٍ»

''اللہ ان دونوں کا حامی و ناصر ہو۔ بے شک عثمان رضی اللہ عنہ لوط علیہ السلام کے بعد پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ اللہ کی طرف ہجرت کی۔'' [2]

جب یہ خبر پھیلی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کرلیا ہے تو یہ بات مہاجرینِ حبشہ تک بھی پہنچ گئی۔ انھوں نے واپسی کا ارادہ کیا لیکن جب وہ مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ اہل مکہ کے اسلام قبول کرنے کی خبر جھوٹی ہے تو بعض اہل مکہ کی امان میں مکہ میں داخل ہوئے اور بعض حبشہ پلٹ گئے۔ واپس آنے والوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ [3]

پھر ہجرت مدینہ تک آپ وہیں مقیم رہے۔ آپ اسلام لانے کے بعد سوائے ہجرت یا کسی اور مہم کے ہمیشہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ صرف ناگزیر حالات میں آپ کسی ایسے اہم کام کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوتے تھے جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا اور کوئی

» طرابلس (لیبیا)، الجزائر، اور المغرب (مراکش) پر مشتمل شمالی افریقہ کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ آج کل عربی میں پورے براعظم افریقہ کو افریقیہ یا افریقیا کہا جاتا ہے۔ [1] الصواعق المرسلة لابن قيم الجوزية: 314/1. [2] المعرفة و التاريخ للفسوي: 268/3، ضعيف الإسناد. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 402/1.

دوسرا آدمی اسے انجام نہ دے پاتا۔ آپ دوسرے خلفائے راشدین کی طرح ہمیشہ رسول اللہ ہی کے ساتھ رہے۔ گویا انھیں مختلف محاسن اور معاشرتی شعور سے آگاہ و آراستہ کر کے یکے بعد دیگرے خاص طور پر خلافت کے لیے تیار کیا گیا تھا۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے کے بعد روز اول ہی سے تبلیغِ اسلام کی بڑی گہری لگن تھی، اس لیے آپ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے عام و خاص واقعات سے خوب آگاہ تھے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ساتھ رہے۔ ان کی زندگی کا کوئی پہلو ان سے مخفی نہیں تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کیا۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آپ اسلامی حکومت کی تاسیس اور قیام کے لوازم سے بخوبی آگاہ تھے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قرآن کریم سے گہرا لگاؤ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں ہوئی۔ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب اور حصولِ دین کا واحد ذریعہ ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے منبع دین ہونے پر بہت زور دیا ہے۔ کسی مسلمان فرد یا معاشرے کے لیے صرف قرآن ہی وہ دستور حیات ہے جس کی روشنی میں معاشرہ پروان چڑھ سکے۔ قرآن مجید کی ان آیات کریمہ نے، جو آپ نے براہ راست رسول اللہ سے سنی تھیں، دینی اعتبار سے آپ کی شخصیت سازی میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ان آیات نے آپ کے دل کو پاک صاف کر کے آپ کے کردار کو نہایت پاکیزہ بنا دیا۔ آپ کی روح ان سے ہم آہنگ ہوگئی، یوں آپ بہت باشعور، بیدار مغز اور ایک عظیم انسان بن کر سامنے آئے۔[3]

[1] عثمان بن عفان للعقاد، ص: 80. [2] عثمان بن عفان للعقاد، ص: 78. [3] السيرة النبوية للصلابي: 145/1.

قرآنِ کریم سے لگاؤ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے شب و روز قرآن کریم کی تلاوت میں گزرتے تھے۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی نے آپ کے قرآن سیکھنے کے متعلق کئی اقوال بیان کیے ہیں، ان اقوال سے آپ کی قرآن کریم سے بہت گہری محبت کا پتہ چلتا ہے۔

ابوعبدالرحمٰن کہتے ہیں: ''ہمیں ہمارے اساتذہ سیدنا عثمان بن عفان اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بتایا کہ جب وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں سیکھ لیتے تھے تو ان کا مطلب، معانی اور مفہوم سمجھے اور ان پر عمل کیے بغیر مزید آیات نہیں سیکھتے تھے۔''

ہمارے اساتذۂ کرام کہا کرتے تھے: ''ہم نے قرآن، علم اور عمل تینوں چیزیں اکٹھی سیکھی ہیں۔''

اسی لیے وہ ایک ایک سورت کو سیکھنے کے لیے بڑا وقت صرف کرتے تھے۔[1] اور یہ اس لیے تھا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾

''(یہ قرآن) ایک کتاب ہے، ہم نے اسے آپ کی طرف نازل کیا، بڑی برکت والی ہے تاکہ وہ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل مند (اس سے) نصیحت حاصل کریں۔''[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

«خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»

''تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔''[3]

[1] الفتاوٰی لابن تیمیة: 177/13. [2] صٓ 29:38. [3] صحیح البخاري، فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلّمه، حدیث: 5027.

حفظ قرآن کا اہتمام

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے آپ کو پورا قرآن سنایا تھا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد جنھیں آپ نے قرآن سکھایا، ابوعبدالرحمٰن سلمی، مغیرہ بن ابی شہاب، ابوالاسود اور زِر ابن حُبیش ہیں۔ [1]

قرآن کریم کے بارے میں چند اقوال

قرآن کریم کی فضیلت واہمیت کے بارے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مندرجہ ذیل اقوال منقول ہیں:

آپ نے فرمایا: ''اگر ہمارے دل پاک صاف ہوں تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے کبھی سیر نہ ہوں۔'' [2]

نیز فرمایا: ''مجھے ہرگز گوارا نہیں کہ میرا ایک دن بھی ایسا گزرے جس میں اللہ کے عہد، یعنی قرآن مجید کو نہ دیکھ لوں۔'' [3]

آپ نے فرمایا: مجھے تین چیزیں بہت پسند ہیں:

① بھوکوں کو کھانا کھلانا۔

② بے لباس لوگوں کو کپڑے پہنانا۔ اور

③ قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔ [4]

مزید فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں جن کا ظاہر فضیلت اور باطن فرض ہے:

① نیک سیرت لوگوں کی صحبت فضیلت کا باعث ہے اور ان کی اقتدا کرنا فرض ہے۔

② قرآن کریم کی تلاوت کرنا بڑی فضیلت اور اس پر عمل کرنا فرض ہے۔

① تاريخ الإسلام للذهبي، ص: 467. ② الفتاوٰى لابن تيمية: 122/11، والبداية والنهاية: 225/7.
③ البداية والنهاية: 225/7، وفرائد الكلام لقاسم عاشور، ص: 275. ④ إرشاد العباد للاستعداد ليوم المعاد لعبد العزيز السلمان، ص: 88.

③ قبروں کی زیارت باعث فضیلت اور موت کی تیاری کرنا فرض ہے۔

④ مریض کی عیادت کرنا فضیلت اور اس سے وصیت طلب کرنا فرض ہے۔ ①

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: دس چیزیں سب سے زیادہ ضائع ہونے والی ہیں:

① عالم جس سے سوال نہ کیا جائے۔ ② علم جس کے مطابق عمل نہ کیا جائے۔

③ درست رائے جسے قبول نہ کیا جائے۔ ④ اسلحہ جسے استعمال نہ کیا جائے۔

⑤ مسجد جس میں نماز نہ پڑھی جائے۔ ⑥ مصحف جس سے تلاوت نہ کی جائے۔

⑦ مال جس سے خرچ نہ کیا جائے۔ ⑧ گھوڑا جس پر سواری نہ کی جائے۔

⑨ دنیا کے طلب گار کے پیٹ میں زہد کا علم۔ ⑩ لمبی عمر جس میں آخرت کی تیاری نہ ہو۔ ②

کثرتِ تلاوت

آپ حافظ قرآن تھے۔ قرآن پاک کو ہر وقت حرز جان بنائے رکھتے تھے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

"یہ قرآن مبارک ہے۔ اسے مبارک نبی لے کر آئے ہیں۔" ③

آپ کی وفات کے وقت آپ کا مصحف کثرت تلاوت کی وجہ سے پھٹ چکا تھا۔ ④

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نے بلوائیوں کے حملے کے دن کہا تھا: "انھیں قتل کرو یا چھوڑ دو، اللہ کی قسم! یہ ساری رات ایک رکعت میں قرآن پڑھتے پڑھتے بسر کرتے ہیں۔" ⑤

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کے صحیح مصداق تھے:

﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ﴾

① إرشاد العباد للاستعداد ليوم المعاد لعبد العزيز السلمان، ص: 90، وفرائد الكلام لقاسم عاشور، ص: 278. ② إرشاد العباد للاستعداد ليوم المعاد لعبد العزيز السلمان، ص: 91، و فرائد الكلام لقاسم عاشور، ص: 278. ③ البيان والتبيين للجاحظ: 177/3، وفرائد الكلام لقاسم عاشور، ص: 273. ④ البداية والنهاية: 225/7. ⑤ البداية والنهاية: 225/7.

"کیا (یہ مشرک بہتر ہے یا وہ) جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے اور قیام کرتے ہوئے عبادت و فرمانبرداری کرنے والا ہے، جبکہ وہ آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہے؟ کہہ دیجیے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے، برابر ہو سکتے ہیں؟ بس عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔"[1]

قرآنی طرزِ زندگی

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآنی طرزِ زندگی اختیار کیا اور اس مقصد کے لیے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیے۔ آپ نے ایک اللہ کی عبادت کا تصور قرآن مجید سے اخذ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات کریمہ کے معانی آپ کو ذہن نشین کرائے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کے صحیح تصور سے آگاہ کرنے کا خاص خیال رکھا۔ ظاہر ہے، اگر فطرت سلیم ہو اور دل پاک صاف ہو تو اللہ رب العزت کا صحیح تصور ایمان و یقین کے پہاڑ کھڑے کر دیتا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی اور دوسری ابدی حقیقتوں، مثلاً: فنا پذیر زندگی، جنت، جہنم، قضاء وقدر، انسان کی حقیقت اور شیطان سے اس کے جھگڑے کے بارے میں تمام تر نقطۂ نظر قرآن کریم اور سیرت نبوی سے ماخوذ تھا۔

آپ کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے نقائص اور عیوب سے مبرا ہے اور لامحدود اوصاف و کمالات کا مالک ہے۔ وہ پاک ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اس کی کوئی بیوی نہیں۔ اس کی کوئی اولاد نہیں، وہ ہر قسم کے سہاروں سے بے نیاز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبودیت اور توحید کا تصور قرآن کریم میں صاف صاف بیان کر دیا ہے۔[2]

جہاں تک کائنات کے بارے میں آپ کے نقطۂ نظر کا تعلق ہے تو وہ آپ نے اِس ارشاد باری تعالیٰ سے اخذ کیا:

[1] الزمر 39: 9. [2] منهج الرسول في غرس الروح الجهادية للدكتور السيد محمد نوح، ص: 10-16.

﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ ○ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○﴾

”آپ کہہ دیجیے: کیا تم واقعی اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ تو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر مضبوط پہاڑ بنائے اور اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں (رہنے والوں کے لیے) اس کی غذاؤں کا (ٹھیک) اندازہ کیا، محتاجوں کے لیے یکساں طور پر (یہ سارا کام) چار دنوں میں (مکمل ہوا)، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ دھواں تھا، تب اللہ نے اس سے اور زمین سے کہا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے آؤ تو ان دونوں نے کہا: ہم دونوں خوشی خوشی حاضر ہیں، پھر (اللہ نے) ان کو دو دنوں میں سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اس کا کام الہام کر دیا اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت بخشی اور (اس کی خوب) حفاظت کی، یہ نہایت غالب، خوب جاننے والے کی تدبیر ہے۔“[1]

ان کا نظریہ تھا کہ دنیاوی زندگی چاہے کتنا ہی طول پکڑ جائے بہرحال فانی ہے اور آخرت کے مقابلے میں اس کے سامان کثیر کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ وہ نہایت قلیل اور حقیر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] حٰمٓ السجدۃ 41:9-12.

﴿ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ أَتٰىهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

''بے شک دنیاوی زندگی کی مثال اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ساتھ زمین کی نباتات مل جل گئیں جس میں سے انسان اور چوپائے کھاتے ہیں حتی کہ جب زمین نے اپنی رونق پکڑی اور مزین ہوگئی اور زمین والوں نے سمجھا کہ بے شک وہ اس (فصل کاٹنے) پر قادر ہیں تو ہمارا حکم (عذاب) رات یا دن کو (اچانک) آ گیا، چنانچہ ہم نے اسے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیا، گویا کل وہ تھی ہی نہیں، اسی طرح ہم (اپنی) آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''[1]

جنت کے بارے میں بھی آپ کے عقائد ونظریات قرآن مجید سے ماخوذ تھے۔ اپنے اس تصور اور عقیدے کی ٹھوس بنیادوں کی وجہ سے آپ زندگی بھر شریعت اسلامی پر قائم رہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا شخص صاف محسوس کر لیتا ہے کہ آپ شعوری طور پر ایمان لانے کی وجہ سے اللہ کے لیے یکسو تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور پکڑ سے بہت ڈرتے تھے۔ اس کی مثالیں آئندہ صفحات میں ملیں گی۔

جہاں تک قضاء وقدر کے مفہوم کا تعلق ہے تو وہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ کی کتاب اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے اخذ کیا۔ قضاء وقدر پر آپ کا پکا ایمان تھا۔ آپ قرآن مجید میں بیان کردہ تقدیر کے تمام مراتب سے بخوبی آگاہ تھے اور آپ کو یقین کامل تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] یونس 10:24.

﴿ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَّلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝ ﴾

''اور (اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) قرآن میں سے جو کچھ بھی پڑھتے ہیں اور تم لوگ جو بھی عمل کرتے ہو، اس وقت ہم تمھیں دیکھ رہے ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے کوئی ذرہ بھر چیز بھی چھپی نہیں ہوتی، زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی اس سے چھوٹی (چیز) اور نہ بڑی مگر (وہ) واضح کتاب میں (درج) ہے۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اس بات پر بھی ایمان تھا کہ قیامت تک ہونے والا ہر کام اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝ ﴾

''بلاشبہ ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے، اور جو (اعمال) وہ آگے بھیج چکے انھیں ہم لکھ رہے ہیں اور ان کے آثار (نشاناتِ قدم) کو بھی، اور ہم نے ہر شے کو واضح کتاب میں محفوظ کر رکھا ہے۔''[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اس بات پر بھی یقین کامل تھا کہ اللہ قادر مطلق ہے اور اس کا ہر فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ۝ ﴾

[1] یونس 61:10۔ [2] یٰسٓ 12:36۔

”کیا وہ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ وہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ جبکہ وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے اور اللہ (ایسا) نہیں کہ اسے کوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں عاجز کر دے، بلاشبہ وہ خوب جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔“ (1)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ ﴾

”یہ ہے اللہ، تمھارا رب، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، چنانچہ تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگران ہے۔“ (2)

قضاء وقدر کی حقیقت کے صحیح فہم اور اس پر پکے یقین کے بڑے مثبت اور مفید اثرات آپ کی زندگی میں نمایاں تھے ہم ان شاء اللہ آئندہ سطور میں ان کا احاطہ کریں گے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں نفس انسانی کی حقیقت سے آگاہی حاصل کی۔ اور قرآن کریم ہی کے ذریعے سے اس بات سے واقف ہوئے کہ انسانی تخلیق کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم یہ ہے کہ جب اسے مٹی سے بنایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اعضاء ٹھیک کر کے اس میں روح پھونکی۔

دوسری قسم انسان کی نطفے سے پیدائش ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

(1) فاطر 44:35. (2) الأنعام 102:6.

''جس نے ہر چیز کو اچھے طریقے سے پیدا کیا اوراس نے تخلیقِ انسان کی ابتدا مٹی سے کی، پھر اس کی نسل ایک حقیر پانی کے جوہر (نطفے) سے چلائی، پھر اس (کے اعضا) کو درست کیا اوراس میں اپنی روح پھونکی اوراس نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تم کم ہی شکر کرتے ہو۔''①

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ حقیقت قرآن کریم ہی کی بدولت اُجاگر ہوئی کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اُسے اچھی صورت دی اور معتدل قامت عطا کر کے اسے عزت بخشی۔ اُسے عقل وبصیرت، زبان وبیان اور اچھے بُرے کی تمیز جیسی عظیم نعمتوں سے نوازا۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے انسان کے لیے مسخر کر کے اسے بہت ساری مخلوقات پر فضیلت عطا کی۔ نسل انسانی میں سلسلۂ رسالت ونبوت جاری کر کے ان کی عزت کو چار چاند لگا دیے۔ انسان کی تکریم کو اتنا عروج بخشا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی محبت اور خوشنودی کا اہل بنا دیا۔ اور اس محبت اور خوشنودی کا حصول اس پیغمبر کی اتباع میں رکھ دیا جس نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا تاکہ وہ دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کریں اور آخرت میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں حاصل کر کے ابدی کامیابی پائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

''جس نے نیک عمل کیے، مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ہم انھیں ضرور ان کا اجروثواب ان بہترین اعمال کے بدلے میں دیں گے جو وہ کرتے تھے۔''②

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآنِ کریم کے مطالعے سے شیطان اور انسان کے درمیان جھگڑے کی حقیقت معلوم کی اوراس بات سے آگاہ ہوئے کہ شیطان ہر ممکن طریقے سے انسان

① السجدۃ 32:7-9. ② النحل 16:97.

کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اللہ کی نافرمانی اور گناہ پر اُکسانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتا ہے۔ وسوسے ڈال کر انسان کی دبی ہوئی شہوتیں ابھارتا ہے اور اسے غیر محسوس طریقے سے برائی کے راستے پر لا کھڑا کرتا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہمیشہ شیطان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہے، یوں آپ نے اپنے آپ کو اللہ ہی کی پناہ میں دیے رکھا۔

آپ نے قرآنِ مجید میں مذکور آدم علیہ السلام کے واقعے سے، جس میں انھیں جنت سے نکلوانے کے لیے شیطان کے کرتوت کا ذکر ہے، یہ سبق سیکھا کہ آدم علیہ السلام تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ اگر شیطان لعین انھیں دھوکا دے سکتا ہے تو عام آدمی کو تو بہت آسانی سے دھوکے میں مبتلا کر سکتا ہے۔ آپ نے اس حقیقت کا ادراک بھی کر لیا کہ اسلام میں بنیادی چیز اطاعت و فرمانبرداری ہے اور انسان کے غلطی میں پڑنے کا امکان موجود ہے۔ اس حقیقت سے آپ نے یہ سبق سیکھا کہ بندۂ مومن کو اللہ پر توکل کرنے اور اس کے حضور توبہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ استغفار اس کی زندگی کا لازمی جز ہونا چاہیے۔ انسان کو حسد اور تکبر سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اپنے ساتھیوں سے حسنِ اخلاق سے پیش آ[illegible] ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴾

''اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بات کہیں جو احسن ہو، بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے، بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''[1]

قرآنِ کریم کی نشر و اشاعت: اللہ عزوجل نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اسلام کی بدولت عزت بخشی۔ آپ نے اسے زندگی کا لازمی جز بنا لیا اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے ہر ممکن کوشش بروئے کار لائے۔ تمام بنیادی اور فروعی مسائل میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی

[1] بنی إسرآءیل 53:17.

طرف رجوع کیا۔ آپ کا شمار ان ائمۂ ہدایت میں ہونے لگا جو لوگوں کے لیے اپنی سیرت کے درخشندہ ابواب رقم کر جاتے ہیں اور لوگ ان کے اقوال وافعال کو نمونہ بنا کر ان کی پیروی کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بات بھی ہرگز نہیں بھولنی چاہیے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار کاتبین وحی میں ہوتا ہے۔ ①

مدینہ منورہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت سازی میں نمایاں کردار ادا کرنے، آپ کی صلاحیتوں کو جلا بخشنے، آپ کی زندگی میں انقلاب برپا کرنے اور آپ کو باوقار بنانے والا اہم ترین عنصر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک سے فیض یابی تھا۔ آپ مکی اور مدنی دونوں زمانوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپ نے اپنے آپ کو سلیقہ مند بنایا اور معلمِ انسانیت، ہادیِ کونین کے مدرسۂ نبوت سے علوم و معارف کے موتی اکٹھے کرنے کے لیے دیوانہ وار کوششیں کیں۔ اس مقصد کے لیے منعقد ہونے والے پروگراموں میں شمولیت کو اولین ترجیح دی۔ آپ قرآنِ کریم اور سنتِ مطہرہ کو براہِ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے کے بے حد مشتاق تھے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے بارے میں آپ خود فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ میں پہلے پہل اس دعوت پر لبیک کہنے والوں میں سے تھا، پھر میں نے دو دفعہ ہجرت کی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف حاصل کیا۔ یوں میں نے آپ کی سیرت کا بہت قریب سے مطالعہ کیا۔'' ②

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کی چھاؤں میں تربیت پائی۔ ان کے مربی خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کی تربیت کا آغاز سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے ہوا۔ اس ابتدائی

① السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 22، والتبيين في أنساب القرشيين لابن قدامة المقدسي، ص: 94. ② فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 597/1، إسناده صحيح.

ملاقات ہی نے آپ کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا اور آپ جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر علم و عرفان کے اُجالے میں آ گئے۔ آپ نے ایمان قبول کر لیا۔ کفر کا طوق گردن سے اتار پھینکا۔ اس طرح آپ میں اسلام اور سیدھے سادھے آسان فہم عقیدے کی خاطر مصائب جھیلنے کی ہمت پیدا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں کو متاثر کرنے کا بڑا زبردست ملکہ عطا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نگرانی میں پروان چڑھایا۔ آپ کو تاریخِ انسانی کا خوبصورت ترین انسان بنایا۔ شان و شوکت اور باوقار شخصیت کے سبھی دیوانے ہوتے ہیں۔ لوگ فرط محبت سے اس کی طرف لپکتے ہیں، عظمت و بلندی سے اپنا تعلق جوڑتے ہوئے شرف محسوس کرتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی عظمت کو تو نبوت نے چار چاند لگا دیے تھے۔

محبت کی ایک بڑی وجہ، جس نے مومنوں کو مسحور کر دیا، یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی کو براہ راست وصول کرنے والے اور اسے لوگوں تک پہنچانے والے تھے۔ صحابہ کی محبت کا محور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نہ تھی جیسا کہ عام لوگ اپنے قائدین سے محبت کرتے ہیں بلکہ اس میں تعلق باللہ کا عنصر بھی شامل تھا۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے عظیم انسان تھے، اسی طرح سب سے افضل رسول بھی تھے اور یہ دونوں عظمتیں مل کر اس نقطۂ کمال تک پہنچ جاتی ہیں جس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا، پھر جب اللہ تعالیٰ کی محبت کسی کی شخصی محبت سے مل جائے تو یہ اور بھی گہری ہو جاتی ہے اور محبت کرنے والوں کی روح کی غذا بن جاتی ہے۔ ان کے سانس بھی اس محبت کی نبض کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ یہی وہ محبت تھی جس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہراول دستے کو قربانیاں دینے اور جان کی بازی لگانے پر آمادہ کر دیا تھا۔ یہی محبت تربیتِ اسلامی کی چابی، اس کا مرکزِ توجہ اور بنیادی ضابطہ تھی۔ [1]

[1] منهج التربية الإسلامية لمحمد قطب، ص: 34.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور رفاقت کی برکت سے نہایت بلند پایہ ایمان نصیب ہوا۔ انھوں نے براہِ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ حکیم اور احکام و مسائل سیکھے اور اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾

''البتہ تحقیق اللہ نے مومنوں پر احسان کیا، جب ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر امن و جنگ کی زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظریات و خیالات جاننے کی بھرپور کوشش کی۔ اس رفاقت سے آپ کی شخصیت میں جنگی تجربات اور پیچیدہ معاملات بھانپ لینے کی زبردست صلاحیت پیدا ہوگئی۔ اس طرح آپ لوگوں کی نفسیات اور جبلت سے بھی آگاہ ہوگئے۔

ذیل میں ہم آپ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں گزرے ہوئے مدنی دور کے جنگی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی کردار کا تذکرہ کرتے ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے میدانوں میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اسلامی سلطنت کو مضبوط کرنے کا آغاز کیا۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی، ہر مہاجر کو انصاری کا بھائی بنا دیا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، سیدنا اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی بنائے گئے۔[2] پھر

[1] آل عمرٰن 164:3. [2] الأمين ذوالنورين لمحمود شاكر، ص:40.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہود کے ساتھ معاہدہ کیا۔ سرایا بھیجنے کا آغاز کیا اور جدید معاشرے کے اقتصادی، تعلیمی اور تربیتی نظام کے نقشے مرتب کیے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سلطنتِ اسلامیہ کے قابل اعتماد رکن تھے۔ آپ نے کبھی مشورہ دینے میں بخل سے کام لیا نہ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے میں کنجوسی کی۔ آپ غزوۂ بدر کے سوا تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ①

سیدنا عثمان اور غزوۂ بدر: جب مسلمان غزوۂ بدر کے لیے نکلے تو آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خسرے کی بیماری میں مبتلا تھیں اور شدت مرض کی وجہ سے پابندِ بستر تھیں۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مشرکین مکہ کا قافلہ روکنے کے لیے نکلنے کا حکم دیا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکل پڑے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے رک جانے کا حکم دیا۔ آپ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے رک گئے۔ جب مرض شدت اختیار کر گیا اور ان پر موت کے سائے منڈلانے لگے تو وہ نہایت افسردگی کی حالت میں بدر گئے ہوئے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ میں مقیم بہن زینب رضی اللہ عنہا کی زیارت کی تمنا کرنے لگیں۔ اس الم انگیز صورت حال میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ٹکٹکی باندھے انھیں دیکھ رہے تھے اور غم سے نڈھال تھے۔ ②

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی روح جسد خاکی سے پرواز کر گئی۔ جانکنی کی حالت میں ان کی زبان پر کلمۂ شہادت جاری تھا۔ وہ رفیق اعلیٰ سے جا ملیں۔ اپنے والد گرامی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکیں۔ کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے میدان بدر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کفن دفن کے وقت بھی تشریف نہ لا سکے۔

① الخلفاء الراشدون لعبدالوهاب النجار، ص: 269. ② نساء أهل البيت لأحمد خليل جمعة، ص: 491-504.

جنازہ تیار ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا جسد اطہر قبرستان لے جایا جا رہا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ غم سے نڈھال پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ جنازہ بقیع الغرقد قبرستان پہنچا۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو وہاں دفن کر دیا گیا۔ قبر پر مٹی برابر کر دی گئی۔ دفن کر کے واپس جانے والوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اسی دوران سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار بدر کی فتح، مشرکین کے قتل ہونے، ان کے سرداروں کے قید ہونے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی خبر لے کر مدینہ پہنچے۔ مسلمان اس خبر سے نہایت خوش ہوئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے پر خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات نمایاں تھے۔ ایک طرف انھیں بدر کی فتح کی خوشی تھی لیکن دوسری طرف سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا غم ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بسیار کوشش کے باوجود اس غم کو نہ چھپا سکے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس تشریف لائے تو آپ کو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا علم ہوا۔ آپ بقیع تشریف لے گئے اور اپنی لخت جگر کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ [1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کسی سستی یا بزدلی کی وجہ سے جنگِ بدر سے پیچھے نہیں رہے تھے جیسا کہ آپ کی ذات پر طعن توڑنے والے گمراہ لوگوں کا خیال ہے۔ آپ نے صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانا اور اپنی اہلیہ محترمہ کی عیادت کی۔ جو مقام و مرتبہ اہل بدر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کرتے ہوئے بدر میں شریک ہو کر حاصل کیا، وہی اعزاز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی حاصل کر لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر بدر چلا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی دیکھ بھال کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا تھا۔ ایسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا اور بدر سے پیچھے رہنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرض تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے غنیمت میں سے حصہ مقرر فرمایا اور اجر و فضیلت میں اللہ اور

[1] دماء على قميص عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور إبراهيم المنتاوي، ص: 20.

اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کی وجہ سے آپ کو برابر کا شریک شمار کیا۔[1]

عثمان بن عبداللہ بن موہب کا بیان ہے کہ ایک آدمی مصر سے حج کی غرض سے بیت اللہ آیا۔ اس نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم اور اس کے مقدس گھر کی حرمت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں، کیا آپ کو علم ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بدر سے غائب تھے اور وہاں حاضر نہیں ہوئے تھے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''ہاں! لیکن بدر سے آپ کی غیر حاضری کی وجہ رسول اکرم ﷺ کی بیٹی کی بیماری تھی، جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِّمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَّ سَهْمَهُ»

''تمھارے لیے بدر میں شریک ہونے والے جیسا ہی اجر اور حصہ ہے۔''[2]

ابو وائل کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بدر کے دن میں رسول اکرم ﷺ کی بیٹی کی تیمارداری کی خاطر پیچھے رہا اور رسول اللہ ﷺ نے غنیمت میں میرا حصہ بھی مقرر فرمایا۔''

راوی حدیث: ''جس کے لیے رسول اکرم ﷺ نے حصہ نکالا وہ یقیناً حاضر شمار کیا جائے گا۔''[3] لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بالاتفاق بدری صحابی ہیں۔[4]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ احد: غزوۂ احد میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا۔ جنگ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ ان کی شمشیروں نے مشرکین کے چھکے چھڑا دیے اور مشرکوں کو شکست فاش ہوئی۔ ان کے علم برداروں پر مسلمانوں کی چمکتی ہوئی تلواریں بجلیاں بن کر گر رہی تھیں اور وہ ایک ایک کر کے مارے جا رہے تھے، بالآخر ان کا علم زمین بوس ہوا۔ مشرکین میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ وہ

(1) الإمامة والرد على الرافضة للأصبهاني، ص: 302. (2) صحيح البخاري، حديث: 3699. (3) الإمامة والرد على الرافضة للأصبهاني، ص: 304. (4) عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 47.

عورتیں جو اپنے جنگجوؤں کو ترانے گا گا کر دادِ شجاعت دے رہی تھیں اور ان کے حوصلے بڑھا رہی تھیں، خوف کے مارے اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے ہوئے پہاڑ کی طرف بھاگ رہی تھیں......۔

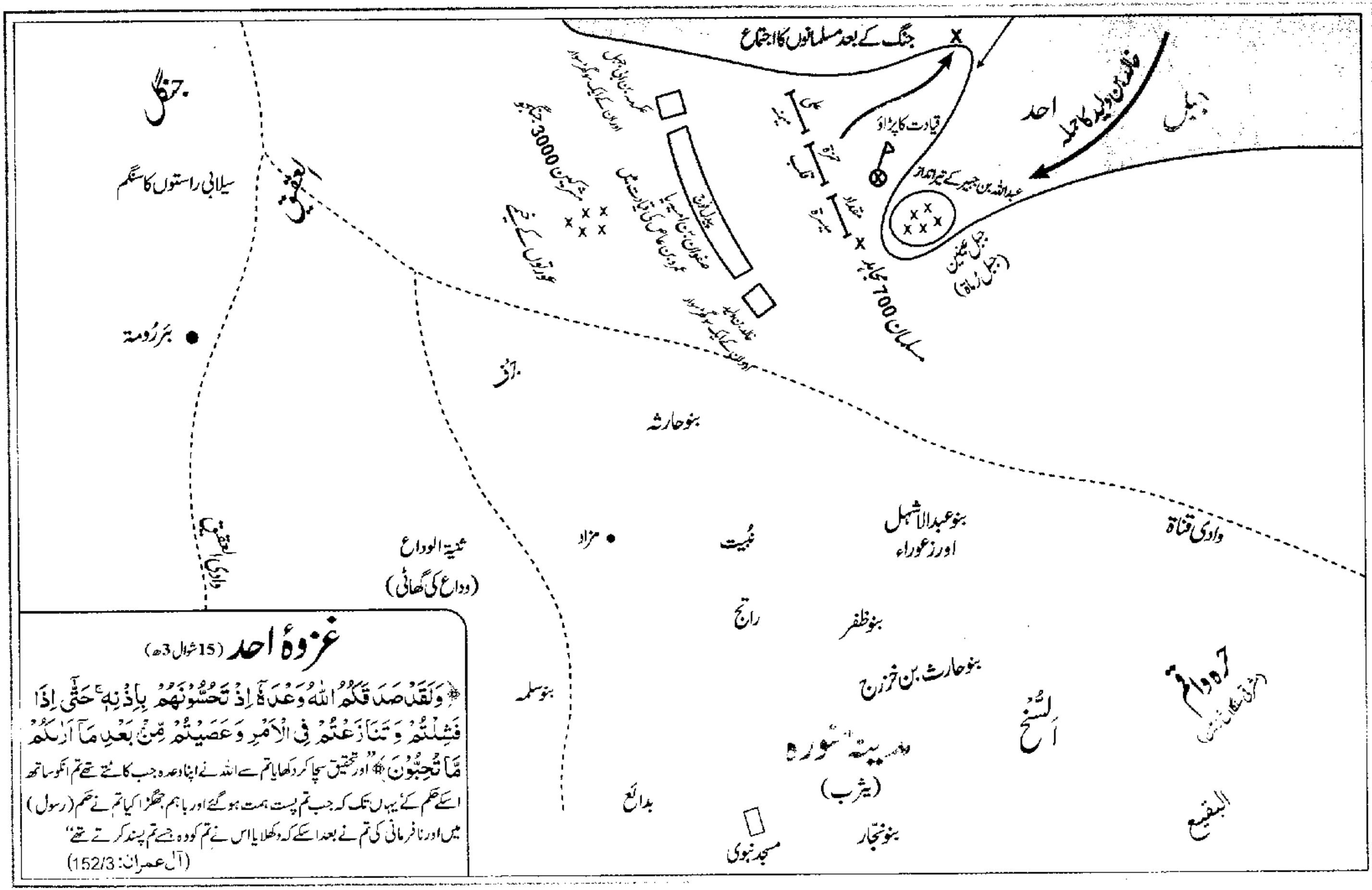
لیکن! اچانک جنگ کا پانسہ اس وقت پلٹ گیا جب درے پر مقرر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکثر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید کے باوجود اپنی ذمہ داری میں کوتاہی برتی اور درہ چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا۔ ادھر خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل نے ایک جنگی چال چلی۔ وہ فوراً سنبھل گئے اور شہسواروں کو لے کر اس درے کے پیچھے سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے درے پر موجود باقی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا۔ ان میں ان کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

مسلمانوں کو اس حملے کا گمان بھی نہ تھا۔ وہ غنیمتیں اکٹھی کرنے میں مصروف تھے۔ وہ اچانک ہونے والے حملے کی تاب نہ لا سکے۔ ان میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا۔ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ کچھ شکست خوردہ ہو کر مدینے کی طرف بھاگ نکلے اور جنگ ختم ہونے کے بعد واپس آئے۔ ان میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کچھ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی اُڑتی ہوئی خبر سن کر نہایت پریشان تھے اور کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے۔

جو گروہ پسپا ہو کر مدینہ کی طرف بھاگ گیا تھا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیات نازل فرمائیں، جن کی قیامت تک تلاوت کی جاتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معافی کا سرٹیفکیٹ عطا کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ ﴾

''بے شک جب دو لشکر (احد میں) آپس میں ٹکرائے تھے تو تم میں سے جن لوگوں



غزوۂ احد (15 شوال 3ھ)
﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ ”اور تحقیق سچا کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جب کاٹتے تھے تم انکو ساتھ اسکے حکم کے یہاں تک کہ جب تم پست ہمت ہو گئے اور باہم جھگڑا کیا تم نے حکم (رسول) میں اور نافرمانی کی تم نے بعد اسکے کہ دکھلایا اس نے تم کو وہ جسے تم پسند کرتے تھے“
(آل عمران: 152/3)
جنگ کے بعد مسلمانوں کا اجتماع
خالد بن ولید کا حملہ
احد
قیادت کا پڑاؤ
عبداللہ بن جبیر کے تیر انداز
جبل عینین (جبل رماۃ)
مسلمان 700 مجاہد
3000 مشرکین مجاہد
جرف
سیلابی راستوں کا سنگم
بئر رومۃ
ثنیۃ الوداع
(وداع کی گھاٹی)
بنو حارثہ
مزاد
نبیت
بنو عبد الاشہل
اور زعوراء
وادی قناۃ
راتج
بنو ظفر
بنو حارث بن خزرج
بنو سلمہ
مدینہ منورہ
(یثرب)
بدائع
مسجد نبوی
بنو نجار
البقیع

نقشہ: 3

نے پسپائی اختیار کی وہ یقیناً اپنی بعض کوتاہیوں کے سبب شیطان کے بہکاوے میں آ گئے تھے اور بلا شبہ اللہ نے انھیں معاف کر دیا، بے شک اللہ نہایت بخشنے والا، بہت حوصلے والا ہے۔'' [1]

ایک اعتراض کا جواب: جہاں تک خواہشات کے پجاریوں اور گمراہ لوگوں کا تعلق ہے، انھیں میدان جنگ سے پسپائی اختیار کرنے والوں میں صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کیوں نظر آتے ہیں اور اُن تمام لوگوں میں سے صرف انھی کو موردِ الزام کیوں ٹھہرایا جاتا ہے؟ کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اکیلے ہی میدانِ جنگ سے بھاگے تھے؟ درحقیقت یہ بات چاند پر تھوکنے والے کے مترادف ہے۔ [2] جب اللہ تعالیٰ ہی نے انھیں معاف کر دیا ہے تو پھر کسی کو دخل اندازی اور ہرزہ سرائی کی جرأت کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو کیا [3] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ شرف کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی معافی کا اعلان خود اپنی کتاب میں فرمایا۔ یہ بات آپ کی جہادی زندگی اور آپ کی شجاعت کی واضح دلیل ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ غطفان: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بنو غطفان پر چڑھائی کا حکم دیا اور بہ نفسِ نفیس قیادت کرتے ہوئے چار سو کا لشکر لے کر دشمن کی طرف بڑھے، اکثر پیادہ اور چند شہسوار تھے۔ آغازِ سفر سے پہلے مدینے کے انتظام و انصرام کا مسئلہ درپیش تھا۔ نگاہ انتخاب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر پڑی، لہٰذا آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ ذی القَصّہ کے مقام پر بنو ثعلبہ کا جبار نامی ایک شخص مسلمانوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ وہ اسے گرفتار کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے کہا: ''وہ لوگ آپ کو نہیں ملیں گے، اس لیے کہ جب انھوں نے آپ کی آمد کی خبر سنی تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ

[1] آل عمرٰن 3:155. [2] الأمین ذوالنورین لمحمود شاکر، ص: 49. [3] ذوالنورین مع النبي ﷺ للدکتور عاطف لماضة، ص: 32.

گئے۔ اب میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں تاکہ آپ کی رہنمائی کروں۔'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں کوئی شخص نہ ملا۔ آپ گیارہ راتیں مدینہ سے باہر گزار کر واپس تشریف لائے تو مدینہ کا نظام بغیر کسی خرابی کے خوش اسلوبی سے چل رہا تھا۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ ذات الرقاع: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ بنوغطفان مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہے ہیں۔ تو آپ چار سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر مدینہ سے نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں بھی مدینہ کی نیابت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد کی۔ مقامِ صرار پر پہنچ کر مسلمانوں کا بنوغطفان کے کثیر لوگوں سے آمنا سامنا ہوا لیکن لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ آپ نے صحابہ کو نمازِ خوف پڑھائی اور انھیں لے کر واپس تشریف لے آئے۔ اس مہم کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور بیعت رضوان: حدیبیہ پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت محسوس کی کہ اہل مکہ کے پاس اپنا خصوصی نمائندہ بھیج کر انھیں اپنے ارادوں سے مطلع کیا جائے اور بتایا جائے کہ ہم لڑائی کی غرض سے نہیں آئے بلکہ ہمارا مقصد ادائے عمرہ اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت ہے، ہم عمرہ ادا کرنے کے بعد واپس چلے جائیں گے۔

اس مہم کے لیے خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ نامزد ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سواری کے لیے اپنا ثعلب نامی اونٹ مرحمت فرمایا۔ وہ مکہ میں داخل ہوئے تو قریش نے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور خراش کو بھی قتل کرنا چاہا لیکن احابیش (حلیف قبائل) نے انھیں بچا لیا۔ خراش واپس آ گئے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سفر کی روداد سنائی اور قریش کے رویے سے آگاہ کیا۔

[1] الروض الأنف: 137/3، والطبقات لابن سعد: 35,34/2. [2] الأمين ذوالنورين لمحمود شاكر، ص: 53,52.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیغام پہنچانے کے لیے دوسرا سفیر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو شروع میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا گیا۔[1] لیکن انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کر لی اور اپنی جگہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کا مشورہ دیا۔ عذر کی وجہ بیان کرتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ موجودہ صورت حال میں دشمن بپھرا ہوا ہے۔ کوئی ایسا شخص ہی وہاں جا سکتا ہے جس کا قبیلہ اس کی حمایت کرے اور اسے دشمن کے شر سے بچائے۔ جہاں تک میرا معاملہ ہے، میرا قبیلہ اس پوزیشن میں نہیں کہ وہ میرا دفاع کرے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ اگر انھیں سفارت کی ذمے داری سونپی جائے تو وہ یہ فریضہ بخوبی ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ان کی قوم بھی ان کی حمایت کرے گی۔ انھوں نے مزید کہا: ''اللہ کے رسول! مجھے مشرکین مکہ سے خطرہ ہے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں انھیں مجھ سے شدید دشمنی ہے اور بنو عدی میں کوئی شخص ایسا نہیں جو میرا دفاع کرے۔ اس صورتحال کے باوجود بھی آپ کا حکم ہو تو میں جانے کے لیے تیار ہوں۔''[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''میں آپ کو ایک ایسا آدمی بتاتا ہوں جو اہل مکہ کے نزدیک مجھ سے زیادہ عزت والا ہے مزید برآں اس کا دفاع کرنے والا مضبوط خاندان بھی ہے۔ میری مراد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ آپ قریش مکہ کے پاس جائیں اور انھیں بتائیں کہ ہم کسی سے لڑائی کی غرض سے نہیں آئے۔ ہمارا مقصد صرف بیت اللہ کی زیارت کرنا ہے، ہمیں اس کی حرمت کا پاس ہے۔ ہدی، یعنی قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں، ہم عمرہ کریں گے اور جانور ذبح کر کے واپس چلے جائیں گے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ چل پڑے۔ مکہ کے قریب مقام بلدح پر پہنچے تو قریش کو سامنے پایا۔ انھوں نے پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''مجھے رسول

[1] غزوة الحديبية لأبي فارس، ص: 83. [2] المغازي للواقدي: 600/2.

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھاری طرف بھیجا ہے، وہ تمھیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی طرف دعوت دے رہے ہیں کہ تم مکمل طور پر اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرے گا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت سے نوازے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تم اس دعوت کی مزاحمت نہ کرو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کا مرکز کسی اور کو بنالیں گے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ لوگ غالب آجائیں تو یہی تمھاری خواہش ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ہو جاتے ہیں تو تمھیں اختیار ہوگا کہ اس دعوت کو جس طرح لوگ قبول کریں تم بھی اسی طرح قبول کر لو، ورنہ کثرت کے ساتھ جم کر لڑائی کرنا۔ اس طرح تمھیں اپنی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جائے گا۔ جنگوں نے تمھیں کمزور کر دیا ہے اور تمھارے اشراف جنگوں کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو ان کے لیے ناپسندیدہ تھی، وہ کہنے لگے: ''ہم نے آپ کی بات سن لی۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بزور مکہ میں داخل ہو جائیں۔ آپ واپس چلے جائیں اور اپنے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبردار کر دیں کہ ہم انھیں کسی صورت مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔'' اس دوران ابان بن سعید بن عاص اٹھے۔ انھوں نے آپ کو خوش آمدید کہا، اپنی پناہ میں لیا اور کہا: ''آپ نامراد نہیں لوٹیں گے۔'' وہ گھوڑے سے اترے۔ زین پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بٹھایا۔ خود پیچھے سوار ہو گئے۔ یوں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ فرداً فرداً اشراف مکہ سے ملے۔ ابو سفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ وغیرہ جن سے بلدح میں ملاقات ہوئی تھی، ان سے خاص طور پر ملے۔ لیکن ان سب کا ایک ہی جواب تھا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی صورت مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔[1] انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو عمرہ ادا کرنے کی پیش کش کی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔[2]

[1] زاد المعاد: 290/3، والسیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 344/3. [2] زاد المعاد: 290/3.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ میں مقیم کمزور مسلمانوں کو رسول اکرم ﷺ کا پیغام پہنچایا اور انھیں آپ کی طرف سے جلد آسانی اور رہائی کی بشارت سنائی۔ (1)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ کے کمزور مسلمانوں کا پیغام لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ اس پیغام کا نفس مضمون یہ تھا: ''ہماری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کرنا اور کہنا کہ جو ذات پاک آپ کو حدیبیہ میں لائی ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ آپ کو مکہ لے آئے۔'' (2)

قبل ازیں جب کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ابھی مکہ ہی میں تھے، مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انھیں شہید کر دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان سے مشرکین کے ساتھ مقابلہ کرنے کی بیعت لی۔ صحابہ نے بخوشی لبیک کہا اور موت پر بیعت کر لی، (3) البتہ جد بن قیس نے نفاق کی وجہ سے بیعت نہیں کی۔ (4)

ایک روایت کے مطابق یہ بیعت صبر کے لیے تھی کہ دشمن کے مقابلے میں پہنچنے والے مصائب پر صبر کرو گے۔ (5) ایک روایت کے مطابق میدانِ جنگ سے نہ بھاگنے کی بیعت تھی۔ (6) ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ موت پر بیعت کا مقصد یہی ہے کہ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے اور میدانِ جنگ سے فرار کی راہ اختیار نہ کی جائے۔

سب سے پہلے بیعت کرنے والے سیدنا ابو سنان عبداللہ بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ان کے بعد سب لوگ بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ (7)

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ بیعت کی: اولاً آغاز میں، پھر درمیان میں اور

(1) زاد المعاد: 290/3. (2) غزوة الحديبية لأبي فارس، ص: 85. (3) صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4169. (4) السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 486. (5) صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب البيعة في الحرب......، حديث: 2958. (6) صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام الجيش......، حديث: 1856. (7) السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 486.

پھر آخر میں۔[1] آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا اور فرمایا: «هٰذِهٖ يَدُ عُثْمَانَ» ''یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے۔''[2] پھر اسے اپنے بائیں ہاتھ پر مارا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی بیعت کرنے والوں میں شامل کرلیا۔ درخت کے نیچے بیعت کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد 1400 تھی۔[3]

شرکائے بیعتِ رضوان کی فضیلت

قرآن مجید نے بیعت رضوان کرنے والوں کا کئی مقامات پر تذکرہ کیا ہے اور ان کے فضائل میں متعدد آیات اور احادیث وارد ہیں۔

❁ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

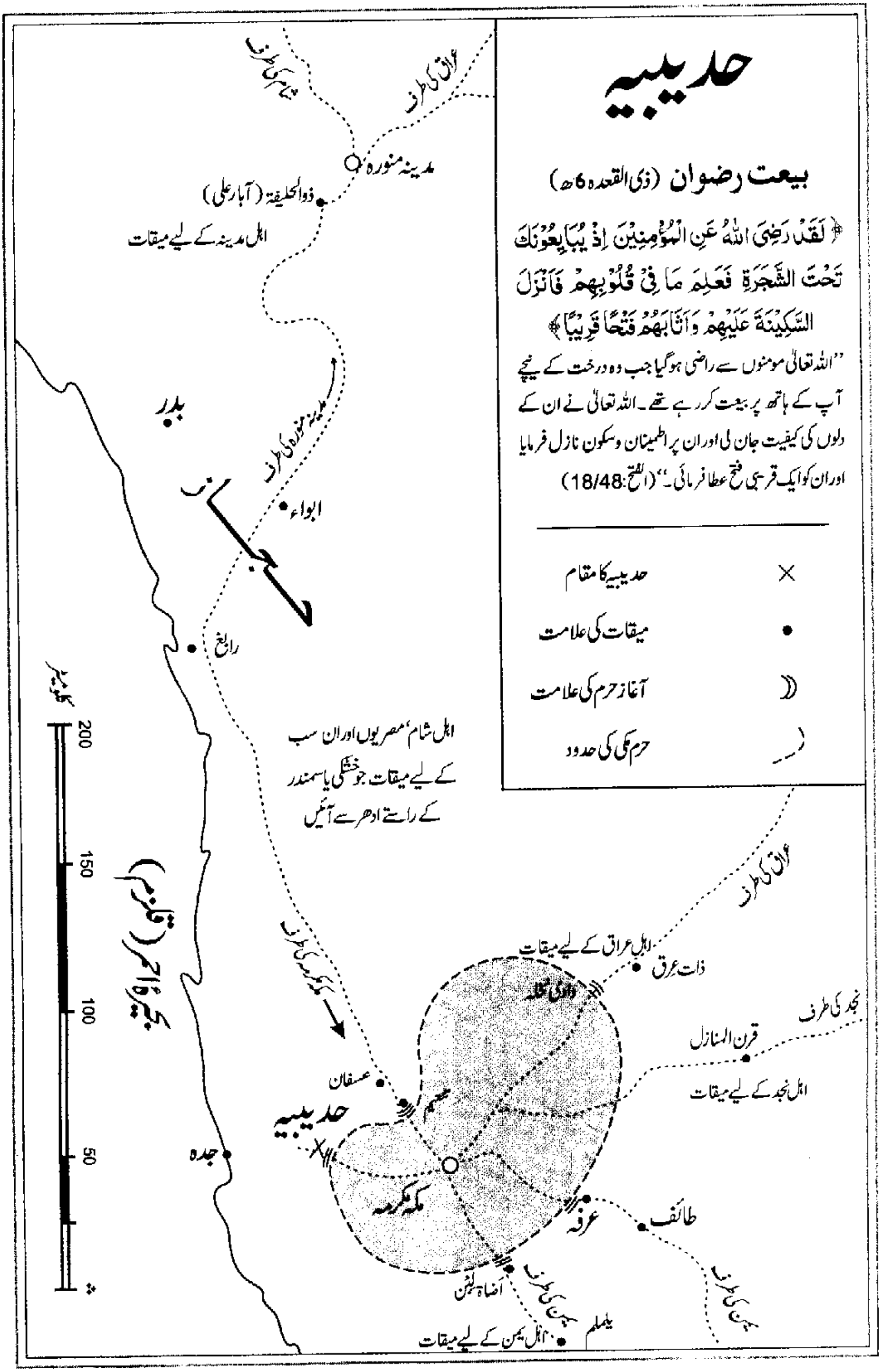
''بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو بس اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے عہد شکنی کی تو وہ اپنی ہی ذات کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔''[4]

❁ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ ﴾

''تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت

[1] زاد المعاد: 291/3. [2] صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 404. [3] السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 1482. [4] الفتح 10:48.



حدیبیہ
بیعت رضوان (ذی القعدہ 6ھ)
﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾
"اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی کیفیت جان لی اور ان پر اطمینان وسکون نازل فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔" (الفتح 18/48)
حدیبیہ کا مقام
میقات کی علامت
آغاز حرم کی علامت
حرم مکی کی حدود
شام کی طرف
عراق کی طرف
مدینہ منورہ
ذوالحلیفہ (آبار علی)
اہل مدینہ کے لیے میقات
بدر
مدینہ منورہ کی طرف
حجاز
ابواء
رابغ
اہل شام، مصریوں اور ان سب کے لیے میقات جو خشکی یا سمندر کے راستے ادھر سے آئیں
کلومیٹر
200
150
100
50
0
بحیرۂ احمر (قلزم)
عراق کی طرف
مکہ کی طرف
اہل عراق کے لیے میقات
ذات عرق
وادی نخلہ
نجد کی طرف
قرن المنازل
اہل نجد کے لیے میقات
عسفان
تنعیم
حدیبیہ
جدہ
مکہ مکرمہ
عرفہ
طائف
اضاۃ لبن
یمن کی طرف
یلملم
اہل یمن کے لیے میقات

نقشہ: 4

کر رہے تھے، چنانچہ ان کے دلوں میں جو (خلوص) تھا، وہ اس نے جان لیا پس اس نے ان پر طمانینت وتسکین نازل کی اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح عطا فرمائی۔'' ①

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے روز ہم سے فرمایا: «أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ»

''تم روئے زمین پر سب سے بہتر لوگ ہو۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہماری تعداد اس دن چودہ سو تھی۔ اگر آج میری بصارت ٹھیک ہوتی تو میں تمھیں درخت والی جگہ دکھاتا۔'' ②

اس حدیث سے بیعت رضوان کرنے والوں کی فضیلت بالکل واضح ہے جبکہ مسلمان ان کے علاوہ بھی مکہ اور مدینہ میں موجود تھے۔

بعض شیعہ حضرات اس سے دلیل لیتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہے، اس لیے کہ وہ بیعت رضوان کرنے والوں میں سے تھے جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔ یہ موقف ٹھیک نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود بیعت کی تھی اور وہ اس خیر اور برکت وفضیلت میں برابر کے شریک تھے۔ اس حدیث سے ایک کی دوسرے پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ ③

غزوۂ حدیبیہ کے حوالے سے محبّ طبری نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خصوصی فضیلت کا ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ درج ذیل امور کی بنا پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نمایاں خصوصیت حاصل ہے:

① الفتح 18:48. ② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4154. ③ فتح الباري: 443/7.

* سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں بیعت رضوان کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ عثمان کا ہاتھ قرار دیا۔ یہ فضیلت کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔
* مکہ مکرمہ میں مقیم کمزور مسلمانوں کو پیغامِ رسالتِ مآب پہنچانے کا شرف بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہوا۔
* مکہ جا کر بھی عمرہ نہیں کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی موافقت کی۔ اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہے۔[1]

ایاس بن سلمہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے ہاتھ سے بیعت کی تو لوگوں نے کہا: ''ابو عبداللہ کو امن کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کرنا مبارک ہو۔'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْمَكَثَ كَذَا مَا طَافَ حَتّٰى أَطُوفَ»

''اگر وہ (وہاں) عرصۂ دراز بھی ٹھہرے رہیں، تب بھی وہ میرے بغیر طواف نہیں کریں گے۔''[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگانا بہت بڑا ظلم ہے کہ آپ نے بیعت رضوان میں شرکت نہیں کی۔ اُن الزامات میں سے ایک الزام یہ بھی تھا جو آپ کی خلافت کو سبوتاژ کرنے کے لیے تراشے گئے تھے۔[3] ہم آئندہ صفحات میں ان کی تفصیل بیان کریں گے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کا حکم دیا تو آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اہلِ مکہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ بعد میں لوگوں نے آنحضرت کی بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] الرياض النضرة في مناقب العشرة للمحب الطبري، ص:491,490. [2] الرياض النضرة في مناقب العشرة للمحب الطبري، ص:491، وفي سنده ضعف. [3] ذوالنورين مع النبي ﷺ للدكتور عاطف لماضة، ص:32.

«إِنَّ عُثْمَانَ فِي حَاجَةِ اللّٰهِ وَ حَاجَةِ رَسُولِهٖ فَضَرَبَ بِإِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرٰى فَكَانَتْ يَدُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِّنْ أَيْدِيهِمْ لِأَنْفُسِهِمْ»

''یقیناً عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام میں (مصروف) ہیں'' پھر آپ نے (عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے) اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مارا، یقیناً عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اکرم ﷺ کا ہاتھ ان (دوسرے صحابہ) کے اپنے ہاتھوں سے کہیں بہتر تھا۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے لیے سفارش: فتح مکہ کے روز عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں چھپ گیا۔ جب عام معافی اور بیعت کا اعلان ہوا تو آپ اسے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں لے آئے اور اس کی بیعت لینے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور تین مرتبہ اس کی طرف دیکھا، ہر بار آپ کی نگاہ سے انکار جھلک رہا تھا۔ اس کے بعد آپ نے اس کی بیعت لے لی، پھر آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

«أَمَا كَانَ فِيكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ يَقُومُ إِلٰى هٰذَا حَيْثُ رَآنِي كَفَفْتُ يَدَيَّ عَنْ بَيْعَتِهٖ فَيَقْتُلُهُ؟»

''کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں تھا کہ جب میں نے اس سے بیعت لینے سے توقف کیا تھا تو وہ اٹھ کر اسے قتل کر دیتا۔''

صحابہ نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! ہمیں آپ کے دل بات معلوم نہ تھی۔ آپ

[1] سیر السلف الصالحین: 181/1، اس کی سند ضعیف ہے لیکن حدیث صحیح ہے، دیکھیے: (جامع الترمذي حدیث: 3702)

آنکھ سے اشارہ کر دیتے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ أَنْ تَكُونَ لَهُ خَائِنَةُ الْأَعْيُنِ» ''کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ آنکھوں سے اشارے کرنے والا ہو۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار افراد، عکرمہ بن ابو جہل، عبداللہ بن خطل، مقیس بن حُبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے علاوہ سب لوگوں کو امان دے دی اور ان چاروں کے بارے میں فرمایا کہ انھیں قتل کر دو چاہے یہ کعبے کے غلاف سے چمٹے ہوئے ہوں۔[2]

عبداللہ بن خطل کعبے کا غلاف تھامے ہوئے پایا گیا۔ سعید بن حارث اور عمار بن یاسر دونوں اسے قتل کرنے کے لیے لپکے لیکن سعید عمار سے قدرے جوان تھے، اس لیے انھوں نے سبقت کر کے اسے قتل کر دیا۔ عکرمہ سمندر کی طرف بھاگ گیا۔ جب وہ کشتی پر سوار ہوا تو شدید آندھی چلنے لگی۔ اب کشتی والے تمام معبودان باطلہ کو چھوڑ کر ایک اللہ کو پکارنے لگے اور کہنے لگے کہ ایسے حالات میں اکیلا اللہ ہی نجات دے سکتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! اگر سمندر کی موجوں سے اکیلا وہی نجات دیتا ہے تو پھر خشکی میں بھی اکیلا وہی نجات دیتا ہے۔ اے اللہ! میرا تجھ سے وعدہ ہے کہ اگر تو نے مجھے نجات دی تو میں سیدھا جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔ اور یقیناً میں انھیں معاف کرنے اور درگزر کرنے والا پاؤں گا۔'' اللہ تعالیٰ نے اسے نجات دے دی اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر چھپ گیا اور جب عام بیعت کا اعلان ہوا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسے لے کر دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔[3]

[1] سنن أبي داود، حديث: 4359، والصارم المسلول على شاتم الرسول لابن تيمية، ص: 109.
[2] أضواء البيان في تاريخ القرآن لصابر أبي سليمان، ص: 79. [3] أضواء البيان في تاريخ القرآن لصابر أبي سليمان، ص: 80.

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کاتب وحی تھا۔ وہ شیطان کے پھندے میں پھنس گیا اور کفار سے جا ملا۔ فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم جاری فرمایا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے پناہ دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے پناہ دے دی۔[1]

ابن اسحاق نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے قتل کے حکم اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارش کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن سعد کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ وہ مسلمان ہوا تو آپ نے اسے کاتب وحی مقرر فرمایا لیکن وہ اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گیا اور مشرکین مکہ سے جا ملا۔ مکہ فتح ہوا تو وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ پناہ کا طالب ہوا۔ وہ ان کا رضاعی بھائی تھا۔ آپ نے اسے چھپا دیا۔ امن ہو جانے کے بعد آپ اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان دے دی۔''

ابن ہشام کہتے ہیں کہ وہ دوبارہ مسلمان ہو گیا تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے کسی علاقے کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسے کسی علاقے کا عامل مقرر فرمایا تھا۔''[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ تبوک: 9 ھ میں ہرقل نے جزیرہ نمائے عرب کو ہڑپ کرنے اور ظلم و عدوان کا بازار گرم کرنے کے لیے اپنا رخ اس کی طرف کر لیا۔ اس نے اپنے جرنیلوں کو تیاری کا حکم دیا اور جنگ کے لیے اپنی ہدایات کے انتظار کا حکم صادر کیا۔ اس کی تیاری کی خبریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچ گئیں۔ آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ سورج آگ اگل رہا تھا۔ اہل مدینہ کو قحط سالی اور

[1] أضواء البيان في تاريخ القرآن لصابر أبي سليمان، ص: 80. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 58,57/4.

سخت پریشانی کا سامنا تھا۔ اگر مسلمان تپتے ہوئے صحراؤں اور مہلک گرمی کا مقابلہ اپنی ایمانی قوت سے کرتے تب بھی تیاری کا مسئلہ بہر حال درپیش تھا۔ جہاد پر اٹھنے والے اخراجات کا انتظام نہایت ضروری تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات و خیرات کی ترغیب دلائی۔ ہر شخص نے اپنی استطاعت کے مطابق تعاون کیا۔ عورتوں نے جہادی لشکر کی تیاری کے لیے اپنے زیورات تک پیش کر دیے۔ اس کے باوجود جنگ کے بھاری اخراجات پورے نہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سیکڑوں افراد تھے جو لڑائی کے لیے تیار تھے مگر ان کے پاس زادِراہ نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا: «مَنْ جَهَّزَ هٰؤُلَاءِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ» ''جو انھیں تیار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے۔''[1] یہ آواز سنتے ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ کی خوشنودی اور مغفرت کی طرف سبقت کی۔ یوں یہ تنگی آسائش میں بدل گئی۔[2] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لشکر کے اخراجات برداشت کیے اور اہلِ لشکر کی ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورت کو بھی پورا فرمایا۔

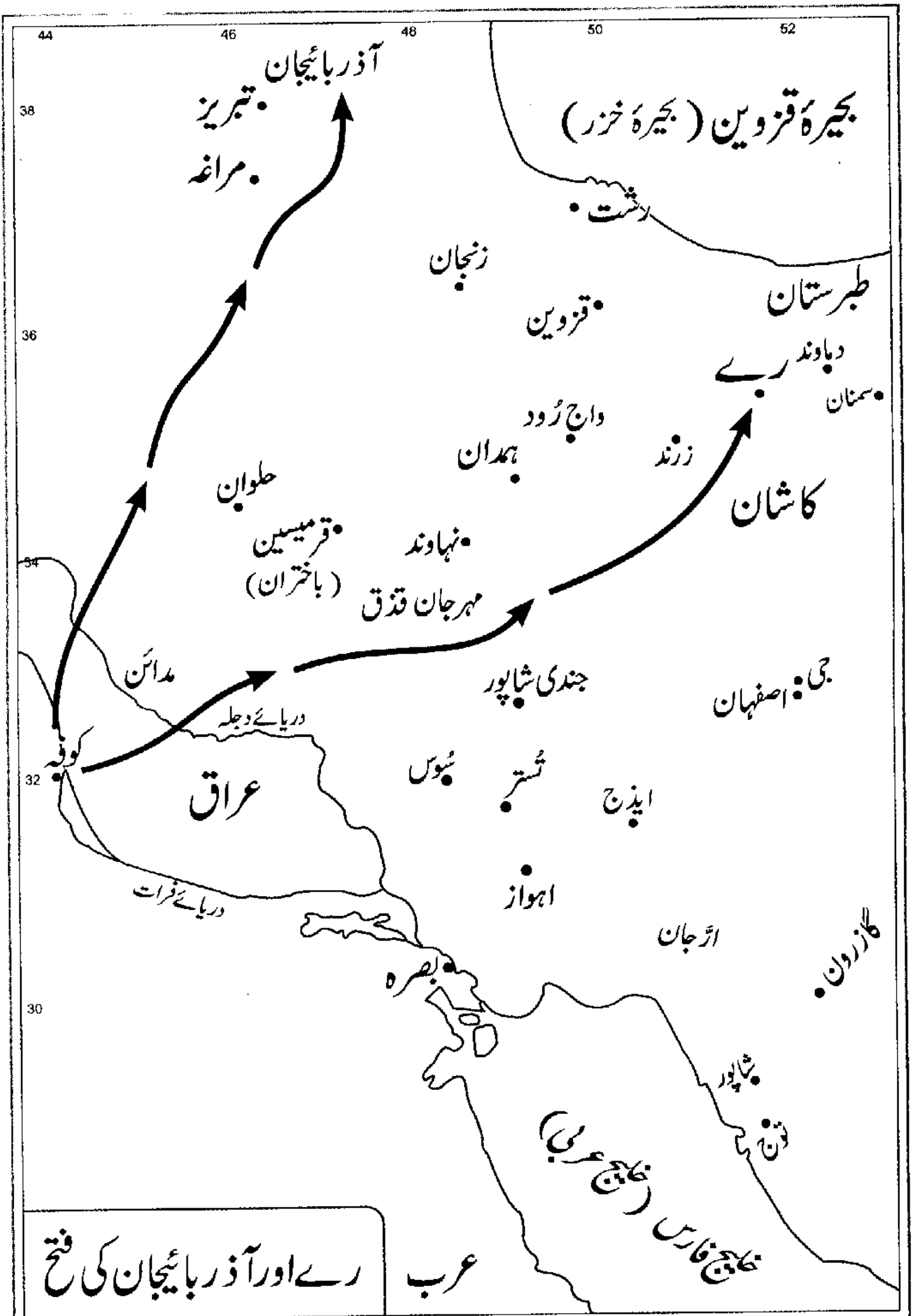
ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں اسلامی لشکر کے لیے نو سو چالیس اونٹ اور ساٹھ گھوڑے دے کر ہزار کی گنتی پوری کر دی۔ علاوہ ازیں انھوں نے دس ہزار دینار لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیے۔ آپ دیناروں کو اپنے مبارک ہاتھوں سے الٹ پلٹ رہے تھے اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے:

«مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ»

''آج کے بعد عثمان کو اس کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔'' یہ بات آپ نے دو بار ارشاد فرمائی۔[3]

یقیناً اس غزوے کے اخراجات پورے کرنے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت بڑا کردار

[1] مسند البزار، حديث: 391. [2] فتح الباري: 67/7، وخلفاء الرسول، ص: 250، والعشرة المبشرون بالجنة لمحمد صالح عوض، ص: 53. [3] جامع الترمذي، المناقب، باب في عد عثمان تسميته شهيدًا......، حديث: 3701، وصحيح التوثيق للدكتور فتحي مجدي السيد، ص: 26.


44
46
48
50
52
38
36
34
32
30
آذربائیجان
تبریز
مراغہ
بحیرۂ قزوین (بحیرۂ خزر)
رشت
زنجان
قزوین
طبرستان
دباوند
رے
سمنان
واج رُود
ہمدان
زرند
کاشان
حلوان
قرمیسین
(باختران)
نہاوند
مہرجان قذق
مدائن
دریائے دجلہ
جندی شاپور
جی
اصفہان
کوفہ
عراق
سُوس
تُستر
ایذج
اہواز
دریائے فرات
ارّجان
کازرون
بصرہ
شاپور
توّج
خلیج عربی
خلیج فارس
عرب
رے اور آذربائیجان کی فتح

نقشہ: 6

ادا کیا۔ [1]

سیدنا عبدالرحمٰن بن حباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں اس مجلس میں موجود تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے لشکر کے لیے خرچ کرنے کی ترغیب دلا رہے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اللہ کی خاطر دو سو اونٹ ساز و سامان سمیت میرے ذمے ہوئے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو ترغیب دلائی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دوبارہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: ''اللہ کے رسول! میں ساز و سامان سمیت تین سو اونٹوں کی ذمہ داری لیتا ہوں۔'' پھر میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر سے نیچے اترتے دیکھا۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے:

«مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ، مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ»

''عثمان اگر اس کے بعد کوئی عمل نہ کریں تو ان پر کوئی حرج نہیں، عثمان اگر اس کے بعد کوئی عمل نہ کریں تو ان پر کوئی حرج نہیں۔'' [2]

سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تبوک کے لشکر کی تیاری والے دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کپڑے میں ہزار دینار لے کر حاضر ہوئے۔ آپ ان دیناروں کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے فرما رہے تھے:

«مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ»

''آج کے بعد ابن عفان کو اس کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' آپ بار بار یہی ارشاد فرما رہے تھے۔ [3]

قرائن سے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے جدید مملکت کے لیے سرمایہ کاری کرنے والے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو لے کر اپنی منزل کی طرف چل دیے۔ دمشق

[1] السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 615. [2] جامع الترمذي، المناقب، باب في عد عثمان تسميتهٔ شهيدًا……، حديث: 3700. [3] مسند أحمد: 63/5.

اور مدینہ کے درمیان تبوک نامی جگہ پر پہنچے تو آپ کو خوش گوار خبریں موصول ہوئیں کہ ہرقل جو جنگ پر تُلا بیٹھا تھا اُسے اللہ تعالیٰ نے پسپا کر دیا ہے۔ درحقیقت جب اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی چڑھائی کی خبر سُنی تو وہ اپنی ناکام کوشش سے دست بردار ہو کر دمشق سے بھاگ گیا۔ اسلامی لشکر اپنے مکمل سازو سامان سمیت واپس آ گیا۔

کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی چیز واپس طلب کی؟ ہرگز نہیں!

آپ بدستور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق دینی مقاصد کے لیے خرچ کرتے رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی چیز کا مطالبہ کرتے اس کی فراہمی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ [1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ میں معاشرتی زندگی

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی: سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنی کنیت ہی سے معروف تھیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے مصعب زبیری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نام اُمیہ تھا۔ آپ عمر میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں۔ [2]

سعید بن میّب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں، انھی دنوں سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما بھی بیوہ ہو گئیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی پیش کش کی۔ انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ارادہ فرما چکے تھے۔ یہ بات حضرت عثمان کے علم میں تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان کے حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: «فَخَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ، أَتَزَوَّجُ أَنَا حَفْصَةَ وَ أُزَوِّجُ عُثْمَانَ أُمَّ كُلْثُومٍ» ”اس کا اس سے بھی بہتر حل موجود ہے، میں حفصہ سے نکاح کر لیتا ہوں

[1] خلفاء الرسول، ص: 138، والعشرة المبشرون بالجنة لمحمد صالح عوض، ص: 31. [2] الدوحة النبوية الشريفة لفاروق حمادة، ص: 46,45.

اور عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دیتا ہوں۔'' ①

صحیح بخاری میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، آپ فرماتے ہیں کہ حفصہ بنت عمر صحابیِ رسول خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ مدینہ منورہ میں ان کی وفات کے بعد وہ بیوہ ہوگئیں۔ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ان سے نکاح کر لیں۔ انھوں نے کہا: ''میں غور کروں گا۔'' میں نے کئی روز انتظار کیا، دوبارہ دریافت کرنے پر انھوں نے کہا: فی الحال میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور انھیں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی پیش کش کی۔ انھوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ ان کے اس رویے سے مجھے عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ رنج ہوا۔ چند روز بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغامِ نکاح بھیجا تو میں نے حفصہ کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دی، پھر ایک دن مجھے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے اور کہنے لگے: ''شاید آپ مجھ سے اس لیے ناراض ہیں کہ میں نے حفصہ کا رشتہ مسترد کر دیا تھا؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' وہ فرمانے لگے کہ درحقیقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ حفصہ سے نکاح کا ارادہ رکھتے تھے، مجھے اس بات کا علم تھا، مگر میں خاموش رہا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ظاہر نہ ہو۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور کر لیتا۔ ②

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے شادی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر ام ایمن سے فرمایا: «هَيِّئِي ابْنَتِي أُمَّ كُلْثُومٍ وَ زَفِّيهَا إِلَى عُثْمَانَ وَ خَفِّي بَيْنَ يَدَيْهَا بِالدَّفِّ» ''میری صاحبزادی ام کلثوم کو تیار کرو اور عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا دو۔ اور اس کے پاس دف بجاؤ۔'' انھوں نے ایسا ہی کیا۔ تین دن کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے ہاں تشریف لے

① المستدرك للحاكم: 49/4، والآثار لأبي يوسف رقم: 1957. ② صحيح البخاري، حديث: 5122.

گئے اور دریافت فرمایا: «يَا بُنَيَّةُ! كَيْفَ وَجَدْتِّ بَعْلَكِ؟» ”پیاری بیٹی! تمھیں اپنے سرتاج کیسے لگے؟“ انھوں نے جواب دیا: ”وہ بہت اچھے ہیں۔“ ①

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد کے دروازے کے پاس کھڑے ہوکر فرمانے لگے: «يَا عُثْمَانُ! هٰذَا جِبْرِيلُ أَخْبَرَنِي أَنَّ اللّٰهَ قَدْ زَوَّجَكَ أُمَّ كُلْثُومٍ بِمِثْلِ صَدَاقِ رُقَيَّةَ، عَلٰى مِثْلِ صُحْبَتِهَا» ”اے عثمان! یہ جبریل ہیں۔ انھوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ام کلثوم کا نکاح آپ سے کر دیا ہے۔ رقیہ والا حق مہر مقرر کیا ہے اور انھی جیسا سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔“ یہ ربیع الاول تین ہجری کا واقعہ ہے۔ ان کی رخصتی جمادی الآخرہ میں ہوئی۔ ②

عبداللہ بن عثمان کی وفات: جمادی الاولی 4 ھ کو آپ کا چھ سالہ بیٹا عبداللہ فوت ہوگیا۔ وہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ کے بطن سے تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ہاتھوں سے دفن کیا۔ ③

بیٹے کی وفات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بہت بڑا صدمہ تھی۔ اللہ کی طرف بلانے والے ایسے مصائب اور آزمائشوں سے گزرتے ہی رہتے ہیں۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات: شعبان 9 ھ کو سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بیمار رہ کر وفات پاگئیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی لخت جگر کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حزن وملال کی وجہ سے آپ دیر تک قبر پر بیٹھے رہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر پر بیٹھے دیکھا، آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے:

«هَلْ فِيكُمْ مِّنْ أَحَدٍ لَّمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟»

① السيرة النبوية لأبي شهبة: 231/2، ودماء على قميص عثمان للدكتور إبراهيم المتناوي ص: 22.

② سنن ابن ماجه، حديث: 110، اس کی سند میں عثمان بن خالد ضعیف راوی ہے۔ ③ الكامل لابن الأثير: 130/2، ودماء على قميص عثمان للدكتور إبراهيم المتناوي، ص: 22.

”تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے صحبت نہ کی ہو؟“ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”میں ہوں۔“ آپ نے فرمایا: «فَانْزِلْ فِي قَبْرِهَا» ”تم قبر میں اترو۔“ ①

لیلیٰ بنت قانف ثقفیہ کہتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو غسل دینے والیوں میں، میں بھی شامل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفن کا سامان دیتے رہے۔ سب سے پہلے ہمیں چادر (تہبند) دی، پھر کُرتی دی، پھر دوپٹہ دیا، پھر ایک بڑی چادر مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد ایک مزید کپڑے میں انھیں لپیٹا گیا۔ آپ دروازے کے پاس کفن لے کر کھڑے تھے اور ہمیں ایک ایک کر کے کفن کے کپڑے دے رہے تھے۔ ②

ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا علی المرتضی، فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم بھی قبر میں اتارنے والوں میں شامل تھے۔ انھیں سیدہ اسماء بنت عمیس اور سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے غسل دیا تھا۔ ③

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات پر نہایت غم زدہ تھے۔ ان کی جدائی سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اعصاب جواب دے گئے اور آپ کا نورانی چہرہ مرجھا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس صدمے کو شدت سے محسوس کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلق کا مداوا کرنے کے لیے فرمایا:

«لَوْ كَانَتْ عِنْدَنَا ثَالِثَةٌ لَزَوَّجْنَاكَهَا يَا عُثْمَانُ!»

”اے عثمان! اگر ہماری تیسری بیٹی ہوتی تو ہم اسے بھی تمھارے نکاح میں دے دیتے۔“ ④

① صحيح البخاري، الجنائز، باب من يدخل قبر المرأة، حديث: 1342. ② سنن أبي داود، الجنائز، باب في كفن المرأة، حديث: 3157. ③ الطبقات لابن سعد: 39/8، والدوحة النبوية للدكتور فاروق حمادة، ص: 48. ④ مجمع الزوائد للهيثمي: 83/9، إسنادهٗ حسن.

یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کی بڑی روشن دلیل ہے، اس سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وفاداری اور توقیر نبوی کا بین ثبوت بھی ملتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کی توہم پرستی بھی مسترد ہو جاتی ہے جو ایسے مواقع سے بدشگونی لیتے ہیں، اس لیے کہ اللہ کا فیصلہ بہر حال نافذ ہو کر رہتا ہے۔ اس کی تقدیر کو کوئی روکنے والا نہیں۔ ①

تاسیسِ حکومت کے لیے اقتصادی تعاون

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بڑے تاجر اور سرمایہ دار انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وافر مال عطا کیا تھا۔ آپ نے یہ مال اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے لٹا دیا۔ آپ خیر اور بھلائی کے ہر کام میں بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے۔ آپ نے کبھی فقر کا خدشہ محسوس نہ کیا۔ آپ کی سخاوت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

بئر رومہ: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں میٹھے پانی کی قلت تھی۔ پورے شہر میں میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں ''بئر رومہ'' تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ يَّشْتَرِي بِئْرَ رُومَةَ فَيَجْعَلُ فِيهَا دَلْوَهُ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِينَ بِخَيْرٍ لَّهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ»

''کون ہے جو بئر رومہ کو خرید کر اسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دے، اللہ تعالیٰ اسے اس سے بدرجہا بہتر (صلہ) جنت میں عطا فرمائے گا۔'' ②

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ حَفَرَ رُومَةَ فَلَهُ الْجَنَّةُ»

''جس نے (بئر) رومہ کھودا اس کے لیے جنت ہے۔'' ③

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے بئر رومہ کا پانی فروخت ہوتا تھا۔ مہاجرین صحابۂ

① الخلفاء الراشدون، أعمال و أحداث للدكتور أمين القضاة، ص: 73. ② سنن النسائي، حديث: 3638. صححه الألباني في سنن النسائي: 766/2. ③ صحيح البخاري، الوصايا، باب إذا وقف أرضاً أو بئرًا ......، حديث: 2778.

کرام رضی اللہ عنہم کو سخت دشواری محسوس ہوتی تھی۔ بنو غفار کے ایک شخص کا رومہ نامی چشمہ تھا۔ وہ اس میں سے ایک مشکیزہ ایک مد قیمت پر فروخت کرتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: «تَبِيعُهَا بِعَيْنٍ فِي الْجَنَّةِ؟» ''کیا تم جنت کے ایک چشمے کے بدلے اسے فروخت کرو گے؟'' اس نے کہا: ''اللہ کے رسول! میرے خاندان کے لیے یہی واحد ذریعۂ آمدنی ہے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اس کا علم ہوا تو انھوں نے اسے پینتیس ہزار درہم کے عوض خرید لیا، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! جو قیمت آپ اسے مرحمت فرما رہے تھے کیا اسی قیمت (جنت میں ایک چشمے کے بدلے) میں مجھ سے خریدیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں!'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! ''میں اسے مسلمانوں کے لیے وقف کرتا ہوں۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ رومہ ایک یہودی کا کنواں تھا۔ وہ اس کا پانی مسلمانوں کے ہاتھ بیچا کرتا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ کنواں بیس ہزار درہم میں خرید لیا اور ہر عام و خاص کے لیے وقف کر دیا۔[2]

مسجد نبوی کی توسیع: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں مسجد تعمیر کی تو اس میں نہ صرف باجماعت نماز پنجگانہ کا مثالی اہتمام ہوا بلکہ وہاں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و مواعظ سننے کے لیے مسلمانوں کا زبردست ہجوم بھی رہنے لگا۔ تعلیم و تربیت کی درس گاہ بھی مسجد ہی تھی۔ ایوانِ عدل ہونے کے ساتھ ساتھ مسجد کو فوجی ہیڈ کوارٹر کا درجہ بھی حاصل تھا۔ یہیں سے لشکر روانہ ہوتے اور یہیں مجاہدین کی واپسی عمل میں آتی تھی۔ ان اسباب کی بنا پر مسجد تنگیِ داماں کی شکایت کرنے لگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی توسیع کے لیے ملحقہ زمین خرید

[1] تحفة الأحوذي: 196/10. [2] فتح الباري: 408/5، والحكمة في الدعوة إلى الله لسعيد قحطاني، ص: 231.

کر مسجد میں شامل کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ يَشْتَرِي بُقْعَةَ آلِ فُلَانٍ فَيَزِيدُهَا فِي الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَّهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ؟»

''کون ہے جو آل فلاں کی زمین خرید کر مسجد میں شامل کرے، اللہ اسے جنت میں اس سے بہتر زمین عطا فرمائے گا۔''

اس ترغیب پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے وہ زمین اپنے ذاتی مال سے خریدی اور مسجد میں شامل کر دی۔ ①

سنن نسائی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے وہ قطعۂ زمین بیس یا پچیس ہزار درہم میں خرید کر مسجد میں شامل کیا۔ ② اس طرح انھوں نے مسجد کو مسلمانوں کے لیے وسیع کر دیا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔ ③

تنگی کے حالات میں سخاوت بیکراں: شدید گرمی کا موسم اور قحط سالی کا دور تھا۔ غزوۂ تبوک کے لیے وسائل مہیا کرنا مسلمانوں کے لیے نہایت اہم مسئلہ تھا۔ دور دراز کا سفر تھا۔ دشمن کے خلاف مکمل تیاری کی ضرورت تھی۔ ہر مجاہد کے لیے زاد راہ ضروری تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالدار صحابہ کو ترغیب دلائی کہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی بساط کے مطابق حصہ لیا۔ لیکن اخراجات پورے نہیں ہوئے۔ اس موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کے لیے اتنا مال خرچ کیا کہ کوئی دوسرا اس کار خیر میں ان کی برابری نہ کر سکا۔ ④ یہ تفصیل ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ تبوک'' کے باب میں گزر چکی ہے۔

① جامع الترمذي، حديث: 3703، صححه الألباني في جامع الترمذي: 516/3. ② سنن النسائي، حديث: 3637، صححه الألباني في سنن النسائي: 766/2. ③ أعلام المسلمين لخالد البيطار: 41/3. ④ الحكمة في الدعوة إلى الله لسعيد قحطاني، ص: 231.

فضائل عثمان رضی اللہ عنہ بزبان نبوت

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں زبان رسالت سے بارہا تعریفی کلمات صادر ہوئے جو آپ کی فضیلت و منقبت کی سب سے بڑی دستاویز ہیں۔ یہ تصدیق و تعریف دو طرح کی ہے۔ کبھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف کے ساتھ اوروں کو بھی شامل فرمایا اور کبھی صرف آپ ہی کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کیا۔ ذیل میں ہم دونوں طرح کے فضائل بیان کرتے ہیں:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مصائب جھیلنے پر جنت کی بشارت

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ایک باغ میں موجود تھا۔ کہ کسی نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِفْتَحْ لَہٗ، وَ بَشِّرْہُ بِالْجَنَّةِ» ''اس کے لیے دروازہ کھول دو اور اسے جنت کی بشارت دے دو۔''

میں نے دروازہ کھولا۔ سامنے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ میں نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت سنائی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کچھ دیر بعد ایک اور آدمی نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا: «اِفْتَحْ لَہٗ وَ بَشِّرْہُ بِالْجَنَّةِ» ''دروازہ کھول دو اور اسے بھی جنت کی بشارت دے دو۔''

میں نے دروازہ کھولا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لائے تھے۔ میں نے انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت سُنائی۔ انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر ایک تیسرے آدمی نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

«اِفْتَحْ لَہٗ وَ بَشِّرْہُ بِالْجَنَّةِ عَلٰی بَلْوٰی تُصِیبُہٗ»

''دروازہ کھول دو اور انھیں پہنچنے والے آلام و مصائب پر جنت کی بشارت دے دو۔''

میں نے دیکھا تو وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سنائی۔ انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا: «اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ» ''اللہ مدد کرنے والا ہے۔''[1]

اس حدیث سے تین صحابۂ کرام: ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی فضیلت بالکل واضح ہے کہ وہ جنتی ہیں۔ اس حدیث سے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ کسی شخص کے فتنے اور تکبر میں پڑنے کا خدشہ نہ ہو تو اس کی منہ پر تعریف کی جا سکتی ہے۔

اس حدیث سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے قبل ازوقت ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی آزمائش کی پیش گوئی کر دی اور بتادیا کہ یہ تینوں حضرات ایمان پر ثابت قدم رہیں گے۔[2]

اُحد! حرکت نہ کر......

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے آپ کے ساتھ سیدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ میں حرکت ہوئی تو آپ نے فرمایا:

«اُسْكُنْ أُحُدُ۔ أَظُنُّهُ ضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ۔ فَلَيْسَ عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ وَ صِدِّيقٌ وَ شَهِيدَانِ»

''احد! ٹھہر جا، (میرا خیال ہے آپ نے پہاڑ پر اپنا پاؤں مارا تھا۔) تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید (موجود) ہیں۔''[3]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوہ حراء پر تھے۔ سیدنا ابوبکر،

[1] صحيح البخاري، حديث: 3693. [2] شرح النووي على صحيح مسلم: 171,170/15. [3] صحيح البخاري، حديث: 3697.

عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے۔ اچانک چٹان ہلنے لگی تو آپ نے فرمایا:

«اُسْكُنْ، حِرَاءُ! فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيقٌ أَوْ شَهِيدٌ»

''حراء! ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی، صدیق اور شہید ہی تو ہیں۔'' ①

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جذبۂ شرم وحیا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ میری چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ آپ بدستور لیٹے رہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ وہ اپنا مسئلہ دریافت کر کے واپس چلے گئے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حاضری کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دی اور اسی طرح لیٹے رہے۔ وہ بھی اپنے کام سے فارغ ہو کر چلے گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر میں نے اجازت طلب کی تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''عائشہ! کپڑے وغیرہ درست کر لو۔'' میں اپنی گزارشات کے بعد واپس چلا گیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: ''اللہ کے رسول! ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو چھوڑ کر آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے خصوصی اہتمام کیوں کیا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيِيٌّ، وَ إِنِّي خَشِيتُ، إِنْ أَذِنْتُ لَهُ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ، أَنْ لَّا يَبْلُغَ إِلَيَّ فِي حَاجَتِهِ»

''عثمان رضی اللہ عنہ نہایت باحیا ہیں۔ مجھے خدشہ ہوا کہ اگر میں اسی طرح لیٹا رہا تو وہ شرم کے مارے اپنا مافی الضمیر بیان نہیں کر سکیں گے۔'' ②

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں لیٹے ہوئے تھے

① صحیح مسلم، حدیث: 2417. ② صحیح مسلم، حدیث: 2402.

اور آپ کی رانوں یا پنڈلیوں سے کپڑا ہٹا ہوا تھا۔سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دی اوراسی طرح لیٹے لیٹے گفتگو کرتے رہے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آئے تب بھی آپ اسی طرح لیٹے ہوئے گفتگو کرتے رہے، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑے درست کر لیے۔(راویِ حدیث محمد بن ابی حرملہ کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ واقعہ اور پچھلا گزرا ہوا واقعہ ایک ہی دن میں رُونما ہوا) آپ رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفت و شنید کے بعد چلے گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اللہ کے رسول! ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے کوئی اہتمام نہیں کیا اور عمر رضی اللہ عنہ آئے تب بھی آپ لیٹے رہے لیکن عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑے درست کر لیے۔'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا أَسْتَحِي مِنْ رَّجُلٍ تَسْتَحِي مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ»

''میں اس شخص سے کیوں حیا نہ کروں جس سے اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔''[1]

امام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حیا کے نہایت بلند درجے پر فائز تھے۔ حیا کسی کی عظمت، قدر شناسی اور علو مرتبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جس کا انسان مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو ناقص اور حقیر سمجھتا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کے احترام و اکرام کا زبردست غلبہ تھا اور اس ذاتِ عالی کے مقابلے میں آپ اپنے آپ کو بہت حقیر اور کم تر خیال کرتے تھے۔ یہ دونوں صفتیں اللہ کے مقرب بندوں کی ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عالی مرتبت ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ سے حیا کرتے تھے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ سے محبت کرنے والا اس کے اولیاء سے بھی محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے۔[2]

[1] صحیح مسلم، حدیث:2401. [2] فیض القدیر للمناوي:302/4.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَرْحَمُ أُمَّتِي أَبُوبَكْرٍ، وَ أَشَدُّهَا فِي دِينِ اللّٰهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهَا حَيَاءً عُثْمَانُ، وَ أَعْلَمُهَا بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَ أَقْرَأُهَا لِكِتَابِ اللّٰهِ أُبَيٌّ، وَ أَعْلَمُهَا بِالْفَرَائِضِ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ، وَ أَمِينُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ»

''میری امت میں سب سے زیادہ رحیم ابوبکر ہیں اور دین کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں۔ سب سے زیادہ باحیا عثمان ہیں اور حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل ہیں۔ کتاب اللہ کے سب سے بڑے قاری اُبی بن کعب ہیں۔ سب سے زیادہ علمِ وراثت جاننے والے زید بن ثابت ہیں۔ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، میری امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔''[1]

شہادتِ عثمان کی پیش گوئی

سیدنا عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَجَا مِنْ ثَلَاثٍ فَقَدْ نَجَا۔ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ مَوْتِي، وَ ... قَتْلِ خَلِيفَةٍ مُصْطَبِرٍ بِالْحَقِّ مُعْطِيهِ»

''جو تین موقعوں پر راہِ حق پر رہا اور فتنے میں نہ پڑا وہ نجات پا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار دہرائی۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں: میری موت کے وقت، فتنۂ دجال کے وقت اور حق پر ڈٹ جانے والے صابر اور فیاض خلیفہ کے قتل، یعنی اُس کی شہادت کے موقع پر۔''[2]

ظاہر ہے حق پر ڈٹ جانے والے شہید خلیفہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ تمام قرائن اور

[1] فضائل الصحابة للإمام أحمد: 604/1، إسناده صحيح۔ [2] مسند أحمد: 109/4.

دلائل اس کی تائید کرتے ہیں۔ حدیث مذکور میں حسی اور معنوی طور پر اس خوفناک فتنے کی سنگینی کے پیشِ نظر اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حسی اس طرح کہ یہ فتنوں کا دور ہوگا۔ اشتعال انگیزی اور قتل و غارت عام ہوگی۔ اور معنوی کا مطلب یہ ہے کہ فتنے کے بعد اس کے بارے میں باطل طریقے سے گفتگو ہوگی اور ناحق سلسلۂ کلام طول پکڑ لے گا (جس سے بچنا نہایت مشکل ہوگا)، اس لیے یہ حادثہ اور فتنہ پوری امت کے لیے عام ہے، صرف فتنے کا زمانہ پانے والوں کے لیے خاص نہیں۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک فتنے کا ذکر فرما رہے تھے۔ اِسی دوران ایک آدمی گزرا تو آپ نے فرمایا: «يُقْتَلُ فِيهَا هٰذَا الْمُقَنَّعُ يَوْمَئِذٍ مَظْلُومًا»

''یہ نقاب پوش آدمی اس دن مظلوم شہید ہوگا۔'' ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''میں نے غور سے دیکھا تو وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔'' [2]

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلد آنے والے ایک فتنے کا ذکر فرما رہے تھے کہ ایک آدمی سر کو ڈھانپے ہوئے پاس سے گزرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدٰى» ''یہ اس دن ہدایت پر ہوگا۔'' میں جلدی سے اٹھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دونوں کندھوں کو پکڑ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرکے پوچھا: ''اللہ کے رسول! کیا یہی؟'' آپ نے فرمایا: «هٰذَا» ''ہاں! یہی!'' [3]

مُرّہ البہزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَهِيجُ فِتْنَةٌ كَالصَّيَاصِي، فَهٰذَا وَمَنْ مَعَهُ عَلَى الْحَقِّ»

[1] فتنة مقتل عثمان رضي الله عنه للدكتور محمد عبدالله الغبان:44/1. [2] فضائل الصحابة للإمام أحمد: 551/1، إسناده حسن. [3] سنن ابن ماجه، حديث: 111، و صحيح سنن ابن ماجه:24/1.

''بڑے بڑے قلعوں کے مانند فتنے برپا ہوں گے، اس وقت یہ شخص اور اس کے ساتھی حق پر ہوں گے۔'' مرہ نے کہا: ''میں نے اس شخص کو اس کے کپڑوں سے جا پکڑا، دیکھا تو وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔''[1]

ابو الاشعث بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المقدس میں ایک کانفرنس ہوئی۔ مختلف مقرروں نے تقاریر کیں۔ سب سے آخر میں مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے تقریر کی۔ انھوں نے کہا: ''اگر میرے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نہ ہوتی تو میں تقریر نہ کرتا۔ درحقیقت میں وہ حدیث سنانے کے لیے کھڑا ہوا ہوں۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلد آنے والے فتنے کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا، اسی دوران ایک شخص وہاں سے گزرا۔ اس نے اپنا سر ڈھانپ رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«هٰذَا يَوْمَئِذٍ، وَّأَصْحَابُهٗ عَلَى الْحَقِّ وَالْهُدٰى»

''یہ شخص اور اس کے ساتھی اس دن حق اور ہدایت پر ہوں گے۔'' میں نے اس شخص کو پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متوجہ کیا اور پوچھا: ''اللہ کے رسول! کیا یہی شخص؟'' آپ نے فرمایا: «هٰذَا» ''ہاں! یہی!'' وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔''[2]

ابو حبیبہ کہتے ہیں: ''میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نظر بندی کے ایام میں ان کے گھر گیا۔ میں نے دیکھا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فتنہ پردازوں سے بات کرنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ آپ نے اجازت دے دی۔ وہ کھڑے ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہنے لگے: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: «إِنَّكُمْ تَلْقَوْنَ فِتْنَةً وَّاخْتِلَافًا۔ أَوْقَالَ: اِخْتِلَافًا وَّ فِتْنَةً» ''میرے بعد تمھیں فتنوں اور اختلافات کا سامنا ہوگا یا فرمایا کہ اختلاف اور فتنوں کا۔'' لوگوں میں سے کسی نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! ہم اس وقت کیا کریں؟'' آپ نے فرمایا: «عَلَيْكُمْ بِالْأَمِينِ وَ أَصْحَابِهٖ» ''تم امین

[1] مسند أحمد: 33/5. [2] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 550/1، إسناده صحيح.

اور اس کے ساتھیوں کا ساتھ دینا۔'' آپ کی مراد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔''[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوا بھیجا، وہ آگئے اور ان سے محو کلام ہوئے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف دیکھتے تو ہم ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو جاتیں۔ آپ نے آخری بات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے کندھوں کے مابین تھپکی دیتے ہوئے ارشاد فرمائی:

«يَا عُثْمَانُ! إِنَّ اللّٰهَ۔ عَزَّوَجَلَّ۔ عَسٰى أَنْ يُّلْبِسَكَ قَمِيصًا، فَإِنْ أَرَادَكَ الْمُنَافِقُونَ عَلٰى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ حَتّٰى تَلْقَانِي»

''اے عثمان! عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو ایک خلعت پہنائے گا۔ اگر منافقین اسے آپ سے اتارنے کا مطالبہ کریں تو ہرگز نہ اتارنا یہاں تک کہ آپ مجھ سے آملیں۔'' یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دہرائی۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اُدْعُ لِي بَعْضَ أَصْحَابِي» ''میرے کسی ساتھی کو بلاؤ۔'' میں نے پوچھا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کو؟'' آپ نے فرمایا: «لَا» ''نہیں۔'' میں نے کہا: ''عثمان رضی اللہ عنہ کو؟'' آپ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں۔'' وہ آگئے تو آپ نے مجھے حکم دیا: ''تم اُدھر چلی جاؤ۔'' پھر آپ عثمان رضی اللہ عنہ سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کا رنگ رہ رہ کر بدل رہا تھا، چنانچہ جس دن انھیں نظر بند کر دیا گیا تو ہم نے پوچھا: ''امیر المومنین! کیا آپ لڑائی نہیں کریں گے؟'' انھوں نے کہا: ''نہیں! اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا۔ میں اس عہد کی پوری پاسداری کروں گا۔''[3]

اس حدیث سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید محبت کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ آپ کو امت کی خیر خواہی کس قدر دامن گیر رہتی تھی۔

[1] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 550/1، إسناده صحيح. [2] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 631/1، إسناده صحيح. [3] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 605/1، إسناده صحيح.

آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو فتنے کے ظہور اور اس سے متعلقہ کئی امور کی خبر دی اور بتادیا کہ انجام کار انھیں شہید کر دیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے یہ بات مخفی رکھنے کی تاکید فرمائی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس تاکید پر پورا عمل کیا اور اس معاملے کو اس قدر مخفی رکھا کہ ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔ جب فتنے کے ایام میں ان سے پوچھا گیا: کیا آپ لڑائی نہیں کریں گے؟ تو انھوں نے صرف اتنا بتایا: ''رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا۔ میں اس عہد کی پاسداری کے لیے اپنے آپ کو روکے رکھوں گا۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے انھیں فتنے کے نازک موقع کے لیے صحیح موقف سے پہلے ہی سے روشناس کرا دیا تھا۔

بعض دیگر روایات سے اس سرگوشی کے چند اور پہلو بھی سامنے آتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَ إِنْ سَأَلُوكَ أَنْ تَنْخَلِعَ مِنْ قَمِيصٍ قَمَّصَكَ اللّٰهُ- عَزَّوَجَلَّ- فَلَا تَفْعَلْ»

''اگر وہ لوگ آپ سے وہ خلعت اُتارنے کا مطالبہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہنائی ہے تو اسے ہرگز نہ اتاریے گا۔''[1]

فتنے کے بارے میں جس عہد و پیمان کا تذکرہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا ہے، اس میں صبر کی وصیت اور خلعت نہ اتارنے کی تاکید ہے۔ ان احادیث سے یہ استدلال بھی کیا جا سکتا ہے کہ آپ ایک دن ضرور خلیفہ بنیں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس فتنے کے متعلق بہت سے ارشادات اور وصیتیں ایسی تھیں جنھیں صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی جانتے تھے۔ انھوں نے یہ باتیں کسی پر ظاہر نہیں کیں اور آپ ﷺ کے رازوں کی پوری طرح حفاظت کی۔ رسول اللہ ﷺ کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اٹھ کر چلے جانے کا حکم دینا بھی اس امر

[1] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 613/1، إسناده صحيحٌ، والطبقات لابن سعد: 67,66/3.

کی تائید کرتا ہے کہ کچھ باتیں ایسی تھیں جو صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی جانتے تھے۔ تنہائی میں سرگوشی کرنا بھی اس امر کو مزید مؤکد بنا دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگوشی سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہونا بھی اس بات کی پکی نشانی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان کو بہت بڑے سانحے کی خبر دے رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس سرگوشی کو فتنے سے مربوط کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ گفتگو اسی فتنے سے متعلق تھی جس میں آپ کو شہید کردیا گیا۔ یہ سرگوشی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر مشتمل تھی جو آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو صحیح موقف پر مضبوطی سے ڈٹے رہنے کے لیے دی تھیں۔ یہ سرگوشی صرف فتنے کی خبر تک محدود نہیں تھی، اس لیے کہ فتنے کے بارے میں تو آپ نے علی الاعلان بتا دیا تھا۔ آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کرکے اس فتنے کی تفصیلات بتائی تھیں اور کسی بڑی مصلحت کے پیشِ نظر انھیں مخفی رکھنے کا اہتمام فرمایا تھا۔

اس حدیث کی روشنی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نظر بندی کے دوران جنگ و جدال نہ کرنے کی وجہ آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے اور خلافت سے دستبردار نہ ہونے کا بھید بھی کھل جاتا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے یہی دو واضح موقف ہیں جنھیں مؤرخین و مفکرین نے صدیوں سے موضوعِ سخن بنا رکھا ہے۔ انھوں نے اپنی موشگافیوں سے اِس موضوع کو بلاوجہ بہت پیچیدہ بنا دیا ہے۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحۂ کبریٰ ان بہت سے حوادث میں سے ایک ہے جن کے ظہور کی خبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں دے دی تھی۔ یہ غیب کی خبر ہے اور علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی خبر دی کہ وہ لوگوں کو بتا دیں کہ اس طرح ہوگا۔[2] یہ بھی اس کے بہت بڑا حادثہ ہونے کی دلیل

① فتنة مقتل عثمان للدكتور محمد عبدالله الغبان: 48/1. ② فتنة مقتل عثمان للدكتور محمد عبد الله الغبان: 48/1.

ہے۔ جہاں تک علم الغیب کا مسئلہ ہے تو اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۖۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾

''کہہ دیجیے: میں اپنی جان کے لیے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں۔''[1]

دورِ صدیقی و فاروقی میں ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا کردار

عہدِ صدیقی میں کردار

اسلامی سلطنت کی مجلسِ شوریٰ کے رکن: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان ممتاز افراد میں سے تھے جن سے عہدِ صدیق میں بڑے اہم مسائل میں مشورہ لیا جاتا تھا۔ آپ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دو نہایت معتبر احباب میں سے ایک تھے۔ ایک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے جو دور اندیشی اور سختی میں معروف تھے اور دوسرے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے جو نرمی اور حلم و بردباری کا پیکر تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلافتِ صدیقی کے وزیر تھے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بلحاظ منصب اسلامی مملکت کے جنرل سیکرٹری ہونے کے علاوہ خلیفۃ الرسول ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے راز دار تھے۔[2] آپ کے مشورے اور رائے کو سب سے مقدم سمجھا جاتا تھا۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے فتنے کو دبانے کے بعد رومیوں پر فوج کشی کا ارادہ اور مختلف مہموں پر لشکر بھیجنے کا قصد کیا تو لوگوں سے مشورہ کیا۔ صاحب رائے

[1] الأعراف 7:188. [2] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 58.

اور سمجھدار لوگوں نے اپنے اپنے فہم وشعور کے مطابق مشورے دیے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خاص طور پر پوچھا: ''بتائیں آپ کا کیا خیال ہے؟'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یقیناً آپ مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں، ان پر شفیق ہیں۔ جب آپ سمجھتے ہیں کہ اس اقدام میں لوگوں کی مصلحت اور بھلائی ہے تو پھر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے یہ کام کر گزریے۔''① مجلس میں موجود سیدنا طلحہ، زبیر، سعد، ابوعبیدہ، سعید بن زید اور دیگر مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم نے بیک زبان کہا: ''عثمان رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں، آپ جس کام کو ٹھیک سمجھتے ہیں وہ کر گزریے۔''②

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب بحرین کا گورنر مقرر کرنا چاہا تو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ وہاں اسے گورنر بنائیں جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا اور انھوں نے وہاں کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر لیا تھا، وہ بحرین والوں سے واقف ہیں اور بحرین والے ان سے آگاہ ہیں۔ ان کی مراد علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے کا احترام کیا اور علاء رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر بنا دیا۔③

جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیماری بڑھ گئی تو انھوں نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ ان کے بعد خلافت کی ذمے داری کسے سونپی جائے؟ ان کا اشارہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ''اللہ کی قسم! میرے علم کے مطابق ان کا باطن ان کے ظاہر سے زیادہ بہتر ہے اور ہمارے مابین ان کے پائے کا کوئی آدمی نہیں ہے۔''④

① تاریخ دمشق لابن عساکر: 2/63-65، و أبو بکر الصدیق للصلابي، ص: 364. ② أبو بکر الصدیق للصلابي، ص: 364. ③ کنزالعمال: 5/620، حدیث: 14093، وتاریخ الطبري: 4/122، والقیود الواردة علی سلطة الدولة لعبداللہ الکیلاني، ص: 169. ④ الکامل لابن الأثیر: 2/79، والخلفاء الراشدون لمحمود شاکر، ص: 101.

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سن کر فرمایا: ''اللہ آپ پر رحم فرمائے، اللہ کی قسم! اگر میں نے انھیں چھوڑ دیا اور خلیفہ نہ بنایا تو آپ سے آگے تجاوز نہیں کروں گا، یعنی آپ کو خلیفہ منتخب کروں گا۔''[1]

عہدِ صدیقی میں معاشی بحران: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عہد صدیقی میں قحط سالی ہوئی۔ بارش بند ہو گئی۔ لوگ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ کہنے لگے: ''بارش نہیں ہو رہی، زمین بنجر ہو چکی ہے۔ حالات آئے دن دُشوار ہوتے جا رہے ہیں۔'' سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جاؤ، صبر کرو، اللہ تعالیٰ شام تک آسانی کا کوئی راستہ نکال دے گا اور تمھاری پریشانی دور کر دے گا۔'' تھوڑی ہی دیر بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ملازمین شام سے مالِ تجارت لے کر مدینہ پہنچے۔ ان کے سو اونٹ گندم یا غلے سے لدے ہوئے تھے۔ لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ ان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ باہر نکلے۔ دروازے پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ آپ نے پوچھا: ''کس مقصد سے آئے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''آپ کو معلوم ہے کہ قحط سالی کا دور ہے، بارش نہیں ہو رہی، زمینیں بنجر ہو چکی ہیں اور لوگ سخت پریشانی میں مبتلا ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس غلہ ہے، وہ ہمارے ہاتھ بیچ دیں تاکہ غریب مسلمانوں کو پریشانی سے نکالا جا سکے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خوش آمدید! بڑی خوشی سے تشریف لائیے۔'' تاجر حضرات اندر داخل ہوئے۔ غلہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں رکھا ہوا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''بتاؤ کتنا منافع دیتے ہو؟'' وہ کہنے لگے: ''بیس فیصد منافع لے لیں۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نرخ زیادہ کرو۔'' وہ بولے: ''اچھا پچاس فیصد منافع لے لیں۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں اتنے پیسوں میں نہیں دوں گا، نرخ اور بڑھاؤ۔'' تاجر کہنے لگے: ''ابو عمرو! ہم سے زیادہ منافع اور کوئی نہیں دے گا۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے اس سے کہیں بڑھ کر سو فیصد منافع

[1] الكامل لابن الأثير: 79/2.

مل رہا ہے۔ کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو؟'' وہ بولے: ''جی نہیں! یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سو فیصد منافع کی آفر ہے، میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے یہ سارا غلہ غریب مسلمانوں کے لیے صدقہ کر دیا ہے۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میں نے رات کو خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نور کا ایک جوڑا پہنے ہوئے چتکبرے گھوڑے پر سوار ہیں۔ آپ کے پاؤں مبارک میں بھی نور کے جھلملاتے ہوئے جوتے ہیں۔ ہاتھ میں نور کی ایک چھڑی ہے اور آپ جلدی جلدی تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! میں آپ کے لیے بہت اداس ہوں۔ آپ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنا چاہتا ہوں، آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابن عباس! عثمان نے ایک صدقہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرما کر جنت میں ایک حور سے اس کی شادی کر دی ہے اور ہمیں اس شادی میں مدعو کیا ہے۔''[2]

کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس واقعے نے بھی دولت کے پجاریوں کے کان نہیں کھولے؟ کیا لوگوں کے سامانِ معیشت پر سانپ بن کر بیٹھنے والوں تک عظمت عثمانی کی صدا نہیں پہنچی؟ کیا فقراء، مساکین، بیوگان، یتیموں، فاقہ کشوں اور مایوس ضرورت مندوں کی آہوں اور حاجتوں نے ان کے دلوں کو نہیں جھنجھوڑا کہ وہ ان لوگوں سے لطف و احسان کا سلوک کریں جو زندگی کے مصائب میں پس کر رہ گئے ہیں، جنھیں فقر و فاقہ اور مایوسیوں نے بدحال کر دیا ہے، جنھیں زندگی کی مشکلات نے کچل ڈالا ہے، جن کا خون پتھر دل سرمایہ

[1] الرقة والبكاء لابن قدامة، ص: 190، والخلفاء الراشدون لحسن أيوب، ص: 191، وشهيد الدار لأحمد الخروف، ص: 21. [2] الرقة والبكاء لابن قدامة، ص: 190.

داروں کے لیے شربت بن گیا ہے۔[1] ایسے نازک، زبوں اور دگرگوں حالات میں مسلمانوں کو کتنی شدت سے ضرورت ہے کہ وہ سیرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا رہنما بنائیں۔[2]

یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جودوسخا کا ایک منظر ہے۔ آپ سب سے بڑھ کر لوگوں پر شفقت و مہربانی کرنے والے تھے۔ جب آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کرتے، تو یہ فرمان آپ کو حد سے تجاوز کرنے سے روک دیتا تھا:

﴿ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ﴾

''سچ مچ انسان تو یقیناً آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔''[3]

جب آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کرتے تھے، تو یہ فرمان آپ کو منافقین اور ان کے کردار سے کوسوں دور کر دیتا تھا:

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم

[1] عثمان بن عفان لصادق عرجون، ص: 52. [2] نوٹ: اب وقت آ گیا ہے کہ اہل ثروت محتاجوں اور مساکین کا ہاتھ پکڑ لیں۔ ان کی ضرورتوں کا خیال رکھیں۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوں تاکہ وہ اپنے دکھ بھول جائیں۔ لیکن افسوس! آج امت مسلمہ اس سے غافل ہے۔ سرمایہ دار مسلمان غریب کا خون چوس رہا ہے۔ کتنے چولہے نہیں جلتے۔ غربت کا نوحہ کیا جا رہا ہے۔ آئے روز حالات کے ہاتھوں تنگ افراد خودکشیاں کر رہے ہیں۔ جو مزدور سالانہ کروڑوں کماتا ہے اس پر ہزاروں بھی خرچ نہیں ہوتے۔ صورت حال یوں ہے کہ اہل ثروت کی دولت دن رات بڑھ رہی ہے اور غریب کی زندگی اجیرن بن گئی ہے۔ نہ اس کے لیے صدقات و زکاۃ میں حصہ ہے نہ خیر خواہی ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہے۔ کتنی مائیں بچوں کو جنم دیتے ہوئے اس لیے فوت ہو جاتی ہیں کہ ان کے پاس علاج معالجے کے وسائل نہیں ہوتے۔ قصہ مختصر بڑی اندوہناک داستان ہے۔ اگر آج اہل ثروت مسلمانوں نے عبرت نہ پکڑی تو کل روز قیامت بلکتے بچوں، بے سہارا بیواؤں اور بے کس فقراء کا ہاتھ ان کی گردن میں ہوگا اور وہ خالق حقیقی سے انصاف کے طالب ہوں گے مگر اہل ثروت ....؟ [3] العلق 6:96.

کتاب پڑھتے ہو، پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے؟"[1]

اور جب آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کرتے تھے، تو آپ کا ذوقِ صداقت اور تقویٰ مزید بڑھ جاتا تھا۔ آپ کوشش کرتے تھے کہ آپ کا شمار بھی سچوں اور پرہیزگاروں میں ہو جائے:[2]

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾

"نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، (آسمانی) کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال سے محبت کے باوجود اُسے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں پر اور گردنیں چھڑانے کے لیے خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکاۃ دے اور (نیکی ان کی بھی ہے جو) جب عہد کر لیں تو اپنا عہد پورا کریں اور تنگدستی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کریں، وہی لوگ سچے اور وہی پرہیزگار ہیں۔"[3]

عہدِ فاروقی میں کردار

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی بڑے صاحب مرتبت تھے۔ لوگ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ کہنا چاہتے تو سیدنا عثمان اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو آگے کر دیتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ردیف کہا جاتا تھا۔ ردیف عربی زبان میں ایک

[1] البقرة 2:44. [2] شهيد الدار لأحمد الخروف، ص: 23,22. [3] البقرة 2:177.

آدمی کے بعد دوسرے آنے والے آدمی کو کہا جاتا ہے۔ دوسرے معنوں میں ولی عہد کو ردیف کہا جاتا ہے۔ جب ان دونوں سے بھی کام نہ ہوتا تو لوگ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو آگے کرتے تھے۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلافتِ فاروقی میں نمایاں کردار ادا کرتے رہے۔ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی علاقے کی طرف فوج کشی کرنے کے لیے مقام ''صِرار'' پر خیمہ زن ہوئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو آپ آئے اور ان سے پوچھا: ''کیا مسئلہ درپیش ہے؟ آپ کا کیا ارادہ ہے؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔ لوگ جمع ہو گئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ارادے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں عراق پر چڑھائی کا ارادہ رکھتا ہوں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالنے کے بعد کئی لوگوں سے اپنے اخراجات کے بارے میں مشورہ کیا کہ بیت المال سے کتنا گزارا الاؤنس لینا چاہیے؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا: ''حسبِ ضرورت آپ بھی لیجیے اور دوسروں کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھیے۔''[2]

بیت المقدس کی فتح پر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا کہ آپ تشریف لائیں اور یہ شہر فتح کریں، اس لیے کہ اہل شہر کا مطالبہ ہے کہ خلیفۂ وقت خود آئے تو ہم شہر اس کے حوالے کردیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ نہ جائیں تاکہ ان پر ان کی حقارت واضح ہو جائے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر آپ نہیں جائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ انھیں کوئی اہمیت نہیں دیتے اور جنگ کے لیے پوری طرح تیار ہیں، اس طرح وہ ذلیل و رسوا ہو کر ہتھیار ڈال دیں گے اور جزیہ دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔''[3]

[1] تاریخ الطبري: 83/4، والمرتضٰی للندوي، ص: 131. [2] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، الخلیفة الشاکر الصابر للشیخ عبدالستار، ص: 63. [3] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لمحمد حسین هیکل، ص: 48,47.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ کو جانا چاہیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رائے پسند آئی۔ کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے محاصرے میں زیادہ مشقت نہ جھیلنی پڑے۔ [1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلافتِ فاروقی میں وزیراعظم کے مرتبے پر فائز تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ جو مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خلافتِ صدیقی میں تھا وہی مرتبہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں تھا۔

اللہ تعالیٰ جب کسی بادشاہ سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اچھے وزیر عطا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر احسان فرمایا، انھیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر وزیر عطا کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھلائی کرتے ہوئے ان کی خلافت کی بہتری کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسا بے لوث وزیر مرحمت فرمایا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت رحمدل تھے۔ ان کے مقابلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حق کے معاملے میں بڑے سخت گیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صدیق رضی اللہ عنہ کی نرمی کو عمر رضی اللہ عنہ کی سختی سے ملا کر خلافت کو اعتدال کی شان بخشی۔ یوں انتہائی شفاف، مبنی بر عدل، قولی اور عملی سچائی کا نہایت محکم نظامِ حکومت سامنے آیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی رحمدلی اور نرمی میں سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے مشابہ تھے۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران وہی کردار ادا کیا جو سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ادا کیا تھا، یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سختی کے ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نرمی کا امتزاج ایک مستحکم فلاحی اور مثالی سلطنت کا باعث بن گیا۔ حکومت کے نظم و ضبط اور امت کی مبنی بر عدل سیاست میں عہد صدیقی و فاروقی کو دنیا بھر میں ضرب المثل کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

[1] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، الخليفة الشاكر الصابر للشيخ عبدالستار، ص: 63.

لوگ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ سے بخوبی واقف تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی نے قیامِ دیوان، یعنی تمام معاملات کا ریکارڈ رکھنے کے لیے رجسٹر بنانے کا مشورہ دیا، اسی طرح سن ہجری جاری کرنے کا مشورہ بھی آپ ہی نے دیا تھا۔

دیوان: جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور مالی وسائل بڑھ گئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مشورے کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجلاس طلب کیا۔ اس موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے خیال میں لوگوں کی ضروریات کے لیے ہمارے پاس کافی مال ہے لیکن اگر اس کا ریکارڈ نہ رکھا گیا کہ کس کس نے لیا ہے اور کون کون باقی ہے تو معاملات بگڑنے کا خدشہ ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے کو سراہا۔ بالآخر ریکارڈ رکھنے کے لیے رجسٹر بنانے کی تجویز منظور ہونے پر اجلاس ختم ہوا۔[1]

تاریخ: بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے سن ہجری کا آغاز محرم سے شروع کرنے کا مشورہ دیا وہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ جب یہ معاملہ طے پا گیا کہ تاریخ اسلامی کا آغاز ہجرت نبوی سے ہو کیونکہ اسی عظیم الشان واقعے سے حق اور باطل میں تفریق ہوئی۔ اب سوال پیدا ہوا کہ سال کا آغاز کس مہینے سے کیا جائے۔ اس کے بارے میں مختلف آراء سامنے آئیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سال کا آغاز محرم سے کریں، اس لیے کہ وہ حرمت والا مہینہ ہے اور گنتی میں بھی پہلا مہینہ ہے۔ لوگ حج سے بھی اسی مہینے میں لوٹتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے پسند کی اور طے پا گیا کہ محرم ہی سے سال کا آغاز ہوگا۔ اس طرح اسلامی سنِ تاریخ کا آغاز ہوا۔[2]

خراج کی زمین: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار بھی ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جنھوں نے مفتوحہ زمین فاتحوں میں تقسیم نہ کرنے کے سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسی کی تائید کی تھی

[1] تاریخ الطبري: 203/5، وعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 60. [2] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 60.

اور اسے مسلمانوں اور ان کی اولاد کے لیے بطور فے رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔[1]

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ حج: سنہ 13 ھ میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے خطبۂ حج دینے کے لیے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اسی طرح 23 ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آخری حج کے موقع پر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا۔ اسی سال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو بھی حج کرنے کی اجازت دی۔ انھیں ہودج میں سوار کیا گیا۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے سیدنا عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی ڈیوٹی لگائی گئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر امہات المؤمنین کے آگے آگے تھے اور کسی کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ جہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پڑاؤ ڈالتے تھے۔ وہیں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بھی پڑاؤ ڈالتی تھیں۔ سیدنا عثمان اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما انھیں وادی میں محفوظ جگہ پر اتارتے تھے، خود آمد و رفت والے راستے میں ٹھہرتے تھے اور کسی کو اس طرف سے نہیں گزرنے دیتے تھے۔[2]

[1] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 25. [2] الطبقات لابن سعد: 134/3، وأنساب الأشراف: 466,465/1، و مجلة البحوث الإسلامية، العدد العاشر، ص: 263.

باب

2

خلافت، طرزِ حکومت اور ذاتی خوبیاں

خلافت ذوالنورین

انتخابِ خلیفہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فراست

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ امت کی وحدت اور اس کے درخشاں مستقبل کے لیے زندگی کے آخری سانس تک تگ و دو کرتے رہے۔ آپ گہرے زخموں کی وجہ سے بڑی شدید تکلیف میں مبتلا تھے۔ اس کے باوجود آپ کو امت ہی کی بھلائی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ زندگی کے آخری اکھڑتے ہوئے سانسوں سے بھی آپ کے مضبوط ایمان، خلوص اور ایثار کی خوشبو آ رہی تھی۔[1]

شدید زخمی ہونے کے باوجود آپ نے خلیفہ کے انتخاب کا ایسا جدید طریقہ اپنایا جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ آپ کی سیاسی بصیرت، عقل و دانش اور ایک عظیم قائد ہونے کی سب سے بھاری دلیل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ نے خلافت کے لیے کسی کو نامزد نہیں کیا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انھوں نے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نامزد کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جب آخری ایام میں مطالبہ کیا گیا کہ کسی کو خلیفہ نامزد کر دیجیے۔ انھوں نے اس تجویز پر غور و فکر کیا اور حالات کی مناسبت سے ایک نیا طریقۂ نامزدگی اختیار فرمایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام صحابہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل تھے۔ اختلاف کا خدشہ نہ ہونے کے برابر تھا، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارہا یہ احساس

[1] الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب للعاني، ص: 161.

دلا چکے تھے کہ میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی معاملات سنبھالیں گے۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو وہ سمجھتے تھے کہ اس اقدام سے کوئی اختلاف نہیں کرے گا، اس لیے کہ ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلافت کا بار اٹھانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا اور سب نے متفقہ طور پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ ①

جدید طریقۂ انتخاب میں شوریٰ کی تعداد محدود کر دی گئی۔ ایسے چھ افراد منتخب کیے گئے جو سب کے سب خلافت کے اہل تھے اگرچہ ان کے مراتب مختلف تھے۔ آپ نے طریقۂ انتخاب اور مدت کا تعین بھی کر دیا اور تاکید فرما دی کہ اس دورانیے میں لازماً کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ ایک شخص کو اس انتخابی کمیٹی کا چیئرمین مقرر کیا اور تمام کے ووٹ برابر ہونے کی صورت میں مسئلے کا حل بتا دیا۔ خصوصی تاکید کی کہ انتخاب کے تمام معاملات مخفی رکھے جائیں اور جو شخص متفقہ فیصلے کی مخالفت کرے اسے سزا دی جائے۔ ارکانِ شوریٰ کے علاوہ کسی اور شخص کو دخل اندازی یا سماعت کی قطعًا اجازت نہ دی جائے۔ ②

یہاں ہم مذکورہ بالا باتوں کی وضاحت کیے دیتے ہیں:

مجلس شوریٰ کے ارکان کی تعداد اور ان کے نام: مجلس شوریٰ کے ارکان کی تعداد چھ تھی۔ اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

① سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ② سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

③ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ④ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

⑤ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ⑥ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں شاید

① أولیات الفاروق للدکتور غالب القرشي، ص: 122. ② أولیات الفاروق للدکتور غالب القرشي، ص: 124.

اپنے خاندان بنو عدی کا فرد ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر دیا۔[1] ہر چند سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عزیز و اقارب میں نہایت قابل اور خلافت کے اہل افراد موجود تھے لیکن آپ اپنے عزیز و اقارب کو خلافت سے بہت دور رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ آپ نے اپنے عزیز سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا نام خلافت کے لیے مجوزہ افراد کی فہرست میں شامل نہیں کیا۔[2]

طریقۂ انتخاب: آپ نے حکم دیا کہ کسی ایک کے گھر میں جمع ہو جاؤ، باہم مشورے سے ایک شخص کا انتخاب کر لو۔ دورانِ مشورہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تمھارے ساتھ ہوں گے لیکن وہ خلافت کے امیدوار نہیں ہوں گے۔ دورانِ مشورہ سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں گے۔ انھیں تاکید فرمائی کہ آپ تین دن تک نماز کی امامت کرائیں گے۔ آپ نے خلافت کے لیے مجوزہ چھ صحابہ میں سے کسی کو نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا مبادا کسی کے لیے خلافت کا اشارہ ہو جائے۔[3] سیدنا مقداد بن اسود اور ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہما کو انتخابی عمل کا نگران مقرر فرمایا۔[4]

انتخابی عمل کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات: سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ حل کرنے کے لیے تین دن کی مہلت دی۔ وجہ یہ تھی کہ اگر زیادہ وقت دیا گیا تو اختلافات بڑھنے کا اندیشہ ہے، اس لیے انھیں تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ''چوتھے روز لازماً کوئی امیر چن لینا۔''[5]

ابن سعد نے معتبر سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صہیب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھائیں اور یہ لوگ الگ بیٹھ کر ایک شخص کا انتخاب کر لیں۔ جب یہ سارے افراد ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور بعد ازاں کوئی اختلاف کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔[6] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا جو ان حضرات کے متفقہ انتخاب کی مخالفت کرے اور مسلمانوں

[1] البداية والنهاية: 142/7. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 98. [3] الخلافة والخلفاء الراشدون للبهنساوي، ص: 213. [4] أشهر مشاهير الإسلام في الحرب والسياسة، ص: 648. [5] الطبقات لابن سعد: 364/3. [6] الطبقات لابن سعد: 342/3.

میں انتشار اور تفرقہ پیدا کر کے بدامنی کی فضا پیدا کرنے کا باعث بنے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَتَاكُمْ وَ أَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَّاحِدٍ يُّرِيدُ أَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ، أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ»

''تمھارے ایک شخص پر اکٹھے ہو جانے کے بعد اگر کوئی آدمی تمھاری جمعیت کو پارہ پارہ کرنا یا تفریق پیدا کرنا چاہے تو اسے قتل کر دو۔''[1]

بعض کتبِ تاریخ میں لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مشورے کے دوران اگر پانچ آدمی کسی ایک کا انتخاب کر لیں اور ایک آدمی مسلسل انکار کرے تو اسے قتل کر دیا جائے، اگر کسی شخص پر چار آدمی متفق ہو جائیں اور دو افراد تسلیم نہ کریں تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے۔[2]

یہ روایات سنداً نہایت کمزور بلکہ سخت ضعیف ہیں، اس لیے کہ ایسی ساری روایات ابو مخنف رافضی کی بیان کردہ ہیں۔ یہ نہ صرف اصل حقیقت کے خلاف ہیں بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و سیرت کے بھی منافی ہیں۔ ابو مخنف نے جو یہ قول نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ارکانِ شوریٰ کی نگرانی کرو۔ اگر پانچ افراد کسی ایک پر اتفاق کر لیں اور ایک انکار کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔ اگر چار افراد ایک شخص پر راضی ہو جائیں اور دو انکار کریں تو ان دونوں کی گردن مار دینا۔''[3] یہ بالکل غلط اور بے بنیاد قول ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسی بات کریں، جبکہ آپ خوب جانتے تھے کہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے برگزیدہ ترین شخصیتیں ہیں۔ ان کی اسی فضیلت اور عظمت کے پیشِ نظر ہی تو انھیں خلافت کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔[4]

[1] صحيح مسلم، حديث: (60)-1852. [2] تاريخ الطبري: 226/5. [3] تاريخ الطبري: 226/5.
[4] مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص: 175.

ابن سعد سے مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انصار کو حکم دیا کہ انھیں ایک گھر میں تین دن تک بند رکھو، اگر یہ کسی ایک پر متفق ہو جائیں تو ٹھیک ہے، ورنہ ان سب کو قتل کر دو۔[1]

یہ روایت بھی منقطع ہے۔ مزید برآں اس کی سند میں سماک بن حرب ہے۔ اس شخص کا حافظہ آخر عمر میں خراب ہو گیا تھا، اس لیے وہ ضعیف ہے۔[2]

اختلاف کی صورت میں حکم: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ تمھارے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی مشورے میں شامل ہوں گے لیکن وہ خلافت کے امیدوار نہیں ہوں گے۔ مزید فرمایا: ''اگر دونوں طرف تین تین افراد ہوں تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فیصلہ کرانا، جس فریق کے حق میں ہوں اُس میں سے ایک آدمی کو خلیفہ بنا دینا، اگر ان کے فیصلے سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہوں اسے ترجیح دینا، اس لیے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رجل رشید اور راست باز انسان ہیں۔'' ان کے متعلق مزید فرمایا: ''سب سے زیادہ فہیم اور صاحب رائے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں، وہ ہدایت یافتہ اور راست باز ہیں۔ ان پر اللہ کا خاص فضل ہے، لہٰذا ان کی بات سُننا۔''[3]

خلیفہ کے انتخاب کا اہتمام: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے سیدنا ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور نصیحت کی: ''اے ابوطلحہ! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمھارے ذریعے سے اسلام کو عزت بخشی ہے، لہٰذا انصار میں سے پچاس آدمی لے کر ان سب کو (جنھیں میں نے نامزد کیا ہے) ایک آدمی منتخب کر لینے کی ترغیب دلاؤ۔''[4] سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مزید کہا: ''جب تم مجھے قبر میں اتار دو تو ان نامزد افراد کو ایک گھر میں جمع کر کے انھیں ایک آدمی منتخب کرنے کی ترغیب دینا۔''[5]

کم مرتبہ شخص کے تقرر کا جواز: شوریٰ کے معاملے سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ بسا

[1] الطبقات لابن سعد: 342/3. [2] مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص: 176. [3] تاريخ الطبري: 225/5. [4] تاريخ الطبري: 325/5. [5] تاريخ الطبري: 325/5.

اوقات افضل کی موجودگی میں اس سے کم تر فرد کا تقرر بھی جائز ہے، اس لیے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے چھ ارکان مقرر کیے، جبکہ آپ خوب جانتے تھے کہ بعض کا مرتبہ بعض سے زیادہ ہے۔ آپ نے جن گورنروں کا تقرر کیا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صرف دین میں افضلیت ہی کو سامنے نہیں رکھا بلکہ امورِ حکومت میں اعلیٰ فہم و بصیرت کا بھی لحاظ رکھا، تاہم کسی بے دین شخص کو کبھی مقرر نہیں کیا۔ آپ نے سیدنا معاویہ، مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو امور حکومت سونپے، حالانکہ دینی امور میں ان سے افضل عالم ابودرداء رضی اللہ عنہ شام میں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں موجود تھے۔[1]

تعیینِ خلیفہ کی درمیانی راہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ نہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سب مسلمانوں پر یہ بات چھوڑی اور نہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح کسی کو نامزد کیا بلکہ چھ آدمیوں کی کمیٹی بنائی اور انھیں باہمی مشورے کے ذریعے اپنے میں سے ایک شخص کو چُن کر نامزد کرنے کا حکم دیا۔[2]

ارکان شوریٰ کی حقیقی تعداد: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بخوبی علم تھا کہ یہ مشورہ صرف چھ افراد تک محدود نہیں رہے گا بلکہ یہ حضرات مدینہ کے عوام سے بھی مشورہ کریں گے کہ کسے خلیفہ مقرر کیا جائے۔ اسی لیے آپ نے مشورہ اور بحث و تمحیص کے لیے تین دن کی مہلت دی تاکہ وہ مدینہ کے عوام سے مشورہ کر لیں اور خلیفہ کا انتخاب متفقہ طور پر ہو سکے۔ بالخصوص اہلِ مدینہ اس معاملے پر یکسُو اور متفق ہوں کیونکہ وہاں جلیل القدر صحابہ موجود تھے اور باقی ماندہ لوگ ان کے تابع تھے۔ اس لیے ان کا اتفاق اہل مدینہ کی رائے کے ساتھ تھا۔ 23ھ تک مدینہ منورہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مرکز رہا بلکہ کبار صحابۂ کرام مدینہ ہی میں موجود تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی رفاقت ہی میں رکھا اور مفتوحہ علاقوں کی طرف جانے کی اجازت نہیں دی۔[3]

[1] المدينة المنورة فجر الإسلام والعصر الراشدي لمحمد محمد حسن شُرّاب: 97/2. [2] المدينة المنورة فجر الإسلام والعصر الراشدي لمحمد محمد حسن شُرّاب: 97/2. [3] المدينة المنورة فجر الإسلام لمحمد محمد حسن شُرّاب: 97/2.

اہل شوریٰ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اہل شوریٰ کو صرف یہی اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے کسی فرد کو خلیفہ چُن لیں۔ سب سے اہم اور گراں مایہ بات یہ ہے کہ اہلِ شوریٰ کے کسی بھی فرد نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کی مخالفت نہیں کی۔ نہ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کوئی اعتراض کیا۔ کتب سیرت و تاریخ میں اس معاملے کی مکمل وضاحت موجود ہے۔ فی الجملہ ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے کوئی اور رائے پیش کی ہو یا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری لمحات میں یا ان کی وفات کے بعد ان کی رائے سے اختلاف کیا گیا ہو۔ اس کے برعکس سبھی لوگ اس فیصلے پر متفق تھے اور انھیں اسی میں امت مسلمہ کی بھلائی نظر آتی تھی۔ ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند پایہ سیاسی کمیٹی بنائی۔ اس کمیٹی کے تمام ارکان بڑے عظمت مآب تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں یہی کام سونپا کہ آپ اپنے آپ میں سے خود ہی ایک خلیفہ کا انتخاب کر لیں۔ یہ دن رات وسعت پذیر اسلامی مملکت کا وہ جدید ترین دستوری نظام تھا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسا عبقری ہی اپنی سیاسی بصیرت اور ایمانی فراست سے وضع کر سکتا تھا۔ یہ طریق انتخاب اسلام کے کسی بنیادی اصول سے نہیں ٹکراتا۔ بالخصوص اس میں شورائی نظام کی روح پوری طرح کام کر رہی تھی، پھر جس حتمی اور فیصلہ کن نتیجے کا اعتبار کیا گیا وہ مسلمانوں کی طرف سے جامع مسجد میں عام بیعت تھی۔ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہوتا تو وہ بیعت نہ کرتا۔ اس بیعتِ عامہ سے وہ اشکال بھی ختم ہو جاتا ہے جو امکانی طور پر کسی کے ذہن میں آ سکتا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حق کس نے دیا؟ اور اس فیصلے میں آپ کی دلیل کیا تھی؟

ہمارے لیے یہی بات کافی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو تمام مسلمانوں نے نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اس پر خوشی کا اظہار بھی کیا۔ ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جس نے اعتراض کی اُنگلی اُٹھائی ہو۔ اس کے برعکس آپ کے اس فیصلے کے صائب ہونے پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے اور اجماع شریعت کے مصادر میں سے ہے۔[1]

[1] نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي لظافر القاسمي:228,227/1.

اس مرحلے پر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد تھے اور اہلِ شوریٰ وقت کے مروجہ سیاسی ڈھانچے کے سب سے اعلیٰ افراد تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس کمیٹی کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نامزد کیا اس کے افراد ایسی بیش بہا خوبیوں کے مالک تھے جو باقی مسلمانوں میں نہیں تھیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت تھی۔ ان خوبیوں کی نشاندہی خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں فرما دی تھی۔ کسی مسلمان کا تقوے اور امانت میں عشرہ مبشرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبے تک پہنچنا محال ہے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی روح اس حال میں پرواز کر گئی کہ موت کی انتہائی شدید سختیاں بھی انھیں آخری سانس تک اُمتِ مسلمہ کے مفادات سے غافل نہ کر سکیں۔ آپ نے شوریٰ کا ایک مستحکم اور باقاعدہ نظام قائم کیا جو ان سے پہلے موجود نہ تھا، اگرچہ قرآن وسنت سے اس کی اصل ثابت ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی سے عملی طور پر اس کا ثبوت ملتا ہے، اس لیے یہ کوئی بدعت نہ تھی جسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا ہو لیکن انھوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے ارکان شوریٰ کی تعداد محدود کر دی۔ اُس زمانے کی نئی کروٹوں کے مطابق یہی طریقہ زیادہ مناسب اور موزوں تھا۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اپنے بعد خلیفہ کو وصیت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کی نگرانی میں منتخب ہونے والے نئے خلیفہ کے لیے نہایت اہم وصیتیں کیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ وحدہ لاشریک سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ مہاجرین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضل وسبقت کا لحاظ رکھنا۔ انصار کے ساتھ بھلائی کرنا، ان کے اچھے کاموں کی قدر کرنا اور برے کاموں سے درگزر کرنا۔ شہر والوں کا خیال رکھنا۔ وہ دشمن کے خلاف ڈھال ہیں اور خراج وصول کرنے والے ہیں۔ ان سے صرف

[1] نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي لظافر القاسمي: 229/1. [2] أوليات الفاروق للدكتور غالب القرشي، ص: 127.

وہی لینا جو ان کی ضرورت سے زیادہ ہو۔ اہلِ دیہہ کے ساتھ بھلائی کرنا کیونکہ وہ عرب کی اصل (جڑ) اور اسلام کی بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے زکاۃ وصول کر کے انھی کے فقراء میں تقسیم کر دینا، ذمیوں کا خیال رکھنا، ان کی حفاظت کے لیے ان کے دشمنوں سے لڑنا اور جب وہ ماتحت رہ کر اپنے واجبات ادا کریں تو ان پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا۔ ہر حال میں خوفِ الٰہی اور تقویٰ کا لباس زیب تن رکھنا۔ اللہ کے غضب سے بچتے رہنا۔ لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا لیکن اللہ کے بارے میں لوگوں سے کبھی نہ ڈرنا۔ رعایا میں عدل و انصاف کرنا۔ ان کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھنا۔ دولت مند کو کبھی فقیر پر ترجیح نہ دینا، اس سے ان شاء اللہ آپ کی دلی حالت درست اور بوجھ ہلکا رہے گا۔ انجام کار کے لحاظ سے یہ بڑی اچھی بات ہے یہاں تک کہ تم دلوں کے بھید جاننے والے سے جا ملو۔ ہر عام و خاص پر اللہ کے معاملے میں سختی سے کام لینا۔ حدود اللہ نافذ کرنے میں کبھی مداہنت سے کام نہ لینا ورنہ تم بھی حدود اللہ کو پامال کرنے میں انھیں جیسے ہو جاؤ گے۔ کسی کا لحاظ کیے بغیر لوگوں سے برابری کا سلوک کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرنا۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے جس مال پر تمھیں نگران بنایا ہے اس میں اقرباء پروری کر کے ظلم کا ارتکاب نہ کرنا۔ اپنے آپ کو ہر طرح اس مال سے دور رکھنا۔ تم دنیا اور آخرت کی دو منزلوں کے درمیان ہو، اگر تم نے اس سے کنارہ کشی کرتے ہوئے عدل سے کام لیا تو ایمان و خوشنودی کی دولت سے مالا مال ہو جاؤ گے اور اگر تمھاری خواہشات غالب آگئیں تو اپنے رب کو ناراض کر بیٹھو گے۔

میں وصیت کرتا ہوں کہ کسی ذمی (وہ کافر جو مسلمانوں کے ملک میں مسلمانوں کے ساتھ کسی معاہدے کے تحت رہتے ہوں) کے ساتھ ظلم کرنا نہ عوام الناس کو اس کی اجازت دینا۔ میرے ان پند و نصائح سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کا ثواب تلاش کرنا۔ جو

پندونصائح میں نے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے پسند کیے ہیں وہی نصائح میں تمھیں بھی کر رہا ہوں۔

اگر ان نصیحتوں پر عمل پیرا ہو گے اور میرے احکام کی تعمیل کرو گے تو بہت کچھ حاصل کرلو گے۔ اگر تم نے ان سے روگردانی کی، انھیں اہمیت نہ دی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے بڑے بڑے امور کو ترک نہ کیا تو یہ طرزِ عمل تمھاری طرف سے ان نصیحتوں کی ناقدری ہوگی، پھر تمھاری رائے کا احترام نہیں رہے گا کیونکہ خیالات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

ابلیس ہر برائی کی جڑ ہے۔ وہ ہلاکت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ تم سے پہلے اس نے بہت ساری قوموں کو گمراہ کیا اور بالآخر انھیں آگ کے دہانے پر لاکھڑا کیا۔ اللہ کے دشمنوں سے دوستی بہت مہنگی پڑتی ہے اور نافرمانوں سے تعلقات کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ حق کی پیروی کرو اور اکثریت کو اس کا قائل کرو۔ اپنے آپ کو نصیحت کرتے رہو۔

میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ مسلمانوں پر رحم کرنا، بڑوں کی تکریم کرنا۔ چھوٹوں پر شفقت کرنا۔ علماء کی توقیر کرنا اور انھیں ہر ممکن طور پر رسوائی سے بچانا۔ مال کے معاملے میں مجاہدین پر کسی کو ترجیح دے کر انھیں غضبناک نہ کرنا۔ انھیں عطیات سے محروم کر کے فقر کی طرف نہ دھکیل دینا۔ ان سب کو غزوات میں نہ بھیج دینا مبادا ان کی نسل ہی ختم ہو جائے۔ مال و دولت کو امراء کی اجارہ داری نہ بنا دینا۔ غرباء کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ طاقتور کمزور کو کھا جائے۔ میں تم پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں۔"

والسلام علیك [1]

اس وصیت سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اندازِ فکر، دور اندیشی اور انتظامی سلیقے کا اندازہ ہوتا

[1] الطبقات لابن سعد: 339/3، والبیان والتبیین للجاحظ: 46/2، والکامل في التاریخ: 210/2، والخلیفة الفاروق عمر بن الخطاب للعاني، ص: 172,171.

ہے۔ یہ وصیت نہایت اہم امور پر مشتمل ہے۔ اس لائق ہے کہ اسے اس بارے میں سب سے عمدہ دستاویز قرار دیا جائے۔ یہ وصیت دینی، سیاسی، عسکری، معاشی اور معاشرتی پہلوؤں کو خوب اجاگر کرتی ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تقویٰ اورخشیتِ الٰہی کی ترغیب: آپ نے تقویٰ اور خشیت الٰہی کی ترغیب دلائی کہ ظاہر و باطن اور قول و عمل میں خشیت الٰہی اور تقویٰ اختیار کیا جائے۔ کیونکہ جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بچا لیتا ہے اور اللہ خشیت الٰہی والے انسان کی حفاظت فرماتا ہے۔

سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ جملے ان کے زبردست تقوے اور خشیت الٰہی کے ترجمان ہیں:

"میں تمھیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں...... میں تمھیں اللہ سے ڈرنے اور محتاط رہنے کی وصیت کرتا ہوں...... میں تمھیں خشیت الٰہی کی وصیت کرتا ہوں۔"

❁ آپ نے بلا امتیاز ہر رشتہ دار، غیر رشتہ دار اور ہر عام و خاص پر حدود اللہ کے اجرا کا حکم دیا۔ آپ کے درج ذیل جملے اس کی غمازی کرتے ہیں:

"جس پر حد واجب ہو جائے، اس کے نفاذ میں کسی کی پروا نہ کرنا۔ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے مت ڈرنا۔" اس لیے کہ شریعت نے اللہ کی حدود کی صراحت کر دی ہے اور یہ دین کا حصہ ہیں۔ اور شریعت لوگوں کے اعمال و اقوال پر حجت قاطع ہے۔ اسی میزان میں انھیں دیکھا جاتا ہے۔ حدود اللہ سے غفلت اور سستی درحقیقت دین اور معاشرے کو بگاڑنے کے مترادف ہے۔

❁ آپ نے استقامت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: "جس طرح تمھیں حکم ملا ہے اس پر ڈٹ جاؤ۔" یہ دینی اور دنیاوی مصلحت کا تقاضا ہے۔ ایک حاکم کو سب سے پہلے اپنے قول و فعل میں یکسانیت سے آراستہ ہونا ضروری ہے، پھر عوام الناس کو بھی اس پر کاربند ہونا چاہیے۔ آپ نے فرمایا: "اپنے آپ کو وعظ و نصیحت کرتے رہو اور اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی سعادت تلاش کرو۔"

سیاسی حوالے سے وعظ و نصیحت: آپ نے عدل قائم کرنے کا حکم دیا کیونکہ کسی بھی حکومت کے استحکام کے لیے عدل بنیادی شرط ہے۔ عوام الناس کے درمیان عدل قائم کرنا درحقیقت حکومت کو سیاسی اور معاشرتی طور پر مستحکم، بااثر اور مضبوط بنانا ہے۔ حاکم عدل قائم کر کے عوام کے دلوں میں اپنا احترام پیدا کر سکتا ہے۔ وصیت نامہ میں عدل قائم کرنے کے سلسلے میں آپ کے ارشادات درج ذیل ہیں:

''میں تمھیں عدل قائم کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ لوگوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا۔''

❁ سابقون اولون کا خیال رکھنے کا حکم دیا اور ان کی دین اسلام کے لیے مساعی کی قدر کرنے کی تلقین کی کیونکہ سیاسی نظام اور نشر عقیدہ کا بوجھ انھی کے کندھوں پر تھا اور وہی اس کے حمایتی اور پھیلانے والے تھے۔ آپ نے فرمایا:

> ''میں اولین مہاجرین کے ساتھ احسان اور بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ ان کی قدر کرنا۔ انصار سے اچھا سلوک کرنا، ان کی لغزشوں سے درگزر کرنا اور ان کے احسان کی قدر کرنا۔''

عسکری حوالے سے تذکیر و یاد دہانی: اسلامی ریاست کی سرحدوں کی حفاظت اور امن عامہ کی عظیم ذمہ داری خلیفہ کے سر ہوتی ہے۔ اس کے لیے مناسب فوج ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے مناسب لشکر تیار کرنے اور پھر ان کی ضرورتوں کا ہر ممکن خیال رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا۔''

❁ آپ کی وصیت میں یہ بات بھی شامل تھی کہ مجاہدین کو ان کے اہل و عیال سے دور نہ کرنا۔ انھیں لمبے عرصے کے لیے جنگی مہموں پر مامور نہ کرنا کیونکہ اس سے اکتاہٹ، تشویش اور اضطراب پیدا ہو سکتا ہے، اس کی ہر ممکن تلافی کرنا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انھیں تعطیلات دی جائیں تاکہ وہ آرام کرنے کے ساتھ ساتھ نئے ولولے اور جذبے کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں نبھا سکیں۔ اور یہ ان کی بقائے نسل کے لیے بھی ضروری ہے۔

آپ نے فرمایا: ''ان سب کو غزوات میں نہ بھیجنا کہ ان کی نسل ہی ختم ہو جائے۔ شہر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ وہ دشمن کے مقابلے میں ڈھال کا کام دیتے ہیں۔''

❁ ہر مجاہد کو اس کا حق غنیمت اور عطیات دینے کی وصیت کی تاکہ وہ اہل و عیال کی ذمہ داریوں اور مالی پریشانیوں سے آزاد ہو کر جہاد کر سکے اور اس کے اہل خانہ بھی مطمئن ہوں۔ آپ نے فرمایا:

''مال کے معاملے میں ان پر کسی دوسرے کو ترجیح دے کر انھیں غضبناک نہ کرنا اور عطیات سے محروم کر کے انھیں فقر کی طرف نہ دھکیل دینا۔''

معاشی نقطۂ نظر سے پندونصائح: آپ نے لوگوں کی ضرورتوں کا ہر ممکن خیال رکھنے، ان کے درمیان انصاف کرنے اور سرمایہ دارانہ نظام کی حوصلہ شکنی کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''مال و دولت کو امراء کی اجارہ داری نہ بنا دینا۔''

❁ ذمیوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنے اور ان سے صرف ان کے واجبات وصول کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا: ''اگر وہ اپنی ذمہ داریاں اور خراج ادا کر دیں تو ا[illegible] کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا۔''

❁ لوگوں کے مال اور حقوق کے تحفظ اور ان پر ضرورت سے زائد بوجھ [illegible]ے سے اجتناب کرنے کی وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ''جو ان کی ضرورت سے زائد ہو اس کا ان سے مطالبہ کرنا۔ ان کا زائد مال لے کر انھی کے فقراء میں تقسیم کر دینا۔''[1]

معاشرتی حوالے سے وعظ و نصیحت: رعایا کا خیال رکھنے۔ ان کی ہر قسم کی ضرورتیں مال غنیمت اور بیت المال سے پوری کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''ان کی ضرورتیں پوری کرنے میں خرچ کرنے سے گریز نہ کرنا۔''

❁ اقرباء پروری، بے جا ترجیح اور خواہشات کی پیروی سے بچنے کی ترغیب دی کیونکہ اس

[1] الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب للعاني، ص: 175,174.

طرح بغاوت اور سرکشی پیدا ہوتی ہے۔ معاشرتی ماحول بگڑ جاتا ہے اور انسانی تعلقات میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اقرباء پروری اور بے جا ترجیح کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت نہ کرنا۔ سرمایہ دار کو غریب پر ترجیح نہ دینا۔''

❁ رعایا کا احترام کرنے اور ان کے چھوٹے بڑے سب کے لیے نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اس سے معاشرتی رواسم مضبوط ہوتے ہیں اور رعایا کے دل میں اپنے حاکم کی محبت بڑھ جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ مسلمانوں پر رحم کرنا، بڑوں کا احترام کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا اور ان کے علماء کی عزت کرنا۔''

❁ رعایا کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھنے، ان کی شکایات سننے اور ان کے درمیان انصاف کرنے کی رغبت دلائی کیونکہ عدل و انصاف کے مفقود ہونے سے معاشرے میں اضطراب اور شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''عوام الناس کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھنا، ایسا نہ ہو کہ طاقتور کمزور کو کھا جائے۔''

❁ اتباعِ حق معاشرے کی اہم ضرورت ہے۔ آپ نے اتباعِ حق اور ہر حالت میں اس کے عملی نفاذ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''حق کی پیروی کرنا اور اکثریت کو اس کا قائل کرنا۔ لوگوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا اور حق طلبی میں کسی کی پروا نہ کرنا۔''

❁ آپ نے ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے اجتناب کا حکم دیا، بالخصوص ذمیوں پر ظلم سے روکا ہے، اس لیے کہ حکومت کے لیے تمام رعایا کے درمیان، خواہ وہ مسلمان ہوں یا ذمی، عدل قائم کرنا ضروری ہے تاکہ اسلام کے اس نظامِ عدل سے سب مستفید ہو سکیں۔ آپ نے فرمایا: ''میری وصیت ہے کہ ذمیوں پر خود ظلم کرنا نہ عوام الناس کو اس کی اجازت دینا۔''

❁ آپ نے دیہی لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''میں تمھیں دیہی لوگوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ عرب کی اصل (جڑ) اور اسلام کی بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔''[1]

[1] الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب للعاني، ص: 173-175.

❁ آپ کی وصیت میں یہ بات بھی شامل تھی کہ میرے مقرر کردہ گورنروں کو ان کے عہدوں پر ایک سال سے زیادہ عرصہ برقرار نہ رہنے دیا جائے۔ البتہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو چار سال تک ان کے عہدے پر برقرار رکھا جائے۔ [1]

شوریٰ کے نظم ونسق میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا کردار

مجلسِ شوریٰ کا اجلاس: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہوتے ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ارکان شوریٰ اور وزرائے اعلیٰ کا اجلاس ہوا۔ بعض روایات کے مطابق یہ اجلاس ضحاک بن قیس کی بہن فاطمہ فہریہ کے گھر میں ہوا تاکہ مسلمانوں کو درپیش مسئلے کا حل تلاش کیا جائے۔ لوگوں نے کھل کر اپنی اپنی رائے پیش کی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اکابر صحابہ سے لے کر عوام الناس تک سب ایک بات پر راضی ہو گئے۔ [2]

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی طرف سے ارکان شوریٰ کو دستبرداری کی دعوت: ارکان شوریٰ جمع ہو گئے تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ حضرات اپنے میں سے تین افراد کا انتخاب کر لیں۔'' سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔'' سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔'' سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔'' اب خلافت کے لیے تین نامزد افراد رہ گئے: سیدنا علی بن ابو طالب، عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ دونوں حضرات میں سے جو بھی دستبردار ہو جائے ہم خلافت اسی کے سپرد کر دیں گے۔ اللہ اس کا نگہبان ہو گا۔ اسلام کے حقوق کی ذمہ داری اس پر لازم ہو گی۔ آپ کو غور کرنا چاہیے کہ آپ کے خیال میں کون افضل ہے۔'' اس بات پر یہ دونوں حضرات

[1] عصر الخلافة الراشدة للدكتور أكرم ضياء العمري، ص: 102. [2] عثمان بن عفان لصادق عرجون، ص: 63,62.

سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما خاموش رہے۔ اب سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ''کیا آپ اس انتخاب کی ذمہ داری مجھ پر ڈالتے ہیں؟ اللہ کی قسم! میں آپ دونوں میں سے اسی کو منتخب کروں گا جو سب سے افضل ہوگا۔'' ان دونوں حضرات نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' [1]

انتخابی کمیٹی کی نظامت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سپرد: اتوار کے دن ارکان شوریٰ کا اجلاس ختم ہوا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اصحابِ رائے سے مشاورت اور رابطے شروع کر دیے۔ رابطوں اور مشاورت کا سلسلہ تین دن تک جاری رہا۔ چار محرم الحرام بروز بدھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے دی گئی مہلت ختم ہونے والی تھی۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اگر میں آپ کی بیعت نہ کروں تو آپ کسے نامزد کریں گے؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو۔'' اس کے بعد سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی پوچھا: ''اگر میں آپ کی بیعت نہ کروں تو آپ کسے خلیفہ نامزد کریں گے؟'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو۔'' اس کے بعد سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ سے مشورہ کیا۔ انھوں نے مدینہ منورہ کے تمام کبار صحابۂ کرام سے مشورہ لیا۔ مجاہدین کے کمانڈروں کی رائے لی اور مدینہ آنے والے ہر صاحبِ شعور شخص سے مشاورت کی۔ باپردہ فہیم خواتین کی رائے بھی معلوم کی۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ کے بچے اور غلام تک اس مشورے میں شریک کیے گئے۔ اکثریت کی رائے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں سامنے آئی کہ انھیں خلیفہ نامزد کیا جائے۔ بعض حضرات نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی رائے پیش کی۔ بدھ کی آدھی رات بیت گئی تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے بھانجے مِسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا۔ مِسور سو رہے تھے۔ [2] بار بار دروازہ کھٹکھٹانے پر وہ جاگے تو

[1] صحيح البخاري، حديث: 3700. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 107,106.

آپ نے فرمایا: ''تم سو رہے ہو؟ اللہ کی قسم! میں نے تو آنکھ بھی نہیں جھپکی، جاؤ سیدنا زبیر اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کو بلا لاؤ۔'' مِسور کہتے ہیں: ''میں انھیں بلا لایا۔ آپ نے ان سے مشورہ کرنے کے بعد مجھے حکم دیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔'' میں انھیں بھی بلا لایا۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان سے طویل سرگوشی کی۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چلے گئے۔ اب سیدنا عبدالرحمٰن نے مجھے حکم دیا: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔'' میں انھیں بلا لایا تو آپ نے ان سے اتنی طویل سرگوشی کی کہ فجر کی اذان ہوگئی۔ ①

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اتفاق: 29 ذوالحجہ 23ھ یعنی 6 نومبر 644ء کو فجر کی نماز سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ نماز ختم ہوئی تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ آپ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ شوریٰ کے ارکان منبر نبوی کے پاس موجود تھے۔ آپ نے مدینہ میں موجود انصار و مہاجرین اور سربراہان فوج کو بلا بھیجا جن میں شام کے گورنر سیدنا معاویہ، حمص کے امیر سیدنا عمیر بن سعد اور امیر مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ یہ حضرات درحقیقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کرنے کی غرض سے آئے تھے اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ مدینہ آگئے تھے۔ بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعۂ شہادت پیش آگیا۔ ②

صحیح بخاری میں ہے کہ جب لوگوں نے فجر کی نماز پڑھ لی اور ارکانِ شوریٰ بھی منبرِ رسول کے پاس موجود تھے تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں موجود مہاجرین و انصار اور سربراہان افواج کو بلا بھیجا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج ادا کرنے کے بعد ابھی تک مدینہ منورہ ہی میں موجود تھے۔ جب سب جمع ہوگئے تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''اے علی! میں نے لوگوں کی رائے لی ہے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، لہٰذا آپ کوئی ایسا اقدام نہ کیجیے جو آپ کے خلاف دلیل بنے۔'' پھر

① صحيح البخاري، حديث: 7207. ② شهيد الدار للدكتور أحمد الخروف، ص: 37.

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے عثمان! میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ان کے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طریقے کے مطابق آپ کی بیعت کرتا ہوں۔'' پھر مہاجرین و انصار، سربراہان افواج اور تمام لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ [1]

ایک روایت کے مطابق سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے پہلے بیعت کرنے والے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔ [2]

شوریٰ کے لائحۂ عمل کے نفاذ میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی حکمتِ عملی: سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جس حکمت عملی سے شوریٰ کے پروگرام پر عمل کیا وہ آپ کی عقل و بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس سے آپ کا یہ انداز فکر نمایاں ہوتا ہے کہ آپ اپنی ذات کی بجائے عامۃ المسلمین کی بھلائی پیش نظر رکھتے تھے۔ آپ نے برضاو رغبت اسلامی مملکت کے سب سے بڑے منصب سے دستبرداری اختیار کر لی، حالانکہ دنیا میں ہر شخص ایسے اونچے منصب کی تمنا رکھتا ہے۔ آپ کے اس اقدام سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا مقصود مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد قائم کرنا تھا۔ آپ نے شوریٰ کی پہلی ذمے داری کو خوب نبھایا۔ اس کے لیے آپ نے ایسے شخص کا انتخاب کیا جو مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال کر کے ان کی رہنمائی کر سکے۔ آپ نے صبر، ہمت اور عزمِ صمیم سے کام لیتے ہوئے ایک بہت بڑی ذمہ داری بڑی جرأت اور دیانت سے نبھائی۔

آپ نے اس نازک ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے جو عمل اختیار کیا اس کے نمایاں پہلو یہ ہیں:

❁ آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کیے ہوئے وقت کی پوری پابندی کی۔ شوریٰ کا اجلاس بروقت طلب کیا۔ ساری صورت حال کھول کر بیان کر دی۔ اس طرح تمام ارکانِ شوریٰ کو اپنی رائے دینے کا موقع میسر آ گیا۔ اس طرح ہر ایک کا موقف اور رائے بھی سامنے آ گئی

[1] صحیح البخاري، حدیث: 7207. [2] التمهید والبیان للدکتور محمد بن یحییٰ الأندلسي، ص: 26.

جس کی بنا پر فیصلہ کرنا آسان ہو گیا۔

* شکوک وشبہات ختم کرنے اور دوٹوک فیصلہ کرنے کے لیے آپ نے اپنی دستبرداری کا اعلان کیا۔

* آپ نے ایسا طریقۂ انتخاب متعارف کرایا جس میں شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام لوگوں نے بھی بڑی دلچسپی لی۔ آپ رائے شماری کا انداز بدلتے رہے یہاں تک کہ معاملہ جزوی انتخاب پر ختم ہوا جس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کی رائے سے خلیفہ منتخب کیا گیا۔ حاضرین کی اکثریت بھی اِسی چناؤ کے حق میں تھی۔

* آپ نے سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما دونوں سے علیحدہ علیحدہ رائے لی کہ اگر انھیں منتخب نہ کیا جائے تو وہ کس کو منتخب کریں گے؟ اس سوال پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ دونوں حضرات باقی ارکان شوریٰ میں سے کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دیں گے۔

* آپ نے مجلسِ شوریٰ سے ہٹ کر عام لوگوں اور اصحاب الرائے سے بھی مشورہ کیا۔ اور اسی نتیجے پر پہنچے کہ اکثریت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حامی ہے تو آپ نے ان کی بیعت کر لی اور پھر سب لوگوں نے بیعت کر لی۔ [1]

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی عقل وبصیرت، دیانت وامانت اور پوری بے لوثی سے خلافت جیسے عظیم منصب سے بے نیاز ہو کر اس نہایت اہم ذمہ داری کو جس محنت، مہارت اور غیر جانبداری سے پورا کیا اور اس سلسلے میں جس طرح مجلسِ شوریٰ کی قیادت کی، وہ ایک بے مثال تاریخی واقعہ ہے۔ [2]

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''خلیفہ کے انتخاب کے لیے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

[1] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 71,70. [2] مجلة البحوث الإسلامية: 255/10.

کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ خود اس منصب کی اُمیدواری سے دستبردار ہو گئے اور امت کے لیے اس شخص کا انتخاب کیا جس پر سب متفق تھے۔ یوں آپ نے امت کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمع کر کے نہایت عظیم دینی، سیاسی اور تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ اگر آپ جانبداری یا اقرباء پروری سے کام لیتے تو خود خلیفہ بن جاتے یا اپنے چچازاد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرتے۔''[1]

اس طرح خلیفہ کے انتخاب کے لیے خلفائے راشدین ہی کے دور میں ایک نیا شورائی نظام رائج ہو گیا اور وہ یہ کہ خلیفہ کے انتخاب کے لیے مجلس شوریٰ مقرر کی جائے جو عوام الناس کی رائے لے کر، بیعتِ عامہ کے ذریعے ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کرنے والی مجلسِ شوریٰ کے بارے میں رافضیوں کی کذب بیانیاں

تاریخِ اسلام پر رافضیوں اور شیعوں کی کذب بیانیوں کے نہایت گہرے اثرات ہیں۔ انھوں نے تاریخ کے جن واقعات کو اپنی دروغ گوئیوں سے مسخ کیا ہے ان میں سے ایک واقعہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے اور مجلسِ شوریٰ کے کردار کا ہے۔ روافض کی ان موشگافیوں کو مستشرقین نے بڑی ہوشیاری سے اچک لیا اور خوب پھیلایا۔ بہت سے جدید مفکرین اور مؤرخین بھی اس سے متأثر ہوئے۔ انھوں نے روایات کی جانچ پڑتال کیے بغیر ہر رطب و یابس بات عوام میں پھیلا دی۔

روافض اور شیعہ مؤرخین نے مجلسِ شوریٰ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے کے واقعے کو خوب اہتمام سے بیان کیا اور جھوٹ اور فریب کی ایسی پیوند کاری کی کہ عام قاری الجھ کر رہ گیا۔ انھوں نے اس موضوع پر مستقل تصنیفات شائع کیں۔ ابومخنف نے

[1] سیر أعلام النبلاء: 86/1. [2] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 278.

"کتاب الشوریٰ"، لکھی۔ اسی طرح ابن عُقدہ اور ابن بابویہ نے بھی مستقل کتابیں لکھیں۔ ①

ابن سعد نے واقدی سے شوریٰ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت اور تعیناتی کے سلسلے میں نو روایات بیان کی ہیں۔ ② عبیداللہ بن موسیٰ کی روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت، ارکان شوریٰ کا تعین، منتخب ہونے والے خلیفہ کے لیے وصیت اور اس معاملے میں سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت کی تفصیل موجود ہے۔ ③

بلاذری نے شوریٰ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بارے میں ابومخنف اور ہشام کلبی سے واقعات نقل کیے ہیں۔ ہشام کی بھی بعض روایات ابومخنف ہی کی بیان کردہ ہیں۔ اسی طرح اس نے عبیداللہ بن موسیٰ سے بھی بیان کیا ہے۔ ④

امام طبری نے اس واقعے میں بہت سی روایات پر اعتماد کیا ہے جن میں ابومخنف کی روایت بھی ہے۔ ⑤ ابن ابی الحدید نے شوریٰ کے بعض واقعات احمد بن عبدالعزیز جوہری کے واسطے سے نقل کیے ہیں۔ ⑥

روافض اور شیعہ کی روایات میں مذکور مکر وفریب اور دروغ گوئی کی چند جھلکیاں دیکھیے:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اقرباء پروری کا الزام: شیعی روایات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اقرباء پروری کا الزام دیتی ہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ثالثی پر راضی نہ تھے۔

ابومخنف، احمد جوہری اور ہشام کلبی نے اپنے باپ سے لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے برابری کی صورت میں اس فریق کو ترجیح دینے کی نصیحت کی تھی جس طرف سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہوں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا کہ خلافت ان کے ہاتھوں سے نکل گئی ہے، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے رشتہ داری کی وجہ سے

① الذريعة إلى تصانيف الشيعة: 246/14. ② الطبقات لابن سعد: 63/3و67. ③ الطبقات لابن سعد: 340/3. ④ أنساب الأشراف: 6/5و19,18. ⑤ أثر التشيع على الروايات التاريخية للدكتور عبدالعزيز نور، ص: 321. اس موضوع کی یہ بہترین کتاب ہے۔ ⑥ شرح نهج البلاغة: 50,49/9و58.

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اُنھی کو ترجیح دیں گے۔ ①

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی قرابت کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے نہ چچازاد۔ نہ وہ ان کے قبیلے سے تھے بلکہ وہ بنوزہرہ سے تھے جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بنوامیہ سے تھے۔ بنوزہرہ کے بنوامیہ کی نسبت بنوہاشم سے زیادہ تعلقات تھے کیونکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی تھے۔ انھی میں سے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے جن کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: «هٰذَا خَالِي، فَلْيُرِنِي امْرُؤٌ خَالَهُ»

''یہ میرے ماموں ہیں، کوئی شخص مجھے ان جیسا اپنا ماموں دکھائے۔'' ②

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مہاجرین کے درمیان مؤاخات قائم کی نہ انصاری کو انصاری کا بھائی بنایا بلکہ آپ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مؤاخات قائم فرمائی۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہما کے مابین مؤاخات قائم کی تھی۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے بھائی چارے کی روایات ③ کتب ستہ اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ جن سے صاحبِ علم حضرات اچھی طرح واقف ہیں۔ ④

شیعہ حضرات نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر سسرالی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے الزام لگایا ہے، حالانکہ یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ سسرالی رشتوں کی نسبت نسبی رشتے زیادہ عزیز ہوتے ہیں اور پھر قرونِ اولیٰ کے مسلمان تو اسلام سے تعلق کے مقابلے میں آپس داری کے ہر تعلق کو بھول گئے تھے۔ انھیں ہر نسبی رشتے سے بڑھ کر اسلام کا رشتہ کہیں زیادہ عزیز تھا۔ اسلام کے مقابلے میں انھوں نے تمام رشتہ داریوں کو بالائے طاق رکھ دیا۔ پھر

① أثرالتشيع على الروايات التاريخية للدكتور عبدالعزيز نور، ص: 322. ② جامع الترمذي، حديث: 3752، والخبر صحيحٌ. ③ صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب إخاء النبي ﷺ بين المهاجرين والأنصار، حديث: 3780. ④ منهاج السنة النبوية لابن تيمية: 272,271/6.

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے درمیان جو رشتۂ مصاہرت کی کیفیت تھی وہ بھی کوئی قریبی مصاہرت نہ تھی بلکہ اس اعتبار سے تھی کہ ولید بن عقبہ کی بہن ام کلثوم سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھی۔ ①

اموی اور ہاشمی دھڑے: ابو مخنف کی روایت میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ بیعت کے دوران اموی اور ہاشمی دونوں دھڑوں کے مابین چپقلش اور زور آزمائی ہوگئی تھی، حالانکہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔ اس کے بارے میں صحیح تو کیا کوئی ضعیف روایت بھی موجود نہیں۔ ②

بعض مؤرخین نے روافض اور شیعہ کی روایات کی پیروی کی ہے اور اپنے تجزیے اور نظریات کی بنیاد انھی روایات کو بنایا ہے۔ انھوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مشاورت کو قبائلی اختلاف کا مظہر قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ لوگ ہاشمی اور اموی دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، یہ مغالطہ بالکل بے بنیاد اور باطل ہے۔ اُس معاشرے اور ماحول کے بارے میں ایسا تصور پیش کرنا، جہاں باپ بیٹے کے رشتے سے زیادہ مضبوط مہاجر، انصاری کا رشتہ تھا، وہم کے سوا کچھ نہیں۔ جن عظیم لوگوں نے اپنے دین کی خاطر ہر طرح کی قربانیاں دیں، ان کی طرف ایسے خیالات کس طرح منسوب کیے جاسکتے ہیں؟ بالخصوص عشرہ مبشرہ کے بارے میں ایسا تصور خبث باطن کے سوا کچھ نہیں۔

بہت سے ایسے واقعات جو ان کی طرف منسوب کیے گئے ہیں قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں۔ خلافت کے لیے اہل شخص کے انتخاب کا مسئلہ قبائلی یا خاندانی معاملہ نہیں تھا بلکہ پوری امتِ مسلمہ کی وحدت اور اس کے مستقبل کا مسئلہ تھا اور جو صحابۂ کرام شوریٰ کے ارکان بنائے گئے تھے وہ اپنی اُجلی سیرت اور علمی بلند مقامی کی وجہ سے اس کے پوری طرح اہل تھے۔ ③

① الطبقات لابن سعد: 127/3. ② مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص: 178,177. ③ الخلفاء الراشدون لأمين القضاة، ص: 79,78.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب غلط اقوال: امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن جریر وغیرہ نے مجہول راویوں سے یہ بات نقل کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ نے مجھے دھوکا دیا ہے، اور عثمان رضی اللہ عنہ کو سسرالی رشتہ دار ہونے کی بنا پر خلیفہ مقرر کیا ہے تاکہ وہ اپنے معاملات میں روزانہ آپ سے مشورہ کرے۔ اس پر سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے پس و پیش کرتے ہوئے یہ آیت تلاوت کی:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۗ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

''بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو بس اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے عہد شکنی کی تو بس وہ اپنی ہی ذات کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا تو عنقریب وہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔''[1]

یہ اور اسی طرح کے دوسرے وہ واقعات اور اقوال جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں یکسر بے بنیاد ہیں اور صحیح واقعات کے خلاف ہیں۔ واللہ أعلم

روافض اور ان کی پیروی میں بعض کند ذہن قصہ گو حضرات نے، جو کھرے کھوٹے کی کوئی تمیز نہیں رکھتے، جو کچھ بیان کیا ہے وہ من گھڑت افسانوں سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دنیاوی پستیوں سے بہت بلند تھے۔[2]

سیدنا عمرو بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما پر الزام: ابو مخنف نے شوریٰ کے واقعے میں لکھا ہے کہ عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما دروازے کے قریب بیٹھ گئے (تاکہ انھیں بھی شوریٰ میں شامل سمجھا جائے) اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں سرزنش کی، ...... حق یہ ہے کہ

[1] الفتح 10:48. [2] البداية والنهاية: 152/7.

ایسی حرکت تو ایک عام آدمی سے بھی بعید ہے، چہ جائیکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف ایسی بات منسوب کی جائے۔ اس بات کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ لوگوں کو ارکان شوریٰ کا پہلے ہی علم تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ذرا بھی غور وفکر سے کام لے اور ان روایات کا صحیح روایات سے موازنہ کر لے تو ان کا جھوٹ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ان کے تضادات بے شمار ہیں۔ دکتور یحییٰ الیحیٰی نے چند مثالیں پیش کی ہیں جو اس روایت کو باطل اور ناقابل اعتبار ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہیں۔[1]

یہ چند زہر آلود نمونے میں نے بطور تنبیہ پیش کیے ہیں۔ ان سے ہماری تاریخ اور امت کا ثقافتی ورثہ اتنا غبار آلود ہو چکا ہے کہ بڑے بڑے مفکرین، اصحابِ قلم اور مؤرخ بھی ان سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا جواز

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے میں کسی کو کوئی شک نہیں سوائے ان لوگوں کے جن کے دل بغضِ صحابہ کے سبب زنگ آلود ہو چکے ہیں اور وہ شیعہ اور روافض ہیں جن کی زندگی کی ساری پُونجی (معاذ اللہ) صحابہ کو گالیاں دینا اور ان کے لیے بغض رکھنا ہے۔ ان کے اعتراضات بے بنیاد ہیں۔ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے بارے میں ان کے اعتراضات کی حیثیت بیتِ عنکبوت سے زیادہ نہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے پر جو آیات، احادیث اور آثار دلالت کرتے ہیں اُن میں سے چند درج ذیل ہیں:[2]

قرآنی آیات سے استدلال: ❁ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ

[1] مرويات أبي مخنف للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص: 179. [2] عقيدة أهل السنّة في الصحابة للدكتور ناصر بن علي: 656/2.

﴿مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

''جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے لیے ان کا وہ دین ضرور پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ انھیں لازماً امن دے گا، وہ میری ہی عبادت کریں گے، اور کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کریں گے تو درحقیقت وہی لوگ فاسق ہیں۔'' [1]

اس آیت سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے کا استدلال اس طرح ہے کہ آپ کا شمار بھی ان لوگوں میں ہے جنھیں باری تعالیٰ نے زمین میں اقتدار سے نوازا اور زمین میں خلیفہ بنایا۔ دورانِ خلافت آپ نے اپنی کارگزاری کا اچھا نمونہ پیش کیا، عدل قائم کیا، نماز اور زکاۃ کے نظام کو مضبوط بنایا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا۔ مذکورہ بالا آیت میں صحیح خلافت کی یہی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ [2]

❁ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَـنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِــيْمًا ۝﴾

''آپ ان پیچھے چھوڑے ہوئے اہلِ دیہہ سے کہہ دیجیے: عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمھیں بہترین اجر دے گا اور اگر تم پھرو گے، جیسا

[1] النور 24:55. [2] عقيدة أهل السنة في الصحابة للدكتور ناصر بن علي: 2/656.

کہ اس سے پہلے تم پھرے تو وہ تمھیں نہایت دردناک عذاب دے گا۔'' [1]

اس آیت سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے کا استدلال اس طرح ہے کہ اس آیت میں اَعراب کو دعوت دینے والا وہ داعی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انھیں قتال کی دعوت دی۔ اور وہ ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو مرتدین، جھوٹے مدعیان نبوت کے پیروؤں اور روم و فارس سے جنگ کی دعوت دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے روم و فارس اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رومیوں، فارسیوں اور ترکوں کے خلاف جہاد کی دعوت دی، لہٰذا قرآنی نص سے قتال کی طرف دعوت دینے والے ان تینوں خلفاء کی اطاعت واجب ہوئی۔ اور جب ان کی اطاعت واجب ٹھہری تو ان کی خلافت بھی مبنی برحق ثابت ہوئی۔ [2]

احادیثِ مبارکہ سے استدلال: ❁ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دروازے پر بطور دربان کھڑا کر دیا۔ اس دوران ایک آدمی آیا۔ اس نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِئْذَنْ لَّهٗ وَ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَإِذَا هُوَ أَبُوبَكْرٍ، ثُمَّ جَاءَ آخَرُ يَسْتَأْذِنُ فَقَالَ: اِئْذَنْ لَّهٗ وَ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، فَإِذَا عُمَرُ، ثُمَّ جَاءَ آخَرُ يَسْتَأْذِنُ فَقَالَ: اِئْذَنْ لَّهٗ وَ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى سَتُصِيبُهٗ فَإِذَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ»

''اسے اجازت دے دو اور جنت کی بشارت بھی دے دو۔'' میں نے دیکھا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، پھر ایک اور شخص نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا: ''اسے اجازت دے دو اور جنت کی خوشخبری سنا دو۔'' میں نے دیکھا کہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے، پھر ایک تیسرے شخص نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: ''اسے اجازت دے دو اور اسے ان مصائب پر جنت کی بشارت دو جو اسے

[1] الفتح 16:48. [2] الفصل في الملل والأهواء والنحل لابن حزم: 110,109/4.

پہنچنے والے ہیں۔'' میں نے دیکھا تو وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔''①

اس حدیث میں ان تینوں اصحابِ گرامی کی پے در پے خلافت کا اشارہ ہے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر آنے والی اس آزمائش کی پیش گوئی ہے جس میں انھیں محصور کر کے ناحق شہید کر دیا گیا۔ یہ حدیث رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کی بین دلیل بھی ہے اور اس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔②

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا:

«أُرِيَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ صَالِحٌ أَنَّ أَبَابَكْرٍ نِيطَ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَ نِيطَ عُمَرُ بِأَبِي بَكْرٍ، وَّ نِيطَ عُثْمَانُ بِعُمَرَ»

''ایک نیک آدمی نے آج رات خواب میں دیکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹے ہوئے ہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ چمٹے ہوئے ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عثمان رضی اللہ عنہ چمٹے ہوئے ہیں۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو ہم نے کہا: ''نیک آدمی سے مراد خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جو ایک دوسرے کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں یہ یکے بعد دیگرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے نگران ہوں گے۔''③

❁ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: «إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ وَّاخْتِلَافٌ أَوِ اخْتِلَافٌ وَّ فِتْنَةٌ» ''عنقریب ایک فتنہ اور اختلاف برپا ہوگا یا اختلاف اور فتنہ نمودار ہوگا۔'' راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! ہمارے لیے کیا ارشاد ہے؟'' آپ نے فرمایا: «عَلَيْكُمْ بِالْأَمِينِ وَ أَصْحَابِهِ» ''تم امین اور اس کے ساتھیوں کا ساتھ دینا۔'' اس ارشاد مبارک سے آپ کی مراد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔④

① صحيح البخاري، حديث:3695. ② عقيدة أهل السنة و الجماعة في الصحابة للدكتور ناصر بن علي:657/2. ③ سنن أبي داود، حديث:4636. ④ المستدرك للحاكم:99/3، وقال: حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه و وافقه الذهبي.

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ کی صداقت پر دلالت کرنے والا معجزہ ہے۔ وہ اس طرح کہ آپ نے خلافتِ عثمان میں برپا ہونے والے فتنے سے آگاہ کیا اور وہ بعینہٖ واقع ہوا۔ اسی طرح یہ حدیث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ آپ نے لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے کا حکم دیا۔ آپ نے اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ فتنے اور اختلاف کے وقت امیر المؤمنین حق پر ہوں گے اور آپ کے خلاف شورش برپا کرنے والے جھوٹے اور خواہشات کے پجاری ہوں گے۔ اس حدیث میں اس بات کی گواہی بھی موجود ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ حق پر ڈٹے رہیں گے۔[1]

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يَا عُثْمَانُ! إِنَّهُ لَعَلَّ اللّٰهَ يُقَمِّصُكَ قَمِيصًا فَإِنْ أَرَادُوكَ عَلٰى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ»

”اے عثمان! ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ تمھیں ایک خلعت سے نوازے۔ اگر لوگ اسے اتارنے کا مطالبہ کریں تو ان کی وجہ سے ہرگز نہ اتارنا۔“[2]

اس حدیث میں بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے کا اشارہ ہے اور آپ نے بطور استعارہ خلافت کو قمیص سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو خلافت سے سرفراز کرے گا، اگر لوگ اس سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کریں تو ان کی بات ہرگز نہ ماننا کیونکہ آپ حق پر ہوں گے اور وہ باطل پر ہوں گے۔[3]

❁ ابوسہلہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے محاصرے کے دوران مجھ سے فرمایا:

«إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ عَهِدَ إِلَيَّ عَهْدًا فَأَنَا صَابِرٌ عَلَيْهِ»

[1] عقيدة أهل السنة والجماعة في الصحابة للدكتور ناصر بن علي: 660/2. [2] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 613/1، وإسناده صحيح. [3] الدين الخالص لمحمد صديق البخاري: 446/3.

''رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا، چنانچہ میں اُسی عہد پر قائم ہوں۔''①

عہد سے مراد ہے کہ آپ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ خلافت سے دستبردار نہ ہونا، اگر لوگ آپ کی خلعت اتروانا چاہیں تو ہرگز نہ اتارنا، لہٰذا میں اس وصیت کی پاسداری کر رہا ہوں۔②

❁ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ابو سہلہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:«اُدْعُوا لِي۔ أَوْ لَيْتَ عِنْدِي۔ رَجُلًا مِّنْ أَصْحَابِي» ''میرے ایک ساتھی کو بلاؤ (یا فرمایا:) کاش میرے پاس میرا ساتھی ہوتا!'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: ''ابو بکر رضی اللہ عنہ کو (بلاؤں؟)'' آپ نے فرمایا:«لَا» ''نہیں۔'' میں نے کہا: ''عمر رضی اللہ عنہ کو؟'' آپ نے فرمایا:«لَا» ''نہیں۔'' میں نے کہا: ''آپ کے چچازاد کو؟'' آپ نے فرمایا:«لَا» ''نہیں۔'' میں نے کہا: ''عثمان رضی اللہ عنہ کو؟'' آپ نے فرمایا:«نَعَمْ» ''ہاں۔'' عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا:«قُومِي» ''تم اٹھ جاؤ۔'' راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سرگوشی شروع کر دی، اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ (راویِ حدیث ابو سہلہ) کہتے ہیں کہ ہم نے محاصرے والے دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا آپ (ان خارجیوں سے) قتال نہیں کریں گے؟'' انھوں نے فرمایا: ''نہیں! کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا، میں اس پر کاربند رہوں گا۔''③

یہ دونوں حدیثیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے کی بڑی روشن دلیلیں ہیں۔ جو شخص آپ کی خلافت کا منکر ہے، آپ کو جنتی اور شہید نہیں گردانتا اور آپ کی بے ادبی

① جامع الترمذي، حديث: 3711، وسنن ابن ماجه، المناقب، باب حديث تبشيره......، حديث: 113، وفضائل الصحابة: 605/1، إسناده صحيح. ② تحفة الأحوذي: 209/10. ③ فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 605/1، إسناده صحيح، والمستدرك للحاكم: 99/3، قال: صحيح الإسناد و لم يخرجاه ووافقه الذهبي.

ادبی کا مرتکب ہوتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج اور ایمان سے خالی ہے۔[1]

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبے جیسا کسی کو شمار نہیں کرتے تھے، اور ان کے بعد دیگر صحابہ میں سے کسی کو کسی دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔''[2]

گویا اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ان بزرگ ہستیوں کا احترام پیدا کر دیا تھا اور مستقبل میں قائم ہونے والی خلافت کی ضمنی تائید پہلے ہی ان کے دلوں میں راسخ کر دی تھی۔[3]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک سب سے زیادہ فضیلت والے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے، پھر سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کا بالترتیب درجہ تھا۔ بعض روایات میں یہ بھی منقول ہے کہ یہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچ جاتی تھی لیکن آپ نے کبھی اس کی تردید نہیں کی، اس طرح گویا یہ فضیلت نص سے ثابت ہوئی، ورنہ کم از کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں انصار ومہاجرین کے درمیان یہ بات معروف تھی اور اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو تمام لوگوں نے بغیر کسی خوف اور لالچ کے برضا و رغبت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور کسی فرد نے ان کی بیعت سے انکار نہیں کیا۔[4]

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی راست باز کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے میں کوئی کلام نہیں تھا۔ بالخصوص قرآن وسنت کے پیروکار اہلِ سنت

[1] الدين الخالص لمحمد صديق البخاري:446/3. [2] صحيح البخاري، حديث:3698. [3] عقيدة أهل السنة للدكتور ناصر بن علي:664/2. [4] منهاج السنة لابن تيمية:165/3.

کے نزدیک تو اس کے برحق ہونے میں ذرا بھی تردد نہیں۔ ان نصوص کی روشنی میں ہر مسلمان کو خلافت عثمان کے برحق ہونے کا یقین رکھنا چاہیے۔[1]

خلافتِ عثمان پر اجماع

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے منہج کی پیروی کرنے والے اہلِ سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کا حقدار سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا، اس لیے کہ سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بعد آپ ہی سب لوگوں سے افضل تھے۔ اہل علم اور محدثین کرام کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے پر اجماع ہے۔اس کی چند دلیلیں درج ذیل ہیں:[2]

❊ امام ابن ابی شیبہ نے حارثہ بن مضرب کے حوالے سے نقل کیا ہے، انھوں نے فرمایا: ''میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران حج کیا تو لوگوں کا برملا یہ خیال تھا کہ آپ کے بعد اگلے خلیفہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہوں گے۔''[3]

❊ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ میرا گھٹنا آپ کے گھٹنے کو چھو رہا تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا: ''آپ کے خیال میں میرے بعد آپ کی قوم کسے اپنا امیر بنائے گی؟'' میں نے کہا: ''ان کا رجحان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف معلوم ہوتا ہے۔''[4]

❊ امام ذہبی رحمہ اللہ نے قاضی شریک بن عبداللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو لوگوں نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ منتخب کرلیا۔ اگر انھیں علم تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر بھی کوئی افضل ہے تو نعوذ باللہ انھوں نے خیانت

[1] عقيدة أهل السنة للدكتور ناصر بن علي: 664/2. [2] عقيدة أهل السنة والجماعة للدكتور ناصر بن علي: 665/2. [3] المصنف لابن أبي شيبة: 588/14. [4] كتاب الإمامة والرد على الرافضة للأصبهاني، ص: 306.

کی؟ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ انھوں نے عدل و انصاف کی جو مثال قائم کی وہ کسی سے مخفی نہیں۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے خلیفہ کے چناؤ کا معاملہ چھ آدمیوں پر مشتمل مجلس شوریٰ کے سپرد کر دیا۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ اگر انھیں علم تھا کہ ان سے افضل بھی کوئی موجود ہے تو کیا (نعوذ باللہ) انھوں نے ہمارے ساتھ خیانت کی اور ہمیں دھوکا دیا؟''[1]

یہ تمام روایات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا استحقاق، خلافت سے پہلے ہی معروف تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں انھیں بعض نصوص کا علم تھا جو صاف اشارہ کرتی تھیں کہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بعد خلافت علی منہاج النبوہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوگی۔ انھیں بخوبی علم تھا کہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بعد افضل شخصیت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔[2]

❁ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم نے سب سے بہتر شخصیت کو خلیفہ منتخب کیا ہے۔ ہم نے اس عمل میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔'' ایک روایت میں ہے: ''ہم نے اپنا امیر صحابہ میں سے سب سے اچھی شخصیت کو بنایا ہے اور اس انتخاب میں ہم نے حُسنِ نیت کی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''[3]

❁ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سب لوگوں کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق تھا۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب فرمایا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ شوریٰ کے چھ ارکان کے حوالے کر دیا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر چن لیں۔ پس ان سب نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر منتخب کیا۔''[4]

ابو حامد محمد المقدسی نے امام شافعی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے: ''واضح رہے کہ سیدنا

[1] ميزان الاعتدال: 273/2. [2] عقيدة أهل السنة والجماعة للدكتور ناصر بن علي: 666/2.
[3] الطبقات لابن سعد: 63/3. [4] مناقب الشافعي للبيهقي: 435,434/1.

عمر رضی اللہ عنہ کے بعد امام برحق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی ہیں کیونکہ مجلس شوریٰ نے امامت کا اختیار سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا اور انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب فرمایا۔ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے اتفاق کیا اور ان کے اس فیصلے کو برحق قرار دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عدل قائم کیا اور لوگوں کو حق کے راستے پر چلایا حتی کہ انھوں نے اسی حالت میں جامِ شہادت پی لیا۔''[1]

❁ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے: ''لوگ کسی کی بیعت پر اس قدر یک جہتی سے اکٹھے نہیں ہوئے جس قدر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اکٹھے ہوئے تھے۔''[2]

❁ ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں: ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق ہے کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ مجلس شوریٰ نے انھیں منتخب کیا۔ ارکانِ شوریٰ نے ان کی افضلیت، عظمت اور انصاف پسندی کا اقرار کیا اور ان کی خلافت پر اتفاق کرلیا۔''[3]

❁ علامہ عثمان الصابونی رحمہ اللہ خلافت کی ترتیب میں سلف صالحین اور محدثین کرام کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ان کے نزدیک سب سے پہلے خلیفہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے، بعد ازاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت اہلِ شوریٰ اور دیگر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت ہے، آپ کو سبھی نے پسند کیا اور زمام حکومت آپ کے حوالے کر دی۔''[4]

❁ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تمام مسلمانوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، کوئی بھی بیعت سے پیچھے نہیں رہا۔ جب مقتدر شرفائے قوم نے آپ کی بیعت کر لی تو وہ امام بن گئے۔ فرض کریں اگر سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیعت کر لیتے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے با اختیار صحابہ بیعت نہ کرتے تو کیا آپ امام بن سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔

[1] الرد على الرافضة لأبي حامد المقدسي، ص:320,319. [2] منهاج السنة لابن تيمية: 166/3، والسنة للخلال، ص: 320. [3] الإبانة عن أصول الديانة، ص: 68. [4] عقيدة السلف وأصحاب الحديث للشيخ إسماعيل الصابوني: 139/1.

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ چھ افراد عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اپنے میں سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں تو سیدنا طلحہ، زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم تو دستبردار ہو گئے، بعد ازاں سیدنا عثمان، علی اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ خود خلیفہ بننے کے خواہش مند نہ تھے لیکن انھیں ان دو میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار تھا۔ اس کے لیے انھوں نے تین دن تک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورے کیے۔ دن رات ایک کر کے لوگوں کی رائے لی۔ فوج کے اُن کمانڈروں سے مشورے کیے جنھوں نے اس سال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ تمام مسلمانوں نے بلاتأمل بغیر کسی ترغیب و ترہیب کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ سلف صالحین اور ائمۂ دین ایوب سختیانی، احمد بن حنبل، دارقطنی جیسے اجل علماء اور ان کے علاوہ کئی ممتاز علماء نے کہا ہے: ''جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مقدم سمجھا اس نے مہاجرین و انصار پر یہ عیب لگایا کہ انھوں نے صحیح فیصلہ نہیں کیا۔'' یہ دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے، اس لیے کہ مسلمانوں نے کسی جبر کے بغیر برضا و رغبت باہمی مشورے سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔''[1]

❁ امام ابن کثیر رحمہ اللہ خلافت عثمان پر صحابہ کا اجماع ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''بیان کیا جاتا ہے کہ ارکانِ شوریٰ نے معاملہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا تاکہ وہ مسلمانوں کے افضل آدمی کو خلیفہ مقرر کر دیں۔'' وہ فرماتے ہیں: ''میں نے اہل شوریٰ اور دوسرے بزرگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو سبھی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں رائے دی حتی کہ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو آپ مجھے کس کے انتخاب کا مشورہ دیں گے؟'' انھوں نے فرمایا: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا۔''

[1] منهاج السنة لابن تيمية: 134/1.

اور عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو آپ مجھے کس کا مشورہ دیں گے؟ انھوں نے فرمایا: ''سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گفتگو خلافت کا معاملہ تین آدمیوں پر منحصر ہونے اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی اس معاملے سے دستبرداری سے پہلے کی تھی۔

پھر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کرنے لگے۔ اہل حل وعقد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ انھوں نے عام مسلمانوں سے بھی مشورہ لیا۔ بزرگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور پردہ نشین خواتین سے بھی مشورہ لیا حتی کہ بچوں اور غلاموں تک کی رائے معلوم کی۔ ان تین دنوں میں باہر سے آنے والے قافلوں اور دیہاتیوں سے بھی مشورہ کیا۔ تقریباً سب کی رائے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں تھی۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یہ تین دن اور اس کی راتیں زیادہ تر جاگ کر گزاریں۔ بارگاہِ ایزدی میں سربسجود ہو کر دعا مانگی اور استخارہ کیا۔ سمجھدار لوگوں سے علیحدگی میں مشورے کیے۔ سبھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دے رہے تھے۔

تیسری رات آپ اپنے بھانجے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کے گھر گئے۔ انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلانے کا حکم دیا۔ وہ بلا لائے تو فرمایا: ''میں نے لوگوں سے پوچھا ہے وہ تم دونوں پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے، پھر ان دونوں سے عہد لیا کہ وہ جسے بھی منتخب کریں وہ ضرور انصاف کرے گا اور جسے خلیفہ نہ بنائیں وہ ضرور دوسرے کی اطاعت کرے گا۔''

پھر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے۔ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ عمامہ پہنا ہوا تھا۔ تلوار گلے میں لٹکائی ہوئی تھی۔ آپ نے انصار اور مہاجرین کو بلانے کا حکم دیا۔ عام منادی کرائی گئی کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔ مسجد بھر گئی۔ بہت زیادہ ہجوم ہو گیا۔ لوگ گھس گھس کر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں

کے آخر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حیا دار ہونے کی وجہ سے آگے نہیں آئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ منبر رسول پر چڑھے۔ خاصی دیر تک کھڑے رہے۔ آہستگی سے دعا کرتے رہے، پھر فرمایا: ''لوگو! میں نے تم سے مختلف طریقوں سے تمھارا امام چننے کے لیے رائے پوچھی۔ تم نے سیدنا عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے برابر کسی کو نہیں سمجھا۔'' پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ تشریف لائیں۔ وہ آئے منبر کے قریب کھڑے ہو گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''کیا آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طریقے پر میری بیعت کرتے ہیں؟'' انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! نہیں! لیکن اپنی کوشش اور طاقت کے مطابق۔'' آپ نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا، پھر فرمایا: ''اے عثمان! آپ تشریف لائیں۔'' وہ آئے تو ان کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا: ''کیا آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طریقے پر میری بیعت کرتے ہیں؟'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہاں۔'' پھر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنا سر مسجد کی چھت کی طرف اٹھایا۔ اس وقت ان کا ہاتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے کہا: ''اے اللہ! تو سن لے اور گواہ بن جا، اے اللہ! تو سن لے اور گواہ ہوجا، اے اللہ! تو سن لے اور گواہ ہوجا۔ اے اللہ! مسلمانوں کا جو بوجھ میرے کندھوں پر تھا وہ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔'' راوی کہتے ہیں: پھر بیعت کے لیے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ منبر کے پاس بڑا ہجوم ہو گیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ منبر کی تیسری سیڑھی پر بیٹھ گئے، دوسری سیڑھی پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بٹھایا اور لوگ بیعت کرنے لگے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیعت کی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیعت کرنے والے دوسرے فرد تھے۔''[1]

مذکورہ بالا تمام دلائل اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام

[1] البداية والنهاية: 7/159-161.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا اور اس برحق انتخاب پر کسی کو کوئی اختلاف نہیں تھا۔ ①

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دینے کا حکم

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جو شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل قرار دے وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔ اور جو آدمی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر فوقیت دے وہ غلطی پر ہے لیکن اسے بدعتی اور گمراہ نہیں کہا جائے گا۔ ②

اگرچہ بعض اہل علم نے ایسے شخص پر بھی شدید جرح کی ہے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مقدم سمجھا اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ (نعوذ باللہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے امانت میں خیانت کی اور افضل شخصیت یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر مفضول، یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت پر فائز کر دیا۔'' ③

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اہل سنت کا افضلیتِ عثمان رضی اللہ عنہ پر اجماع ہے۔ اگرچہ فی نفسہ یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ اس کے خلاف نظریہ رکھنے والے کو گمراہ کہا جائے لیکن آپ کی خلافت کو برحق اور صحیح تسلیم نہ کرنے والے کو گمراہ کہا جائے گا کیونکہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے۔ وہ ایمان رکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم خلفائے برحق ہیں۔ جو ان ائمہ کی خلافت میں طعن کرے وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی بدتر ہے۔'' ④

مسئلہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہل علم کے اقوال درج ذیل ہیں:

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دینا جائز نہیں۔ جس نے ایسا موقف

① عقيدة أهل السنة والجماعة للدكتور ناصر بن علي: 671/2. ② مجموعة الفتاوٰى لابن تيمية: 102,101/3. ③ حقبة من التاريخ لعثمان الخميس، ص: 66. ④ مجموعة الفتاوٰى لابن تيمية: 102,101/3.

اختیار کیا وہ بدعتی ہے کیونکہ اس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی مخالفت کی ہے، اسی لیے یہ کہا گیا ہے: ''جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم سمجھا، اس نے مہاجرین وانصار کو معیوب گردانا۔''[1]

❁ فضیلت علی رضی اللہ عنہ کے قائل کو بدعتی نہیں کہا جائے گا کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ قریب قریب ہی ہے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا طرزِ حکومت

بیعت مکمل ہونے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں آپ نے اپنے سیاسی منہج کا اعلان کیا اور فرمایا کہ میں کتاب وسنت اور شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے طرز حکومت کی پابندی کروں گا۔ آپ نے اپنے خطبے میں یہ بھی فرمایا کہ میں حدود اللہ کے سوا (باقی مقدمات میں) لوگوں کے ساتھ نرمی، بردباری اور حکمت کا معاملہ اختیار کروں گا۔ آپ نے لوگوں کو دنیا کی رنگینیوں اور اس کے فتنے سے ڈرایا۔ اس میں مقابلہ بازی سے اجتناب کرنے کی تاکید اور ایک دوسرے سے حسد و بغض نہ رکھنے کی نصیحت فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ یہی چیزیں تفرقہ بازی اور اختلاف کا سبب بنتی ہیں۔ گویا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی دور رس بصیرت آپ کو آگاہ کر رہی تھی کہ عنقریب یہ امت خواہشات پرستی کے باعث فتنوں اور مصائب میں مبتلا ہو جائے گی۔[3] آپ نے فرمایا:

''اما بعد! مجھے حکومت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ میں نے اسے قبول کر لیا ہے لیکن یاد رہے کہ میں متبع ہوں مبتدع نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بعد میری تین ذمے داریاں ہیں: تمھارے متفقہ امور اور طریقوں میں اپنے سے پہلے لوگوں (صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما) کی پیروی کروں اور

[1] منهاج السنة لابن تيمية: 134/1. [2] مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية: 267/4. [3] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 392/1.

جن بھلائی کے امور کو انھوں نے باہمی مشورے سے طے کیا ان میں انھی کی اتباع کروں اور تمھیں بے جا سزا نہ دوں۔ دنیا بڑی پرکشش ہے۔ اسے مزین کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ بہت سے لوگ اس کے دامِ فریب میں آ چکے ہیں۔ تم دنیا کی طرف مائل نہ ہونا۔ نہ اس پر اعتماد کرنا کیونکہ یہ دھوکے باز ہے۔ یقین جانو یہ صرف اسے چھوڑتی ہے جو اسے ترک کر دے۔'' [1]

ابن عبد ربہ اندلسی [2] وغیرہ کا یہ کہنا بے بنیاد ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب پہلا خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو ان پر کپکپی طاری ہوگئی۔ انھیں یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کیا کہیں، بالآخر انھوں نے کہا: ''لوگو! ابتدا مشکل ہوتی ہے، اگر میں زندہ رہا تو صحیح خطبہ دوں گا۔'' اس کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔ [3]

آپ نے خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد درج ذیل سرکاری کام انجام دیے:

عاملین، گورنروں، کمانڈروں اور عام لوگوں کے نام خطوط

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے ان کے مقرر کردہ کسی بھی گورنر کو ایک سال تک برطرف نہ کیا بلکہ انھیں برقرار رکھا۔ فوجی کمانڈروں، وزرائے خزانہ اور دیگر امراء کو بھیجے گئے خطوط کے مطالعے سے آپ کی خلافت کے منہج کا اندازہ ہوتا ہے۔ ذیل میں ان خطوط کی تفصیل بیان کی جاتی ہے: [4]

گورنروں کے نام پہلا خط: ''امابعد! اللہ تعالیٰ نے ائمہ کو حکم دیا ہے کہ وہ محافظ بنیں، انھیں مال وصول کرنے کی ذمے داری نہیں دی۔ اس امت کے اولین لوگ مال کے نگران تھے، محض وصول کنندہ نہیں تھے۔ ایک زمانہ آئے گا جب ائمہ مال اکٹھا کرنے لگ جائیں

[1] تاریخ الطبري: 443/5. [2] اس کی کتاب ''العقد الفرید'' ہے جو بے بنیاد حکایات اور عجیب و غریب باتوں کا مجموعہ ہے۔ [3] خلافة عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور السلمي، ص: 35,34. یہ روایت واقدی کی سند سے ہے اور واقدی متروک ہے۔ [4] تحقیق مواقف الصحابة للدکتور محمد أمحزون: 393/1.

گے اور محافظ نہیں رہیں گے۔ جب یہ صورت پیدا ہو جائے گی تو حیا، امانت اور وفاداری ختم ہو جائے گی۔ سب کے ساتھ انصاف والا طرزِعمل یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کی ضروریات اور امور کا خیال رکھیں۔ انھیں ان کا حق پہنچاتے رہیں، پھر ان سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں، پھر اہل ذمہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ان کے حقوق و فرائض کا خیال رکھیں، پھر اپنے ان دشمنوں کے خلاف میدان میں کود پڑیں جو آپ سے نبرد آزما ہیں اور ان کے خلاف وفاداری کے ساتھ مدد طلب کریں۔ [1]

اس خط میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں میں تعینات حکام کو نصیحت کی کہ وہ رعایا کا خاص خیال رکھیں۔ انھیں بتایا کہ ان کا مقصد دولت وصول کرنا نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کا بنیادی مقصد صرف عوام الناس کی ضروریات اور مفادات کا خیال ہونا چاہیے، اس سے ملکی معاملات و انتظامات آسان ہو جائیں گے۔ عوام کے حقوق و فرائض کا خیال رکھیں گے تو معاملات درست رہیں گے۔ اگر مقصود صرف لوگوں سے مال وصول کرنا ہو تو عوام کے دلوں میں پائی جانے والی حیا، دیانت داری اور خیر خواہی ختم ہو جائے گی۔ [2]

آپ نے حکام کو تاکیدی حکم جاری فرمایا کہ وہ سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی سطح پر عدل و انصاف کا خاص خیال رکھیں، حق والوں کو ان کا حق دیں اور جو ان کے ذمہ ہے وہ ان سے لیں، لوگوں کے بنیادی معاملات و ضروریات کا خیال رکھیں۔ زیادہ مال کے حصول کے لیے ٹیکس نہ لگائیں۔ [3]

آپ نے انھیں خبردار کرتے ہوئے بتایا کہ عنقریب ایسے حکام آئیں گے جن کا مقصد عوام الناس کا خیال رکھنے کے بجائے صرف دولت جمع کرنا ہو گا۔ اور ایسا اس اخلاق عالیہ کے فقدان کے نتیجے میں ہو گا جسے آپ نے حیا، امانت اور وفاداری سے تعبیر کیا ہے۔

[1] تاريخ الطبري: 244/5. [2] تحقيق مواقف الصحابة للدكتور محمد أمحزون: 393/1. [3] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين لحمدي شاهين، ص: 246.

آپ نے بتایا کہ عوام اور حکمرانوں کے درمیان نہایت گہرا اور بلند رشتہ ہے جسے سب کا مشترکہ نصب العین مزید مضبوط، اور دیرپا کر دیتا ہے۔ وہ مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ جب گورنر اس مقصد کو مدنظر رکھے گا تو یہ اسے امیر کی اطاعت، خیر خواہی اور وفاداری پر آمادہ کرے گا۔

اچھے اخلاق میں سے ایک خلق حیا بھی ہے جس کی طرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے۔ لوگ حیا کی وجہ سے برے کاموں سے باز رہتے ہیں۔ وہ کسی دوسرے کے احساسات کو مجروح کر کے اسے کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کرتے۔

آپ نے عدل کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کے حقوق ادا کیے جائیں اور جو ان کے ذمے حقوق ہیں ان کا ان سے مطالبہ کیا جائے، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک نہایت اہم حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ دشمن پر فتح اسی وقت ممکن ہے جب معاہدوں کی پاسداری کی جائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسی مثالی اخلاق نے مسلمانوں کو انتظامی اور جنگی معاملات میں بامِ عروج تک پہنچایا۔[1]

فوجی کمانڈروں کے نام خط: آپ نے مختلف صوبوں میں مقرر جرنیلوں کے نام خط میں لکھا: ''امابعد! آپ مسلمانوں کے نگران اور محافظ ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں آپ پر جو ذمہ داریاں ڈالیں اور جو قوانین مقرر کیے وہ ہمارے مشورے سے طے ہوئے تھے۔ مجھے یہ شکایت نہیں ملنی چاہیے کہ آپ میں سے کسی نے ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی کی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ آپ کو بدل دے گا اور آپ کی جگہ کسی اور کو لے آئے گا، لہٰذا آپ غور کریں کہ آپ نے اپنی ذمہ داری کو کس طرح پورا کرنا ہے۔ میں اپنی ذمہ داریوں پر غور و فکر کرتا رہوں گا اور اس بات پر ثابت قدم رہوں گا۔''[2]

اس خط میں توجہ دلائی گئی ہے کہ خلیفہ کے بدلنے سے معاملات نہیں بدلتے کیونکہ خلیفہ

[1] التاريخ الإسلامي للدكتور عبدالعزيز الحميدي: 369/12. [2] تاريخ الطبري: 244/5.

اور اس کے ماتحت وزراء کا صرف یہی مقصد ہوتا ہے کہ عملی زندگی میں اسلام کو کارفرما کیا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں جو قوانین مقرر کیے تھے وہ ہماری مشاورت سے طے کیے تھے، ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آنی چاہیے۔'' اس سے دراصل یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ سابقہ خلفاء کے احکامات باہمی مشورے سے جاری کیے جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ذمہ دار لوگ اہم فیصلوں کی تفصیلات سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں۔ جب ایک حاکم کی جگہ دوسرا حاکم آئے تو وہ اسی منہج پر چلتا ہے کیونکہ سب کے نزدیک ہدف واضح ہوتا ہے۔

آپ کا یہ فرمان: ''آپ ان قوانین میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ کریں ورنہ اللہ آپ کی جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔'' اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ آپ نے کائنات میں اللہ تعالیٰ کے کارفرما قوانین کو یاد رکھا۔ پس اللہ ذوالجلال کا اپنے بندوں کی نصرت وحمایت کرنا اور نیکی کی توفیق عطا کرنا شریعت کی پابندی کرنے اور اس کے احکام کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے سے مشروط ہے۔ لیکن جب مسلمانوں میں تبدیلی آگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا اعزاز، وقار اور دبدبہ چھین کر غیروں کے سپرد کر دیا۔ [1] ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝ ﴾

''اس (انسان) کے لیے اس کے آگے اور اس کے پیچھے باری باری آنے والے (فرشتے) ہیں، وہ اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ کسی قوم سے اپنا معاملہ اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی روش میں تبدیلی نہ کرلے۔ اور جب اللہ کسی قوم پر عذاب لانے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کسی کے

[1] التاريخ الإسلامي للدكتور عبدالعزيز الحميدي: 370/12.

ٹالے نہیں ٹلتا۔ اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں نصیحت کرتے ہوئے لکھا کہ میں اپنی ذمہ داریوں سے خوب واقف ہوں اور انھیں ادا کرنے میں مشغول ہوں۔ آپ نے یہ بات اس لیے لکھی تاکہ حاکم اور رعایا میں یکساں طور پر احساسِ ذمہ داری بیدار رہے اور ملت کا ہر فرد محسوس کرے کہ اس کا کام صرف اپنا ہی نہیں بلکہ پوری امت کا ہے۔[2]

عمال کے نام خط: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خراج وصول کرنے والے عاملین کے نام اپنے پہلے خط میں فرمایا: ''امابعد! بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور وہ حق ہی قبول فرماتا ہے۔ اپنا حق وصول کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا حق بھی ادا کرو۔ امانت کا معاملہ نہایت اہم ہے، لہٰذا امانت پر کاربند رہو۔ ان لوگوں کے پیشرو نہ بنو جن سے امانت چھن جائے گی کہ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ بعد والوں کا وبال بھی تم پر پڑے۔ وفاداری اور خیر خواہی نہایت ضروری ہے، لہٰذا یتیم اور معاہد (ذمی) پر ہرگز ظلم نہ کرنا کیونکہ اللہ ان پر ظلم کرنے والوں کے خلاف ہے۔''[3]

درج بالا الفاظ میں آپ نے محاصل کی وصولی پر مامور وزرائے مالیات کو نصیحت کی تاکہ محاصل کو لوگوں کے مفادات کے لیے خرچ کیا جاسکے۔ آپ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ صرف حق (جائز مال) ہی قبول کرتا ہے اور اس کا دارومدار امانت اور خیر خواہی پر ہے، پھر عوام الناس کے دو کمزور ترین طبقوں یتیم اور معاہد کا خصوصی طور پر ذکر کیا کہ ان پر ہرگز ظلم نہ کیا جائے کیونکہ ان کی حمایت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔[4]

آپ نے انھیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم ان پر ظلم کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی سزا کے حقدار ٹھہرو گے، کیونکہ ان کمزوروں پر ظلم کرنے والوں سے خود اللہ تعالیٰ جواب طلب

[1] الرعد 13:11. [2] عثمان بن عفان لصادق عرجون، ص: 199. [3] تاريخ الطبري: 5/244 [4] عثمان بن عفان لصادق عرجون، ص: 198.

کرے گا۔ اس بات سے اسلام کی عظمت آشکار ہوتی ہے کہ وہ مظلوموں کی مدد کا حامی ہے چاہے وہ کفار ہی ہوں۔ ①

عوام الناس کے نام خط: عوام الناس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اما بعد! تم اپنے موجودہ مقام تک محض اتباع کی وجہ سے پہنچے ہو، لہٰذا دنیا تمھیں اس معاملے سے پھیر نہ دے۔ یاد رکھو! اگر اس امت میں تین چیزیں جمع ہوگئیں تو یہ امت بدعات میں مبتلا ہوجائے گی۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں: جب نعمتیں عروج پر ہوں گی، لونڈیوں سے تمھاری اولاد بلوغت کو پہنچ جائے گی اور جب بدوی اور غیر عربی قرآن کی قراءت کرنے لگیں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْكُفْرُ فِي الْعَجَمَةِ، فَإِذَا اسْتَعْجَمَ عَلَيْهِمْ أَمْرٌ تَكَلَّفُوا وَابْتَدَعُوا»

''کفر غیر عربوں میں ہے جب ان پر کوئی بات مخفی ہو جائے گی تو وہ اس میں تکلف کریں گے اور بدعت کے مرتکب ہوں گے۔'' ②

اس خطاب سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اتباع کی ت ی، تکلف اور بدعات سے ہر ممکن اجتناب کی نصیحت فرمائی اور تین چیزوں کی یک ے نتیجے میں کسی تبدیلی کے رونما ہونے پر ہوشیار رہنے کا حکم دیا۔ پہلی چیز تکامل ہے جو انسان کو مغرور اور سہل پسند بنا دیتی ہے۔ اسے محنت وعمل سے روک دیتی ہے اور وہ سست اور فراغت پسند ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی قوت حیات کمزور پڑ جاتی ہے اور ہمت جواب دے جاتی ہے۔

جہاں تک لونڈیوں کی اولاد کے بلوغت کو پہنچنے کی بات ہے تو امت میں آج تک اس کے اثرات موجود ہیں جو سیاسی، معاشرتی اور دینی ہر شعبے میں پائے جاتے ہیں۔ بدوؤں اور اہل عجم کے قرآن پڑھنے سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ بدوؤں کی سخت

① التاريخ الإسلامي للدكتور عبدالعزيز الحميدي: 371/20. ② تاريخ الطبري: 245/5.

دلی اور جفا کی وجہ سے قرآن کی ہدایت کماحقہ ان کے دلوں تک سرایت نہیں کرے گی اور اہل عجم اپنے موروثی رسم و رواج، آبائی عقائد اور قدیم عادات کی وجہ سے ہدایت قرآن سے دور ہو جائیں گے۔ بدوؤں کا اثر خوارج کی صورت میں ظاہر ہوا کہ ان کی اکثریت انھی بدوؤں میں سے تھی۔ یہ لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرنے والے تھے لیکن ہدایت سے کوسوں دور تھے۔

پھر ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں عجمیوں کا اثر ظاہر ہوا۔ انھوں نے مذاہب میں بدعات کو رواج دیا اور اپنی ان آراء سے دین میں تکلف سے کام لیا جو مسلمانوں کے عقائد کے لیے زہر ہلاہل تھیں۔ انھی میں سے اکثر گمراہ فرقے ہیں جنھوں نے تاریخ اسلام میں نہایت گھناؤنا کردار ادا کیا۔[1]

سلطنت کا دستورِ اعلیٰ: سیدنا ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ مملکت کا اصل مرجع قرآن و سنت اور شیخین کی سیرت کی پیروی ہوگا۔ آپ نے فرمایا: ”خبردار! میں متبع ہوں مبتدع نہیں۔ بے شک قرآن وسنت کے بعد میری تین ذمے داریاں ہیں: تمھارے متفقہ امور میں اپنے سے پہلے لوگوں کی پیروی کرنا......۔“[2]

پہلا مرجع اللہ کی کتاب: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ ﴾

”(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے، تاکہ آپ کو اللہ نے جو سیدھی راہ دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے مابین فیصلہ کریں اور آپ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں۔“[3]

قرآن مجید زمانے اور زندگی کے ہر شعبے کی اصلاح کے لیے بنیادی، اصولی اور قطعی

[1] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 199. [2] تاریخ الطبری: 443/5. [3] النسآء 105:4.

احکام مرحمت فرماتا ہے۔ قرآن مجید نے اسلامی ریاست کی تشکیل و تقویم میں درپیش رہنمائی کی ضرورت کو بڑے واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔

دوسرا مرجع سنتِ مطہرہ: سنتِ مطہرہ کے ذریعے سے اسلامی قانون کی تشکیل میں بنیادی اصول و قواعد مرتب کرنے میں مدد لی جاتی ہے۔ احکام قرآن کی صحیح تطبیق اور نفاذ بھی سنتِ نبوی ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔[1]

تیسرا مرجع شیخین رضی اللہ عنہما کی اقتدا: اس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«اِقْتَدُوا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي: أَبِي بَكْرٍ وَّ عُمَرَ»

''میرے بعد (آنے والے) دونوں (خلفاء) ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرو۔''[2]

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت شریعت اسلامیہ کا مظہر تھی۔ آپ کی نظر میں شریعت اسلامیہ کے مقابلے میں کسی بھی قانون اور شریعت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ آپ کی خلافت سے یہ بات عیاں ہوتی ہے اور ہمارے لیے شمعِ رہبری کا کام دیتی ہے کہ اسلامی مملکت، شریعت کی سلطنت ہوتی ہے، جہاں ہر لحاظ سے احکامِ شریعت ہی کی بالادستی ہوتی ہے۔ حاکم بھی احکامِ شریعت کا پابند ہوتا ہے، وہ اس میں کوئی کمی کر سکتا ہے نہ زیادتی۔[3]

سیدنا ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے معاشرے میں شریعت کی قدر و منزلت سب پر فائق تھی۔ حاکم و محکوم سبھی اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے تھے۔ خلیفہ کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے ساتھ مشروط تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

''(اللہ کی) نافرمانی میں اطاعت جائز نہیں، اطاعت صرف نیکی میں ہے۔''[4]

[1] فقه التمكين في القرآن الكريم للصلابي، ص: 432. [2] جامع الترمذي، المناقب، باب اقتدُو بالذين من بعدي........، حديث: 3662، وصححه الألباني في صحيح الترمذي: 200/3. [3] نظام الحكم في الإسلام، ص: 227. [4] صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ماجاء في إجازة خبر الواحد.....، حديث: 7257.

شریعت کی بالادستی خلافت راشدہ کا خصوصی جوہر تھا، بہت سی بے مثل خوبیوں کی بنا پر خلافت راشدہ باقی حکومتوں سے ممتاز ہے:

❁ خلافت کے اختیارات عمومی تھے۔ وہ دینی اور دنیاوی معاملات میں یکسانیت کی بنیاد پر قائم تھی۔

❁ خلافت راشدہ میں احکامِ شریعت کا نفاذ شرطِ لازم تھا۔

❁ خلافت راشدہ عالمِ اسلام کی وحدت پر قائم تھی۔ [1]

خلیفۂ وقت کا محاسبہ

یہ بات واضح ہے کہ خلیفہ اپنے اختیارات میں مطلق العنان نہیں ہے بلکہ اس کے اختیارات دو چیزوں کے ساتھ مشروط ہیں:

❁ قرآن وسنت کی نص صریح کی مخالفت نہ کرے اور جو فیصلہ کرے وہ متفقہ، شریعت کی روح اور اس کے اہداف سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔

❁ ملت اسلامیہ کے متفقہ امور کی مخالفت نہ کرے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ خلیفہ امت کا نمائندہ ہوتا ہے۔ امت ہی کی وجہ سے سلطنت قائم رہ سکتی ہے۔ امت ہی اس حکومت کی حد بندی یا اس میں اضافے کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ اور امت اللہ کے دین کے قیام اور لوگوں کی مصلحت کی خاطر حکومت پر پابندیاں عائد کر سکتی ہے۔ [2]

یہ سارا کام مجلس شوریٰ کے ذریعے ہی ہوگا (ہر فرد کو اختیار نہیں ہوگا۔) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کے لیے خلیفہ کے حقِ محاسبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنْ وَجَدْتُّمْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ أَنْ تَضَعُوا رِجْلِي فِي الْقَيْدِ فَضَعُوا رِجْلِي فِي الْقَيْدِ»

[1] فقه الخلافة للسنهوري، ص: 80. [2] الدولة والسيادة للدكتور فتحي عبدالكريم، ص: 268.

''اگر تمھیں کتاب اللہ کے مطابق مجھے پابند سلاسل کرنے کا جواز ملے تو مجھے قید کر دینا۔'' ①

جب ایک گروہ نے آپ کی حکومت کے بعض معاملات میں تبدیلی اور فرائض منصبی کے حوالے سے بزعم خویش بعض غلطیوں پر (جبکہ درحقیقت ایسا نہیں تھا) آپ کا مؤاخذہ کرنا چاہا اور آپ سے عمّال کے محاسبے کا مطالبہ کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی خواہش کا احترام کیا اور ان کے اس حق کا انکار نہیں فرمایا بلکہ اس معاملے کی اصلاح کے لیے بڑے تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کیا۔ ②

مجلس شوریٰ

مضبوط اسلامی ریاست کے بنیادی قوانین میں سربراہ حکومت اور اس کے ماتحت حکام کی عوام کے ساتھ مشاورت بھی شامل ہے۔ عوام کی رضامندی اور رائے نہایت اہمیت کی حامل ہے، اِسی لیے نظامِ ریاست کو شوریٰ کے ذریعے سے چلانے کا حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝﴾

''پس (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہوگئے۔ اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، چنانچہ آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش مانگیں اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسا کریں، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' ③

① مسند أحمد: 72/1. ② الدولة والسيادة للدكتور فتحي عبدالكريم، ص: 379. ③ آل عمرٰن 159:3.

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝﴾

''اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب (کے حکم) کو مانا اور نماز قائم کی اور ان کا (ہر) کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''①

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انصار و مہاجرین پر مشتمل کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس شوریٰ تشکیل دی تھی۔②

آپ نے اپنے تحصیل داروں اور فوجی کمانڈروں کو خاص تاکید کی: ''انھی باتوں پر کاربند رہیں جن پر آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کاربند تھے۔ انھیں تبدیل نہ کریں۔ کتنا ہی مشکل معاملہ درپیش ہو ہم سے رجوع کریں، ہم اس پر امت کو جمع کر کے اس کا کوئی حل نکال لیں گے اور آپ کو مطلع کر دیں گے۔''③

فوجی کمانڈروں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ وہ جب بھی کوئی جنگ کرنا چاہتے یا پیش قدمی کا ارادہ کرتے تو سب سے پہلے مرکز سے رجوع کر کے اجازت اور مشاورت طلب کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر آپ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کرتے، ان سے مشاورت کر کے اس کے لیے مناسب حکمت عملی تیار کرتے اور صحابہ کی باقاعدہ رضا مندی کے بعد انھیں اپنے اقدام کی اجازت دیتے۔④

اس کی چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:

❁ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اجازت طلب

① الشورٰی 38:42. ② الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سلمان العودة: 277/1.
③ الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سلمان العودة: 277/1، نقلاعن تاريخ الطبري.
④ فتوح مصر لابن عبدالحكم، ص: 83.

کی کہ وہ افریقیہ کی سرحدوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ روم کے جزیروں میں سے مسلمانوں کے قریب تر ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مشاورت کے بعد انھیں اجازت مرحمت فرمائی اور لوگوں کو اس میں شمولیت کی ترغیب دی۔ [1]

※ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب جزیرۂ قبرص اور روڈس کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تو پہلے مرکز سے اجازت طلب کی اور مشورہ کیا۔ آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کے بعد انھیں اجازت دی کہ وہ قبرص اور روڈس پر حملہ کر سکتے ہیں۔ [2]

خلافت عثمان میں مشاورت کا اس قدر اہتمام تھا کہ کمانڈر عام ذیلی معرکوں میں بھی ایک دوسرے سے مشاورت کرتے تھے۔ [3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نظام شوریٰ کی پابندی کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کے لیے کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ہرمزان کے قصاص کے طور پر قتل کرنے کے بارے میں باہم مشاورت کی۔ اس کے علاوہ دیگر کئی ایک مواقع پر، جن کا ذکر بعد میں آئے گا، آپ نے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔

عدل و مساوات

اسلامی حکومت کے اہداف میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ ایسا اسلامی نظم و ضبط قائم کرے جو اسلامی معاشرے کی تشکیل میں ممد و معاون ثابت ہو۔ اس کے لیے عدل و انصاف ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں کے عوام کو یہ وثیقہ ارسال فرمایا کہ نیکی کی تبلیغ کرو اور منکرات سے ایک دوسرے کو روکتے رہو۔ مومن اپنے آپ کو کمزور نہ سمجھے۔ میں طاقتور کے مقابلے میں اُس وقت تک کمزور کے ساتھ ہوں

[1] فتوح مصر لابن عبدالحکم، ص: 183. [2] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سلمان العودة: 278/1. [3] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سلمان العودة: 278/1.

جب تک وہ مظلوم ہے۔ ان شاء اللہ۔ ①

آپ کی سیاست عدل کی اعلیٰ ترین اقدار پر قائم تھی۔ آپ نے گواہی ملنے پر اپنے اخیافی بھائی، گورنر کوفہ، سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو شراب پینے پر حد لگائی۔ انھیں ان کے منصب سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ لیکن اہل کوفہ کے عدم اطمینان کی وجہ سے ان کی جگہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔

آپ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن آپ کو ایک خادم پر غصہ آیا تو اس کا کان پکڑ کر رگڑا۔ اسے سخت تکلیف ہوئی۔ رات ہوئی تو آپ پریشان ہو گئے، خادم کو اپنے کمرے میں بلایا۔ اسے قصاص لینے کا کہا اور حکم دیا کہ وہ بھی کان رگڑے۔ خادم نے انکار کیا تو دوبارہ سختی سے کہا۔ پھر اس نے قصاص لے لیا۔ ②

آزادی اور خود مختاری

آزادی کا اصول ان بنیادی اصولوں میں سے ہے جن پر خلافت راشدہ قائم تھی۔ یہ اصول شریعت اسلامیہ کی حدود میں رہتے ہوئے مکمل خود مختاری اور آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی دعوت درحقیقت لوگوں کے لیے آزادی اور خود مختاری کی دعوت ہے۔ یہ اس قدر کشادہ دعوت ہے کہ تاریخ انسانی میں اس جیسی دعوت کی مثال ملنی مشکل ہے۔ موجودہ دور میں مذہبی آزادی، نقل وحرکت کی آزادی، امن و امان، چادر اور چار دیواری کا تقدس، مالکانہ حقوق کی آزادی اور رائے کی آزادی کے تمام تصورات خلافت راشدہ میں بطریق احسن عملاً بدرجہ اتم جلوہ گر تھے۔ ③

① تاریخ الطبري: 4/414. ② نظام الحکم في عهد الخلفاء الراشدین لحمد محمد الصمد، ص: 149. ③ نظام الحکم في عهد الخلفاء الراشدین لحمد محمد الصمد، ص: 158,157.

احتساب

آپ نے جن امور میں محاسبہ کیا ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

زرد کپڑے پہننے پر تنقید: آپ نے دیکھا کہ محمد بن جعفر بن ابی طالب رحمہ اللہ نے عصفر بوٹی سے رنگے ہوئے کپڑے پہن رکھے ہیں تو ان پر تنقید فرمائی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حج کرنے کے لیے مکہ گئے۔ (محمد بن جعفر رحمہ اللہ بھی ساتھ تھے) محمد بن جعفر کی بیوی ان کے پاس آئی اور انھوں نے رات اس کے ساتھ بسر کی۔ صبح ان پر خوشبو کے نشانات تھے اور وہ سرخی مائل زرد چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ مَلَل[1] کے مقام پر وہ قافلے سے جا ملے۔ ابھی وہ کوچ کی تیاری کر رہے تھے کہ انھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو ڈانٹا اور ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا تو زرد کپڑے پہنتا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے۔''[2]

دورانِ عدت حج وعمرہ کرنے والی عورتوں پر تنقید: آپ کے احتساب کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپ دورانِ عدت حج وعمرے کا قصد کرنے والی خواتین کو واپس بھیج دیتے تھے۔ امام عبدالرزاق نے مجاہد رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما (دورانِ عدت) حج اور عمرے کا قصد کرنے والی خواتین کو جحفہ اور ذوالحلیفہ سے واپس بھیج دیتے تھے۔''[3]

کبوتر ذبح کرنے کا حکم: آپ نے کبوتر بازی پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔ خوشحالی آئی اور لوگوں نے کبوتروں سے کھیلنا شروع کر دیا تو آپ نے انھیں کبوتر ذبح کرنے کا حکم دے دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

[1] ملل: یہ مقام مدینہ سے مکہ کی طرف 28 میل کے فاصلے پر ہے۔ (معجم البلدان: 148/5)

[2] مسند أحمد 71/1. [3] المصنف لعبد الرزاق: 33/7، حديث:12071.

میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خطبہ سنا۔ اس میں آپ نے کتوں کو مارنے اور کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔[1]

شطرنج پر پابندی: آپ شطرنج کھیلنے سے منع فرماتے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ جس کے گھر میں شطرنج وغیرہ کے آلات ہوں وہ انھیں جلا دے یا توڑ دے۔

امام بیہقی زبید بن صلت کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے برسرِ منبر سنا، آپ فرما رہے تھے: ''اے لوگو! جوئے، یعنی شطرنج وغیرہ سے بچو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض لوگوں کے گھروں میں شطرنج وغیرہ کے آلات ہیں، لہٰذا جس کے گھر میں یہ آلات ہوں وہ انھیں جلا دے یا توڑ دے۔''

ایک اور موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''لوگو! میں نے تمھیں شطرنج کے بارے میں تنبیہ کی تھی، لگتا ہے تم باز نہیں آئے۔ میرا خیال ہے کہ لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم دوں اور جن لوگوں کے گھروں میں شطرنج ہے انھیں ان کے گھروں سمیت آگ لگا دوں۔''[2]

شریر عناصر اور سرِعام اسلحہ لہرانے والے کی جلاوطنی: آپ شریر لوگوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ فساد پھیلانے اور مسلح ہو کر شہر میں گشت کرنے والے کو مدینہ سے نکال دیتے تھے۔ سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فسادی شخص اور چھڑی وغیرہ سے زیادہ اسلحہ رکھنے والے کو شہر بدر کر دیتے تھے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی توہین کرنے والے کو سزا: آپ کے دورِ خلافت میں ایک شخص نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے تنازع کے دوران ان کی توہین کی تو آپ نے اسے سزا دی۔ لوگوں نے سزا کی وجہ جواز دریافت کی۔ آپ نے فرمایا: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے چچا کی تعظیم کریں اور میں ان کی توہین کی اجازت دے دوں (یہ کیسے ممکن ہے؟) جس نے

[1] الأدب المفرد، باب ذبح الحمام، حدیث: 1307. [2] السنن الکبرٰی للبیهقي: 215/10. [3] تاریخ الطبري: 416/5.

ایسا کیا اس نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور جس نے اس توہین پر رضا مندی کا اظہار کیا اس نے بھی مخالفت کی۔"[1]

شراب ام الخبائث ہے اس سے مکمل اجتناب کرو!: امام نسائی اور بیہقی رحمہما اللہ نے اپنی اپنی سنن میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: "شراب سے بچو کیونکہ یہ گناہوں کا منبع ہے۔ پہلی امتوں میں ایک عبادت گزار شخص تھا۔ ایک خاتون اسے گمراہ کرنے کے درپے ہوگئی۔ اس نے زاہد کو بلانے کے لیے اپنی لونڈی بھیجی کہ اس کی گواہی مطلوب ہے۔ وہ لونڈی کے ساتھ چلا گیا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا تو لونڈی پیچھے سے ہر دروازہ بند کرتی گئی۔ پھر اچانک اس نے خود کو ایک خوبرو خاتون کے پاس موجود پایا۔ اس کے پاس ایک لڑکا کھڑا تھا اور شراب کی بوتل رکھی تھی۔ اس عورت نے کہا: "اللہ کی قسم! میں نے تجھے گواہی کے لیے نہیں بلایا۔ میں نے تو تجھے بدکاری کے لیے بلایا ہے۔ اگر انکار کرتا ہے تو شراب کا ایک جام پی لے یا اس لڑکے کو قتل کر دے۔" اس نے کہا: "چلو شراب کا پیالہ پلا دو۔" اس نے اسے ایک جام پلا دیا۔ اس نے کہا اور لاؤ، اس طرح اس نے مزید شراب پی حتی کہ بدکاری کر بیٹھا اور اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا۔ اس لیے شراب سے بچو! اللہ کی قسم! شراب اور ایمان ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، ان میں سے ایک دوسرے کو لازماً نکال باہر کرتا ہے۔"[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خطبے اور نکات

❁ **آخرت کی تیاری کے لیے خطبہ:** حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "اے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ۔ اللہ کا

[1] تاريخ الطبري: 417/5. [2] سنن النسائي، الأشربة، باب ذكر الآثام المتولدة عن شرب الخمر......، حديث: 5669.

تقویٰ غنیمت ہے۔ سب سے زیادہ سمجھدار وہ ہے جس نے اپنے آپ کو سنوار لیا۔ موت کے بعد کی زندگی کے لیے تیاری کی اور اللہ کے نور سے قبر کی تاریکی دور کرنے کا سامان کر لیا۔ بندے کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ مبادا دنیا میں بصارت کے باوجود وہ اسے روزِ قیامت اندھا کر کے اٹھائے۔ سمجھدار کے لیے مختصر بات کافی ہے۔ بہرے کو سنانے کی تمام کوششیں لاحاصل رہتی ہیں۔ جان لو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو وہ کسی سے نہیں ڈرتا اور جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہو بھلا اس کا کہاں ٹھکانا؟''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الْجَمَّاءَ لَتُقَصُّ مِنَ الْقَرْنَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''بغیر سینگوں والی بکری روز قیامت سینگوں والی بکری سے قصاص لے گی۔''[2]

❊ مکارمِ اخلاق کی تعلیم و تذکیر: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! ہم سفر و حضر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپ ہمارے بیماروں کی تیمار داری فرماتے تھے، جنازوں میں شریک ہوتے تھے، ہمارے ساتھ مل کر دشمن کے خلاف قتال کرتے تھے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں ہماری غم خواری فرماتے تھے۔ آج وہ لوگ مجھے سکھانے کی کوشش کرتے ہیں جنھوں نے شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی دیکھا بھی نہیں۔''[3]

❊ معروف حکیمانہ اقوال: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''اگر تمھارے دل پاک صاف ہو جائیں تو تم اپنے رب کے کلام، یعنی تلاوت قرآن سے کبھی سیر نہ ہو۔''[4]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: ''کوئی شخص کسی بات کو چھپا لے تو اس

[1] صحيح التوثيق في سيرة و حياة ذي النورين للدكتور مجدي فتحي السيد، ص: 107. [2] مسند أحمد: 72/1. [3] صحيح التوثيق في سيرة و حياة ذي النورين للدكتور مجدي فتحي السيد، ص: 107. [4] جامع العلوم والحكم لابن رجب الحنبلي، ص: 363.

کے چہرے کے تأثرات اور سبقت لسانی اسے ظاہر کر دیتی ہے۔“①

ایک موقع پر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ حاکم کے ذریعے سے ان برائیوں کو روک دیتا ہے جو صرف قرآن کے ذریعے سے نہیں رک سکتی تھیں۔②

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دنیا کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے: ”دنیا کی فکر دل کو تاریک کر دیتی ہے اور آخرت کی فکر دل کو جلا بخشتی ہے۔“③

آپ کی حکمت بھری باتوں میں ایک بات یہ بھی ہے کہ حاسد کو یہی (سزا) کافی ہے کہ وہ آپ کی خوشی کے وقت غمگین ہو جاتا ہے۔④

فتنے کے دنوں میں آپ نے ارشاد فرمایا: ”اگر میں نے ظلم کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں۔ اگر کوئی مجھ پر ظلم کرنے والا ہے تو میں نے اسے معاف کر دیا۔“⑤

آپ نے فرمایا: ”ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی آفت ہوتی ہے اور ہر نعمت کسی ناگہانی مصیبت کی نذر ہو جاتی ہے۔ اس دین کی آفت لوگوں پر کثرت سے عیب لگانے والے اور چڑھتے سورج کے پجاری لوگ ہیں۔ ان کا ظاہر تمھیں اچھا لگے گا مگر ان کے باطن سے تمھیں گھن آئے گی۔ یہ نہایت کمینے اور بے وقوف لوگ ہوں گے۔“⑥

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب افریقیہ کی فتح کی خبر لائے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں کارگزاری سنانے کا حکم دیا۔ وہ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: ”عورتوں سے ان کے باپ دادا اور بھائیوں کو دیکھ کر شادی کرو۔ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ابن زبیر سے بڑھ کر کسی کو ان کے مشابہ نہیں دیکھتا۔“⑦

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی والدہ، سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما تھیں۔ آپ کا مقصد

① فرائد الكلام لخلفاء الكرام للدكتور قاسم عاشور، ص: 269. ② الكامل في اللغة والأدب لأبي العباس محمد بن يزيد: 157/1. ③ الاستعداد ليوم المعاد، ص: 9. ④ مجمع الأمثال للميداني: 453/2. ⑤ تاريخ خليفة بن خياط، ص: 171. ⑥ مجمع الأمثال للميداني: 453/2.
⑦ البيان والتبيين للجاحظ: 95/2.

یہ تھا کہ عبداللہ فصاحت و بلاغت اور دلیری و پیش قدمی میں اپنے عظیم نانا کے مشابہ ہیں۔ ①

آپ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے عمل کی چادر پہنائے گا۔'' ②

ایک موقع پر فرمایا: مومن کو پانچ قسم کا خوف لاحق ہوتا ہے:

① اللہ تعالیٰ کا خوف کہ وہ اس سے ایمان کی دولت چھین نہ لے۔

② اللہ کے مقرر کردہ کاتبین کا خوف مبادا وہ انسان کا ایسا عمل لکھ لیں جس کی وجہ سے قیامت کے دن رسوائی ہو۔

③ شیطان کی طرف سے خوف کہ وہ اس کے اعمال باطل نہ کر دے۔

④ موت کے فرشتے سے خوف مبادا وہ اچانک جھپٹ کر غفلت میں جان قبض کر لے۔

⑤ دنیا سے خوف مبادا وہ اسے دھوکے میں ڈال دے اور آخرت سے غافل کر دے۔' ③

آپ نے فرمایا: ''میں نے چار چیزوں میں عبادت کی مٹھاس محسوس کی ہے:

① اللہ تعالیٰ کے لیے ادائے فرائض میں۔

② اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب میں۔

③ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر امر بالمعروف میں۔

④ اس کے غضب سے بچنے کے لیے نہی عن المنکر میں۔ ④

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور شعر و شاعری: تاریخی کتب میں سوائے چند واقعات کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا شعروشاعری سے تعلق کا حال نہیں ملا، حالانکہ باقی خلفاء کی نسبت آپ کی خلافت کا دورانیہ قدرے طویل ہے۔ اس تھوڑی بہت شاعری میں بھی آپ نے اسلامی عقیدے اور احکامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیش نظر رکھے اور پیش رووں سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا

① فرائد الكلام للخلفاء الكرام للدكتور قاسم عاشور، ص: 271. ② الزهد للإمام أحمد، ص: 185. ③ فرائد الكلام للخلفاء الكرام للدكتور قاسم عاشور، ص: 278. ④ فرائد الكلام للخلفاء الكرام للدكتور قاسم عاشور، ص: 278.

عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا منہج اُجاگر کیا۔ بلاشبہ شیخین ادب میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ علم الانساب میں نابغۂ روز گار تھے۔ اپنے وسیع علم اور اعلیٰ اخلاق کے لیے معروف تھے۔ شعری ذوق بھی قابل داد تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو اچھی اور سبق آموز شاعری کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ کئی باتوں کو شعر میں ڈھال دیتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ ایک شاعر تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اشعار سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ شعراء سے بھی قابل ذکر تعلق نہ تھا۔ یہ بات معروف ہے کہ شعراء ہمیشہ امراء کی خوشنودی اور عطیات وصول کرنے کے لیے تانتا باندھے رکھتے تھے لیکن خلافت عثمانی میں شعراء شہری آبادی اور دارالخلافہ چھوڑ کر دیہی بستیوں میں جا بسے۔ اور دیہاتوں ہی کو ترجیح دیتے تھے۔[1]

ادب کی کتابوں میں بعض اشعار سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں یا یہ بتایا گیا ہے کہ آپ انھیں بطور تمثیل بیان کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ اشعار درج ذیل ہیں:

وَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ كَصُنْعِهِ ۔۔۔ صَنِيعٌ وَلَا يَخْفٰى عَلٰى مُلْحِدِ

''میں جانتا ہوں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں کی کوئی مثال نہیں۔ اور یہ بات کسی ملحد پر بھی مخفی نہیں۔''

آپ یہ اشعار اکثر پڑھا کرتے تھے:

تَفْنَى اللَّذَائِذُ مِمَّنْ نَّالَ صَفْوَتَهَا ۔۔۔ مِنَ الْحَرَامِ وَ يَبْقَى الْإِثْمُ وَالْعَارُ

يَلْقٰى عَوَاقِبَ سُوءٍ مِّنْ مَّغَبَّتِهَا ۔۔۔ لَا خَيْرَ فِي لَذَّةٍ مِّنْ بَعْدِهَا نَارُ

''حرام طریقے سے حاصل ہونے والی تمام پسندیدہ لذتیں ختم ہو جائیں گی، صرف گناہ اور شرمندگی باقی رہ جائے گی۔ بدکار آخر کار برے انجام سے دو چار ہو کر رہے گا۔ جس لذت کے بعد آگ ہو بھلا اس کا کیا فائدہ؟''[2]

[1] أدب صدر الإسلام لوامنح الصمد، ص: 99. [2] شعراء الخلفاء لنبال تيسير الخماش، ص: 27.

جب حملہ آور آپ کو شہید کرنے کی غرض سے آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا:

أَرَى الْمَوْتَ لَا يُبْقِي عَزِيزًا وَّ لَمْ يَدَعْ لِعَادٍ مَّلَاذًا فِي الْبِلَادِ وَ مُرْتَعًا

''میں دیکھتا ہوں کہ موت کسی طاقتور کو بھی نہیں چھوڑتی۔ اس نے قومِ عاد کے لیے شہروں میں کوئی پناہ چھوڑی، نہ کوئی چراگاہ باقی رکھی۔''①

اور جب ان کا محاصرہ کیا گیا تو انھوں نے کہا:

يُبَيِّتُ أَهْلَ الْحِصْنِ وَالْحِصْنُ مُغْلَقٌ وَ يَأْتِي الْجِبَالَ الْمَوْتُ شِمْرَاخَهَا الْعُلَا

''(موت) قلعے والوں پر بھی حملہ کرتی ہے، حالانکہ وہ قلعہ بند ہوتا ہے موت تو پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر بھی آجاتی ہے۔''②

درج ذیل اشعار بھی آپ کی طرف منسوب ہیں:

غِنَى النَّفْسِ يُغْنِي النَّفْسَ حَتّٰى يَكُفَّهَا وَإِنْ عَضَّهَا حَتّٰى يَضُرَّ بِهَا الْفَقْرُ

وَمَا عُسْرَةٍ فَاصْبِرْ لَهَا إِنْ لَّقِيتَهَا بِكَائِنَةٍ إِلَّا سَيَتْبَعُهَا يُسْرُ

''انسان کو اُس کے دل کی بے نیازی بھیک مانگنے سے روک دیتی ہے۔ چاہے یہ بے پروائی اسے کاٹ کھائے اور بھیک نہ مانگنے کی صورت میں فقر اسے کتنا ہی شدید گزند پہنچائے۔ تم پر کوئی بھی مشکل آپڑے۔ اس پر صبر کرو۔ کیونکہ مصیبت چاہے کیسی بھی ہو اس کے بعد بہر حال آسانی ہے۔''

آخری شعر میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ قرآن کے معانی پر مشتمل ہے: ''ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔'' ایسے شعر کا صدور رسول اکرم ﷺ کے تربیت یافتہ خلیفہ سے دور از کار نہیں۔ آپ قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف اشعار کا مؤاخذہ فرماتے تھے اور اچھے اشعار کی نہ صرف تعریف کرتے تھے بلکہ اسلامی مضامین والے اشعار بخوشی سنتے تھے۔③

① البداية والنهاية: 192/7. ② البداية والنهاية: 192/7. ③ أدب صدر الإسلام لواضح الصمد، ص: 102.

خلیفۂ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اشعار سے لگاؤ نہیں تھا۔ نہ شعراء آپ کی مجلس میں بیٹھتے تھے لیکن شورش پسندوں کے ہاتھوں آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیاسی اشعار کی بہتات ہوگئی اور صحافت کے میدان میں انقلاب آگیا کیونکہ آپ کی انتہائی الم انگیز شہادت پر بہت سے شعراء صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اشعار کہے۔[1] جن کا بیان آئندہ صفحات میں ملے گا۔ ان شاء اللہ!

ذاتی اوصاف و مکارم

آپ ایک ربانی قائد کی صفات سے بدرجۂ اتم متصف تھے۔ ذیل میں ہم آپ کی بعض خوبیاں اختصار سے اور بعض قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

- آپ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ناقابل شکست ایمان رکھتے تھے۔
- شرعی علم کے زیور سے آراستہ تھے۔
- اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسا کرنے والے، صدق و وفا کے پیکر، بہت باصلاحیت اور بڑے دلیر تھے۔
- مروّت، زہد، جذبۂ قربانی، عجز وانکسار، قبولِ نصیحت، حلم و بردباری، صبر وشکر، عالی ہمتی، پختگی، ٹھوس ارادہ اور عدل وانصاف جیسی گرانمایہ خوبیوں کے حامل تھے۔
- مشکلات حل کرنا اور ماتحتوں کی اچھی تربیت کرنا آپ کا خاص وصف تھا۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ انھی خوبیوں کی وجہ سے آپ نے مملکتِ اسلامیہ کے خلاف اٹھنے والی ہر اندرونی اور بیرونی یورش کا بڑی خوبی سے قلع قمع کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنی مبنی برصداقت پالیسیوں سے امت کو اس کے اعلیٰ اہداف و مقاصد تک پہنچایا۔

اب ہم آپ کی اہم صفات کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کرتے ہیں:

[1] الأدب الإسلامي للدکتور نایف معروف، ص: 190.

علمی فضیلت اور عوامی تعلیم کی قائدانہ صلاحیت

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار قرآن و سنت کا راسخ علم رکھنے والے کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ آپ کے فقہی اجتہادات کی مثالیں آئندہ اوراق میں پیش کی جائیں گی۔ آپ ہر معاملے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کی پیروی کرتے تھے۔

مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن الاسود نے عبید اللہ بن عدی بن خیار سے کہا کہ وہ اپنے ماموں سے کہیں کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ولید کے بارے میں پوچھیں کیونکہ لوگوں میں بڑی چہ میگوئیاں ہورہی ہیں۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نماز کے لیے نکلے تو میں ان سے ملا اور کہا: ''مجھے آپ سے ایک کام ہے بلکہ ہمدردانہ مشورہ ہے۔'' عبیداللہ کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: ''میں تم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔'' میں واپس چلا گیا۔ نماز ختم ہوئی تو میں نے مسور اور عبدالرحمٰن کو اپنی روداد سنائی۔ وہ دونوں مجھ سے کہنے لگے: ''تو نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔'' ابھی میں ان کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قاصد مجھے بلانے آگیا۔ وہ دونوں مجھ سے کہنے لگے: ''آج اللہ نے تجھے آزمائش میں ڈال دیا ہے۔'' میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا: ''اب بتائیے! آپ مجھے کیا مشورہ دینا چاہتے تھے؟'' عبیداللہ کہتے ہیں: ''میں نے خطبہ پڑھا اور ان سے کہا: اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اُن پر کتاب نازل فرمائی۔ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اس دعوت پر لبیک کہا اور ایمان لائے۔ آپ نے دو ہجرتیں کی ہیں۔ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ نے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ لوگوں کی کثیر تعداد ولید کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہی ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس پر حد نافذ کریں۔'' عبیداللہ کہتے ہیں: میری باتیں سُن کر انھوں نے مجھ سے پوچھا: ''میرے بھانجے! کیا تم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا

شرف حاصل کیا ہے؟'' عبید اللہ کہتے ہیں: میں نے کہا: ''نہیں۔ لیکن مجھے آپ ﷺ کے علم و یقین کے بارے میں وہ کچھ پہنچا ہے جو ایک پردہ نشین دوشیزہ کو بھی پہنچا ہے۔'' انھوں نے خطبہ پڑھا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت قبول کرنے والوں میں سے تھا۔ ایمان لانے کے بعد میں نے دو بار ہجرت کی۔ اس بات کو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مجھے رسول اکرم ﷺ کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے۔ اللہ گواہ ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کی بیعت کرنے کے بعد کبھی آپ کی نافرمانی کی نہ کبھی آپ سے کوئی خیانت کی بلکہ آپ ﷺ آخری دم تک مجھ سے راضی تھے۔ آپ ﷺ کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ ہم نے ان کی بیعت کی اور ان کی زندگی کے آخری لمحات تک میں نے ان کی نافرمانی کی نہ کبھی کسی خیانت کا مرتکب ہوا۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو زندگی بھر ان کی فرمانبرداری کی۔ کبھی نافرمانی اور خیانت کا گمان تک نہیں گزرا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیفہ بنا دیا۔ کیا تمھاری ذمہ داری نہیں کہ جس طرح میں نے سابقین کی فرمانبرداری کی اسی طرح تم بھی میری فرمانبرداری کرو؟'' عبید اللہ کہتے ہیں: ''میں نے کہا: کیوں نہیں!'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تو پھر تمھاری چہ میگوئیوں کا کیا مطلب؟ رہا ولید کا مسئلہ تو اس کے بارے میں ان شاء اللہ ہم حق کے مطابق فیصلہ کریں گے۔'' عبید اللہ کہتے ہیں کہ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید کو چالیس کوڑے لگوائے اور اس کام کی ذمہ داری سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سونپی۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد عمر بھر رسول اکرم ﷺ کے ساتھ رہے۔ آپ ﷺ کے علم و عرفان کے جواہر سے خوب استفادہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا شمار ان صحابۂ کبار میں ہوتا ہے جو بڑے بلند پایہ عالم تھے۔ آپ قوم کی بڑی صحیح رہنمائی فرماتے تھے۔ لوگوں کو ان کے فرائض کی تعلیم دیتے تھے۔ اپنے علم، تجربے اور مہارت کی بنا پر

[1] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 597/1، إسناده صحيح.

نہایت قیمتی آراء سے مستفید فرماتے تھے تاکہ ان میں دعوت و جہاد، تعلیم و تربیت اور اللہ کی ملاقات کا شوق اور صلاحیت پیدا ہو سکے۔ آپ کا خطبۂ خلافت نہایت قیمتی آراء پر مشتمل ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اکرم ﷺ پر درود و سلام کے بعد فرمایا:

''تم گویا بند قلعے میں ہو۔ باقی ماندہ عمر گزار رہے ہو، لہٰذا موت کے لیے جتنی نیکیاں جمع کر سکتے ہو کر لو۔ صبح یا شام وقت اجل آپہنچے گا۔ خبردار! دھوکے کا دوسرا نام دنیا ہے، یہ دنیاوی زندگی تمھیں دھوکے میں مبتلا نہ کر دے۔ اللہ کے بارے میں دھوکے باز شیطان تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ اپنے پیش رووں سے سبق سیکھو، پھر سنجیدگی سے کوشش کرو اور غفلت کی زندگی چھوڑ دو۔ عرصۂ دراز تک دنیا سے فائدہ اٹھانے والے، اسے رونقیں بخشنے والے اور اس کے پجاری کہاں گئے؟ کیا دنیا نے انھیں پھینک نہیں دیا؟ دنیا کو اس سے بہتر چیز یعنی آخرت کے بدلے میں چھوڑ دو۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ۝ ﴾

''اور ان کے لیے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کیجیے: جیسے پانی (مینہ)، جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا، پھر اس سے زمین کی نباتات خوب مل جل گئی، پھر وہ چورا چورا ہوگئی جسے ہوائیں اڑا لے جاتی ہیں اور اللہ ہر شے پر بہت قدرت رکھنے والا ہے۔ مال اور بیٹے تو دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور آپ کے رب کے ہاں باقی رہنے والی نیکیاں ہی ثواب میں بہتر ہیں اور امید لگانے کے اعتبار سے (بھی) بہتر ہیں۔''[2]

خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس خطبے کا لب لباب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف

[1] البداية والنهاية: 153/7. [2] الكهف 46,45:18.

رجوع کیا جائے اور دنیا سے بے رغبتی اختیار کی جائے۔ اُس دور میں جبکہ اطرافِ عالم میں ہر طرف اسلام کی دھاک بیٹھ چکی تھی، ملکوں کے ملک فتح ہو چکے تھے اور زمین نے اپنے خزانے اگل دیے تھے، ایسا ہی خطبہ مناسب تھا۔ لوگوں میں دنیا کی مقابلہ بازی کی دوڑ شروع ہو چکی تھی بالخصوص رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے علاوہ لوگوں کا دنیا کے فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ تھا، ایسے حالات میں ایسی ہی نصیحت برمحل تھی۔ ①

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول چند فرامینِ رسول ﷺ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کی متعدد احادیث لوگوں تک پہنچائیں جن سے لوگوں نے خوب استفادہ کیا۔ یہ احادیث مختلف موضوعات پر ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

❁ **قرآنی تعلیم و تعلیم کی اہمیت:** ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سے میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے درج ذیل حدیث سنی ہے اس پر عمل پیرا ہوں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: «خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ»

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔'' ②

سعد بن عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے قرآن پڑھانا شروع کیا اور حجاج کے دور تک قرآنِ کریم ہی پڑھاتے رہے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان ہی نے مجھے (اتنا عرصہ) اس مسند پر بیٹھنے پر آمادہ کیا۔

ایک دوسری روایت میں شعبہ رحمہ اللہ ابوعبدالرحمٰن سے بیان کرتے ہیں: ''مجھے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان نے اس مسند پر بیٹھنے پر مجبور کیا۔'' وہ قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ ③

① الكفاء ة الإدارية في السياسة الشرعية للقادري، ص: 93. ② صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب: خير كم من تعلم القرآن و علمه، حديث: 5027. ③ الخلافة الراشدة للدكتور يحيى اليحيىٰ، ص: 421,420.

❁ **وضو کی اہمیت:** سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بلاط[1] نامی جگہ پر وضو کیا، پھر فرمایا: میں تمھیں ایک حدیث سناتا ہوں۔ یہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے، اگر قرآن کی آیت (جس میں علم چھپانے کی وعید ہے) نہ ہوتی تو میں تمھیں کبھی نہ بتاتا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ دَخَلَ فَصَلّٰى، غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الصَّلَاةِ الْأُخْرٰى حَتّٰى يُصَلِّيَهَا»

''جس نے وضو کیا اور اچھے طریقے سے کیا، پھر وہ (مسجد میں) داخل ہوا اور نماز پڑھی تو اس نماز سے لے کر اگلی نماز تک کے دورانیے میں اُس کے کیے گئے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''[2]

❁ **وضو میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع:** سیدنا حمران رحمہ اللہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے پانی منگوایا اور وضو کیا (ہاتھ دھوئے)، کلی کی، ناک میں پانی چڑھایا، منہ دھویا، یہ سارے کام تین تین مرتبہ کیے، پھر دونوں بازو کہنیوں سمیت تین تین بار دھوئے، سر کا مسح کیا اور دونوں قدموں کے اوپر والے حصے کا بھی مسح کیا، پھر ہنسے اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا: آپ مجھ سے کیوں نہیں پوچھتے کہ میں کیوں ہنسا ہوں؟ انھوں نے کہا: ''امیر المؤمنین! آپ کیوں ہنسے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ نے اس جگہ کے قریب پانی منگوایا اور وضو کیا جس طرح میں نے وضو کیا ہے، پھر آپ ہنسے اور پوچھا: «أَلَا تَسْأَلُونِّي مَا أَضْحَكَنِي؟» ''تم مجھ سے پوچھتے نہیں کہ میں کیوں مسکرایا ہوں؟'' میں نے کہا: ''اللہ کے رسول! آپ کیوں مسکرائے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] بلاط: مسجد نبوی اور مدینہ کے بازار کے درمیان جگہ کا نام ہے۔ [2] مسند أحمد: 57/1، إسناده صحيح.

«إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا دَعَا بِوَضُوءٍ فَغَسَلَ وَجْهَهُ، حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ خَطِيئَةٍ أَصَابَهَا بِوَجْهِهِ، فَإِذَا غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ كَانَ كَذٰلِكَ، وَ إِنْ مَّسَحَ بِرَأْسِهِ كَانَ كَذٰلِكَ، وَ إِنْ طَهَّرَ قَدَمَيْهِ كَانَ كَذٰلِكَ»

''جب بندہ وضو کے لیے پانی لے اور اپنا چہرہ دھوئے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کے سارے گناہ دھو دیتا ہے۔ اور جب اپنے بازو دھوتا ہے تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ اور سر کا مسح کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سر کے گناہ ختم کر دیتا ہے اور پاؤں دھوتا ہے تو اسی طرح پاؤں کے گناہ بھی معاف کر دیے جاتے ہیں۔''[1]

❁ **وضو کا گناہوں کے لیے کفارہ بننا:** سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَتَمَّ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، فَالصَّلَوَاتُ الْمَكْتُوبَاتُ كَفَّارَاتٌ لِّمَا بَيْنَهُنَّ»

''جس نے اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق پورا وضو کیا تو فرضی نمازیں ان کے درمیانے اوقات کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔''[2]

❁ **وضو اور دو رکعت نماز گناہوں کی معافی کا سبب ہیں:** سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے وضو کے لیے پانی منگوایا، پھر دائیں ہاتھ پر انڈیل کر اسے دھویا، پھر دایاں ہاتھ پانی کے برتن میں ڈال کر دونوں ہاتھ تین مرتبہ دھوئے، پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر ٹخنوں تک دونوں پاؤں تین مرتبہ دھوئے اور فرمایا: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

«مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهُ فِيهِمَا، غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

① مسند أحمد: 58/1، صحيح لغيره. ② مسند أحمد: 57/1، إسناده صحيح.

”جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا، پھر دو رکعتیں اس طرح ادا کیں کہ دل میں کوئی خیال نہیں آیا تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دے گا۔“ (1)

❁ **اخلاص اور تقویٰ کا کلمہ:** سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُولُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِّنْ قَلْبِهِ إِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ»

”میں ایک کلمہ جانتا ہوں، اگر کوئی شخص اسے سچے دل سے کہے تو اس پر آگ حرام ہو جائے گی۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں بتاتا ہوں وہ کون سا کلمہ ہے، اس سے مراد وہی کلمۂ اخلاص ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو تاکید کی اور ان کے لیے ضروری قرار دیا۔ یہی تقویٰ کا کلمہ ہے جس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کو ان کی موت کے وقت ترغیب دیتے رہے، یعنی لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا۔“ (2)

❁ **اللہ تعالیٰ کی معرفت دخول جنت کا باعث ہے:** سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ مَّاتَ وَ هُوَ يَعْلَمُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ»

”جس شخص کی موت اس حال میں آئی کہ وہ جانتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔“ (3)

❁ **نیکیاں اور باقی رہنے والے اعمال:** سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حارث کا بیان ہے کہ ایک دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ موجود تھے۔ اس دوران مؤذن آپ کے پاس آیا (اور نماز کے لیے کہا۔) آپ نے پانی والا ایک برتن

(1) مسند أحمد: 58/1، إسناده صحيح. (2) مسند أحمد: 63/1، إسناده قوي. (3) مسند أحمد: 65/1، إسناده صحيح.

منگوایا جس میں تقریباً ایک مد پانی ہو گا، اس سے وضو کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَوَضَّأَ وَضُوئِي هٰذَا، ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى صَلَاةَ الظُّهْرِ، غُفِرَ لَهٗ مَا كَانَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الصُّبْحِ، ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهَا وَ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ، ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهَا وَ بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهَا وَ بَيْنَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، ثُمَّ لَعَلَّهٗ أَنْ يَّبِيتَ يَتَمَرَّغُ لَيْلَتَهٗ، ثُمَّ إِنْ قَامَ فَتَوَضَّأَ وَ صَلَّى الصُّبْحَ غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهَا وَ بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ، وَ هُنَّ الْحَسَنَاتُ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ»

''جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا، پھر ظہر کی نماز پڑھی تو اس کے صبح (کی نماز) سے لے کر ظہر تک کے دورانیے میں کیے گئے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، پھر عصر کی نماز پڑھی تو ظہر اور عصر کے درمیانے وقت میں کیے گئے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، پھر نماز مغرب ادا کی تو عصر اور مغرب کے دوران کیے گئے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، پھر عشاء کی نماز ادا کی تو عشاء اور مغرب کے درمیانے وقت میں کیے گئے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، پھر شاید رات (گناہوں میں) لت پت ہو کر گزارے، پھر اگر اس نے اٹھ کر وضو کیا اور صبح کی نماز ادا کی تو عشاء سے فجر تک کے وقت میں کیے گئے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ یہ وہ نیکیاں ہیں جو گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں۔'' لوگوں نے کہا: ''امیر المؤمنین! یہ نیکیاں ہیں اور باقیات کیا ہیں؟'' آپ نے فرمایا: لا إلٰه إلا اللّٰه، سبحان اللّٰه، الحمد للّٰه، اللّٰه أكبر اور لا حول ولا قوة إلا باللّٰه کہنا باقیات ہیں۔''[1]

[1] مسند أحمد: 71/1، إسناده حسن.

❁ رسول اکرم ﷺ سے جھوٹ منسوب کرنے پر زبردست وعید: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: «مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا، فَلْيَتَبَوَّأْ بَيْتًا فِي النَّارِ»

''جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنا گھر جہنم میں بنا لے۔'' ①

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث میں سے مذکورہ بالا روایات آپ کے علم، رسول اللہ ﷺ کی سیرت و کردار کی طرف رغبت اور دینی فہم میں اضافے کے شوق پر دلالت کرتی ہیں۔

حلم و بردباری

حلم اور بردباری حکمت کی بنیادی اکائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اپنی ذاتِ عالیہ کے لیے صفت ''حلم'' کا ذکر کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴾

''بے شک جب دو لشکر (احد میں) آپس میں ٹکرائے تھے تو تم میں سے جن لوگوں نے پسپائی اختیار کی یقیناً وہ اپنی بعض کوتاہیوں کے سبب شیطان کے بہکاوے میں آ گئے تھے اور بلا شبہ اللہ نے انھیں معاف کر دیا، بے شک اللہ نہایت بخشنے والا، بہت حوصلے والا ہے۔'' ②

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا حلم اور عفو و درگزر ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ اپنے اقوال، افعال اور احوال میں بڑی شدت سے رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرتے تھے۔ کئی واقعات آپ کے حلم اور ضبطِ نفس پر شاہد ہیں۔ آپ کے حلم کی سب سے اعلیٰ مثال اس وقت سامنے آئی جب بلوائیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ آپ نے انصار و مہاجرین سے فرمایا: ''مجھے میرے حال پر رہنے دو، تم اپنے گھروں کو چلے جاؤ، حالانکہ وہ

① مسند أحمد: 70/1، إسناده صحيح. ② آل عمرٰن 155:3۔

دفاع کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ آپ کے حلم کی بنیاد اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق تھا۔ آپ کسی صورت بھی مسلمانوں کا خون بہنا گوارا نہیں کر سکتے تھے، چاہے اس کے لیے خود ان کی اپنی جان چلی جائے۔[1]

عالی ظرفی اور فراخ دلی

عطاء بن فروخ مولیٰ قریش فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے زمین خریدی۔ اس نے (رقم لینے میں) دیر کر دی۔ آپ اس سے ملے اور فرمایا: ''کیا وجہ ہے، اپنا مال لینے نہیں آئے؟'' اس نے کہا: ''آپ نے مجھے نقصان پہنچایا ہے کیونکہ ہر شخص مجھے ملامت کر رہا ہے (کہ تو نے زمین سستے داموں بیچ ڈالی ہے۔) آپ نے فرمایا: ''کیا اسی وجہ سے پیسے لینے نہیں آئے؟'' اس نے کہا: ''ہاں۔'' آپ نے فرمایا: ''کوئی بات نہیں، آپ کی مرضی ہے زمین واپس لے لیں یا اپنی رقم، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

«أَدْخَلَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ رَجُلًا كَانَ سَهْلًا مُّشْتَرِيًا وَّ بَائِعًا، وَّ قَاضِيًا وَّ مُقْتَضِيًا»

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے جو خرید و فروخت اور اپنا حق لینے دینے میں نرمی اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔''[2]

یہ خرید و فروخت میں عالی ظرفی کی نہایت عمدہ مثال ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فطری طور پر نہایت کریم اور زاہد انسان تھے۔ آپ کے نزدیک زندگی کا مقصد عمدہ اخلاق کی تکمیل تھا اور عمدہ اخلاق میں سب سے اہم وصف ایثار اور قربانی ہے۔ آپ دنیا کو عمدہ اخلاق کے لیے قربان کر دیتے تھے لیکن دنیا کی وجہ سے اچھے اخلاق پر کبھی

[1] الكفاءة الإدارية في الساعة الشرعية للقادري، ص: 65. [2] مسند أحمد: 58/1، حسن لغيره.

زد نہیں آنے دی۔ آپ نے اپنی کسی بھی دنیاوی مصلحت کی خاطر لوگوں کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔[1]

نرم خوئی

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اپنے باقی بندوں پر رحمت کرتے ہوئے آپ ﷺ کو نرم خوئی کی صفت سے نوازا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ﴾

''پس (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہو گئے۔ اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔''[2]

درج بالا آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نرم خوئی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا کرتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کو نرمی سے وافر حصہ ملا تھا جو آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے اللہ کی طرف سے رحمت تھا۔ آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ لوگ نرم مزاج شخص سے محبت کرتے ہیں۔ اس کا حلقۂ یاراں وسیع ہوتا ہے، وہ جو حکم دے اسے قبول کرتے ہیں اور جس سے وہ روک دے اس سے رک جاتے ہیں۔[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ نرم مزاجی سے بھی متصف تھے۔ آپ رعایا کے لیے نہایت نرم مزاج اور شفیق تھے۔ آپ اس بات سے بہت محتاط رہتے تھے کہ آپ کی طرف سے کسی کو کوئی معمولی سا دکھ بھی پہنچے اور انھیں علم نہ ہونے کی وجہ سے اس کی حاجت براری نہ ہو پائے۔ لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہونے کے لیے ان کے حالات

[1] التاريخ الإسلامي للدكتور عبدالعزيز الحميدي: 126/18,17. [2] آل عمرٰن 3:159. [3] الكفاءة الإدارية في السياسة الشرعية للقادري، ص: 69.

کا پتا لگاتے رہتے تھے تاکہ کمزور کی مدد کر سکیں اور طاقتور سے کمزور کو حق دلا سکیں۔

عفوو درگزر

عمران بن عبداللہ بن طلحہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے لیے نکلے۔ اپنے معمول کے دروازے سے داخل ہوئے تو کوئی شخص آپ سے ٹکرا گیا۔ آپ نے فرمایا: ''دیکھو! یہ کیا معاملہ ہے؟'' لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص خنجر یا تلوار سے مسلح ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: ''کیا بات ہے تم ادھر کس لیے آئے؟'' اس نے کہا: ''میں آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔'' آپ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! آخر کیوں؟'' اس نے کہا: ''یمن میں آپ کے عامل نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''تم نے مجھ سے اس کی شکایت کیوں نہ کی؟ پھر اگر میں تم سے انصاف نہ کرتا یا اپنے عامل کی حمایت کرتا تب تم مجھ سے یہ سلوک کر سکتے تھے۔'' پھر آپ نے وہاں موجود لوگوں سے دریافت فرمایا: ''تمھاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے! اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے!'' لوگوں نے کہا: ''امیر المؤمنین! دشمن کو اللہ نے قابو میں دے دیا ہے، (لہٰذا قتل کر دیجیے)'' آپ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ ایک بندے نے گناہ کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بچا لیا ہے۔'' پھر اس شخص سے فرمایا: ''جاؤ کوئی ضامن لے آؤ کہ میری خلافت میں تم کبھی مدینہ میں داخل نہیں ہو گے۔'' وہ اپنی قوم کا ایک ضامن لے آیا تو آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ [1]

قتل کا ارادہ کرنے والے پر مکمل قابو پا جانے کے بعد اسے معاف کر دینا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت اور چشم پوشی کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس سے آپ کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے۔ انانیت اور خواہشات پرستی آپ سے کوسوں دور تھی۔ دنیا کے مقابلے میں آخرت سے تعلق

[1] التاريخ الإسلامي للدكتور عبدالعزيز الحميدي: 22/18,17، نقلًا عن تاريخ المدينة المنورة، ص:1028,1027.

نہایت مضبوط تھا۔ جہاں یہ خوبیاں آخرت میں درجات کی بلندی کا باعث ہیں، وہاں دنیاوی سیاست کے لحاظ سے بھی نہایت حکیمانہ تاثیر رکھتی ہیں، مثلاً اگر اس شخص کو قتل کر دیا جاتا یا اسے سخت سزا دی جاتی تو کوئی بڑا فتنہ کھڑا ہو سکتا تھا کہ اس کے قبیلے کے لوگ بھڑ جاتے یا موقع ملنے پر انتقام لینے کے لیے کوئی شورش بپا کر دیتے۔ لیکن آپ کے معاف کر دینے سے اس کے قبیلے اور خاندان ہی کے افراد نے اس کی اس گھناؤنی حرکت پر اسے سرزنش کی۔ اس طرح یہ فتنہ اٹھنے سے پہلے ہی دب گیا۔ یقیناً معاف کرنے والا لوگوں کے دل جیت لیتا ہے اور ان کی محبت کا مرکز بن جاتا ہے۔[1]

عجز و انکسار

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ ﴾

’’اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی (وقار اور عاجزی) سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے بات کریں تو وہ کہتے ہیں: سلام ہے۔‘‘[2]

اللہ عزوجل نے مومنوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے پہلی خوبی عجز و انکسار بتائی ہے۔

خلیفۂ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس خوبی سے بدرجہ اتم متصف تھے اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا اخلاص تھا۔

عبداللہ رومی کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رات کو اٹھتے تو وضو کے لیے خود ہی پانی لے لیتے۔ آپ سے کہا گیا کہ خادم کو حکم دے دیا کریں تاکہ وہ آپ کے لیے پانی وغیرہ کا بندوبست کر دے تو آپ نے فرمایا: ’’نہیں، رات کا وقت ان کے آرام کا ہوتا ہے۔‘‘[3]

[1] التاریخ الإسلامي للدکتور عبدالعزیز الحمیدي: 22/18,17. [2] الفرقان 63:25. [3] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل، حدیث:742، إسناده صحیح.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا کبر سنی اور معاشرے میں بلند مقام و مرتبہ کے باوجود رات کے وقت خادم کو نہ اٹھانا آپ کی رحمت و شفقت اور تواضع کی بہت بڑی دلیل ہے، حالانکہ خدمت گزاروں کو اللہ نے مخدوموں کا فرمانبردار بنایا ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ اپنے ماتحتوں کا، جنھیں اللہ نے اس کا فرمانبردار بنایا ہے، خیال رکھے۔ ان کے احساسات، جذبات، ضروریات اور آرام کا مکمل خیال رکھے کیونکہ وہ بھی انسان ہیں اور انسانی ضروریات انھیں بھی لاحق ہیں۔ ان پر ان کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔[1]

آپ کے تواضع اور عجز و انکسار کی نہایت عمدہ مثال یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ملے۔ آپ ان کے ادب میں سواری سے نیچے اتر پڑے، اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کا خیال کرتے ہوئے احتراماً سواری سے اتر آئے۔[2]

حیا اور پاکدامنی

حیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی معروف خوبیوں میں سے ہے۔ اس خوبی سے اللہ تعالیٰ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خوب مزین کیا تھا۔ یہ بڑا بیش بہا وصف ہے! آپ خیر اور بھلائی کا مرکز اور رحمت و شفقت کا منبع تھے۔ آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر حیا والے تھے۔[3]

ایک دن حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی حیا کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''آپ گھر میں ہوتے، دروازہ بند ہوتا تب بھی آپ اپنے بدن پر پانی بہانے کے لیے کپڑے نہیں اتارتے تھے۔ حیا کی وجہ سے دورانِ غسل سیدھے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔''[4]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی با حیا تھے۔ حیا کا عالم یہ تھا کہ آپ کی بیوی کی لونڈی بُنانہ کہتی

[1] التاريخ الإسلامي للدكتور عبدالعزيز الحميدي: 62/18,17. [2] التبيين في أنساب القرشيين لابن قدامة المقدسي، ص: 153. [3] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 49,48. [4] صحيح التوثيق للدكتور مجدي فتحي السيد، ص: 43.

ہیں کہ جب آپ غسل فرماتے اور میں آپ کے لیے کپڑے لاتی تو مجھ سے فرماتے:

''میری طرف نہ دیکھو کیونکہ مجھے دیکھنا تمھارے لیے حلال نہیں۔'' ①

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا کے بارے میں بہت سی احادیث نبویہ وارد ہیں جو میں نے پہلے بیان کردی ہیں۔ جہاں تک آپ کی عفت، پاکدامنی اور بُرے اخلاق سے دوری کا تعلق ہے تو اس میں جتنا بھی مبالغہ کیا جائے درست ہوگا کیونکہ زمانۂ جاہلیت یا اسلام میں آپ کی اخلاقی کمزوری کا ایک واقعہ بھی منقول نہیں۔ خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''میں نے کبھی برائی کی نہ کبھی جھوٹ بولا۔''

مزید فرماتے ہیں: ''جب سے میں نے دائیں ہاتھ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے اس ہاتھ سے کبھی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔ جاہلیت یا اسلام کسی زمانے میں کبھی شراب نہیں پی۔ نہ کبھی بدکاری کا مرتکب ہوا۔'' ②

جود و سخا

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ امت کے سب سے زیادہ سخی اور کریم انسان تھے۔ آپ کی سخاوت کے واقعات اور اثرات تاریخِ اسلامی کا ایک لازوال اور سنہرا باب ہیں۔ غزوۂ تبوک میں مجاہدین کی تیاری، مسلمانوں کے لیے بئر رومہ کی خریداری، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع، عہد صدیق رضی اللہ عنہ میں قحط سالی کے دوران پورے قافلے کے غذائی سامان کی فقراء میں تقسیم کا ذکر گزر چکا ہے۔ اسلام لانے کے بعد آپ ہر جمعہ کو ایک غلام یا لونڈی آزاد کرتے تھے۔ آپ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد تقریباً چوبیس سو (2400) ہے۔ ③

بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ، جو خود بہت بڑے سخی تھے، کے ذمے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پچاس ہزار درہم تھے۔ ایک دن سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ کی رقم کا

① الطبقات لابن سعد: 59/3. ② صحيح التوثيق للدكتور مجدي فتحي السيد ص: 44. ③ الصواعق المحرقة لابن حجر الهيثمي: 327/1.

بندوبست ہو گیا ہے، لہٰذا وصول کر لیں۔'' سیدنا عثمان نے فرمایا: ''وہ رقم آپ ہی کی ہے۔ اسے اپنے اچھے کاموں میں لگا لیں۔''①

جود و سخا کی عظیم خوبی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت منفرد تھی۔ آپ نے اپنا مال اللہ کے دین کی خدمت، اسلامی سلطنت کی تعمیر و ترقی، جہاد فی سبیل اللہ اور معاشرتی کاموں میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کر دیا اور اس میں کبھی کسی بخل سے کام نہ لیا۔

بہادری

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار بہادر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جس کی دلیل درج ذیل امور ہیں:

❁ غزوۂ بدر: آپ کا جہاد کے لیے نکلنا اور ہر غزوے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا آپ کی شجاعت کی واضح دلیل ہے۔ جہاں تک غزوۂ بدر میں پیچھے رہنے کا تعلق ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مجاہدینِ بدر میں شمار کیا اور آپ کو غنیمت میں سے حصہ بھی دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انھیں اصحابِ بدر میں شامل کرنے کے بعد کسی کو اس پر کلام کرنے کا حق حاصل نہیں۔

❁ صلح حدیبیہ میں سفارت کے فرائض: جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حدیبیہ کے روز قریش کے ہاں جانے کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ درپیش حالات میں سفارت جان جوکھوں میں ڈالنے کا کام ہے لیکن آپ کو آپ کی مردانگی اور شجاعت ہی نے حکمِ رسول کی تعمیل پر آمادہ کیا۔ ایسے حالات میں سفارت کی ذمہ داری قبول کرنا کسی بہت بڑے بہادر اور نابغۂ روزگار ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا لیکن باصلاحیت بہادر انسان کے علاوہ کسی بزدل آدمی کے لیے اسے قبول کرنا ممکن نہ تھا۔②

① البداية والنهاية: 227/7. ② الأمين ذوالنورين لمحمود شاكر، ص: 194-196.

❁ جان فدا کرنا: جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ان کے گھر میں محاصرہ کر لیا گیا تو باغیوں نے دو باتیں آپ کے سامنے رکھیں: ① خلافت سے دستبردار ہو جائیں، ② اپنے بعض عاملوں کو معطل کر کے ان کی جگہ ہمارے آدمی مقرر کریں۔ ورنہ قتل کے لیے تیار ہو جائیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ باغیوں کی کوئی بات قبول نہیں کی۔ آپ نے جان کی قربانی دے دی لیکن خلافت کو چند مخصوص عناصر کے ہاتھوں میں ایسا کھلونا نہیں بننے دیا کہ جسے وہ چاہیں خلیفہ منتخب کریں، جسے چاہیں معزول کر دیں یا امت کے منتخب کردہ خلیفہ کو معزول کر دیں اور یوں یہ ایک مستقل قاعدہ بن جائے۔ ①

آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہے، حالانکہ محاصرہ کرنے والوں کی چمکتی ہوئی تلواروں میں آپ کو موت نظر آ رہی تھی (اگر آپ چاہتے تو کچھ لے دے کر مفاہمت کر سکتے تھے۔) ایسے جان لیوا حالات میں اپنے موقف پر ڈٹے رہنا اور دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا یقیناً کسی بہادر اور حق پرست انسان ہی کا کام ہے۔ دنیا سے محبت کرنے والا اور بزدل شخص کبھی یہ موقف اختیار نہیں کر سکتا بلکہ بزدل کا سارا سرمایہ اس کی حیات فانی ہوتی ہے۔ ②

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنے موقف پر اس قدر اصرار، پختہ عزیمت اور کمال بہادری اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر پختہ ایمان کی وجہ سے تھا جو ان کے دل و دماغ کے ایک ایک ریشے میں راسخ ہو گیا تھا۔ یہی محکم ایمان و یقین تھا جس نے ان کے نزدیک آخرت کے مقابلے میں دنیا کی ہر متاع بلکہ خود اپنی جانِ عزیز کو بھی ہیچ اور ناقابلِ توجہ بنا دیا تھا۔ ③

❁ مالی جہاد: جہاد بالنفس کے بعد جہاد بالمال کا درجہ ہے۔ بسا اوقات جہاد بالمال کی اہمیت جہاد بالنفس سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① الأمين ذوالنورين لمحمود شاكر، ص: 197. ② الأمين ذوالنورين لمحمود شاكر، ص: 197.
③ جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين لمحمد الوكيل، ص: 304.

﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

''کسی عذر کے بغیر (پیچھے) بیٹھ رہنے والے مومن اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں پر مرتبے میں فضیلت دی ہے۔ اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ نے مجاہدین کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں بہت بڑا اجر دیا ہے۔''[1]

دیگر بہت سی آیات میں جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالمال کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے راستے میں کھلے دل سے مال خرچ کرتا ہے وہ یقیناً بہادر اور مجاہد ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں اس قدر مال خرچ کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ»

''آج کے بعد عثمان کا کوئی عمل اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔'' آپ نے یہ بات دوبار فرمائی۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بہادر تھے۔ موت کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ بردبار تھے۔ احمق کی حماقت آپ کو جاہل نہیں بنا سکتی تھی۔[3]

مستقل مزاجی اور دور اندیشی

مستقل مزاجی سیدنا ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی پہچان تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سیدنا ابوبکر

(1) النسآء 4:95. (2) جامع الترمذي، حديث:3701. (3) جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين لمحمد الوكيل، ص:304.

صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں دعوت اسلام دی تھی تو فرمایا تھا: ''تعجب ہے اے عثمان! آپ تو دور اندیش، سمجھدار اور مستقل مزاج آدمی ہیں۔ حق و باطل کی تمیز آپ کے لیے کوئی مشکل نہیں، یہ بت کیا ہیں جن کی ہماری قوم پوجا کرتی ہے؟''[1]

مسجد حرام کی توسیع کے لیے 26 ھ میں آپ نے ایک قطعۂ زمین خریدا کچھ لوگوں نے رضا مندی سے فروخت کر دیا اور بعض انکار کرنے لگے۔ آپ نے ان کی عمارات گرا دیں اور رقم بیت المال میں رکھ دی۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شور مچایا۔ آپ نے انھیں قید کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: ''مجھے معلوم ہے کہ تمھیں یہ جرأت کیسے ہوئی؟ صرف میری نرمی اور بردباری کی وجہ سے تم نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ یہی کام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تو تم نے ذرا بھی شور نہ مچایا۔'' پھر عبداللہ بن خالد بن اُسید رحمہ اللہ نے ان کی سفارش کی تو انھیں قید سے رہا کر دیا گیا۔[2]

آپ کی مستقل مزاجی پر دلالت کرنے والے واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے نظامِ خلافت کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھا۔ خارجیوں کے مطالبے پر خلافت سے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا۔ اگر آپ خارجیوں کے کہنے پر خلافت سے دستبردار ہو جاتے تو امامت جیسا عظیم منصب مفسدین شریر اور فساد برپا کرنے والوں کے ہاتھوں کھیل تماشا بن جاتا اور غیر منظّم لوگوں کی بالادستی ہوتی اور ریاست کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اگر آپ ان خارجیوں کی شرائط قبول کر لیتے تو یہ ایک طریقہ چل نکلتا کہ ہر شخص اپنی مرضی سے جس کے خلاف چاہتا اٹھ کھڑا ہوتا اور اسے معزول کر دیتا۔ اس طرح پوری قوم اندرونی تنازعات میں الجھ کر بیرونی دشمنوں سے غافل ہو جاتی، اس کا شیرازہ بکھر جاتا اور ساکھ ختم ہو جاتی۔ (آج کل یہ سب کچھ ''جمہوریت'' کا مرہون منت ہے، اسی وجہ سے تمام جمہوری ریاستوں کا یہی حال ہے۔) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس امت کو اختلاف اور تفریق سے

[1] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 47. [2] تاريخ الطبري: 250/5.

بچانے اور اس کے ڈھانچے اور بنیادوں کو محفوظ کرنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ آپ اپنی جان کی قربانی دے دیں، سو آپ نے بے دریغ جامِ شہادت پی لیا۔ ①

صبر و تحمل

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ صبر و تحمل کی خوبی سے بھی متصف تھے۔ بہت سے واقعات آپ کے صابر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ دوران فتنہ بلوائیوں کے مقابلے میں پیدا ہونے والے حالات میں امت کے ڈھانچے کو بچانے کے لیے آپ نے جس جوانمردی کا مظاہرہ کیا، وہ صبر و تحمل کی منفرد مثال ہے۔ امت کے وقار کا تحفظ اور مسلمانوں کو خونریزی سے بچانا اور اپنی جان قربان کر دینا کوئی معمولی صبر نہ تھا۔ اگر امت کے مفادات پیش نظر نہ ہوتے تو آپ اپنے آپ کو بڑی آسانی سے بچا سکتے تھے۔ اگر آپ ان لوگوں کو، جو آپ کی حفاظت کے لیے اپنی خدمات پیش کر رہے تھے، حکم دیتے تو وہ خارجیوں کی گردنیں کاٹ دیتے۔ وہ معمولی لوگ نہ تھے بلکہ انصار اور مہاجرین تھے۔ لیکن آپ نے امت کا شیرازہ بکھرنے سے بچایا اور اللہ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اپنی جان قربان کر دی۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ میں اس شدید فتنے کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے صبر جمیل کے ساتھ کروں گا۔ ②

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ ﴾

”انھی سے لوگوں نے کہا تھا کہ تمھارے خلاف ایک بڑی فوج جمع ہوئی ہے، پس تم ان سے ڈرو، تب اس بات نے ان کے ایمان میں اضافہ کر دیا اور انھوں نے

① تحقیق مواقف الصحابة من الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 474/1. ② سير الشهداء للسختياني، ص: 58,57.

کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔'' ①

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ایمان نہایت مضبوط تھا۔ آپ بلند پایہ، صاحب بصیرت اور نہایت صابر شخصیت تھے کہ امت کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دی۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ آپ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ ②

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات تواتر سے معلوم ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کے خون کے بارے میں حد درجہ محتاط تھے۔ کسی کا بے جا خون نہ بہاتے تھے۔ آپ توہین آمیز رویہ اختیار کرنے والوں اور قتل کا ارادہ رکھنے والوں کے بارے میں بھی نہایت صبر کا مظاہرہ فرماتے رہے حتی کہ جب بلوائیوں نے آپ کو قتل کرنے کی غرض سے آپ کا محاصرہ کر لیا تو مسلمان آپ کے پاس مدد کرنے اور خارجیوں سے لڑائی کرنے کی اجازت طلب کرنے آئے۔ آپ نے انھیں لڑائی سے روک دیا اور فرمایا: ''جو میرا فرمانبردار ہے وہ ہرگز لڑائی نہ کرے۔'' آپ کو مشورہ دیا گیا کہ آپ مکہ چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں حرم کی بے حرمتی کا سبب نہیں بننا چاہتا۔'' لوگوں نے کہا: ''آپ شام چلے جائیں۔'' تو جواب دیا: ''میں اپنے ہجرت کے گھر کو نہیں چھوڑ سکتا۔'' لوگوں نے کہا: ''پھر ان سے قتال کیجیے۔'' آپ نے فرمایا: ''میں امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے لڑائی بھڑکانے والا نہیں بننا چاہتا۔'' ③

عدل و انصاف

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ عدل و انصاف کی صفت سے مزین تھے۔ عبیداللہ بن عدی بن خیار کہتے ہیں کہ جن دنوں آپ محصور تھے میں آپ کے پاس گیا اور کہا: ''آپ مسلمانوں کے امیر ہیں اور عالم یہ ہے کہ فتنہ برپا کرنے والوں کا امام عبدالرحمٰن بن عُدَیس بلوی ہمیں نماز

① آل عمرٰن 173:3. ② تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 472/1.
③ منهاج السنة لابن تيمية: 203,202/3.

پڑھا رہا ہے۔ میں تو اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نماز کا شمار لوگوں کے اچھے اعمال میں ہوتا ہے، لہٰذا جب لوگ اچھائی کریں تو ان کے ساتھ مل کر اچھائی کرو اور جب وہ بُرائی کریں تو ان کی برائی سے بچو۔''[1]

ابن شبہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ایک غلام کے پاس گئے وہ اونٹنی کو چارا ڈال رہا تھا۔ آپ نے اس کی کوئی کوتاہی دیکھی تو ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی گوشمالی کی، پھر ندامت ہوئی تو غلام سے کہا: ''بدلہ لے لو۔'' غلام نے انکار کیا تو اسے بدلہ لینے پر مجبور کیا۔ بالآخر اس نے آپ کا کان پکڑ کر مروڑا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سختی سے پکڑو۔'' حتی کہ جب آپ کو اندازہ ہو گیا کہ اس نے اپنا بدلہ لے لیا ہے، فرمایا: ''آخرت کے قصاص سے یہ قصاص بہتر ہے۔''[2]

عبادت و ریاضت

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شرعی عبادات نہایت کوشش اور خوبی سے بجا لاتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ ﴾

''کیا (یہ مشرک بہتر ہے یا وہ) جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے اور قیام کرتے ہوئے عبادت و فرمانبرداری کرتا ہے، جبکہ وہ آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہے؟''[3]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مذکورہ ارشاد باری تعالیٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔[4]

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] صحیح البخاري، الأذان، باب إمامة المفتون والمبتدع، حدیث: 695. [2] أخبار المدینة: 236/3. [3] الزمر 9:39. [4] تفسیر ابن کثیر: 47/4.

﴿ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ ۙ وَمَنْ يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾

''کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو عدل کا حکم دیتا ہے اور وہ صراط مستقیم پر بھی ہے؟''[1]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جمعہ کی رات کو قرآن کا آغاز فرماتے اور جمعرات کی رات کو ختم کرتے تھے۔[3] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کثرت سے روزے رکھتے اور رات کا اکثر حصہ قیام میں گزارتے تھے۔[4]

محاسبۂ نفس اور خشیت الٰہی

آپ کے ایک خطبے کا اقتباس یہ ہے: ''اے لوگو! تقویٰ اختیار کرو، اللہ کا تقویٰ غنیمت ہے۔ سب سے زیادہ دانا وہ ہے جو اپنے آپ کو سنوار لے، موت کے بعد کی زندگی کے لیے محنت کر لے، اللہ کے نور سے قبر کے لیے روشنی کا سامان کر لے اور اس بات سے ڈرے کہ کہیں اللہ اسے بصارت کے باوجود روزِ قیامت اندھا نہ کر دے۔''[5]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ قول بھی منقول ہے: ''اگر میں جنت اور دوزخ کے درمیان ہوں اور مجھے علم نہ ہو کہ میرا ٹھکانا کون سا ہے تو میں خواہش کروں گا کہ اپنے ٹھکانے کا علم ہونے سے پہلے مٹی ہو جاؤں۔'' آپ جب آخرت کا تذکرہ فرماتے تو جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی، روح مضطرب ہو جاتی اور آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ جب قبر اور حشر کے حالات اور حسابِ کتاب کا تصور فرماتے تو آپ پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔[6]

[1] النحل 76:16. [2] تفسير ابن كثير: 579/2. [3] علوالهمة: 93/3. [4] صفة الصفوة لابن الجوزي: 302/1. [5] صحيح التوثيق للدكتور مجدي فتحي السيد، ص: 107. [6] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين لحمد محمد الصمد، ص: 205.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس سے گزرتے تو اس قدر روتے کہ ڈاڑھی بھیگ جاتی۔ آپ سے کہا گیا کہ جنت اور جہنم کا تذکرہ ہوتا ہے تو آپ نہیں روتے لیکن قبر کے پاس آپ روتے ہیں؟ کہنے لگے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِّنْ مَّنَازِلِ الْآخِرَةِ فَإِنْ نَّجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ وَإِنْ لَّمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ»

''بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، اگر انسان اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد والا معاملہ اس سے آسان ہوگا اور اگر اس (کے عذاب) سے نہ بچ سکا، تو اس کے بعد کے مراحل اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔'' مزید فرمایا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے: «وَاللّٰهِ! مَا رَأَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ إِلَّا وَالْقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ»

''اللہ کی قسم! میں نے جتنے بھی مناظر دیکھے ہیں ان میں قبر سب سے بڑھ کر پریشان کن ہے۔''[1]

نیز فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہوکر فرماتے:

«اِسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَ سَلُوا لَهُ بِالتَّثَبُّتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ»

''اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اس سے اب پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔''[2]

درج بالا احادیث سے انابت الی اللہ کا سبق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس فقاہت پر دلالت کرتا ہے جس پر آپ کی ساری زندگی مشتمل تھی۔ ہم اس عظیم فقاہت کے کس قدر محتاج ہیں جس سے ضمیر بیدار ہوتے ہیں اور دل کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔

[1] جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء في فظاعة القبر......، حديث: 2308. والمستدرك للحاكم: 371/1. [2] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل، حديث: 773، إسناده حسن.

زہد و ورع

یہ بات معروف ہے کہ آپ کا شمار بہت بڑے سرمایہ داروں اور اہل ثروت میں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود آپ کے بارے میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں جو آپ کے زہد پر دلالت کرتے ہیں۔ حمید بن نعیم کا بیان ہے کہ سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کسی دعوت پر مدعو تھے۔ چنانچہ دونوں نکلے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''بہتر تھا کہ ہم اس دعوت پر نہ جاتے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''وہ کس لیے؟'' فرمایا: ''مجھے خدشہ ہے کہ اس دعوت کی بنیاد کہیں فخر و مباہات پر نہ ہو۔''(1)

اس سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت کے سلسلے میں فہم و فراست کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں سخاوت، خرچ کرنے میں فخر و غرور اور مختلف انواع کے کھانے کھلانے میں نہیں بلکہ عجز و انکسار اور باری تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اسراف کیے بغیر نہایت خلوص سے مال خرچ کرنے میں ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اسی سوچ نے انھیں دنیا کے جاہ و جلال کی خاطر مال خرچ کرنے سے دور رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دنیاوی شہرت سے بے نیاز تھے۔(2)

اس کا اندازہ درج ذیل واقعے سے بھی لگایا جا سکتا ہے:

ہمدانی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے دور خلافت میں دیکھا کہ آپ خچر پر سوار تھے اور پیچھے آپ کا غلام ''نائل'' بھی سوار تھا۔(3)

ہمدانی ہی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے دور خلافت میں مسجد میں چادر اوڑھے سوئے ہوئے دیکھا۔ کوئی دربان ان کے پاس نہ تھا، حالانکہ آپ امیر المومنین تھے۔(4)

شرحبیل بن مسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کو شاہانہ کھانا کھلاتے اور خود

(1) الزهد للإمام أحمد، ص: 126. (2) التاريخ الإسلامي للدكتور عبدالعزيز الحميدي: 48/18,17.
(3) الزهد للإمام أحمد، ص: 127. (4) الزهد للإمام أحمد، ص: 127.

گھر جا کر سر کے اور زیتون کے تیل سے کھانا تناول فرماتے تھے۔ [1]

یہ امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زہد کی چند مثالیں ہیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ زاہد جب متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہو تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں لیکن جب کوئی شخص نازو نعمت میں پلا ہو تو اس کا زُہد واقعی حیران کن ہوتا ہے اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے اس میں نصیحت ہوتی ہے، اس لیے کہ مال و دولت کی کثرت انسان کو شاہ خرچ اور راحت طلب بنا دیتی ہے۔ کسی دولت مند آدمی کا زاہد ہونا یقیناً اس کے منیب الی اللہ ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ایسا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسے اپنے نفس پر غلبہ حاصل نہ ہو اور وہ دنیا کو آخرت کے مقابلے میں ہیچ اور ناقابل توجہ نہ سمجھتا ہو۔ اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے کہ وہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ مالدار تھے لیکن ان کی قوت ایمانی خواہشات اور نفس پرستی پر غالب تھی۔ آپ نہ صرف ایک بڑے زاہد انسان تھے بلکہ ان تمام لوگوں کے لیے ایک مثال بھی تھے جو دولت مند ہونے کے باوجود دنیا سے زہد اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ [2]

شکر وسپاس اور قدر شناسی

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ زبان، عمل اور کردار سے ہر آن اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کرنے والے تھے۔ ایک دن کچھ لوگوں کو شک کی بنا پر پکڑنے گئے۔ وہ لوگ آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی منتشر ہو چکے تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر ایک غلام آزاد کیا کہ ان کے ہاتھوں مسلمانوں کی رسوائی نہیں ہوئی۔ [3]

لوگوں کی خبر گیری

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت شفیق اور محبّ انسان تھے۔ آپ مسلمانوں کے احوال اور

[1] الزهد للإمام أحمد، ص: 129. [2] التاريخ الإسلامي للدكتور عبدالعزيز الحميدي: 49/18,17.
[3] علو الهمة: 481/5.

مشکلات کی خبر گیری کرتے رہتے تھے۔ غیر موجود احباب کے گھر والوں کو اطمینان دلاتے، نو وارد کو تسلی دیتے اور مریضوں کی تیمار داری فرماتے تھے۔

موسیٰ بن طلحہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو منبر پر لوگوں کے حالات معلوم کرتے ہوئے سنا اور دیکھا ہے۔ آپ ان سے ان کے حالات اور مارکیٹ میں چیزوں کے بھاؤ وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کر رہے تھے۔[1]

نیز فرمایا: ''میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ جمعے والے دن نکلتے۔ آپ پر دو زردی مائل کپڑے ہوتے۔ آپ منبر پر بیٹھ جاتے، مؤذن اذان کہتا اور آپ دورانِ خطبہ لوگوں سے آنے جانے والوں اور مریضوں کا حال دریافت فرماتے۔''[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ عوام کا بہت خیال رکھتے تھے، ضرورت مندوں کو ان کی ضرورتوں کا سامان بہم پہنچاتے اور چھوٹے بچوں کے لیے بیت المال سے وظائف دیتے تھے۔[3]

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت دیکھا۔ اس میں ہر شخص کو اللہ کے مال، یعنی بیت المال سے حصہ ملتا تھا۔''[4]

ذمہ داریوں کی تقسیم

ذمہ داریوں کی تقسیم کا مطلب ہے کہ مختلف علاقوں کے کام مختلف لوگوں کے سپرد کرنا۔ وہ اس طرح کہ ہر ملازم جسے کسی کام کا مکلّف ٹھہرایا گیا ہے، وہ اسے بخوبی انجام دے اور وہ اپنے شعبے کے متعلق مکمل معلومات رکھتا ہو۔ وہ اپنے دائرۂ کار سے تجاوز نہ کرے۔ ذمہ داریوں کی یہ تقسیم سنتِ ربانی ہے جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔

[1] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل، حديث: 812، إسناده صحيح. [2] الطبقات لابن سعد: 59/3. [3] تحقيق مواقف الصحابة للدكتور محمد أمحزون: 396/1. [4] المصنف لابن أبي شيبة: 1023/3.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی مختلف شعبہ ہائے زندگی، مثلاً: عدلیہ، مالیات، فوج وغیرہ میں یہ ذمہ داریاں مسلمانوں کے سپرد ہوئیں۔ ان کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان معاملات کی طرف خصوصی توجہ دی گئی اور عاملین کے لیے قوانین وضوابط وضع کیے گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ذمہ داریوں کی تقسیم کار کے فطری اور شرعی دونوں تقاضوں کا خیال رکھا۔ یہی عوامل خلافت راشدہ کی کامیابی کا باعث تھے۔[1]

باصلاحیت لوگوں سے استفادہ

قابل اور باصلاحیت لوگوں کی قدر، امت کو ان کے ادب و احترام کی تلقین، ان سے ان کے شایان شان سلوک، ان کے حقوق کا خیال، ان کی صلاحیتوں اور تجربات سے فائدہ اٹھانا نہایت اہم خوبیاں ہیں۔ انھی خوبیوں نے سلف صالحین رحمہم اللہ کو دنیا میں اقتدار اور عزت و شرف سے نوازا تھا۔[2] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں بھی یہ خوبی نمایاں تھی۔ اس کا اندازہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء سے ایک ہی قراءت پر قرآن جمع کرنے میں ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے سے ہوتا ہے۔

یہ ہیں وہ صفات عالیہ جن سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ متصف تھے۔ یہ صفات اُن مسلمان حکمرانوں اور عوام الناس کے لیے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے منہج پر چلنا چاہتے ہیں، مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ صحیح سمت اور ٹھوس بنیادوں پر امت کی رہنمائی کرنے والے راسخ الایمان حکمرانوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ خلفائے راشدین کی خوبیوں سے آگاہ ہوں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں۔ دینِ اسلام کی سربلندی اور غلبہ اسی طرح ممکن ہے کہ ہمارے حکمران قرونِ اولیٰ کے ان ربانی حکمرانوں کے نقش قدم

[1] الكفاءة الإدارية في السياسة الشرعية للقادري، ص: 117. [2] الكفاءة الإدارية في السياسة الشرعية للقادري، ص: 157.

پر چلیں اور ان کے اسوۂ حسنہ کو اپنائیں جن کے رگ و ریشہ میں ایمان سرایت کر چکا تھا، ان کے اعمال و کردار پر اس کا گہرا اثر تھا اور وہ تقویٰ کی عملی تصویر تھے۔اس دور میں خدا پرست اور علم و حکمت سے بہرہ ور قیادت ہی اللہ تعالیٰ کی شریعت کے نفاذ، امت کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور ان کی ذہنی تربیت کے لیے موٴثر کوشش کر سکتی ہے۔ وہی اسلام کی صحیح تعبیر کر سکتی ہے اور اس کی داخلی و خارجی پالیسیوں اور عقیدہ و شریعت کا کما حقہ تحفظ کر سکتی ہے۔

ایسی ہی قیادت سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ عقیدۂ اسلام اور اپنے عوام کے مفادات کی حفاظت کرے گی اور خلوص و لگن کے ساتھ پیش آمدہ مشکلات اور داخلی و خارجی مسائل کو حل کر سکے گی تا کہ داخلی اور خارجی سطح پر اسلام کو مکمل غلبہ حاصل ہو۔

باب

3

محکمہ مالیات اور عدالتی نظام

محکمۂ مالیات

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب برسر اقتدار آئے تو آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قائم کردہ شعبۂ مالیات کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں کی، تاہم مسلمانوں کو مال جمع کرنے، پختہ مکانات بنانے اور ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی کھلی زمینوں کو ملکیت میں لینے کی اجازت دے دی۔ گویا کہ آپ کا زمانۂ خلافت مسلمانوں کے لیے قدرے آسانی کا زمانہ تھا۔ [1]

مسندِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد مالی پالیسی کا اعلان

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام صوبوں کے گورنروں کو خطوط لکھے، ایک خط زکاۃ اور جزیہ وصول کرنے والے حکام کو لکھا، اسی طرح ایک پیغام، عام لوگوں کے نام لکھا جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں (عوام الناس کے نام خط کے ذیل میں) ہو چکا ہے۔ ان خطوط کی روشنی میں آپ کی مرتب کردہ مالیاتی پالیسی کے اہم پہلو درج ذیل ہیں:

❁ اسلام کی عام مالیاتی پالیسی کی تشکیل۔

❁ اس امر کا اہتمام کہ محصولات کی وصولی رعیت کی سہولت میں کسی رکاوٹ کا باعث نہ بنے۔

❁ مسلمانوں سے بیت المال کے حق، یعنی زکاۃ و صدقات اور خمس کی وصولی۔

❁ بیت المال سے مسلمانوں کے واجبات کی ادائیگی۔

❁ ذمیوں سے بیت المال کے لیے جائز ٹیکسوں کی وصولی اور ان کے واجبات کی ادائیگی۔

[1] مبادئ الاقتصاد الإسلامي لسعاد إبراهيم صالح، ص: 217.

❁ خراج وصول کرنے والے عمال اسلامی ریاست کے وفادار اور امانت و دیانت کے جذبے سے سرشار ہوں۔
❁ عمال کسی مالی بدعنوانی میں ملوث نہ ہوں۔ [1]

ان بنیادی نکات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

عام مالی پالیسی کا مقصد

یہ بات یقینی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام کی عمومی مالی پالیسی کے نفاذ کے لیے بھرپور کوشش کی کیونکہ ان کی بیعت میں بنیادی طور پر یہ بات شامل تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور سابقہ دونوں خلفاء سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنائیں گے۔ ظاہر ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مالی پالیسیوں اور دیگر احکام کے نفاذ میں قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ اصولوں ہی کو سامنے رکھا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس مالیاتی ادارے کو مزید ترقی دی، اس کے قواعد وضوابط مقرر کیے، اس کی آمدن بڑھائی اور مصارف کا تعین فرمایا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھی کی پیروی کی، تاہم بعض قابلِ غور مسائل میں اجتہاد کرتے ہوئے مالیات اور دیگر مسائل میں احکام الٰہی کی روشنی میں تصرف کیا۔ آپ نے زکاۃ بیت المال میں جمع کرنے اور اسے مستحق لوگوں میں تقسیم کرنے کا انتظام کیا۔ ذمیوں کی حفاظت، امن و امان اور دوسرے حقوق کی ذمہ دار چونکہ حکومت پر ہوتی ہے، اس لیے جزیہ کی صورت میں وصول ہونے والی رقم بھی مرکزی بیت المال میں جمع کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان مجاہدین مال غنیمت کا پانچواں حصہ مرکزی بیت المال کو بھیجتے تھے اور بیت المال ہی سے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں وغیرہ پر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق خرچ کیا جاتا تھا:

[1] مبادئ الاقتصاد الإسلامي لسعاد إبراهيم صالح، ص: 217.

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○﴾

''اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ تم جو بھی مال غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتارا جس دن دو فوجوں میں ٹکراؤ ہوا تھا، اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔''[1]

اسی طرح سلطنت کی دیگر ضرورتیں بھی بیت المال ہی سے پوری ہوتی تھیں۔ خلفائے راشدین کے دور خلافت میں دولت عامہ کی امتیازی خوبی یہ تھی کہ وہ اسلام سے مربوط تھی ہر شعبۂ زندگی میں اسلام ہی کی تعلیمات نافذ تھیں، لہٰذا آمدنی محفوظ تھی اور اسے اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی بھلائی کے لیے خرچ کیا جاتا تھا کیونکہ اسلامی تعلیمات اسراف کی یکسر نفی کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یہی وجہ ہے کہ کم عقل اور مال ضائع کرنے والوں کو ان کے اپنے مال میں بھی تصرف سے روک دیا گیا ہے۔

محصولات کی وصولی کے معتدل طریقے: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنروں کو خط لکھتے ہوئے تاکید کی کہ عوام سے محصولات کی وصولی انھیں ان کی بنیادی ذمہ داری، یعنی رعایا کی دیکھ بھال اور ان کا خیال رکھنے سے غافل نہ کر دے۔ اس لیے کہ ٹیکس یا زکاۃ عوام کے فرائض میں سے ایک فرض ہے جسے وصول کرنے کی ذمہ داری خلیفہ کی ہے لیکن اس کارروائی میں دوسرے واجبات متأثر نہیں ہونے چاہییں۔[2]

[1] الأنفال 41:8. [2] السياسة المالية لعثمان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 62.

فقہائے کرام نے امت کی یقینی فلاح و بہبود کے لیے سیرت نبوی اور خلافتِ راشدہ کی روشنی میں خلیفہ کی ذمہ داریوں کا تعین کیا ہے۔ وہ ذمہ داریاں حسب ذیل ہیں:

- اسلام کے طے شدہ اصولوں اور اجماع امت کے مطابق دین کی حفاظت کا اہتمام۔
- لوگوں کے باہمی جھگڑے اسلامی قوانین کے مطابق حل کرنا تاکہ انصاف کا بول بالا ہو، ظالم کو شہ نہ ملے اور مظلوم کا حق نہ مارا جائے۔
- شاہراہوں کو محفوظ بنانا، لوگوں کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کرنا تاکہ لوگ بے خوف وخطر سفر کریں اور تجارت کو فروغ حاصل ہو۔
- حدود اللہ کا نفاذ یقینی بنانا تاکہ اللہ کی حرمتوں کو پامال نہ کیا جائے اور اس کے بندوں کے حقوق ضائع ہونے سے محفوظ رہیں۔
- بھرپور تیاری اور زبردست قوت کے ساتھ سرحدوں کا دفاع کرنا تاکہ مسلمان اور ذمی دشمن کی اچانک کارروائیوں سے محفوظ رہیں۔
- دعوت توحید پہنچنے کے بعد اسلام سے دشمنی رکھنے والوں کے خلاف اس وقت تک جہاد کرنا جب تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا جزیہ ادا کریں تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اسلام کو باقی ادیان پر غلبہ حاصل ہو۔
- مالِ فے اور زکاۃ وصدقات کی بے لاگ وصولی اور ظلم وتشدد سے گریز۔
- بیت المال سے ملازمین کی تنخواہیں اور مستحقین کے واجبات کی بروقت اور بلا اسراف ادائیگی۔
- قابل اعتماد اور امانت دار لوگوں کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا، ہر تجربہ کار اور خیر خواہ گورنر کی جائز بات تسلیم کرنا اور اسے گرانٹ دینا تاکہ اس کے علاقے میں ٹھوس بنیادوں پر فلاحی کام ہو اور مال ضائع نہ ہو۔
- خلیفہ تمام امور کی خود نگرانی کرے اور حالات کا جائزہ لیتا رہے تاکہ امت کی فلاح و

بہبود سے متعلق پالیسیوں کو ترقی دے سکے۔ وہ کسی عامل پر کلی اعتماد کر کے خود عبادت و ریاضت اور دوسرے کاموں میں مشغول نہ رہے۔[1]

مختصر یہ کہ خلیفہ کے فرائض عقد بیعت کی دو شرطوں، دین کی حفاظت اور دنیاوی معاملات کی سہولت سے انجام دہی کی تدبیر اور حُسنِ انتظام سے عیاں ہوتے ہیں[2] یہی رسول اکرم ﷺ کا مشن تھا اور آپ اس زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے والے تھے۔

امام کے فرائض کے سلسلے میں جدت پسند امام ماوردی اور فراء کی حد بندی ہر چند باہم مطابقت رکھتی ہے لیکن یہ ان کا ایک اجتہاد ہے جو انھی کے دور میں امت کی ضروریات کو پیشِ نظر رکھ کر کیا گیا، تاہم امت کے حقوق کو کسی ایک دور کے کسی صاحب علم و فضل یا چند ہم عصر علماء کے اجتہاد پر منحصر رکھنا درست نہیں۔ بالخصوص جب ان کی آراء اور اجتہاد پر کئی صدیاں بیت چکی ہوں۔[3]

اس لیے بہتر بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں شرطوں، دین کی حفاظت اور دنیاوی معاملات کی تدبیر، کو پیشِ نظر رکھ کر ہر دور کے تقاضوں کے مطابق امام کے فرائض کا تعین کیا جائے اور اس کے لیے علماء اور ماہرین کی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں جو اس دور کے تقاضوں کا جائزہ لے کر فرائض کا تعین کریں۔[4]

ذیل میں رعایا کے چند حقوق ہیں جنھیں فقہاء نے بیان فرمایا ہے۔ ان میں ہر دور کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن وسنت کے مطابق کمی بیشی کی جاسکتی ہے۔[5]

مسلمانوں کے ذمے بیت المال کے حقوق: بیت المال کے لیے خراج وصول کرنے والے حکام مملکت کی طرف سے نائب کی حیثیت رکھتے ہیں، لہٰذا جب وہ مسلمانوں سے

[1] الأحكام السلطانية والولايات الدينية لأبي الحسن الماوردي، ص: 17,16. [2] مقدمة ابن خلدون، ص: 191. [3] الخلافة بين التنظير والتطبيق لمحمد المرداوي، ص: 66. [4] الخلافة بين التنظير والتطبيق لمحمد المرداوي، ص: 67. [5] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 63.

بیت المال کے حقوق کا مطالبہ کریں تو اپنے فرائض بھی ادا کریں۔ اگر وہ خراج کی وصولی میں تشدد سے کام لیں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سرمایہ داروں پر ظلم کریں گے، انھیں نقصان پہنچائیں گے اور ان کی استطاعت سے زیادہ ان پر بوجھ ڈالیں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے بیت المال کے لیے مال وصول کرنے میں متشددانہ رویہ اختیار کرنے سے روکا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے زکاۃ میں عمدہ مال لینے سے بھی منع کیا ہے اور پھلوں کی زکاۃ بھی اندازے سے کم لینے کا حکم دیا ہے۔[1]

بیت المال پر مسلمانوں کے حقوق: بیت المال کے عطیات دو طرح کے ہو سکتے ہیں:

① بیت المال براہ راست کوئی چیز دیتا ہے، جیسے مستحقین تک زکاۃ کا مال پہنچانا اور شعبۂ مالیات کے ضرورت سے زائد مال کی مسلمانوں میں تقسیم۔

② بیت المال بالواسطہ خرچ کرے، جیسے رفاہِ عامہ کے کام جو حکومت عوام الناس کے لیے کرتی ہے۔

دونوں طرح کی نوازشات میں انصاف ملحوظ خاطر رہنا چاہیے۔ براہِ راست عطیات میں بھی قواعد وضوابط کا لحاظ رکھا جائے۔ کسی قسم کی اقرباء پروری اور جانب داری کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ ایسا بھی نہ کیا جائے کہ بغیر کسی عذر یا جواز کے کسی کو زیادہ دے دیا جائے اور کسی کو محروم کر دیا جائے۔ یہ بھی جائز نہیں کہ پیچیدہ طریقۂ کار اور رکاوٹوں کی وجہ سے عطیات کی ادائیگی میں مقررہ وقت سے زیادہ دیر کی جائے، یعنی وہ رکاوٹیں جو حق داروں کو اپنا حق وصول کرنے، عطیات کی تاخیر، قلت یا عدم وصولی کی تحقیق کرنے کے لیے عہدیداروں تک پہنچنے میں مانع ہوتی ہیں۔ پھر حکومت رفاہِ عامہ کے کاموں کے لیے جو فنڈز بالواسطہ دیتی ہے اس میں بھی یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ اس کا فائدہ پورے معاشرے کو ہو، کسی مخصوص شخص کو نہ ہو۔[2]

① السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 64. ② السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 64.

ادائے حقوق کا اہتمام: اہلِ کتاب سے جزیہ لیتے وقت کسی بھی قسم کے ظلم و زیادتی سے اجتناب کرنا چاہیے، اس لیے کہ جو لوگ ٹیکس صحیح طریقے سے ادا کرتے ہیں، مملکت کی ذمہ داری ہے کہ ان کے مال و جان کا تحفظ کرے اور ان سے اچھا سلوک روا رکھے۔ رسول اکرم ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کو ذمیوں سے ٹیکس وصول کرنے پر مقرر کیا، جب وہ جانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهٖ أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسِهٖ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''خبردار! جس نے کسی معاہد یا ذمی پر ظلم و زیادتی کی یا اس پر اس کی استطاعت سے بڑھ کر بوجھ ڈالا یا اس کی توہین کی یا اس سے کوئی چیز زبردستی لی تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے جھگڑوں گا۔''[1]

اسی فرمان کے پیش نظر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ نصیحت فرمائی:

''میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو ذمیوں سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ ان کے عہد کی پاسداری کرے۔ ان کے دفاع کے لیے لڑائی کرے اور ان پر ان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔''[2]

جب ٹیکس وصول کرنے والے ذمیوں کو اذیت دیں یا ان پر ان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ ڈالیں یا ایسے بوڑھوں سے جن کے پاس کچھ نہ ہو، نہ وہ کچھ کما سکتے ہوں، ٹیکس وصول کریں یا ذمی مسلمان ہو چکا ہو، پھر بھی اس سے ٹیکس وصول کریں تو یہ تمام صورتیں ظلم ہیں۔ ان باتوں سے خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے باز رہنے کا حکم دیا اور ان کا یہ حکم

[1] سنن أبي داود، الخراج، باب في تعشير أهل الذمة......، حديث: 3052، و المنتخب من السنة، ص: 261. [2] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 67.

رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات سے ماخوذ تھا۔[1]

ایسی زمینیں جو اسلامی فتوحات کے نتیجے میں مسلمانوں کی ملکیت میں آجاتی ہیں اور ان پر ذمی بطور کاشت کار کام کرتے ہیں اور اس میں سے ایک مخصوص حصہ مسلمانوں کے بیت المال میں جاتا ہے، ٹیکس وصول کرنے والوں کو ان کے بارے میں بھی خیال رکھنا چاہیے کہ وہ ان کے ٹھیکے وغیرہ کی مناسب قیمت لگائیں اور قیمت یا ٹیکس کے تعین میں فصل کی کمی بیشی کا خیال رکھیں۔ اگر ان عوامل کا خیال نہ رکھا جائے تو کھیت میں کام کرنے والے ذمیوں پر ظلم کا اندیشہ ہے اور فصل کی کمی بیشی کے چند عوامل درج ذیل ہیں:

❁ زمین کی قوت پیداوار کا خیال رکھیں کیونکہ زمین اچھی ہو تو پیداوار بھی اچھی ہوتی ہے اور اگر زمین گھٹیا اور سیم زدہ ہو تو پیداوار بھی اسی نسبت سے کم ہوتی ہے، چنانچہ اسی کے مطابق ٹیکس وغیرہ کا تعین کریں۔

❁ مختلف اجناس کی قیمت تھوڑی یا زیادہ ہوتی ہے، اس لیے اس چیز کا بھی لحاظ رکھیں کہ اس زمین میں کون سی فصل کاشت کی جاتی ہے۔

❁ نہری اور غیر نہری زمین کا بھی لحاظ رکھیں اور فصل پر خرچ ہونے والے اخراجات بھی پیش نظر رکھیں۔

❁ ٹیکس مقرر کرتے وقت زمین کی پیداوار کی انتہا کو مدنظر نہ رکھا جائے تاکہ اس کا فائدہ کسان کو ہو اور وہ کھیتوں میں قدرتی آفات کے نقصان کی تلافی کے لیے کچھ بچا سکے۔[2]

ان باتوں کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے۔ اور جب مملکت اسلامیہ کا کسی اہل کتاب سے کوئی معاہدہ یا صلح ہو تو مملکت اسلامیہ اور عمّال کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان شرائط کا لحاظ رکھیں جن پر معاہدہ ہوا ہے۔ جزیہ کی رقم کے تعین میں بھی مذکورہ معاملات اور معاہدات کی پاسداری

[1] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 67. [2] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 67.

کریں۔ کیونکہ مسلمانوں کا یہی وتیرہ ہے کہ جب وہ کسی سے عہد و پیمان کرتے ہیں تو اس کی خوب پاسداری کرتے ہیں۔ ①

یتیم پر ظلم سے گریز: قرآن مجید کی رو سے یتیم کا مسلمانوں کے عام اموال میں بھی حق ہے اور اگر وہ فقیر ہو تو مالِ زکاۃ کا بھی مستحق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

''زکاۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہلکاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی دلداری مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے اور قرضہ داروں (کے قرض اتارنے) کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں، (یہ) اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔'' ②

اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان کے مطابق مال غنیمت کے خمس میں بھی یتیم کا حصہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ تم جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔'' ③

بیت المال کے وظائف میں بھی یتیم کا حق ہے۔ جس طرح عام بچوں کو وظائف ملتے

① السياسة المالية لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 67. ② التوبة 9:60.
③ الأنفال 8:41.

ہیں اسی طرح یتیم بھی ان کا مستحق ہے۔ اور اگر یتیم مالدار ہو تو نصاب پورا ہونے پر اس کے مال میں سے بھی زکاۃ وصول کی جائے گی۔ زکاۃ وصول کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے مال سے عدل وانصاف سے زکاۃ وصول کرے۔ اس پر ظلم نہ کرے۔[1]

باوفا اور دیانت دار عمال: زکاۃ اور ٹیکس وصول کرنے والوں کا امین اور باوفا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ○ ﴾

''بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کر دو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔''[2]

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُونَ ○ ﴾

''اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں خراج وصول کرنے والوں کو لکھا کہ وہ امانت داری کا مظاہرہ کریں، اس لیے کہ مالیات سے متعلق افراد کا امانت دار ہونا نہایت ضروری ہے، بصورت دیگر وہ بیت المال کے حقوق غصب کریں گے اور سرمایہ داروں پر ظلم روا رکھیں گے جس کی وجہ سے بیت المال اور سرمایہ داروں کا باہمی تعلق کمزور پڑ جائے گا۔

قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں جا بجا امانت کی اہمیت واضح کی گئی ہے اور اسے اپنانے کا

[1] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 68. [2] النسآء 4:58.
[3] المؤمنون 23:8.

حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عاملین سے وفاداری کا مطالبہ بھی کیا۔ آپ نے اپنے خط میں مطلقاً وفاداری کا تذکرہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ بیت المال سے بھی وفاداری ہو کہ لوگوں سے بیت المال کا حق انصاف سے وصول کیا جائے اور سرمایہ داروں سے بھی عدل کیا جائے۔ ان پر ظلم نہ کیا جائے۔ شریعت کی مطلوبہ مقدار ہی ان سے وصول کی جائے۔ اسی طرح ذمیوں کے ساتھ بھی وفاداری کا مظاہرہ کیا جائے، ان کے ساتھ نرمی اور شفقت کا سلوک کیا جائے۔ ان سے طے شدہ شرائط کا ہر ممکن خیال رکھا جائے اور واجبات مقررہ مقدار سے زیادہ وصول نہ کیے جائیں۔ [1]

امت کے طرزِ زندگی پر آرام و آسائش کا اثر: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کو راحت و آسائش ملنے کے بعد بھٹکتے ہوئے شتر بے مہار کی طرح نہیں چھوڑا بلکہ انھیں دنیا کی لذتوں اور مال و متاع کے خطرات سے آگاہ کیا مزید برآں خبردار فرمایا کہ درج ذیل تین چیزوں کی کثرت کی وجہ سے امت نئے فتنوں میں مبتلا نہ ہو جائے۔ مال و دولت کی فراوانی، لونڈیوں کی اولاد کا جوان ہو جانا اور عجمیوں کی قراءت۔ [2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھانپ لیا کہ مال و دولت کی فراوانی اہلِ ثروت کو صحیح طرز زندگی سے بیگانہ کر دیتی ہے اور ان کا بے جا اور فضول کاموں میں خرچ کرنا عوام الناس کے بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ [3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ۝﴾

"اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے متکبر امراء کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں، چنانچہ اس بستی پر (عذاب کی) بات

[1] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 69. [2] تاريخ الطبري: 245/5. [3] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 70.

ثابت ہو جاتی ہے، تب ہم اسے مکمل طور پر تباہ کر ڈالتے ہیں۔“ ①

سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کی پالیسیوں کا موازنہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جس مالی پالیسی کا اعلان کیا وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دولتِ عامہ کی اُسی پالیسی سے مطابقت رکھتی تھی جس کا اجرا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالتے ہی کیا تھا۔ آپ نے درج ذیل پالیسی کے نفاذ کا اعلان کیا اور فرمایا کہ دولت عامہ (بیت المال) کے نظام کی اصلاح کے لیے تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

① حق کے ساتھ مال وصول کیا جائے۔

② حق کی راہ میں خرچ کیا جائے۔

③ باطل میں استعمال نہ کیا جائے۔ ②

سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کی مالی پالیسی کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام اور اس کے اصول و قواعد۔ ③

زکاۃ کے قواعد و ضوابط کی وضاحت کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ہدایات

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ”یہ تمھاری زکاۃ ادا کرنے کا مہینہ ہے، لہٰذا جس کے ذمے قرض ہو وہ ادا کرے تاکہ زکاۃ نکال سکے اور جس کے پاس مال نہ ہوگا ہم اس سے مطالبہ نہیں کریں گے ہاں اگر وہ خود بطور صدقہ کچھ مال دینا چاہے تو یہ الگ بات ہے۔ جس سے اب زکاۃ وصول کر لی جائے گی اس سے آئندہ سال کے اس مہینے تک نہیں پوچھا جائے گا۔“

ابراہیم بن سعد کہتے ہیں: ”میرا خیال ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مراد رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔“ ④

① بنيّ إسرآئيل 16:17. ② السياسة المالية لعمر بن الخطاب لقطب إبراهيم محمد، ص: 23.
③ السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد ص: 76. ④ الأموال لأبي عبيد، ص: 534.

ابو عبید کہتے ہیں کہ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جس مہینے میں زکاۃ کا حکم دیا تھا اس سے مراد ''محرم الحرام'' ہے۔[1]

اس حکم کے ذریعے سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے درج ذیل اصولوں کی تاکید کی ہے:

❋ سالانہ زکاۃ وصول کرنے کا اصول، کھیتی وغیرہ کے علاوہ نقدی اور تجارتی مال پر زکاۃ کے لیے سال گزرنے کی شرط مسلّم ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مہینے کا تعین کر دیا کہ ہر شخص اس مہینے میں زکاۃ ادا کرے تاکہ آئندہ سال اس مہینے تک اس سے مطالبہ نہ ہو اور ایک ہی سال میں زکاۃ دو بار وصول ہونے کا امکان باقی نہ رہے۔

❋ اگر ہم ابو عبید کے قول کو قبول کر لیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جس مہینے کا تعین کیا تھا وہ محرم الحرام تھا تو پھر گویا آپ نے ہجری اور اسلامی مالی سال میں مطابقت پیدا کر دی کہ جو مسلمان زکاۃ ادا کرنا چاہتا ہے وہ ہجری سال کا لحاظ رکھتے ہوئے پورے سال کے بعد نئے ہجری سال کے پہلے مہینے، یعنی محرم الحرام میں زکاۃ ادا کرے بشرطیکہ اس کا مال نصاب کی حد تک پہنچ چکا ہو۔

❋ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ سال کے آخر میں اپنے مال اور لین دین کا حساب کریں اور جو قرض وغیرہ انھیں ادا کرنا ہو وہ ادا کر دیں تاکہ باقی ماندہ مال سے زکاۃ وصول کی جا سکے۔ شاید آپ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو قرض ادا کرنے کی ترغیب دلائی جائے تاکہ قرض خواہوں کے واجبات کی بے باقی کے بعد باقی ماندہ مال کی زکاۃ کا حساب لگانا آسان ہو۔[2]

❋ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ جس کے پاس مال نہیں ہوگا اس سے زکاۃ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اس سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد رضا و رغبت سے خرچ کرنے کی

[1] الأموال لأبي عبيد، ص: 535. [2] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 76.

طرف توجہ دلانا تھا۔ کئی مسلمان سمجھتے تھے کہ ان پر زکاۃ فرض نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ خوشی سے بیت المال کے لیے صدقات دیتے تھے اور آپ انھیں قبول کر کے انھیں زکاۃ کے مصارف اور سرکاری کاموں میں خرچ کرتے تھے۔[1]

آپ فرماتے: ''جس کے پاس مال نہیں ہوگا ہم اس سے زکاۃ کا مطالبہ نہیں کریں گے اِلّا یہ کہ وہ خود کچھ مال بطور صدقہ دینا چاہے۔'' اس سے آپ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ سونا چاندی لوگوں کا خفیہ مال ہے۔ ہم اس کا مطالبہ نہیں کریں گے کہ اس کی زکاۃ بیت المال میں جمع کرائیں کیونکہ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایمان داری سے زکاۃ ادا کریں۔ جہاں تک مال مویشی اور کھیتی وغیرہ کی زکاۃ کا تعلق ہے تو اس کی زکاۃ بہرصورت لی جائے گی۔ اسی لیے آپ نے سونے چاندی کی زکاۃ کو لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ وہ خود ہی ایمانداری سے ادا کریں۔[2]

ابو عبید کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء اپنے کارندوں کو مویشیوں اور کھیتوں وغیرہ کی زکاۃ وصول کرنے کے لیے بھیجتے تھے۔ وہ اہل ثروت سے ان کے نہ چاہتے ہوئے بھی زکاۃ وصول کرتے تھے۔ جانوروں ہی کی زکاۃ نہ دینے پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا۔ جہاں تک سونے چاندی کا تعلق ہے تو رسول اکرم ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء نے کسی کو مجبور نہیں کیا کہ ان کی زکاۃ ادا کرو اِلّا یہ کہ کوئی اپنی خوشی سے ادا کردے کیونکہ یہ مال، یعنی سونا چاندی ان کے پاس بطور امانت ہے۔ اس میں سے وہ قرض وغیرہ بھی ادا کرتے ہیں اور ضروریات زندگی بھی پوری کرتے ہیں۔ اس کی زکاۃ ادا کرتے ہیں یا نہیں یہ ان کی امانت پر منحصر ہے جس کا سوال ان سے روز قیامت ہوگا۔ دنیا میں احکامات صرف ظاہری اموال پر مرتب ہوں گے اور اللہ ظاہر اور باطن کو جانتا ہے، اس لیے اگر کوئی خیانت کرے گا تو روزِ قیامت اپنی خیانت لے کر آئے گا۔[3]

[1] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 77. [2] الأموال لأبي عبيد، ص: 537. [3] الأموال لأبي عبيد، ص: 537.

قرض دیے ہوئے مال پر زکاۃ ادا کرنے کا حکم: سائب بن یزید سے روایت ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس قرضے پر زکاۃ واجب ہے جس کا آپ جب چاہیں مقروض سے مطالبہ کر سکتے ہیں اور جو قرض خواہ مالدار ہے، اگر وہ کسی وجہ سے اپنے مقروض سے قرضے کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرتا تو اس مال میں بھی زکاۃ ہے۔ (1)

آپ کا فرمان ہے: اگر آپ کو کسی مالدار شخص سے قرضہ لینا ہے تو اس کی زکاۃ ادا کرو۔ (2)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو کسی مالدار سے قرض واپس لینا ہے (اور ملنے کی امید بھی ہے) لیکن وہ حیا، حسن سلوک یا کسی اور مفاد کے پیش نظر اپنے مقروض سے قرض کا مطالبہ نہیں کرتا تو اس پر فرض ہے کہ وہ قرض دیے ہوئے مال کی زکاۃ ادا کرے۔ (3)

زکاۃ کا مال فلاحِ عامہ کے لیے: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مالِ زکاۃ میں سے کچھ رقم لے کر جنگ اور رفاہ عامہ کے کاموں میں استعمال کی۔ آپ نے جہاد میں اس شرط پر رقم خرچ کی کہ جب فراوانی ہوگی (خمس وغیرہ آئے گا) تو اسے زکاۃ کے مصارف میں استعمال کر لیں گے۔ امام اور خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ایک مصرف کے پیسے کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرے بشرطیکہ اس کا پکا ارادہ ہو کہ وہ مال زکاۃ سے حاصل کردہ رقم زکاۃ ہی کی مد میں واپس کر دے گا۔ یہ نہ دین کی مخالفت ہے، نہ اسلاف کے طریقے کی مخالفت۔ (4)

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ مصارف زکاۃ میں ایک مصرف ''فی سبیل اللّٰہ'' ہے اور غازی کو اس مصرف میں سے دیا جا سکتا ہے کیونکہ جہاد کی وجہ سے اس نے اپنا کاروبارِ زندگی ترک کیا ہے اور یہ تعاون حوصلہ افزائی کے قبیل سے نہیں بلکہ یہ اس کا حق بنتا ہے، کیونکہ اس طرح کے لوگ اسلام کی مصلحت کو اپنی مصلحت پر ترجیح دیتے ہیں اور اپنے

(1) الأموال لأبي عبيد، ص: 537. (2) المنتخب من السنة: 301/6. (3) السياسة المالية لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 79. (4) السياسة المالية لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 80.

سارے کام چھوڑ کر پوری دنیا میں اللہ کا دین پھیلانے کے لیے سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ زکاۃ کی رقم رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے۔[1]

زکاۃ کی رقم سے مسافروں اور فقراء کے لیے کھانے کا بندوبست: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک نیا طریقہ جاری کیا۔ آپ رمضان المبارک میں مسجد میں کھانے کا انتظام کرتے اور یہ اعلان فرماتے کہ مسجد میں عبادت کی نیت سے ٹھہرنے والے، مسافر اور فقراء یہیں سے کھانا کھائیں۔[2] اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے مسلمانوں کی عزت افزائی کا طریقہ جاری کیا۔ اس میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی تھی کہ آپ رمضان المبارک میں بہت زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل سے مسلمانوں میں اعتکاف کا رجحان بڑھ گیا کیونکہ انھیں کھانے کا مسئلہ درپیش نہیں ہوتا تھا۔ یوں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ اعتکاف کے احیاء کی ترغیب خود بخود ملنے لگی۔[3]

مالِ زکاۃ سے مہمان خانوں کی تعمیر: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ ابوسمال اسدی اور چند اہلِ کوفہ باہم مل کر کھانے کا بندوبست کرتے ہیں اور پھر اعلان کراتے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس رہائش کا انتظام نہیں ان کے کھانے اور رہائش کا بندوبست ابوسمال اسدی کے گھر کیا گیا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کا یہ طریقہ بہت اچھا لگا۔ آپ نے مسافروں کے لیے کئی مہمان خانے اور گھر تعمیر کرائے۔ ان میں سے ایک بنو ہذیل میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ مسجد کے حجروں میں جگہ تنگ پڑ جاتی تو مہمان بنو ہذیل میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرا کرتے تھے۔[4]

بیت المال سے ہر غلام کے لیے وظیفہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک طریقہ یہ جاری کیا کہ کوفہ میں ہر غلام کو باقی ماندہ مال میں سے ہر مہینے تین درہم وظیفہ دینے کا حکم دیا تاکہ وہ

① السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 81. ② تاريخ الطبري: 245/5. ③ السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 83,82. ④ تاريخ الطبري: 273/5.

خوشحال رہیں۔ یہ وظیفہ ملنے کے باوجود غلاموں کے مالکان انھیں پوری تنخواہ دیتے تھے۔ کوئی کمی نہیں کرتے تھے۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے زکاۃ کی رقم سے غلاموں پر شاید اس لیے مال خرچ کیا کہ قرآن مجید میں مذکور مصارفِ زکاۃ میں ایک مصرف ﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾ بھی ہے۔ اس طرح گویا ان کا بھی مالِ زکاۃ میں حصہ بنتا ہے۔[2]

مالِ غنیمت کا خُمس

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے جہاد شروع ہوا۔ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد میں بھی جاری رہا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی جہاد بدستور جاری تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام پھیل رہا تھا اور مملکتِ اسلامیہ کی سرحدیں وسیع ہو رہی تھیں۔ خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کی فتوحات کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا تھا، اس لیے بہت سا مالِ غنیمت بصورت خمس بیت المال میں آرہا تھا۔ ذمیوں سے جزیے کی آمدنی بھی بیت المال میں ہی جمع ہوتی تھی۔ گویا بیت المال اور اسلامی فتوحات کا باہمد گر بڑا گہرا تعلق تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات بڑھانے کے لیے بیت المال سے فوجیوں کی تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں اور جنگی سامان و اسلحہ وغیرہ خریدا جاتا تھا۔ جب فتح ہو جاتی تو مفتوحہ علاقے میں رہنے والے کافر اگر اسلام قبول نہ کرتے تو ان سے جزیہ (ٹیکس) وصول کیا جاتا تھا۔ کسی مفتوحہ علاقے کے لوگ اسلام لے آتے تو پھر وہ زکاۃ ادا کرتے تھے جو ایک مسلمان کے لیے فرض اور دین کا رکن ہے۔ یہ سارے دولت عامہ کے ذرائع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جنگ کی صورت میں حاصل ہونے والی غنیمتوں کو حلال کیا ہے۔ مال غنیمت کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جاتے تھے اور اس کا خمس، یعنی

[1] تاریخ الطبري: 275/5. [2] السیاسة المالیة لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهیم محمد، ص: 84.

پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہوتا تھا۔ ①

ذیل میں خُمس کے ان مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی وضاحت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مالی پالیسی کے نفاذ سے ہوئی:

مال غنیمت میں بچے کا عدم استحقاق: تمیم بن مہری کہتے ہیں کہ میں اسکندریہ کی دوسری فتح کے وقت جنگ میں شامل ہوا تو مالِ غنیمت سے میرا حصہ نہیں نکالا گیا۔ اس طرح میری قوم اور قریش میں تنازعہ پیدا ہو گیا۔ آخر طے پایا کہ سیدنا بصرہ بن ابی بصرہ غفاری اور سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہما سے فیصلہ کرایا جائے کیونکہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان سے رابطہ کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''اگر اس کے (چہرے پر) بال اگے ہوئے ہیں تو اس کا حصہ مقرر کرو بصورت دیگر نہیں۔'' فرماتے ہیں کہ جب مجھے دیکھا گیا تو میرے بال اگے ہوئے تھے، لہٰذا مجھے میرا حصہ دے دیا گیا۔ ②

اس سے معلوم ہوا کہ بچے اور عورت کے لیے مال غنیمت سے حصہ نہیں تھا، تاہم جنگ میں مدد دینے پر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ یہی طریقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ا نے میں بھی رائج تھا۔ ③

قاتل مجاہد کو مقتول کافر کے سامان کا استحقاق: سلب سے مراد وہ مال ہے جو میدان جنگ میں مقتول کے اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کو قاتل کا حق قرار دیا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی مال سلب قاتل ہی کو ملتا تھا۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَقَامَ بَيِّنَةً عَلٰى قَتِيلٍ قَتَلَهٗ فَلَهٗ سَلَبُهٗ»

① السياسة المالية لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 87,86. ② فتوح مصر و أخبارها لابن عبدالحكم، ص: 121. ③ السياسة المالية لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 93.

''جس نے کسی (کافر) کو قتل کیا۔ اس کا سلب اسی کو ملے گا بشرطیکہ دلیل سے ثابت کرے۔'' ①

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کافر کو میدانِ جنگ میں قتل کرتا ہے تو اس کا سلب اس قاتل ہی کو ملے گا اور یہ مال باقی غنیمت سے الگ ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ثابت کرے کہ متعلقہ کافر کو واقعی اسی نے قتل کیا ہے۔ اگر دو آدمی کسی کے قتل کا دعویٰ کریں تو جو دلیل سے ثابت کرے گا سلب اُسی کو ملے گا۔ ②

اسکندریہ کی شکست کے بعد رومی دوبارہ جب منویل خصی کی قیادت میں آئے اور اسکندریہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوئے تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سے مزاحمت نہیں کی تاکہ وہ پیش قدمی کریں، شہروں میں لوٹ مار کریں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو کافروں کے ہاتھوں رسوا کرے، لہٰذا وہ اسکندریہ سے نکلے تو ان کے ساتھ عہد شکنی کرنے والے شہری باشندے بھی مل گئے۔ وہ جس بستی سے بھی گزرتے وہاں شراب کباب کی محفلیں جماتے اور لوٹ مار کرتے، حتی کہ جب نقیوس پہنچے تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سے سمندر اور خشکی میں مزاحمت کی۔ تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا، پھر مسلمانوں نے سمندر سے نکل کر اپنی بری فوج سے مل کر ان کے خلاف جنگ شروع کی، تیروں کا تبادلہ بدستور جاری رہا، روم کا سب سے بڑا پادری مذہبی قباء پہنے اور اسلحہ لگائے ہوئے نکلا اس نے دعوتِ مبارزت دی۔ اس کے مقابلے میں زبید قبیلے کا حومل نامی نوجوان نکلا۔ اُسے ابومذحج کہتے تھے۔ دونوں میں دیر تک نیزوں کا تبادلہ ہوتا رہا، پھر پادری نے نیزہ پھینک دیا اور تلوار نکالی۔ حومل نے بھی تلوار نکال لی۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بآواز بلند دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا: شاباش ابو مذحج!!! اس نے جواب میں لبیک کہا۔ مجاہدین نیل کے ساحل پر صفیں

① صحيح البخاري، حديث: 4322. ② السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 93.

باندھے تیار کھڑے تھے۔ وہ دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے پر تلوار سے وار کرتے رہے، پھر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ حومل نے اپنے ازار بند سے بندھا ہوا خنجر نکالا اور اس کی گردن کاٹ دی پھر اسے نیچے گرا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئے اور اس کا مال سلب بھی اتار لیا۔ چند دنوں بعد حومل رحمہ اللہ فوت ہو گئے۔ مسلمانوں نے زبردست جنگ کی اور رومیوں کو اسکندریہ تک پسپا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اس جنگ میں رومیوں کا قائد منویل خصی بھی قتل ہو گیا۔[1]

صرف ایک فتح میں حاصل ہونے والی غنیمت کی مالیت اور بیت المال کا حصہ:

عبدالملک بن مسلمہ وغیرہ کا بیان ہے کہ ہم نے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر افریقیہ میں جہاد کیا۔ انھوں نے فتح کے بعد مالِ غنیمت سے خُمس نکالا۔ باقی ماندہ مال ہمارے درمیان تقسیم کیا۔ ہر شہسوار کو تین ہزار دینار اور پیدل کو ایک ہزار دینار ملے۔ لشکر کا ایک سپاہی ''ذات الحمام'' میں فوت ہو گیا تو اس کے حصے کے ایک ہزار دینار اس کے گھر والوں کو ادا کیے گئے۔[2]

عثمان بن صالح وغیرہ کا بیان ہے کہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد بیس ہزار تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خمس بیت المال کو بھیجا گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی عہدِ صدیق میں خمس نکالا جاتا رہا جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور اعزہ واقارب کے اخراجات کے علاوہ اسلحہ اور دیگر جنگی سامان خریدا جاتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی پالیسی کو جاری رکھا۔ ان کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ بدستور خمس نکالتے رہے اور غنیمت کے باقی چار حصے مجاہدین میں اس طرح تقسیم کیے جاتے کہ شہسوار کو تین حصے یعنی ایک حصہ اس

[1] فتوح مصر و أخباره لابن عبدالحکم، ص: 120,119. [2] فتوح مصر و أخبارھا لابن عبدالحکم، ص: 125.

کا اور دو اس کے گھوڑے کے جب کہ پیدل مجاہد کو ایک حصہ ملتا تھا۔ مذکورہ بالا دونوں اقوال سے اس ایک غزوے میں بیت المال کو حاصل ہونے والے مال کا اندازہ لگائیے۔ فرض کریں بیس ہزار کے لشکر میں دو ہزار شہسوار ہوں اور باقی پیدل ہوں تو درج ذیل رقم بنتی ہے:

شہسوار: 2000 x 3000 دینار فی کس = 6000,000 دینار

پیدل: 18000 x 1000 دینار فی کس = 18000,000 دینار

اس حساب سے مجاہدین کے لیے کل 24 ملین دینار ہوئے، یعنی 24 ملین دینار غنیمت کے چار حصوں کی قیمت ہے۔ اور 6 ملین پانچویں حصے کی قیمت بنتی ہے۔ اس طرح کل 30 ملین دینار ہوئے۔ اس میں سے 6 ملین دینار بیت المال کے کھاتے میں آئے۔[1]

خمس سے عام اخراجات: قرآن کریم کے مطابق مالِ خمس رسول اکرم ﷺ، آپ کے اقرباء، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ ہوتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے اقرباء کے اخراجات کے علاوہ باقی حصہ بیت المال میں جمع ہو جاتا تھا۔ اسی میں سے اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ خریدے جاتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی کثرتِ فتوحات کی بنا پر وہ حصہ اسلحہ، گھوڑے اور دیگر جنگی سامان خریدنے پر خرچ کرتے تھے۔[2]

فتوحات پر خرچ کرنے کی کامیاب مالی پالیسی: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جن چیلنجوں کا سامنا تھا ان میں سے ایک چیلنج بعض مفتوحہ ملکوں کی بغاوت تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس یورش کو دبا کر انھیں دوبارہ مملکتِ اسلامیہ کا مطیع کر لیا اور انھیں اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ معاہدوں کی پاسداری کریں اور سلطنت اسلامیہ کی حکومت تسلیم کریں۔ ان فتوحات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی فتوحات پر سرمایہ کاری کی پالیسی سے مطلوبہ

[1] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 95. [2] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 97.

مقاصد بڑی کامیابی سے حاصل ہوئے۔ اور دولت عامہ میں، فتوحات سے حاصل ہونے والی غنیمتوں کے خمس، جزیے، زکاۃ اور خراج وغیرہ سے بے پناہ سرمائے کا اضافہ ہوا۔[1]

عہد عثمان میں جزیے کی عام تفصیلات

جزیے کے قواعد وضوابط اور اسے اکٹھا کرنے کا طریق کار سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہی دور میں طے پا گیا تھا، اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بیت المال کی صرف یہ ذمہ داری تھی کہ وہ جزیے کی رقم طے ہونے کے بعد جمع شدہ رقم وصول کرے اور مملکت کی یہ ذمہ داری تھی کہ جن کی صلح کا معاہدہ پورا ہو چکا ہے ان کے پرانے عہد نامے ہی کو برقرار رکھے یا صلح کی نئی شرائط طے کرے اور جنھوں نے جزیہ دیا ہے ان کے حقوق ادا کرے۔[2]

بیت المال کو وصول ہونے والے جزیے کے چند نمونے: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوفہ کے گورنر سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے آذر بائیجان فتح کیا تو وہاں کے باشندوں نے آٹھ لاکھ درہم جزیہ ادا کرنے پر مصالحت کر لی۔ دراصل ان لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت جزیہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ فوج کشی کر کے انھیں پسپا کر دیا اور جزیہ وصول کیا۔[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو افریقیہ پر فوج کشی کا حکم دیا تو افریقیہ کے ایک کمانڈر ''جرجیر'' نے تقریباً پچیس لاکھ بیس ہزار دینار جزیے کے عوض مصالحت کر لی۔ یہ رقم درحقیقت تین سو قنطار سونے کی مالیت تھی۔[4]

اہل قبرص نے سات ہزار دینار سالانہ ادا کرنے کے عوض صلح کی تھی جو وہ مسلمانوں کو

[1] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 99. [2] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 103. [3] تاريخ الطبري: 246/5. [4] تاريخ الطبري: 255/5.

ادا کرتے تھے۔①

سعید بن صالح نے اہل جرجان سے مصالحت کی۔ وہ لوگ کبھی ایک لاکھ، کبھی دو لاکھ اور کبھی تین لاکھ درہم جزیہ ادا کرتے تھے۔②

سیدنا عبداللہ بن عامر نیشاپور کو فتح کرتے ہوئے سرخس تک جا پہنچے تو اہل مَرو نے ان سے مصالحت کرنی چاہی۔ سیدنا عبداللہ بن عامر نے ابن حاتم باہلی کو بھیجا تو انھوں نے مرو کے حاکم سے بیس لاکھ درہم اور ایک روایت کے مطابق ساٹھ ہزار درہم ادا کرنے کی یقین دہانی پر صلح کی۔③

احنف بن قیس نے بلخ پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہل بلخ نے چار لاکھ درہم سالانہ جزیہ ادا کرنے پر مصالحت کر لی۔ آپ نے اسے قبول کیا اور اپنے چچازاد بھائی اسید بن متشمس کو رقم کی وصولی پر مامور کیا۔④

رسول اللہ ﷺ کی شرائط پر اہل نجران سے مصالحت: نبی ﷺ نے اہل نجران کو چند شرائط کی بنیاد پر نجران ہی میں رہنے دیا اور ان شرائط اور جزیے کی مقدار کی ایک دستاویز تحریر کر کے انھیں دے دی۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس معاہدے کی تجدید کے لیے آئے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق نئی دستاویز تیار کر دی۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو وہ پھر معاہدے کی تجدید کے لیے آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں کسی خطرے کے پیش نظر یمن کے نجران سے جلاوطن کر کے عراق کے نجران میں آباد ہونے کا حکم دیا اور انھیں دستاویز بھی لکھ دی۔⑤

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے اپنے

① تاريخ الطبري: 261/5. ② تاريخ الطبري: 261/5. ③ تاريخ الطبري: 318/5. ④ تاريخ الطبري: 307/5. ⑤ الخراج لأبي يوسف، ص: 74.

گورنر سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے نام درج ذیل خط لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے امیر المؤمنین عثمان کی طرف سے ولید بن عقبہ کی طرف۔ تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔ سب سے پہلے اللہ وحدہ لاشریک کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں، اما بعد! پادری، اس کا نائب اور اہلِ نجران کے سردار میرے پاس آئے۔ انھوں نے مجھ سے شکایت کی اور مجھے عمر رضی اللہ عنہ کی لکھی ہوئی شرائط بھی دکھائیں۔ مجھے اس بات کا بھی علم ہوا کہ کچھ مسلمانوں کی طرف سے انھیں اذیت پہنچی ہے۔ میں نے اللہ کے لیے ان کے جزیے سے تیس حلّوں (سوٹوں) کی تخفیف کر دی ہے اور انھیں وہ ساری زمین دے دی ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یمن کی زمین کے بدلے انھیں صدقہ کی تھی۔ یہ ذمی ہیں۔ میری ان سے جان پہچان بھی ہے، لہٰذا ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دستاویز دیکھ کر اس کے مطابق انھیں پورے حقوق دینا اور دستاویز پڑھ کر انھیں واپس کر دینا۔ والسلام۔''[1] یہ خط آپ نے 15 شعبان 27 ھ میں لکھا تھا۔[2]

خلاصۂ کلام: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے عہد کی پاسداری کی۔ اور یہ روز اول ہی سے اسلام کی خوبی رہی ہے کہ جس نے کوئی معاہدہ یا کوئی معاملہ کیا اسے بہرحال پورا کیا ہے۔

آپ نے ان کے جزیے میں تخفیف کر دی لیکن زمین پوری دے دی اور اپنے گورنر سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دستاویز کے مطابق انھیں پورے حقوق دینا کیونکہ یہ ذمی لوگ ہیں۔[3]

اہل کتاب جب تک جزیہ ادا کرتے رہیں گے مسلمانوں کی امان میں رہیں گے:

اسکندریہ کی فتح کے دوران سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دورانِ جنگ عہد شکنی کرنے

[1] الخراج لأبي يوسف، ص: 74. [2] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 105. [3] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 105.

والوں کے مال واسباب پر قبضہ کر لیا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد وہ لوگ آئے۔ انھوں نے کہا: ''ہم نے عہد شکنی نہیں کی تھی۔ رومی چور ہمارے پاس سے گزرے۔ انھوں نے لوٹ مار کی۔ ہمارا سامان اور جانور ہانک کر لے گئے۔ اب وہ سب کچھ آپ کے قبضے میں ہے۔'' سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں دلیل پیش کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے دلیل پیش کر دی تو آپ نے ان کے مال واپس کر دیے۔ ان میں سے بعض نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے شکوہ کیا اور کہا کہ آپ نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا کیونکہ ہم تو آپ کی امان میں تھے، اس لیے ہمارا دفاع کرنا آپ کی ذمہ داری تھی۔ ہم نے عہد شکنی بھی نہیں کی۔ جس نے ایسا کیا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو۔ [1]

آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جزیے کے بدلے میں مسلمان ذمیوں کے حقوق کا کس قدر خیال رکھتے تھے، باوجود اس کے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ملک کا دفاع بھی نہیں کرتے تھے۔ وہ صرف اپنے ہی حقوق کے لیے جزیہ دیتے تھے کیونکہ مسلمان ان کی مکمل حفاظت کرتے تھے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کے حقوق بھی ادا کیے اور ان کا مال بھی انھیں واپس کر دیا۔ [2]

ریاست کے اخراجات میں ذمیوں کا استحقاق: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے اسکندریہ کو دوسری مرتبہ فتح کیا تو ''اخنا'' کا گورنر ''طلما'' سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اُس نے کہا کہ ہمیں جزیے کے متعلق بتائیں تاکہ ہم اس کی پابندی کر سکیں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''تم ہمارے لیے ایک خزانے کی حیثیت رکھتے ہو، اگر ہم پر اخراجات کا بوجھ زیادہ پڑے گا تو ہم تم پر زیادہ بوجھ ڈالیں گے اور اگر ہم پر بوجھ کم ہوا تو تم پر بھی کم بوجھ ڈالیں گے۔'' یہ سن کر اخنا کے گورنر کو غصہ آ گیا۔ وہ رومیوں کے پاس گیا اور انھیں مسلمانوں کے خلاف

[1] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 106. [2] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 106.

چڑھا لایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں شکست دی طلما کو گرفتار کر کے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اسے قتل کر دیجیے، تو عمرو بن عاص نے فرمایا: ''نہیں۔'' کہتے ہیں کہ جب اسے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اسے اس کی قوم کا سردار بنا دیا اور اَرجوان کا خوبصورت کرتا پہنا کر فرمایا: اس طرح کا جزیہ ادا کرنا۔ وہ اس بات پر راضی ہو گیا۔ ''طلما'' سے پوچھا گیا کہ اگر تو روم کے بادشاہ کے پاس جائے تو تیرا انجام کیا ہوگا؟ اس نے کہا: ''وہ مجھے قتل کر دے گا اور کہے گا کہ تو میرے فوجیوں کا قاتل ہے۔''[1]

جب ہم سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اس قول ''تم ہمارے لیے خزانے کی حیثیت رکھتے ہو......'' کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں دوسرے ادوار کی نسبت مالی پالیسی کے اصول درج ذیل تھے:

- اہل ذمہ بھی جزیہ ادا کرنے کی صورت میں بیت المال کی ترقی میں معاون تھے بلکہ بیت المال کے لیے وہ ایک خزانے کی حیثیت رکھتے تھے جس سے بیت المال جزیے کی صورت میں اپنا حصہ وصول کرتا تھا۔
- ذمیوں کا جزیہ مملکتِ اسلامیہ کے حالات کے پیش نظر طے پاتا تھا، یعنی اگر مملکتِ اسلامیہ کے اخراجات بڑھ جاتے تو جزیے کی مالیت میں اضافہ ہو جاتا۔ اگر اخراجات کم ہوتے تو جزیے کی شرح بھی کم ہو جاتی۔
- جزیے کی کمی بیشی کی بنیادی وجہ یہ اصول تھا کہ سلطنت کے اخراجات برداشت کرنے میں سلطنت کے تمام باشندے چاہے وہ مسلمان ہوں یا ذمی، برابر کے شریک ہیں، وہ اس طرح کہ ہر آدمی اپنی طاقت اور انصاف کے مطابق اس میں حصہ ڈالے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ذمہ کے بارے میں جو وصیتیں فرمائی تھیں ان کا بھی یہی تقاضا تھا کہ

[1] فتوح مصر و أخبارها لابن عبدالحكم، ص: 102.

ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ ①

خراج اور ٹیکس کی عام تفصیلات

خراج: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مفتوحہ علاقوں کی بہت سی زرعی زمین مملکتِ اسلامیہ کے زیرِ استعمال آ گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو مسلمانوں کے لیے مال فے قرار دیا تھا۔ لیکن اہل کتاب میں سے جو اپنے دین پر قائم رہے ان کی زمین انھی کے پاس رہنے دی۔ وہ کاشت کاری کرتے تھے اور بیت المال کو خراج بھیجتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات کا دائرہ مزید وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ خراج کی صورت میں وصول ہونے والی رقم بیت المال کے ذرائع میں مزید اضافے کا باعث بنی۔ ②

تجارتی ٹیکس: ٹیکس کے بنیادی قواعد وضوابط سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مرتب کیے۔ ان کے دور خلافت میں اس کی عملی صورت بھی سامنے آ گئی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سلطنت کی علاقائی حدود وسیع ہونے کے پیشِ نظر بیت المال میں تجارتی ٹیکس کی آمدنی میں نمایاں اضافہ ہوا۔ لوگوں کے پاس سرمایہ آنے کی وجہ سے ان کی قوت خرید بھی بڑھ گئی۔ بالخصوص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں جبکہ مکمل امن و امان اور استحکام تھا۔ قوت خرید کے اضافے سے طلبِ رسد بھی بڑھی۔ جس کا لازمی نتیجہ درآمدات کی کثرت اور تیزی تھی اس وجہ سے تجارتی ٹیکس میں بھی اضافہ ہوا کیونکہ درآمدات کا سارا نظام ٹیکس کے ماتحت تھا۔ تجارتی ٹیکس میں اضافے کی دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اشیاء کا بھاؤ بڑھ گیا جس کی وجہ سے سیل ٹیکس میں اضافہ ہوا۔ یہ ٹیکس محض سامان پر نہیں تھا بلکہ اس کی قیمت پر بھی تھا۔ ③

① السياسة المالية لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 107. ② السياسية المالية لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 113. ③ السياسية المالية لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 123.

اراضی الاٹ کرنے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زمین کی الاٹمنٹ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پالیسی اپنائی کہ بنجر زمین کو آباد کرنے کے لیے لوگوں کو مالکانہ حقوق دیے جائیں، لہٰذا آپ نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو مقام جرف اور قناۃ کے درمیان والی بنجر زمین کے مالکانہ حقوق دیے۔ ① اور سیدنا مجاعہ بن مرارہ حنفی کو یمامہ کی خضرمہ نامی بستی کے مالکانہ حقوق مرحمت فرمائے۔ ②

زبرقان بن بدر کو زمین دینے کا ارادہ کیا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اعتراض کی وجہ سے رک گئے۔ اسی طرح عیینہ بن حصن فزاری اور اقرع بن حابس تمیمی کو بھی سبخہ کی بنجر زمین آباد کرنے کی شرط پر دینا چاہی لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کا لحاظ کرتے ہوئے انھیں زمین نہیں دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رائے دی تھی کہ اب ان لوگوں کی تالیف قلبی کی ضرورت نہیں رہی آپ نے انھیں مخاطب کر کے کہا تھا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں تمھاری تالیف قلبی کیا کرتے تھے جب اسلام غالب نہ تھا، اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا کر دیا ہے، لہٰذا جاؤ اور خود محنت کرو۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو زمین آباد کرنے کے لیے مالکانہ حقوق دینے پر کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ آپ سمجھتے تھے کہ اب ان لوگوں کی تالیف قلبی کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی بنا پر انھوں نے ان لوگوں کو زمین دینے پر اعتراض کیا تھا۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اصلاح و فلاح کے لیے زمین الاٹ کرنے کی نبوی پالیسی کو بڑی وسعت دی۔ آپ نے اعلان فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتًا فَهِيَ لَهُ»

''لوگو! جو بنجر زمین آباد کرے گا وہ زمین اسی کی ہوگی۔'' ③

① الطبقات لابن سعد: 104/3. ② عصر الخلافة الراشدة للعمري، ص: 220. ③ عصر الخلافة الراشدة للعمري، ص: 221 یہ مرفوعاً بھی مذکور ہے، دیکھیے: (سنن أبي داود، الخراج و الفيء والإمارة، باب في إحياء الموات، حديث:3074.)

بعض ضعیف آثار میں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آباد نہ کرنے والوں سے الاٹ شدہ زمینیں واپس لے لی تھیں۔[1]

ایک اور ضعیف روایت میں ہے کہ آپ نے اراضی کی آبادکاری کے لیے تین سال کی مہلت دی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خوان بن جبیر کو آباد کرنے کے لیے بنجر زمین دی تھی۔ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو عقیق کی ساری زمین دے دی تھی۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ینبع کی زمین دی تھی۔ اس زمین میں زبردست چشمہ پھوٹ پڑا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ زمین فقراء کے لیے وقف کر دی۔[2]

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انھوں نے وسیع پیمانے پر زمینیں الاٹ کیں۔ بالخصوص مفتوحہ علاقوں کی وہ زمینیں جنھیں ان کے مالک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بے آباد ہو جانے کے ڈر سے آپ نے مفروروں کی زمینیں لوگوں میں تقسیم کر دیں جس سے مملکت اسلامیہ کو بہت فائدہ پہنچا۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہموار زمین کے علاوہ پتھریلی زمینیں بھی تقسیم کی تھیں۔ ظاہر ہے مفتوحہ اراضی میں جہاں ہموار زمینیں تھیں وہاں پتھریلی زمینیں بھی ہوں گی۔ بہر حال زمینوں کی الاٹمنٹ سے قومی خزانے میں زکاۃ اور خراج کی صورت میں بے پناہ اضافہ ہوا جس کا محتاط اندازہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نو لاکھ درہم سالانہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پانچ کروڑ درہم سالانہ تھا۔ اتنی بڑی رقم سے زمینوں کی تقسیم کی پالیسی کی افادیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کتب سیرت و تاریخ میں ان لوگوں کے نام ملتے ہیں جنھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے زمینیں الاٹ کی تھیں، ایسے لوگوں کی اکثریت قریش کے علاوہ ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تقسیم

[1] عصر الخلافة الراشدة للعمري، ص: 222. [2] عصر الخلافة الراشدة للعمري، ص: 222.
[3] عصر الخلافة الراشدة للعمري، ص: 223.

اراضی کے سلسلے میں مروی اکثر روایات سنداً ضعیف ہیں، تاہم ان روایات سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے یہ کام وسیع پیمانے پر کیا۔ یہاں ان چند لوگوں کے نام درج کیے جاتے ہیں جنھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے زمینیں الاٹ کیں:

- سیدنا عبداللہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ: انھیں نہر نیل اور نہر سواد (جنوبی عراق) کے درمیان والی زمین دی گئی۔
- سیدنا عمار بن یاسر عنسی رضی اللہ عنہما: انھیں آستینیا میں قطعۂ زمین الاٹ ہوا۔
- سیدنا خباب بن الارت تمیمی رضی اللہ عنہ: آپ کو جنوبی عراق میں صعنبی نام کا ایک قصبہ دیا گیا۔
- سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ: انھیں بغداد کے قریب نہر عبس پر واقع ''روحاء'' نامی ایک قصبہ الاٹ ہوا۔
- سیدنا سعد بن ابی وقاص زہری قرشی رضی اللہ عنہ: انھیں فارس شہر سے باہر ہرمز میں ایک قطعۂ زمین الاٹ ہوا۔
- سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ۔
- سیدنا اسامہ بن زید کلبی رضی اللہ عنہ۔
- سیدنا سعید بن زید عدوی قرشی رضی اللہ عنہ۔
- سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ: آپ کو فرات کے کنارے زمین الاٹ ہوئی۔
- ابن ہبار۔
- سیدنا طلحہ بن عبیداللہ تمیمی قرشی رضی اللہ عنہ: انھیں کوفہ کے علاقے نشاستج میں زمین دی گئی۔
- سیدنا وائل بن حجر حضرمی رضی اللہ عنہ: آپ کو کوفہ کے پاس زرارہ نامی بستی سے متصل ایک قطعۂ زمین الاٹ ہوا۔
- سیدنا خالد بن عرفطہ قضاعی رضی اللہ عنہ: انھیں کوفہ کے پاس ''حمام اعین'' میں زمین دی گئی۔
- سیدنا اشعث بن قیس کندی: انھیں کوفہ اور قادسیہ کے درمیان طیزن آباد کا علاقہ

الاٹ کیا گیا۔

- سیدنا ابو مرید حنفی: انھیں اہواز میں ''تیری'' نامی نہر کے کنارے واقع زمین دی گئی۔
- سیدنا نافع بن حارث بن کلدہ ثقفی رضی اللہ عنہ: انھیں بصرہ میں ''شط عثمان'' کے پاس قطعۂ اراضی الاٹ کیا گیا۔
- سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ: انھیں ''حمام عمرہ'' کے پاس زمین کا ایک قطعہ دیا گیا۔
- سیدنا عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ: انھیں بھی بصرہ میں ''شط عثمان'' کے پاس زمین کا ایک قطعہ الاٹ ہوا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مالکانِ زمین کے جلاوطن ہونے کے بعد یہ زمینیں بنجر ہو گئی تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ زمینیں آباد کاری کے لیے لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام کے ساحل کی کچھ اراضی آباد کرنے کے علاوہ دفاعی نقطۂ نظر سے بھی تقسیم کیں۔ آپ کا مقصد حملوں سے بچاؤ کے علاوہ دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا بھی تھا چنانچہ آپ نے اس نقطۂ نظر سے مختلف لوگوں کو اراضی الاٹ کیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے قالیقلا اور انطاکیہ کی زمینیں بھی لوگوں میں تقسیم کیں۔ [1]

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فدک مروان بن حکم کو الاٹ کر دیا تھا تو یہ بات کسی بھی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ فدک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کو الاٹ کیا تھا۔ [2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زمینوں کی تقسیم کی پالیسی سے مسلمانوں کے بیت المال کی آمدنی میں زکاۃ اور خراج کی صورت میں زبردست اضافہ ہوا۔ آپ کے اس منصوبے کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف عراق میں الاٹ کردہ سرکاری املاک کی

[1] عصر الخلافة الراشدة للعمري، ص: 224. [2] عصر الخلافة الراشدة، للعمري، ص: 225.

آمدنی پانچ کروڑ درہم سالانہ ہو گئی جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صرف نو لاکھ درہم سالانہ تھی۔ ①

سرکاری چراگاہوں کی پالیسی

اس سے مراد وہ زمینیں ہیں جو سرکاری اونٹ اور گھوڑوں کے چرنے کے لیے مخصوص تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی نقیع کو بطور سرکاری چراگاہ خاص کر دیا تھا۔ ② اور وہ سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی بدستور چراگاہ کے طور پر ہی زیر استعمال رہی۔ اس چراگاہ کی لمبائی تقریباً اسی (80) کلومیٹر تھی۔ یہ مدینہ سے چالیس کلومیٹر جنوب میں تھی۔ ③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جہاد کے لیے تیار کردہ گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت کی وجہ سے چراگاہوں میں اضافہ ہوا، آپ نے زکاۃ کے اونٹوں کے لیے ربذہ ④ کی چراگاہ مخصوص کی۔ اس پر اپنے آزاد کردہ غلام ہنی کو نگران مقرر کیا اور اسے ہدایت کی کہ مالداروں کے سوا عام لوگوں کو جن کے تھوڑے سے اونٹ ہوں انھیں اونٹ چرانے کی اجازت دے دینا۔ اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیار بنی ثعلبہ میں ایک چراگاہ کو، لوگوں کے احتجاج کے باوجود، حکومت کے لیے مختص کیا اور ان سے فرمایا: ''یہ شہر اللہ کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے مال کے لیے انھیں مختص کیا جائے گا۔'' ⑤

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی چراگاہوں کے معاملے میں اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر چلے۔ جب ان کے دورِ خلافت میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو انھوں نے صدقے کے

① السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 118. ② صحيح البخاري، المساقاة، باب: لا حمى إلا لله ولرسوله، حديث: 2370، و سنن أبي داود، الخراج والفيء والإمارة، باب في الأرض يحميها الإمام أو الرجل، حديث: 3083، و 3084. ③ عصر الخلافة الراشدة للعمري، ص: 225,226. ④ الطبقات لابن سعد: 326/3، والأثر صحيح. ⑤ ربذہ: مدینہ سے تقریباً پونے دو سو کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔ مدینہ ریاض شاہراہ پر مقام حناکیہ سے ربذہ کو راستہ جاتا ہے۔

جانوروں کی حفاظت کے لیے کئی چراگاہیں مخصوص کر دیں۔ رعایا کی بڑھتی ہوئی تعداد کی مناسبت سے ضرورتوں میں بھی اضافہ ہوا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے چراگاہوں میں اضافہ کر دیا۔[1]

جب سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے چراگاہوں کو خاص کرنے پر کسی کو اعتراض نہیں تو بہ تقاضائے ضرورت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس میں وسعت پیدا کرنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ آپ نے صدقے کے اونٹوں کی کثرت اور ان کے چرواہوں کے جھگڑے ختم کرنے کے لیے چراگاہیں بڑھائی تھیں۔[2]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم چراگاہوں کی توسیع کے حامی تھے۔ کسی نے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا تو گویا یہ ایک قسم کا اجماع ہے۔[3] ابن قدامہ نے تو لکھ دیا ہے کہ اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔[4]

عام اخراجات کی اقسام

خلیفہ کے اخراجات: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بیت المال سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ آپ قریش میں سب سے زیادہ مالدار اور کامیاب ترین تاجر تھے۔ گھر والوں اور اپنے اعزہ و اقارب پر اپنا ذاتی مال خرچ کرتے تھے۔

❁ بیت المال سے گورنروں کی تنخواہیں: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مملکت اسلامیہ کئی صوبوں میں منقسم تھی۔ خلیفہ کی طرف سے ہر صوبے پر ایک گورنر مقرر ہوتا تھا اور اس کی تنخواہ بیت المال سے ادا کی جاتی تھی۔ ہر گورنر صوبے کے انتظامات قرآن و سنت کے احکامات کے مطابق چلاتا تھا۔ اور اگر خلیفہ صوبے کے بیت المال پر اپنا کوئی نگران مقرر نہ کرتا تو پھر گورنر خود صوبائی بیت المال کے لیے جزیہ، خراج اور تجارتی ٹیکس وصول

[1] نظام الخلافة في الفكر الإسلامي للدكتور مصطفى حلمي، ص: 78. [2] نظام الخلافة في الفكر الإسلامي للدكتور مصطفى حلمي، ص: 78. [3] نظام الأراضي في صدر الدولة الإسلامية لمحمد حسن، ص: 169. [4] المغني لابن قدامة: 581/5.

کرتا اور ان کی نگرانی کرتا تھا اور اسی سے صوبے کے اخراجات پورے کرتا تھا۔ جو مال ضرورت سے زائد ہوتا وہ مدینہ کے مرکزی بیت المال میں جمع کرا دیا جاتا تھا، جہاں تک زکاۃ کا تعلق تھا تو صوبے کے امراء سے زکاۃ وصول کر کے اسی صوبے کے فقراء میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ [1]

فوجیوں کی تنخواہیں: مال غنیمت کے علاوہ بیت المال سے مجاہدین کو باقاعدہ تنخواہیں بھی ملتی تھیں۔ ہر صوبے کے فوجیوں کو اسی صوبے کے بیت المال سے تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو، مصر کے ان سپاہیوں کے بارے میں جو اسکندریہ کے محاذ پر برسرِ پیکار تھے، لکھا: ''آپ کے علم میں ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسکندریہ کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔ اب جب کہ رومی دو بار عہد توڑ چکے ہیں تو یہ معاملہ زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے، لہٰذا اسکندریہ میں سیکورٹی مضبوط رکھو۔ فوجیوں کی تنخواہیں باقاعدگی سے ادا کرتے رہو اور ہر چھ ماہ بعد ان کا تبادلہ کر دو۔'' [2]

بیت المال سے حج پر خرچ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں حج پر اٹھنے والا عمومی خرچ بیت المال سے ہوتا تھا۔ کعبہ کے لیے غلاف مصر میں تیار کرایا جاتا تھا۔ [3]

بیت المال سے مسجد نبوی کی از سرِ نو تعمیر: مدینہ منورہ کی آبادی میں زبردست اضافے اور کثرتِ فتوحات کی وجہ سے مسجد نبوی کی موجود عمارت ناکافی ہوگئی تھی، بالخصوص جمعۃ المبارک کو بے حد ہجوم ہوتا۔ لوگ اس میں سماتے نہ تھے۔ لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مسجد میں توسیع کا مطالبہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اصحاب الرائے سے مشورہ کیا تو سب نے مسجد نبوی کو شہید کرنے اور اس کی توسیع کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز

[1] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 130. [2] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 140. [3] السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 141,140.

پڑھی۔ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! میں نے مسجد نبوی کو شہید کر کے اس کی توسیع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اللہ شاہد ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «مَنْ بَنَى مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ»

''جس نے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کا جنت میں گھر بنائے گا۔''[1]

مجھ سے پہلے میرے پیش رو اور امام سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس میں اضافہ کیا تھا۔ ان کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ میں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اصحاب الرائے سے بھی مشورہ کیا ہے وہ سب اس کی توسیع کے حق میں ہیں۔'' لوگوں نے اس منصوبے کی بہت تحسین کی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی۔ اگلے روز آپ نے کاریگروں کو بلایا اور اپنی نگرانی میں اس منصوبے پر کام کا آغاز کرایا۔[2]

مسجد حرام کی توسیع: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں خانہ کعبہ اپنی بنیادوں پر قائم تھا۔ اس کے اردگرد ایک تنگ سا صحن تھا اس میں لوگ نماز پڑھتے تھے۔ یہ مسجد حرام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح رہی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کی توسیع ہوئی۔ آپ نے مسجد حرام سے ملحقہ مکانات خرید کر مسجد حرام میں شامل کر دیے۔ اور اس کے اردگرد ایک چھوٹی سی دیوار بنا دی۔ مسجد حرام میں روشنی کا انتظام بھی کیا۔ اس توسیع کی بنیادی وجہ حجاج کرام کی کثرت اور فتوحات کے باعث مسلمانوں کی آئے دن بڑھتی ہوئی تعداد تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب مسجد پھر تنگ پڑ گئی تو انھوں نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ملحقہ مکانات خریدے انھیں منہدم کیا اور مسجد میں شامل کر دیے۔ آپ نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اس جگہ کے اِردگرد چار دیواری چنوا دی جو ایک آدمی کے قد سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔[3]

1 صحيح البخاري، الصلاة، باب من بنى مسجداً، حديث: 450، و صحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب فضل بناء المساجد والحث عليها، حديث: 533، و مسند أحمد: 61/1.

2 البداية والنهاية: 60/7، و تاريخ الطبري: 267/5. 3 تاريخ الطبري: 250/5، وذوالنورين عثمان بن عفان لمحمد رشيد، ص: 25.

اسی طرح دیگر صوبوں کے گورنروں نے صوبائی بیت المال سے اپنے اپنے علاقوں میں مساجد بنائیں، جیسے اسکندریہ کی مسجد ''الرحمہ'' اور اصطخر کی مسجد وغیرہ۔ ①

پہلے اسلامی بحری بیڑے پر خرچ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پہلا اسلامی بحری بیڑہ بھی بیت المال ہی کی رقوم سے بنایا گیا۔ فتوحات اسلامیہ کی بحث میں اس کی تفصیل آئے گی۔ ②

بندرگاہ کے شعیبہ سے جدہ منتقلی پر اخراجات: سن 26ھ میں اہل مکہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ مکہ کی قدیم بندرگاہ کو جدہ کی موجودہ بندرگاہ کی طرف منتقل کر دیں کیونکہ یہ مکہ کے قریب ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جدہ کا دورہ کیا۔ اس جگہ کا جائزہ لیا۔ پھر اسے منتقل کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ آپ سمندر میں داخل ہوئے، غسل کیا اور فرمایا: ''یہ بابرکت ہے۔'' اپنے وفد کے ارکان سے کہا کہ سمندر میں غسل کرو مگر کوئی شخص اس میں برہنہ حالت میں داخل نہ ہو، پھر جدہ سے عسفان کے راستے مدینہ تشریف لائے۔ انھی کے دورِ خلافت سے لوگوں نے شعیبہ کی بندرگاہ کو ترک کر دیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک جدہ ہی مکہ کی بندرگاہ چلی آ رہی ہے۔ ③

بیت المال سے کنوؤں کی کھدائی: جو کام عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں بیت المال کے زیر انتظام ہوئے ان میں سے ایک کنوؤں کی کھدائی بھی تھی۔ 30ھ میں آپ نے مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ''اریس'' نامی کنواں کھدوایا۔ کہتے ہیں کہ آپ اس کنویں کے کنارے بیٹھے تھے کہ آپ کے ہاتھ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی انگوٹھی، جو بطور مہر خلیفہ کے پاس ہوتی تھی، کنویں میں گر گئی، اسے تلاش کرنے کے لیے کنواں صاف کرایا گیا لیکن انگوٹھی پھر بھی نہ ملی۔ آپ نہایت غمگین ہوئے آپ نے تلاش کر کے لانے والے کے لیے بہت بڑے

① السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، و تاريخ الطبري: 284/5.
② السياسة المالية لعثمان بن عفان رضي الله عنه لقطب إبراهيم محمد، ص: 148. ③ ذوالنورين عثمان بن عفان رضي الله عنه، لمحمد رشيد، ص: 26.

انعام کا اعلان کیا لیکن یہ کوشش بھی بار آور نہ ہوئی، آخر کار آپ نے اسی طرح کی ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' نقش تھا۔ آپ کی شہادت تک وہ انگوٹھی آپ ہی کے پاس رہی۔ جب آپ شہید ہو گئے تو نہ جانے اسے کون لے گیا۔[1]

بیت المال سے مؤذنوں کی امداد: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی ہیں جنھوں نے سب سے پہلے بیت المال سے مؤذنوں کے اخراجات پورے کرنے کا اہتمام فرمایا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«قَدْ أَرْزَقَ الْمُؤَذِّنِينَ إِمَامُ هُدًى عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ»

''مؤذنوں کی گزران کا بندوبست سب سے پہلے امامِ ہدایت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔''[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مؤذنوں کو اجرت نہیں دی بلکہ عطیہ دیا تھا۔[3]

اسلام کے ملی مقاصد کے لیے خرچ: اخراجات کی مذکورہ بالا فہرست سے بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ بیت المال سے جتنے بھی اخراجات ہوتے تھے، وہ مملکتِ اسلامیہ کے نہایت اعلیٰ اہداف حاصل کرنے کے لیے ہی ہوتے تھے یہ مذکورہ تفصیل سرکاری اخراجات اور رعایا کی ترقی کے کاموں کے علاوہ ہے، اسی طرح اسلام کی نشر واشاعت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے بھی بیت المال ہی سے اخراجات کیے جاتے تھے۔ پہلے اسلامی بیڑے کا قیام، بیت اللہ اور مسجد نبوی کی ازسرنو تعمیر اور توسیع، مؤذنوں کے لیے عطیات، گورنروں، فوجیوں اور قاضیوں کی تنخواہیں، حج کے اخراجات، غلاف کعبہ اور کنوؤں کی کھدائی وغیرہ کے تمام اخراجات بیت المال ہی سے کیے جاتے تھے تاکہ فلاحی کاموں سے ہر عام و خاص استفادہ کر سکے۔

[1] البداية والنهاية: 161/7، و تاريخ الطبري: 284/5. [2] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور قلعجي، ص: 14. [3] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور قلعجي، ص: 14.

مملکت کے دیگر ذرائع، جیسے زکاۃ اور خمس وغیرہ سے معاشرے کے کمزور اور ضرورت مند لوگوں، مثلاً: فقراء، مساکین، یتیموں، مسافروں، غلاموں اور بے وطن افراد کی معاونت کی جاتی تھی۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں عطیات کا نظام

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عطیات کا فاروقی نظام ہی جاری رہا اور آپ نے بھی عطیات دینے کے لیے مسابقتِ اسلام کو بنیاد بنایا۔ آپ نے کوفہ کے گورنر کو ہدایات دیتے ہوئے لکھا:

''امابعد! قدیم الاسلام اور سبقت والوں کو دوسرے لوگوں پر مقدم سمجھنا اور جنھیں ان کے سبب دولت اسلام نصیب ہوئی وہ ان کے تابع ہوں گے الا یہ کہ انھوں نے حق سے سستی برتنی شروع کر دی ہو اور اس کا اہتمام چھوڑ دیا ہو۔ ہر فرد کے مقام و مرتبہ کا خاص خیال رکھنا۔ عطیات دینے میں انصاف سے کام لینا۔ لوگوں کے مراتب کا علم عدل کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔''[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو مملکت کی آمدنی کے ذرائع میں بھی اضافہ ہوا۔ اس وجہ سے آپ کو سٹور بنانے پڑے۔[3] اس صورتحال کا اثر عطیات پر بھی پڑا۔ تقریباً ہر سپاہی کی تنخواہ میں ایک سو درہم کا اضافہ ہوگیا۔ آپ پہلے خلیفہ تھے جنھوں نے تنخواہوں اور عطیات میں اضافے کا طریقہ رائج کیا۔ آپ کے بعد دیگر خلفاء بھی اسی منہج پر چلے۔[4]

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نمائندے کو یہ اعلان

[1] السیاسة المالیة لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لقطب إبراهيم محمد، ص: 150. [2] تاريخ الطبري: 280/5. [3] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سلمان العودة بن صالح: 2/36-68، والنجوم الزاهرة لأبي الحسن جمال الدين: 87/1. [4] تاريخ الطبري: 245/5.

کرتے سنا: ''اے لوگو! اپنے کپڑے، گھی اور شہد وصول کر لو۔'' پھر لوگ حُلّے وصول کرتے، گھی اور شہد حاصل کرتے۔ انھی کا قول ہے: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ایامِ خلافت میں مال اور خیر و بھلائی کی کثرت تھی۔ آپ کی شخصیت نہایت صاف گو اور پاکیزہ تھی۔ مملکتِ اسلامیہ میں کسی مومن کو کسی سے کوئی خطرہ ہوتا تو آپ اس کی پوری مدد، تائید اور تالیفِ قلبی کرتے تھے۔''①

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مملکتِ اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت کا خوب اہتمام کیا۔ مضبوط سکیورٹی کا بندوبست کیا۔ آپ نے اپنے کمانڈروں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ سرحدوں پر موجود سپاہیوں کو دوگنی تنخواہیں دی جائیں۔②

معاشرتی اور اقتصادی زندگی پر مال و دولت کی فراوانی کا اثر

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں خراج میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ ہر طرف سے مال آنے لگا۔ آپ نے اس کے لیے سٹور بنوائے اور اسے محفوظ کر لیا۔ اس صورتحال کا معاشرتی اور اقتصادی زندگی پر اثر پڑا۔ ابو اسحاق کا بیان ہے کہ ان کے دادا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''بزرگوار! آپ کے اہل و عیال کتنے افراد پر مشتمل ہیں؟'' انھوں نے تعداد بتائی۔ آپ نے فرمایا: ''ہم نے آپ کا پندرہ سو اور آپ کے گھرانے کے ہر فرد کا سو سو درہم وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔''③

محمد بن بلال مدنی بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے میری دادی کے بارے میں بتایا کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر جایا کرتی تھیں۔ کچھ دن نہ گئیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ آج کل فلاں خاتون نظر نہیں آتی۔ ان کی بیوی نے بتایا کہ

① مجمع الزوائد:94,93/9، و فصل الخطاب في مواقف الأصحاب لمحمد صالح الغرسي، ص: 52. ② فتوح مصر و أخبارها لابن عبد الحكم، ص: 192، وفتوح البلدان للبلاذري: 152/1-157. ③ الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سلمان العودة بن صالح: 768/2.

اس کے ہاں گزشتہ روز بچہ پیدا ہوا ہے۔ دادی کہتی ہیں کہ امیر المؤمنین نے مجھے پچاس درہم اور خوشبودار کپڑے کا ایک ٹکڑا بھیجا اور فرمایا: ''یہ تیرے بیٹے کا وظیفہ اور لباس ہے۔ ایک سال بعد اس کا وظیفہ سو درہم کر دیں گے۔''[1]

آپ نے مدینہ کے گرد و نواح رہنے والوں کے لباس اور خوراک کے عطیے میں اضافہ کر دیا تھا۔[2]

آپ کے ایک کمانڈر قطن بن عمرو ہلالی نے اپنے ماتحت چار ہزار فوجیوں کو حوصلہ افزائی کے طور پر چار ہزار درہم دینے چاہے۔ بصرہ کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامر نے اس رقم کو زیادہ خیال کیا اور امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا: ''جو اللہ کے راستے میں مدد و معاون ہو وہ جائز ہے۔'' اس طرح عطیے کا نام جائزہ پڑ گیا۔[3] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسلمان سپاہی کے فوت ہو جانے کے بعد اس کے عطیات اس کی بیٹیوں اور بیویوں میں تقسیم کرنے کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عطیات مجھے دیں تاکہ میں ان کے گھر والوں کو دے دوں۔ یہ عطیات بیت المال میں جمع کرانے کی نسبت ان کے اہل و عیال کو مل جائیں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ یہ سُن کر آپ نے عبداللہ بن مسعود کے پسماندگان کے لیے انھیں پندرہ ہزار درہم دے دیے۔[4]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں زراعت، صنعت اور تجارت کے میدان میں بھی بڑی ترقی ہوئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات عطا کیں جس کے نتیجے میں عام مسلمان اور بالخصوص اہلِ مدینہ نہایت خوشحال ہو گئے۔ مال و دولت

[1] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سلمان العودة بن صالح: 769/2. [2] الطبقات لابن سعد: 298/3. [3] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سلمان العودة بن صالح: 770/2.

کی کثرت کے ساتھ ساتھ اہلِ عرب کو فتوحات کے بعد کئی تہذیبوں سے واسطہ پڑا جن سے وہ اس سے قبل ناواقف تھے۔ وہ ان تہذیبوں سے متاثر ہوئے اور ان کی کئی چیزوں کو اپنانے کی کوشش کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ رجحان قدرے بڑھ گیا۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عظیم الشان اور کشادہ گھر بنائے۔ معاشرتی اور اقتصادی ترقی میں وہ لوگ بھی شریک تھے جو جنگوں کے دوران گرفتار ہو کر آئے تھے۔ [1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عزیز و اقارب اور بیت المال سے نوازشات کی حقیقت

باغیوں اور خارجیوں کی طرف سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا گیا کہ وہ بیت المال میں بے جا اسراف کرتے ہیں اور اپنے عزیز و اقارب کو نوازتے ہیں۔ باطل پرست بلوائیوں نے اسی الزام کو بنیاد بنا کر آپ پر حملہ کیا۔ ان بلوائیوں کی پشت پناہی آپ کے مخالف سبائی، شیعہ اور روافض کر رہے تھے۔ کتب تاریخ میں ان باطل لغویات کو حقائق بنا کر پیش کیا گیا جنھیں بعض مفکرین اور مؤرخین نے درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ یہ سب کچھ شیطانی سازش کے سوا کچھ نہیں۔ آپ کا اپنے عزیز و اقارب کو جو کچھ دینا ثابت ہے اس کا شمار آپ کے فضائل میں ہوتا ہے۔ یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ ذیل میں اس کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

❁ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بڑے مالدار اور صلہ رحمی کرنے والے انسان تھے۔ [2] آپ ہر ممکن طریقے سے اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی فرماتے۔ بدقماش قسم کے لوگ آپ سے حسد کرتے اور کہتے کہ وہ بیت المال سے اپنے عزیزوں کو نوازتے ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ”لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان سے محبت کرتا ہوں اور انھیں عطیات دیتا ہوں۔ سن لو! جہاں تک محبت کا تعلق ہے تو میں یہ کام کر کے کسی ظلم کا ارتکاب نہیں کرتا بلکہ میں ان پر ذمہ داریاں بھی ڈالتا ہوں۔ جہاں

[1] الحضارة العربية الإسلامية للدكتور واضح الصمد، ص: 114. [2] تاريخ الطبري: 356/5.

تک عطیات کا تعلق ہے تو وہ میں اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں۔ مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی اور کے لیے بلکہ میں تو رسول اکرم ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور سے اپنے ہی ذاتی مال سے رعایا پر خرچ کرتا چلا آرہا ہوں، حالانکہ اس وقت مجھے مال کی زیادہ طلب تھی۔ اب جبکہ میرے گھر والے بھی عمر گزار چکے، میں بھی بوڑھا اور مال سے بے رغبت بھی ہو چکا ہوں تو ملحد تہمت لگاتے ہیں کہ میں مسلمانوں کے مال میں خیانت کرتا ہوں۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا مال بنو امیہ میں تقسیم کر دیا تھا اور اپنی اولاد کو بھی عام لوگوں کے برابر حصہ دیا تھا۔ آپ نے بنو ابی العاص سے تقسیم شروع کی اور آل حکم کے ہر مرد کو دس ہزار درہم دیے۔ اس طرح صرف انھی کو ایک لاکھ درہم دیے۔ اتنی ہی رقم بنو عثمان میں تقسیم کی، آپ نے بنو العاص، بنو العیص اور بنو حرب میں بھی اپنا مال تقسیم کیا۔[1]

یہ نصوص اور اس طرح کی دیگر نصوص اور آپ کے فضائل میں وارد احادیث نبویہ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہیں کہ آپ کے اسراف اور رشتہ داروں کو نوازنے کے واقعات الزامات کے سوا کچھ نہیں۔ یہ محض جھوٹی حکایات کا پلندہ ہیں۔ آپ کی براءت کے باوجود بعض علماء کا موقف یہ بھی ہے کہ خمس سے رشتہ داروں کے حق سے مراد خلیفہ کے رشتہ داروں کا حق ہے۔[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بعض فقہاء، جیسے حسن بصری اور ابوثور وغیرہ کا موقف یہ بھی ہے کہ خمس میں ذی القربیٰ کے حصے سے مراد خلیفہ اور امام کے قرابت داروں کا حصہ ہے اور نبی ﷺ جو اپنے رشتہ داروں کو دیتے تھے، وہ بحیثیت سربراہ دیتے تھے، لہٰذا ''ذی القربیٰ'' والا حصہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں آپ کے اقرباء کے لیے تھا اور آپ کی وفات کے بعد جو بھی مسلمانوں کا خلیفہ ہے، یہ حصہ اس کے لیے خاص ہے۔ اس

(1) تاریخ الطبري: 356/5. (2) فصل الخطاب في مواقف الأصحاب لمحمد صالح الغرسي، ص: 83.

کی وجہ یہ ہے کہ خلیفہ کی نصرت و تائید کرنا نہایت ضروری ہے اور جو دفاع اور مدد رشتے دار کرتے ہیں وہ عام لوگ نہیں کرتے۔ مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد جو بھی مسلمانوں کا والی بنا ہے وہ اپنے بعض اقارب کو ولایت یا مال کے معاملے میں خاص درجہ دیتا تھا۔[1]

نیز فرماتے ہیں: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تین طرح سے مال میں تصرف کرنے کے مجاز تھے:

① آپ مال کے نگران اور عامل تھے اور سربراہ مالدار ہونے کے باوجود مال میں تصرف کرنے کا حق رکھتا ہے۔

② خمس میں ذی القربیٰ سے مراد خلیفہ کے اقرباء ہیں۔

③ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان بہت بڑا تھا، سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے برعکس ان کے خاندان کے افراد بہت زیادہ تھے، اس لیے انھیں عزیز و اقارب کو عطیات دینے اور انھیں ملکی معاملات میں شامل کرنے کی زیادہ ضرورت تھی۔ انھی وجوہ کی بنا پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے عزیز و اقارب سے حسنِ سلوک کرتے تھے۔[2]

※ تاریخ طبری میں ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو مصر سے نکل کر تونس پر حملہ کرنے کا حکم دیا تو فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو افریقیہ میں فتح دی تو مال غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ بطور انعام آپ ہی کا ہوگا۔'' سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ لشکر لے کر نکلے، مصر کی زمین کو عبور کرتے ہوئے افریقیہ پہنچے اور اسے فتح کر لیا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت فوجیوں میں تقسیم کر دیا اور خمس کا پانچواں حصہ خود رکھ کر چار حصے ابن وثیمہ نضری کے ہاتھ مدینہ روانہ کر دیے۔ ابن وثیمہ کے ساتھ آنے والے وفد نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے خمس کا پانچواں حصہ لینے پر اعتراض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے خود ہی انھیں بطور انعام دیا ہے۔ اگر تم اسے ناپسند

① منهاج السنة لابن تيمية: 3/188,187. ② منهاج السنة لابن تيمية: 3/237.

کرتے ہو تو میں واپس لے لیتا ہوں۔ انھوں نے کہا: ہم رضا مند نہیں ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مال واپس کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے لوٹا دیا۔[1] دورانِ جہاد اہل ثروت اور مصیبت زدہ لوگوں کو ان کے حصے سے زیادہ دینا سنت سے ثابت ہے۔[2]

❁ افریقیہ کی فتح سے حاصل ہونے والا کچھ خمس اور مویشی سفر کی مشکلات کے پیش نظر مدینہ نہ لائے جا سکے تو انھیں مروان بن حکم نے ایک لاکھ درہم میں خرید لیا اور بیشتر رقم نقد ادا کر دی۔ فتح کی بشارت لے کر وہ سب سے پہلے مدینہ پہنچا۔ آپ نے بشارت لانے اور مشقت برداشت کرنے پر اسے باقی ماندہ رقم معاف کر دی۔ یاد رہے جن دنوں مروان فتح کی بشارت لے کر وہاں پہنچا تھا مسلمان افریقہ میں موجود مسلمانوں کے نقصان سے خائف و مضطرب تھے۔ ایسے حالات میں خوشخبری لانے والے کو خلیفۂ وقت اگر مناسب انعام دے دے تو کوئی بڑی بات نہیں۔ بس اتنا مال مروان کو دینا ثابت ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے افریقیہ کا سارا خمس مروان کو دے دیا تھا تو یہ بات سفید جھوٹ ہے۔[3]

اس میں شک نہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے عزیز و اقارب سے بڑی محبت تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ ان کی خاطر آپ کسی مالی بددیانتی یا حرام کا ارتکاب کرتے۔ ایسا کرنے سے تو ایک عام مسلمان بھی بچتا ہے، حضرت عثمان جیسے محبوب صحابی رسول کے بارے میں تو ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ درحقیقت یہ آپ کے مخالفین سبائیوں، شیعوں اور رافضیوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں جو کتب تاریخ میں نہایت ہوشیاری سے سمو دی گئیں۔ رشتہ داروں کے ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا حسن سلوک بجائے خود اسلام کے نہایت خوبصورت پہلو کی عکاسی کرتا ہے اور اللہ کے اس فرمان کا مصداق ہے:

[1] تاريخ الطبري: 253/5. [2] فصل الخطاب في مواقف الأصحاب لمحمد صالح الغرسي، ص: 84. [3] فصل الخطاب في مواقف الأصحاب لمحمد صالح الغرسي، ص: 84.

﴿ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾

''یہی (فضل) ہے جس کی اللہ اپنے ان بندوں کو بشارت دیتا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: میں تم سے اس (تبلیغِ رسالت) پر کسی صلے کا سوال نہیں کرتا، مگر قرابت داری کی محبت (ضرور چاہتا ہوں۔) اور جو شخص کوئی نیکی کماتا ہے تو ہم اس کے لیے اس میں بھلائی بڑھا دیتے ہیں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت قدردان ہے۔''[1]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾

''اور قرابت دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور فضول خرچی سے مال نہ اڑا۔''[2]

اسی طرح یہ بات رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی کا ایک پہلو بھی نمایاں کرتی ہے کیونکہ آپ رسول اکرم ﷺ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے اور تنقید کرنے والوں سے کئی گنا بڑھ کر آپ رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے واقف تھے اور اکثر لوگوں سے کہیں زیادہ دین کی سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ آپ نے رسول اکرم ﷺ کو رشتہ داروں سے محبت اور حسن سلوک کرتے دیکھا جو ان کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ نبی ﷺ کے پاس جب بحرین سے مال آیا تو آپ نے اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ مال مرحمت فرمایا تھا۔[3]

آپ ﷺ نے اپنے چچازاد اور داماد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے شدید محبت کا اظہار کرتے ہوئے انھیں اپنا مولیٰ قرار دیا، لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور تمام مسلمانوں کے لیے رسول

[1] الشورىٰ 42:23. [2] بني إسرآئيل 17:26. [3] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب ما أقطع النبي ﷺ من البحرين، حديث: 3165.

اکرم ﷺ کی سیرت بہترین نمونہ ہے۔ [1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت کریمانہ اخلاق کے مالک تھے۔ بہت زیادہ حیادار، مالدار اور فیاض تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اپنے عزیز و اقارب کو دنیا کے فانی مال سے نواز کر ان کی تالیف قلبی کرتے تھے کہ شاید ان کے حسن سلوک سے وہ اخروی زندگی کو دنیاوی زندگی پر ترجیح دیں۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا طریقۂ کار تھا کہ کئی لوگوں کو عطا فرماتے اور کئی لوگوں کو ان کے ایمان کے سپرد کرتے ہوئے کچھ نہ دیتے کیونکہ وہ ایمان میں مضبوط ہوتے تھے۔

نبی ﷺ کو بھی اس خوبی کی بنا پر بعض لوگوں نے تنقید کا موضوع بنایا جیسا کہ خوارج نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس ترجیحی عمل کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ [2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جعرانہ کے مقام پر تھے۔ آپ مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ ایک آدمی نے رسول اکرم ﷺ سے کہا: ''عدل کیجیے!'' آپ ﷺ نے فرمایا: «لَقَدْ شَقِيتُ إِنْ لَّمْ أَعْدِلْ»

''اگر میں بھی انصاف سے کام نہ لوں تو یہ میرے لیے بہت بڑی محرومی ہے!'' [3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں اور عزیز و اقارب کی محبت کے بارے میں اہل شوریٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''میں تمھیں اپنے متعلق اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ یاد رکھو! مجھ سے پہلے دونوں ساتھیوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) نے اپنے اور اپنے عزیز و اقارب کے حق میں (کچھ نہ لے کر) ناانصافی کی ہے۔ اس سے یقیناً ان کا مقصد ثواب کی امید تھی۔ رسول اکرم ﷺ اپنے قرابت داروں کو دیتے تھے۔ میں ایک ضرورت مند اور کم وسائل والے معاشرے میں رہتا ہوں، لہٰذا میں نے خرچ کرنے میں

[1] البداية والنهاية: 201/7. [2] البداية والنهاية: 201/7. [3] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ومن الدليل على أنّ الخمس لنوائب المسلمين، حديث: 3138.

فراخ دلی سے کام لیا ہے۔ اگر تمھیں میرے اس عمل پر کوئی اعتراض ہو تو مجھے ایسا کرنے سے منع کرو۔''[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اقرباء پروری کا الزام لگانے والوں کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''لوگوں کا یہ کہنا کہ ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بیت المال سے اپنے رشتہ داروں کو نوازتے تھے حتی کہ آپ نے اپنے چار قریشی دامادوں کو چار لاکھ دینار دیے تھے اور مروان بن حکم کو دس لاکھ یا کئی ملین دینار دیے تھے'' بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ بات کسی بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔

ہاں! آپ رشتہ داروں اور غیر رشتہ داروں سبھی کو نوازتے تھے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے۔ جہاں تک مذکورہ بالا رقم کا تعلق ہے تو اس کے ثبوت کے لیے صحیح دلیل کی ضرورت ہے (جو شیعہ کے امام غائب کی طرح تا قیامت ملنا ناممکن ہے۔)

دوسری بات یہ ہے کہ یہ ایک واضح جھوٹ ہے کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اور ان سے پہلے خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ نے کسی فرد کو اتنی بڑی رقم نہیں دی جو مذکورہ اعداد و شمار سے میل کھاتی ہو۔[2]

عدالتی نظام کے سلسلے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فقہی اجتہادات

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت خلفائے راشدین کے عہد کی ایک کڑی ہے۔ اس کی اہمیت عہد نبوی سے قریب ہونے کی وجہ سے مزید بڑھ جاتی ہے۔ خلفائے راشدین کا دورِ خلافت بالخصوص عدلیہ کا شعبہ عہد نبوی کے نظام عدل ہی کی ایک ترقی یافتہ صورت تھی جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتب کردہ نظام کی مکمل پیروی کی گئی، حتی کہ آپ کے فیصلوں کو لفظاً و معناً نافذ کیا گیا۔ عدالتی معاملات میں خلافت راشدہ کے دور کی اہمیت کا اندازہ دو بنیادی اصولوں سے کیا جا سکتا ہے:

[1] الطبقات لابن سعد: 190/3. [2] منهاج السنة لابن تيمية: 190/3.

① فیصلہ دینے کے معاملے میں رسول اکرم ﷺ سے منقول حکم کی حفاظت اور اس کے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے باقاعدہ نصوص کے مطابق فیصلوں کا التزام۔

② وسیع و عریض پھیلی ہوئی مملکت اسلامیہ کی بنیادوں کو مستحکم کرنے اور مختلف قسم کے پیش آنے والے نت نئے مسائل کے حل کے لیے عدلیہ کی نئی کمیٹیوں کی تشکیل۔[1]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق اور اپنی یگانۂ روزگار صلاحیتوں کے بل بوتے پر مملکت اسلامیہ کے شعبۂ عدلیہ کو بڑی ترقی دی اور اسے باضابطہ ایک جامع نظام بنا دیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کے تقرر، ان کی تنخواہوں، ان کی صلاحیتوں اور ذمہ داریوں کے تعیّن کے سلسلے میں فاروقی نظام عدل سے مکمل رہنمائی لی۔ اسی طرح قاضی کے استفادے کے لیے مصادر اور دلائل کے تعین میں بھی اُنھی کے مرتب کردہ اصولوں کو سامنے رکھا، پھر سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں ہونے والے فیصلوں سے جج حضرات نے بھرپور استفادہ کیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مسندِ خلافت سنبھالی تو اس وقت مدینہ منورہ میں قاضی کے عہدے پر یہ تین حضرات فائز تھے: سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا زید بن ثابت اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہم۔ بعض تبصرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی کسی فیصلے کا مکمل انحصار انھی بزرگوں پر نہیں کرتے تھے بلکہ خود بھی نگرانی فرماتے۔ جھگڑوں کا خود جائزہ لیتے اور پھر ان تین بزرگوں کے علاوہ بھی دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیتے۔ اگر وہ تصدیق کر دیتے تو پھر اسے نافذ کر دیتے اور اگر ان کی رائے مختلف ہوتی تو پھر آپ اس معاملے میں مزید غور وفکر کرتے یہاں تک کہ صحیح بات تک پہنچ جاتے، یعنی آپ نے ان تینوں حضرات کو قاضی کے باقاعدہ عہدے سے سبکدوش کر

[1] تاریخ القضاء في الإسلام للزحيلي، ص:84,83.

دیا اور ہر پیش آنے والے مسئلے میں ان سے اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیتے رہے۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا صحابہ کو عہدۂ قضا سے سبکدوش کرنا کسی صریح دلیل سے ثابت نہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ قاضیوں کو برقرار رکھا لیکن بہت سے بڑے اور اہم مسائل کو ان کے مشورے سے خود نمٹایا۔

اس اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس باب میں دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں۔

امام بیہقی اپنی سنن میں اور وکیع أخبار القضاۃ میں لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن سعید نے اپنے دادا کے حوالے سے بیان کیا کہ وہ کہتے تھے: ''میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں دیکھا کہ جب آپ کے پاس دو آدمی کوئی فیصلہ کرانے آتے تو آپ ان میں سے ایک کو کہتے: جاؤ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ اور دوسرے کو کہتے: تم سیدنا طلحہ بن عبیداللہ، سیدنا زبیر اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم کو بلا لاؤ۔ جب وہ تشریف لے آتے تو آپ تنازعہ کے فریقین سے فرماتے: ''اب بات کرو۔'' پھر ان صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے: ''تمھارا کیا خیال ہے۔'' وہ اپنی رائے کا اظہار فرماتے۔ اگر ان کی رائے آپ کی رائے کے موافق ہوتی تو اسے نافذ کر دیتے، ورنہ مزید غور و فکر کرتے۔ چنانچہ وہ (علی، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو مان کر چلے جاتے۔ انھیں اس بات کا علم ہی نہ ہوتا کہ قاضی کون ہے۔ مدینہ منورہ میں آپ کی شہادت تک اسی طرح فیصلے ہوتے رہے۔

تاریخ طبری میں جہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اقدامات کا ذکر ہے وہاں یہ بات بھی درج ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عہدۂ قضا پر برقرار رکھا۔ انھیں جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کی اجازت تھی۔ اس طرح دونوں طرح کی روایتوں میں تطبیق ممکن ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو متعارض دلیلوں کے درمیان تطبیق ممکن ہو تو پہلے جمع و تطبیق کے ذریعے دونوں پر عمل کیا جائے ورنہ ترجیح والا پہلو اختیار کیا جائے گا۔ اس مسئلے میں جمع کی

ایک صورت یہ ہے کہ آپ نے مدینہ کے قاضیوں کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھا۔ وہ خود آزادانہ فیصلے کرتے تھے لیکن بعض پیچیدہ معاملات آپ ان قاضیوں اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے خود حل فرماتے تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بسا اوقات مختلف صوبوں میں قاضیوں کا تقرر فرما دیتے تھے۔ آپ نے کعب بن سور رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ بسا اوقات آپ فیصلے کرنے کی ذمہ داری گورنر ہی کے سپرد کر دیتے تھے جیسا کہ آپ نے کعب بن سور رضی اللہ عنہ کو قاضی کے عہدے سے معزول کرنے کے بعد بصرہ کے گورنر کو لکھا کہ ملکی معاملات سنبھالنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تنازعات کے فیصلے کرنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح سیدنا یعلیٰ بن امیہ بیک وقت صنعاء کے گورنر اور قاضی تھے۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ بعض صوبوں کے گورنر ا[illegible] مرضی سے بھی قاضی منتخب کر لیتے تھے جو ان گورنروں کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔ اس سے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ آپ کی خلافت میں گورنر قاض[illegible] یادہ بااثر ہوتا تھا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مختلف شہروں کے حکام کی طرف ہدایت نامے اور خطوط لکھنا منقول ہے۔ اسی طرح سرحدوں پر تعینات کمانڈروں اور عوام الناس کے نام خطوط لکھنے کا ذکر بھی ملتا ہے لیکن قاضیوں کے نام خطوط کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوبوں کے گورنر ہی قاضی مقرر کرتے تھے یا یہ ذمہ داری وہ خود نبھاتے تھے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خطوط میں مختلف شہروں کے قاضیوں کے نام مراسلات کا ذکر کثرت سے ملتا ہے جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور قاضیوں کے درمیان خط کتابت کا ذکر شاذونادر ہے۔ [2]

① النظم الإسلامية لصبحي الصالح: 378/1. ② الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 92/2.

دارالقضاء

بعض کتب تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ آپ نے عدلیہ کے لیے ایک جگہ کا تعین کیا تھا جیسا کہ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ابوصالح کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے بھیجا تو میں ان کے پاس دارالقضاء پہنچا......۔ [1] اگر یہ بات درست ہے تو پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے عدلیہ کے لیے الگ عمارت بنائی۔ آپ سے پہلے دونوں خلفاء مسجد میں بیٹھ کر فیصلے کرتے تھے۔ [2]

خلافت عثمان کے مشہور قاضی

قاضی	شہر
❁ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ	مدینہ منورہ
❁ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ	دمشق
❁ سیدنا کعب بن سور ازدی رضی اللہ عنہ	بصرہ
❁ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (گورنر اور قاضی)	بصرہ
❁ سیدنا شریح رحمہ اللہ	کوفہ
❁ سیدنا یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ	یمن
❁ سیدنا ثمامہ رضی اللہ عنہ	صنعاء
❁ سیدنا عثمان بن قیس بن ابی العاص رحمہ اللہ	مصر [3]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی قاضی بننے سے معذرت: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ

[1] تاریخ دمشق:39/263-265. [2] أشهر مشاهير الإسلام للدكتور رفيق العظم:4/740. [3] عصر الخلافة الراشدة، ص:159,160.

بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کریں۔'' انھوں نے کہا: ''میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہیں کروں گا۔ نہ امامت کے فرائض انجام دوں گا، چاہے دو آدمی ہی کیوں نہ ہوں۔ کیا آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا:

«مَنْ عَاذَ بِاللّٰهِ فَقَدْ عَاذَ بِمَعَاذٍ؟» قَالَ عُثْمَانُ: بَلٰی. قَالَ: فَإِنِّي أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ تَسْتَعْمِلَنِي، فَأَعْفَاهُ، وَ قَالَ: لَا تُخْبِرْ بِهٰذَا أَحَدًا»

''جس نے اللہ کے نام کے ساتھ پناہ طلب کی تو اس نے ایسی ذات کے نام سے پناہ طلب کی جس کے نام سے پناہ دی جاتی ہے''۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیوں نہیں! (ضرور سنا ہے)۔'' انھوں نے فرمایا: ''پھر میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ آپ مجھے قاضی بنائیں۔'' یہ بات سُن کر آپ نے انھیں قاضی نہیں بنایا اور فرمایا: ''اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قصاص، حدود، تعزیرات، عبادات اور معاملات میں کئی فقہی احکام بطور ورثہ چھوڑے جن کا اسلامی فقہ پر نہایت گہرا اثر ہے۔ آپ کے بعض فتاویٰ جات اور فقہی استنباط درج ذیل ہیں:

قصاص، حدود اور تعزیرات کے سلسلے میں اجتہادات

قتل کا فیصلہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے سب سے پہلے قتل کا مقدمہ پیش ہوا۔ یہ عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مقدمہ تھا۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کرنے والے ابولؤلؤ فیروز کی بیٹی کو قتل کر دیا، اسی طرح ایک جفینہ نامی نصرانی کو تلوار کے وار سے موت کے گھاٹ اتار دیا اور تستر کے حاکم ہرمزان کو بھی قتل کر دیا۔ ان دونوں کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ میں مشہور ہو گیا کہ ان دونوں نے ابولؤلؤ کو اُکسایا تھا کہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دے۔[2] واللہ اعلم

[1] مسند أحمد: 166/1. [2] البداية والنهاية: 154/7.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابھی زندہ ہی تھے کہ عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے قتل کی یہ وارداتیں کر ڈالیں تھیں۔ قتل کا یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے سامنے پیش کیا گیا۔ انھوں نے عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو فوراً قید کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: بعد میں جو خلیفہ بھی آئے اس مقدمے کا فیصلہ وہی کرے گا۔

خلافت کا بوجھ اٹھاتے ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے سب سے پہلے سیدنا عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کا مقدمہ پیش ہوا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ انھیں بطور قصاص قتل کرنا ہی عدل ہے۔ بعض مہاجرین کی رائے تھی کہ کل ان کے والد محترم شہید کر دیے گئے اور آج انھیں قتل کر دیا جائے، یہ مناسب نہیں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا: امیر المؤمنین! یہ آپ کے دور خلافت کا واقعہ نہیں ہے، لہٰذا آپ اسے چھوڑ دیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اور مقتولین کا خون بہا اپنے ذاتی مال سے ادا کر دیا، اس لیے کہ آپ ہی ان کے مدعی تھے اور ان کا وارث بیت المال ہی تھا، لہٰذا آپ نے اسی میں بہتری محسوس کی کہ سیدنا عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو رہا کر دیا جائے اور خون بہا بیت المال میں جمع کرا دیا جائے۔ یقیناً امام کو مصلحت کے پیشِ نظر ایسا کرنے کا اختیار ہے۔[1]

طبری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرمزان کے بیٹے قماذبان نے سیدنا عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا تھا۔ ابو منصور کا بیان ہے کہ میں نے قماذبان ہی سے اس کے باپ کے قتل کا واقعہ سنا، اس نے کہا: ''عجمی لوگ مدینہ منورہ میں ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے تھے۔ ایک روز فیروز میرے والد کے پاس سے گزرا۔ اس کے پاس دو دھاری خنجر تھا۔ میرے والد نے اس سے وہ خنجر لے کر دیکھا اور پوچھا: تو نے اسے اپنے پاس کیوں رکھا ہوا ہے؟ وہ بولا: ''میں اس سے دل بہلاتا ہوں۔'' میرے والد کے پاس اسے کسی آدمی نے دیکھ لیا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو اس آدمی نے کہا: میں نے اس شخص کو ہرمزان کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس نے اسے یہ خنجر دیا تھا۔ سیدنا عبید اللہ رضی اللہ عنہ

[1] البدایة والنهایة: 154/7.

نے غیظ وغضب سے بے قابو ہو کر اسے قتل کر دیا۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ انھوں نے مجھے بلایا۔ بدلہ لینے کی اجازت دی اور فرمایا: ''بیٹا! یہ تیرے باپ کا قاتل ہے، یقیناً تو ہم سے زیادہ مستحق ہے کہ بدلہ لے۔ اسے لے جا اور قتل کر دے۔'' میں اسے وہاں سے لے کر نکل پڑا۔ لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ وہ مجھ سے اسے معاف کرنے کی اپیل کر رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: ''کیا میں اسے قتل کرنے کا مجاز نہیں ہوں؟'' انھوں نے کہا: ''بے شک ہو'' پھر وہ عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ میں نے لوگوں سے کہا: ''کیا تم اس کی جان بچانے کی کوشش کرو گے؟'' انھوں نے کہا: ''نہیں۔'' پس میں نے اسے اللہ تعالیٰ کی خاطر اور لوگوں کے لیے چھوڑ دیا۔ ان لوگوں نے خوشی کے مارے مجھے کندھوں پر اُٹھالیا۔ پھر میں اپنے گھر تک لوگوں کے ہاتھوں اور کندھوں ہی پر رہا۔ [1]

مذکورہ بالا روایت اور اس روایت کے درمیان کوئی تعارض نہیں جس میں ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو معاف کیا تھا اور ہرمزان کے ورثاء کو اپنی جیب سے دیت ادا کی تھی۔ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ ہرمزان کے ورثاء کو قصاص کا حق حاصل ہے لیکن اس کے بیٹے نے ان کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے مذکورہ بالا طریقے سے معاف کر دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی معافی ان معنوں میں تھی کہ سیدنا عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے خود قتل کر کے گویا قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خلیفہ کے اختیارات کو استعمال کیا۔ جرم کی تحقیقات اور سزا کا نفاذ کسی عام فرد کا نہیں بلکہ خلیفۂ وقت کا اختیار ہے۔ اس طرح انھوں نے خلیفہ کی حق تلفی کی تھی۔ سیدنا عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قانون کی خلاف ورزی کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش کے اصل محرکات اور عوامل کا صحیح علم نہ ہو سکا کیونکہ جب متعلقہ افراد ہی قتل ہو گئے تو پھر صحیح طور پر اس کے محرکات کا سراغ لگانا دشوار ہو گیا۔ خلیفہ کی معافی کا دوسرا سبب یہ تھا کہ جفینہ اور مجوسی کی بیٹی کا کوئی وارث

[1] تاريخ الطبري: 243/5، إسناده لا يصح .

نہیں تھا۔ ان کا معاملہ خلیفہ کے ذمے تھا۔ تاریخی طور پر اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے وہی خنجر جس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، ہرمزان اور جفینہ کے ہاتھ میں دیکھا گیا تھا اور دیکھنے والے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہم تھے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولؤلؤ اور یہ دونوں سرگوشی کر رہے تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے اچانک وہاں آجانے سے ان کے ہاتھ سے خنجر گر گیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب خنجر دیکھا گیا تو یہ وہی تھا جس کے متعلق ان دونوں حضرات نے بتایا تھا کہ وہ خنجر اس طرح کا ہے۔[1]

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ ہرمزان اور جفینہ واقعی قتل کے مستحق تھے اور ابولؤلؤ کی بیٹی اس شبہ میں قتل کی گئی کہ وہ بھی اس سازش میں شریک تھی کیونکہ وہ اپنے باپ کا اسلحہ چھپا کر رکھتی تھی۔ قتل شبہ میں قصاص نہیں بلکہ دیت ہے، لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سیدنا عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو معاف کرنا اور اپنی طرف سے دیت ادا کرنا بالکل برحق تھا۔[2]

چوروں کا قتل: سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی گورنری کے زمانے میں کوفہ کے کچھ نوجوانوں نے حیسمان خزاعی کے گھر میں نقب لگائی۔ وہ ان سے چوکنا ہو گیا اور تلوار لے کر ان کی طرف بڑھا لیکن جب اس نے دیکھا کہ ان کی تعداد زیادہ ہے تو وہ زور سے چلایا۔ انھوں نے کہا: خاموش ہو جا! ورنہ ہم تجھے موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ ابوشریح خزاعی انھیں دیکھ رہا تھا۔ حیسمان نے انھیں للکارا۔ انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ لوگ اکٹھے ہو گئے اور انھیں پکڑ لیا۔ ان میں زہیر بن جندب ازدی، مورّع بن ابی مورع اسدی، شبیل بن ابی ازدی اور دیگر چند لوگ شامل تھے۔ ابوشریح اور اس کے بیٹے نے گواہی دی کہ یہ لوگ

[1] الطبقات لابن سعد:3/350-355. [2] الخلافة والخلفاء الراشدون للمستشار البهنساوي، ص:219,218.

حیسمان کے گھر داخل ہوئے ہیں۔ انھوں نے ڈاکا ڈالا ہے اور حیسمان کو قتل کیا ہے۔ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس معاملے کی تفصیل لکھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دی اور اُن سے ان قاتلوں اور چوروں کے بارے میں فیصلہ طلب کیا۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ ان سب کو قتل کر دو، چنانچہ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ نے انھیں رحبہ قلعے کے دروازے پر قتل کر دیا۔ عمر بن عاصم تمیمی نے اس بارے میں درج ذیل اشعار کہے:

لَا تَأْكُلُوا أَبَدًا جِيرَانَكُمْ سَرَفًا ... أَهْلَ الزَّعَارَةِ فِي مُلْكِ ابْنِ عَفَّانَ

''اے بدمعاش اور کمینے لوگو! ابن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں حد سے تجاوز نہ کرنا۔ اپنے پڑوسیوں کا حق ہرگز نہ کھانا (ورنہ تمھارا بھی یہی حشر ہوگا جو ان نقب زنوں کا ہوا ہے۔)''

اسی کے مزید اشعار ہیں:

إِنَّ ابْنَ عَفَّانَ الَّذِي جَرَّبْتُمْ ... فَطَمَ اللُّصُوصَ بِمُحْكَمِ الْفُرْقَانِ

مَازَالَ يَعْمَلُ بِالْكِتَابِ مُهَيْمِنًا ... فِي كُلِّ عُنُقٍ مِّنْهُمْ وَبَنَانِ

''ابن عفان رضی اللہ عنہ وہی ہیں جن کا تم تجربہ کر چکے ہو۔ انھوں نے قرآن کے محکم فیصلوں کے مطابق چوروں کو قتل کیا۔ وہ ہمیشہ کتاب پر عمل پیرا رہے، اس حال میں کہ انھیں ہر خاص و عام پر مکمل غلبہ حاصل تھا۔''[1]

تاجر کے قتل کا فیصلہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک آدمی نے ایک تاجر کو اس کے مال کی خاطر قتل کر دیا۔ آپ نے اُسے بطور قصاص قتل کرایا۔[2]

جادوگر کو سزا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا پر جادو کر دیا۔ اس نے اس اقدام کا اعتراف بھی کیا۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے عبدالرحمٰن بن زید کو حکم دیا کہ اسے قتل کر دو۔ انھوں نے اسے قتل کر دیا۔

[1] تاريخ الطبري: 272/5. [2] عصر الخلافة الراشدة للعمري، ص: 153.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس معاملے کا علم ہوا تو اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''آپ ام المؤمنین پر ایسی عورت کو قتل کرانے پر جس نے جادو کر کے اعتراف بھی کیا، ناگواری کا اظہار کیوں کرتے ہیں؟'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جادوگر کی سزا کو قانونی طور پر جائز سمجھا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا پر صرف اس لیے اعتراض کیا کہ حدود قائم کرنا خلیفہ کا حق ہے، ام المؤمنین کو یہ حق استعمال نہیں کرنا چاہیے تھا، لازم تھا کہ خلیفہ کو مطلع فرماتیں، پھر وہ اسے قتل کراتے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا گفتگو سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے قتل میں شرعی طور پر کوئی رکاوٹ نہیں جو جادو کرے چاہے وہ مرد ہو یا عورت پھر وہ خود اعتراف بھی کرے یا اس کا جادو کرنا ثابت ہو جائے۔[1]

اندھے کی زیادتی کا عدمِ اعتبار: نابینا شخص کا رہنما اس کے لیے آلے کی حیثیت رکھتا ہے جس کے حکم سے وہ حرکت کرتا ہے۔ وہ اپنے ہم نشینوں سے غافل ہوتا ہے۔ کبھی وہ چلتا یا حرکت کرتا ہے تو ہلاک ہو جاتا ہے یا اپنے آپ کو نقصان پہنچا لیتا ہے، اس لیے اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی شخص کو نقصان پہنچائے گا کیونکہ وہ دیکھ نہیں سکتا، لہٰذا نابینا اگر اپنے رہنما یا ساتھ بیٹھنے والے پر بلا ارادہ کوئی زیادتی کر بیٹھے تو اس سے بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو شخص کسی نابینا کے ساتھ بیٹھا اور اس سے اسے کوئی نقصان پہنچ گیا تو وہ رائیگاں جائے گا، اس کا قصاص نہیں ہو گا۔''[2]

باہم لڑنے والوں کا ایک دوسرے پر ظلم: بسا اوقات کچھ لوگوں کے درمیان جھگڑا ہوتا ہے۔ وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں۔ اس صورت میں جس نے جتنا ظلم کیا اس سے اتنا ہی بدلہ لیا جائے گا کیونکہ اس نے جان بوجھ کر ظلم کیا ہے اور دونوں فریق ایک دوسرے کو

[1] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور قلعجي، ص: 170,169. [2] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور قلعجي، ص: 170,169.

نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ایسی صورت کے متعلق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''دو باہم لڑنے والوں کے زخموں کا ایک دوسرے سے قصاص ہوگا۔''[1]

جانور پر زیادتی کی سزا: اگر کوئی شخص جانور پر ظلم کرے تو اسے مالی جرمانہ ہوگا اور جتنا نقصان ہوا ہے اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ سیدنا عقبہ بن عامر کا بیان ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شخص نے کسی کے نہایت اعلیٰ شکاری کتے کو مار ڈالا۔ اس کی قیمت آٹھ سو درہم پڑی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے قیمت ادا کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح ایک اور آدمی کو بھی کتے کو مارنے کی وجہ سے بیس اونٹ دینے کا حکم دیا گیا۔[2]

حملہ آور پر زیادتی کا معاملہ: اگر کوئی شخص کسی کے مال، جان یا عزت پر حملہ کرتا ہے اور وہ شخص اپنا دفاع کرتے ہوئے حملہ آور کو قتل کر دیتا ہے تو حملہ آور کا خون رائیگاں جائے گا۔ ابن حزم نے المحلیٰ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ (زبردستی) غلط کاری کرتے دیکھا تو اُس نے اس بدکار کو قتل کر دیا۔ معاملہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔[3]

مرتد کی توبہ اور سزا: مرتد پر حد نافذ کرنے سے پہلے اسے توبہ کرنے کی ہدایت کی جائے، اگر اس کے باوجود بھی وہ کفر پر مصر رہے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے چند مرتدوں کو اس حالت میں گرفتار کیا کہ وہ مسیلمہ کذّاب کی دعوت کو دوبارہ پھیلا رہے تھے۔ انھوں نے ان کے بارے میں امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ انھوں نے جواب میں لکھا: ''ان پر دین حق، یعنی اسلام پیش کرو اور کلمۂ توحید کے اقرار اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر ایمان لانے کا مطالبہ کرو۔ جو اس دعوت کو قبول کر کے مسیلمہ کذاب سے براءت کا اظہار کرے اسے چھوڑ دو

[1] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور قلعجي، ص: 100. [2] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور قلعجي، ص: 102. [3] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور قلعجي، ص: 103.

اور جو مسیلمہ کے دین پر کاربند رہے اسے قتل کر دو۔'' چنانچہ ان میں سے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا، ان سے درگزر کیا گیا اور جو مسیلمہ کے دین پر ڈٹے رہے، انھیں قتل کر دیا گیا۔[1]

میں نے قتل کیا ہے، کیا میری توبہ ہے؟

ایک شخص نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: امیر المؤمنین! میں نے قتل کیا ہے۔ کیا میرے لیے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ یہ سُن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سورۂ غافر کی درج ذیل ابتدائی آیات پڑھیں:

حمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٢﴾ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿٣﴾

''حٰمٓ، اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو نہایت غالب، خوب جاننے والا ہے، گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا (دینے) والا، بڑا فضل والا ہے، اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''[2]

پھر فرمایا: ''عمل کرو اور ناامید نہ ہو۔''[3]

قابل ذکر بات یہ ہے کہ حقوق العباد سے متعلقہ گناہوں پر توبہ کے لیے ضروری ہے کہ حقوق العباد ادا کیے جائیں یا معاف کرا لیے جائیں۔[4]

یہ بات معروف ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شراب پینے والے آزاد مرد اور عورت کو چالیس کوڑے لگواتے تھے۔ کیفیت یہ تھی کہ لوگ مل کر جوتے اور کپڑے کے پلوؤں سے اس کی پٹائی کر کے اسے ذلیل کرتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں بھی اسی طرح ہوتا رہا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی ایام خلافت میں بھی اسی پر عمل رہا لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ لوگوں نے کثرت سے شراب نوشی شروع کر دی ہے وہ اس

[1] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور قلعجي، ص: 150. [2] المؤمن 40:1-3. [3] السنن الكبرٰى للبيهقي: 17/8. [4] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور قلعجي، ص: 93.

سزا کو معمولی سمجھتے ہیں اور شراب پینے سے باز نہیں آتے تو انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے اس جرم کی سزا اسی کوڑے مقرر کر دی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے چالیس اور اسّی (80) دُروں کی سزا ثابت ہے۔ کبھی انھوں نے چالیس کوڑے لگوائے اور کبھی اسّی (80) لیکن ایسا محض اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہوئے نہیں کیا بلکہ مجرموں کی حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا۔ شراب کے عادی اور باز نہ آنے والے کو اسّی (80) اور جس نے پہلی بار غلطی سے پی لی اسے چالیس کوڑے لگوائے۔ گویا آپ نے پہلے چالیس کوڑے بطور حد لگوائے اور بعد والے چالیس کوڑے بطور تعزیر لگوائے۔[1]

اخیافی بھائی ولید بن عقبہ پر حد: حصین بن منذر کہتے ہیں کہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود تھا۔ اس دوران آپ کے اخیافی بھائی ولید بن عقبہ کو دربار میں پیش کیا گیا۔ دو آدمیوں نے (جن میں سے ایک حمران تھا) گواہی دی کہ اس نے شراب پی ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں نے اسے شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''پی ہوگی۔ تبھی تو قے کی ہے'' پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''علی! اٹھو۔ اسے کوڑے لگاؤ۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے کوڑے مارو۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''گرمی بھی وہی برداشت کرے جو ٹھنڈک سے لطف اندوز ہوا ہے'' یعنی جو خلافت کی لذت سے مستفید ہوتا ہے مشکلات بھی وہی برداشت کرے۔ گویا انھوں نے اس پر اظہار ناپسندیدگی کیا۔

اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ کوڑے مارو۔ انھوں نے کوڑے لگائے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ شمار کرتے رہے۔ جب چالیس ہو گئے تو فرمایا: رک جاؤ۔ پھر فرمایا: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے لگوائے۔ اتنے ہی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لگوائے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی (80) کوڑے مارے۔ یہ سب سنت ہیں۔ مجھے چالیس

[1] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 93.

زیادہ پسند ہیں۔'' ①

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے چالیس کوڑوں ہی کی حد نافذ کی تھی۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ خلیفہ حد نافذ کرنے میں کسی کو اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سزا دینے کا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نفاذ حق میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے جیسا کہ اپنے اخیافی بھائی کو کوڑے لگوانے سے معلوم ہوتا ہے۔ ② شرعی احکام کا نفاذ اسلام کے سپاہیوں کے پسندیدہ اعمال میں سے ہے۔ ③

بچے پر چوری کی حد کا عدمِ نفاذ: چوری کی حد اسی وقت نافذ ہوگی جب چور عاقل، بالغ، با اختیار اور چوری کی حرمت سے واقف ہو۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بچے کو لایا گیا۔ اُس نے چوری کی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''اس کے زیر ناف بال دیکھو۔'' دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ ابھی تک نابالغ ہے۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ حد نافذ نہیں کی۔ ④

سزا کے طور پر قید کرنا: سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے دور گورنری میں ضابی بن حارث برجمی نے ایک انصاری سے ''قرحان'' نامی کتا ہرن کے شکار کے لیے عاریتاً لیا۔ پھر اسے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ انصاریوں نے مل کر اس سے لڑائی کی، کتا چھین لیا اور اس کے مالک کے حوالے کر دیا۔ اس نے بدکلامی کرتے ہوئے ہجویہ اشعار کہے اور انصار کی پرزور مذمت کی۔

انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی ہجو کی شکایت کی۔ آپ نے اسے سزا دی اور قید کر دیا۔ وہ جیل میں بیمار ہو گیا اور وہیں مر گیا۔ ⑤

① شرح النووي على صحيح مسلم، الحدود:11/216. ② ولاية الشرطة في الإسلام للدكتور نمر الحميداني، ص: 105. ③ ولاية الشرطة في الإسلام للدكتور نمر الحميداني، ص: 104. ④ صحيح التوثيق للدكتور مجدي فتحي السيد، ص: 77. ⑤ تاريخ الطبري:5/420.

تعریضاً تہمت لگانے پر حد: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تعریضاً (اشارے کنائے سے) تہمت لگانے والوں پر بھی حد نافذ کرتے تھے۔ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: ''اے گندگی سونگھنے والی کے بیٹے۔'' یہ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ تیری ماں بدکار ہے۔ اس شخص نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ آپ نے گالی دینے والے کو بلایا۔ وہ کہنے لگا: میری مراد یہ نہ تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی خود ساختہ توجیہات پر دھیان نہیں دیا بلکہ حکم دیا کہ اسے حد قذف لگاؤ۔[1]

❁ **بدکاری کی سزا:** جب کسی شادی شدہ آزاد مرد یا عورت پر بدکاری کا ارتکاب ثابت ہو جائے تو اس کی سزا رجم ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک شادی شدہ خاتون نے بدکاری کا ارتکاب کیا۔ آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا لیکن رجم کرنے میں خود شریک نہیں ہوئے۔[2]

جلاوطنی کی سزا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ ابن حبکہ نہدی مداری، یعنی نظر باندھنے اور آنکھوں پر جادو کرنے کا کام کرتا ہے۔ آپ نے سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہ اس کی مکمل تحقیق کریں۔ اگر وہ اقبالِ جرم کر لے تو اسے سزا دیں۔ ولید رضی اللہ عنہ نے اسے بلا کر پوچھا تو اس نے کہا: ''یہ تو بس ایک کھیل تماشا ہے۔'' ولید رضی اللہ عنہ نے اسے سزا دی اور لوگوں کو اس کے نظر باندھنے والے ڈرامے سے آگاہ کیا اور انھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر سنایا۔ خط میں لکھا تھا: ''تمھیں بھلائی نصیب ہوئی ہے۔ سنجیدگی سے اس میں محنت کرو۔ مداریوں کے پیچھے نہ لگو۔'' لوگ حیرت زدہ تھے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی کیسے خبر ہوئی۔ لوگوں نے ابن حبکہ کو آڑے ہاتھوں لیا۔ وہ غصہ کرتے ہوئے وہاں سے چل دیا۔ ولید رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دے دی۔ پھر جب انھوں نے شام کی طرف قافلہ روانہ کیا تو اس میں کعب بن ذی الحبکہ اور مالک بن عبداللہ جو کہ اس کا ہم خیال تھا، کو بھی

[1] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 247. [2] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 164.

دنباوند (موجودہ دماوند) بھیج دیا۔ وہاں اس نے اشعار میں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی ہجو کی۔ ❶

❁ **سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے جنازے پر کنٹرول:** عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ جب سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا جنازہ، جنازہ گاہ میں لایا گیا تو لوگوں کی اس قدر کثرت تھی کہ جگہ تنگ پڑ گئی۔ بادلِ نخواستہ جنازہ بقیع میں رکھنا پڑا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے جنازے میں جس قدر لوگوں کی بھیڑ تھی میں نے اتنی تعداد کسی اور جنازے میں کبھی نہیں دیکھی۔ جنازے کے قریب جانا بھی ممکن نہ تھا۔

بنو ہاشم جنازہ اٹھائے ہوئے تھے۔ جب وہ لحد کے قریب پہنچے تو لوگوں کا اس قدر زبردست ہجوم ہوگیا کہ وہ بے بس ہو گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے الگ ہوکر رضا کاروں کو بھیجا۔ انھوں نے لوگوں کو پیچھے ہٹایا یہاں تک کہ صرف بنو ہاشم رہ گئے، پھر انھوں نے جنازے کو قبر میں اتارا اور دفن کیا۔ ❷

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی پولیس کی خاصی تعداد موجود تھی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے پولیس کا شعبہ قائم کیا۔ ❸

آپ نے مدینہ منورہ میں پولیس کا شعبہ جلیل القدر صحابی مہاجر بن قنفذ بن عمیر قرشی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ ❹

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پولیس کا خوب اہتمام کیا اور آپ کے عہدِ خلافت میں اس شعبے کو بڑی شہرت ملی۔ اسی طرح کوفہ میں سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ماتحت پولیس کے افسر سیدنا عبدالرحمٰن اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ شام میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی پولیس کے آفیسر نصیر بن عبدالرحمٰن تھے۔ ❺

❶ الطبقات لابن سعد: 32/4 ❷ تاريخ خليفة بن خياط، ص: 179 ❸ ولاية الشرطة في الإسلام للدكتور نمر الحميداني، ص: 105 ❹ ولاية الشرطة في الإسلام للدكتور نمر الحميداني، ص: 106.

سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے بعد سوائے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اور کوئی خلیفہ نہیں گزرا جو ہر قریبی اور دور والے، فقیر اور مالدار، خاندانی اور غیر خاندانی ہر کس و ناکس مجرم پر بلاامتیاز حد نافذ کرتا ہو اور سب کے حقوق ادا کرتا ہو۔ آپ کے فخر کے لیے اتنی بات ہی بہت کافی ہے کہ آپ کا دور، خلافت راشدہ میں شمار ہوتا ہے۔[1]

عبادات اور معاملات میں اجتہادات

٭ منیٰ اور عرفات میں پوری نماز: 29 ھ میں دورانِ حج سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں لوگوں کو چار رکعت نماز پڑھائی۔ ایک شخص سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ کہنے لگا کہ آپ کے بھائی، یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائی ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: ''کیا آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس مقام پر دو رکعتیں نہیں پڑھیں؟'' انھوں نے فرمایا: ''پڑھی ہیں۔'' سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا آپ نے سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اس مقام پر دو رکعتیں نہیں پڑھیں؟'' انھوں نے فرمایا: ''پڑھی ہیں۔'' سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''آپ خلافت کے شروع میں دو رکعتیں نہیں پڑھتے رہے؟'' فرمایا: ''ضرور پڑھتا رہا ہوں۔ لیکن ابومحمد! سنو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ یمن کے کچھ باشندے اور کچھ ناسمجھ دیہی لوگ گزشتہ سال ہماری نماز پر تبصرہ کر رہے تھے کہ مقیم کی نماز دو رکعتیں ہے، دیکھو! تمھارے خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ دو رکعتیں ہی ادا کرتے ہیں۔ میں نے مکہ میں گھر بنا لیا ہے اور لوگوں کے فتنے میں پڑنے کے خوف سے چار رکعت نماز شروع کر دی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں نے یہاں مکہ میں شادی کر لی ہے اور طائف میں میری جائیداد بھی ہے۔ خلافت کے ابتدائی دنوں کے برعکس مجھے اس کی دیکھ بھال کے لیے جانا پڑتا ہے اور میں وہاں قیام بھی کرتا ہوں۔''

[1] تحقیق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 409/1.

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ ایسا عذر نہیں جس کی بنا پر نماز مکمل پڑھی جائے۔ جہاں تک آپ کی اس بات کا تعلق ہے کہ میں نے یہاں شادی کر لی ہے تو آپ کی بیوی تو مدینہ میں ہوتی ہے۔ آپ جب چاہیں اسے لے کر جائیں اور جب چاہیں اسے لے کر آئیں۔ وہ تو آپ کے ساتھ ہی رہتی ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ طائف میں میری جائیداد ہے جس کی دیکھ بھال کے لیے مجھے وہاں قیام کرنا پڑتا ہے تو مکہ سے طائف تک تین راتوں کا فاصلہ ہے اور آپ اہل طائف میں سے نہیں ہیں۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ یمن وغیرہ کے مضافات سے آئے ہوئے لوگوں نے تبصرہ کیا تھا کہ مقیم کی نماز بھی دو رکعتیں ہے جیسا کہ امیر المؤمنین ادا کرتے ہیں تو یہ عذر اس لیے قبول نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وحی نازل ہوتی تھی اور اسلام بھی زیادہ نہیں پھیلا تھا، پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح ہوتا رہا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اسلام مضبوط ہو گیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آخری دم تک دو رکعتیں ہی پڑھائیں۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ میرا اجتہاد ہے۔''

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ وہاں سے نکلے تو ان کی ملاقات سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہوئی، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابو محمد! انھوں نے اپنے علم کے مطابق اجتہاد کیا اور چار رکعتیں پڑھانے لگے۔'' سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں، انھوں نے یہ ٹھیک نہیں کیا۔''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں کیا کروں؟'' سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ اپنے علم کے مطابق عمل کریں۔'' سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''اختلاف بُری بات ہے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ انھوں نے چار رکعتیں پڑھائی ہیں تو میں نے بھی اپنے ساتھیوں کو چار رکعتیں پڑھائی ہیں۔'' سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے تو اپنے ساتھیوں کو دو رکعتیں ہی پڑھائی ہیں۔ لیکن اب میں بھی آپ کی طرح عمل کروں گا، یعنی چار رکعتیں ہی پڑھاؤں گا۔''[1]

[1] تاریخ الطبري:5/268.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی منیٰ اور عرفات میں پوری نماز ادا کرنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ کمزور ایمان والے مسلمان کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ انھوں نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے سوال کا معقول جواب دیا۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے نقطۂ نظر سے آگاہ کیا تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کے اجتہاد کو قبول کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو پوری نماز پڑھائی۔ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود اور دیگر جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی مخالفت نہیں بلکہ اتباع کی کیونکہ آپ خلیفۂ راشد تھے جن کی متابعت اس وقت تک ضروری تھی جب تک وہ شریعتِ مطہرہ کی حدود میں رہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس اقدام میں نص شرعی کی ادنیٰ سی بھی مخالفت ہوتی تو جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کبھی ان کی پیروی نہ کرتے۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے تبادلۂ خیال کرتے ہوئے جس دلیل کو اپنے اجتہاد کی بنیاد بنایا وہ معقول تھی۔ اگر کوئی صاحبِ نظر وفکر دین اسلام کی حقیقت اور شریعت مطہرہ کی حکمتوں پر غور وفکر کرے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جو موقف اختیار کیا، حالات کے پیش نظر وہی مناسب موقف تھا، اس لیے کہ وقت کی رفتار کے ساتھ ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے دور میں نہیں تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ لوگ نماز کے بارے میں کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں، بالخصوص اکھڑ مزاج بدوی اپنے علاقوں میں جا کر اور وہ افراد جو دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے ہیں کسی کشمکش میں نہ پڑ جائیں۔ کیونکہ ان کے علاقوں میں تعلیم وتعلم کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا جس سے ان کی اصلاح ہو۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام صرف کمزور ایمان والے مسلمانوں میں امکانی خطرات کا سد باب کرنے کے لیے کیا اور اپنے آپ سے شبہ اس طرح دور کیا کہ مکہ میں انھوں نے شادی کی ہے اور طائف والی جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے انھیں کئی دفعہ حج کے بعد بھی مکہ ہی میں

[1] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 192.

رہنا پڑتا ہے، اس لیے ان کی حیثیت مقیم کی ہے، لہٰذا انھیں پوری نماز پڑھنی چاہیے۔ یہ آپ کے دقیق النظر اور دین اسلام کے حقائق اور حکمتوں سے بخوبی واقف ہونے کی واضح دلیل ہے۔ [1]

پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سفر میں بھی پوری نماز پڑھنے کے جواز کی قائل ہے جن میں سیدہ عائشہ، سیدنا عثمان، سیدنا سلمان اور دیگر چودہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ [2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سفر میں قصر نماز ادا کرنا ضروری خیال نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے جواز کے قائل تھے جیسا کہ فقہائے مدینہ، امام مالک اور امام شافعی وغیرہ کا موقف ہے، پھر یہ مسئلہ بھی اجتہادی ہے، اسی لیے علماء کا اس میں اختلاف ہے اور آپ کے اس عمل کفر یا فسق لازم نہیں آتا کہ اسے بنیاد بنا کر آپ پر طعن کیا جائے۔ [3]

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ اختلاف شر ہے۔ [4] یا یہ کہ میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں۔ [5] اس میں ہمارے لیے یہ رہنمائی موجود ہے کہ جن مسائل میں اجتہاد کی گنجائش ہے ان میں اختلاف کو طول نہیں دینا چاہیے۔ مسلمان کی شان یہی ہے کہ مختلف فیہ فروعی مسائل میں زیادہ نہ الجھے، [6] بالخصوص جن حالات سے امت مسلمہ اس وقت گزر رہی ہے، ہمیں اپنا قیمتی وقت اس قسم کے اختلافات کی نذر نہیں کرنا چاہیے بلکہ امت مسلمہ کو درپیش چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ [7]

جمعہ کی دوسری اذان کا اضافہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ»

[1] عثمان بن عفان رضي الله عنه لصادق عرجون، ص: 194. [2] كتاب الإمامة والرد على الرافضة للأصبهاني، ص: 312. [3] الرياض النضرة لمحب الطبري، ص: 566. [4] تاريخ الطبري: 268/5. [5] القواعد الفقهية للندوي، ص: 336. [6] فقه الأولويات لمحمد الوكيلي، ص: 169.
[7] الفكر الإسلامي بين المثالية والتطبيق لكامل الشريف، ص: 29.

"تم پر میری سنت اور میرے (بعد) خلفائے راشدین کے طریقے کی پیروی لازم ہے۔"[1]

جمعۃ المبارک کے لیے دوسری اذان کا اضافہ خلفائے راشدین کی سنت میں سے ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یقیناً خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ انھوں نے مدینہ منورہ کی آبادی بڑھ جانے پر لوگوں کو نماز جمعہ کے وقت سے آگاہ کرنے کے لیے اذان کا اضافہ مناسب سمجھا تاکہ لوگ جمعہ کے ثواب سے محروم نہ ہوں اور خطبہ شروع ہونے سے پہلے مسجد میں آ جائیں۔ انھوں نے اجتہاد کیا کہ ایک اذان کا اضافہ کر دیا جائے۔ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی موافقت کی۔ یوں یہ طریقہ اس وقت سے لے کر سیدنا علی، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما، بنوامیہ اور بنوعباس کے دور سے گزرتے ہوئے آج تک جاری ہے اور یہ بالاجماع سنت ہے۔[2]

پھر اس کی شرع میں اصل بھی موجود ہے، یعنی فجر کی پہلی اذان۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اذان پر قیاس کرتے ہوئے جمعہ کی ایک اذان زیادہ کر دی۔[3]

گویا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان اول کو بنیاد بنایا جو وقت سے پہلے، سوئے ہوئے افراد کو جگانے کے لیے، بیدار لوگوں کو مستعد کرنے کے لیے اور روزہ رکھنے والوں کو سحری کی اطلاع دینے کے لیے دی جاتی ہے، گویا اس طرح اس معاملے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی پیروی کی ہے۔

اہل علم کا اختلاف ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی اذان وقت شروع ہونے سے پہلے کہلوائی جس طرح فجر کی پہلی اذان ہوتی ہے یا جمعہ کا وقت شروع ہو جانے کے بعد کہلوائی؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ آپ نے جمعہ کے وقت سے آگاہ کرنے کے لیے اذان کہلوائی۔ فتح الباری میں لکھتے ہیں: "اور معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

[1] سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، حديث: 4607، و جامع الترمذي، العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة......، حديث: 2676. [2] حقبة من التاريخ لعثمان الخميس، ص: 88.
[3] حقبة من التاريخ لعثمان الخميس، ص: 89.

نے اذان اس لیے کہلوائی تھی کہ لوگوں کو آگاہ کریں کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے جیسا کہ دوسری نمازوں میں ہوتا ہے اور جمعہ کی خصوصیت برقرار رکھنے کے لیے خطیب کے سامنے اذان کہنے کا طریقہ بھی جاری رکھا۔ اس میں معنوی طور پر اصل سے استنباط ہے، اس لیے یہ ناجائز نہیں ہے۔ اور لوگوں نے جو مختلف شہروں میں جمعہ کے اعلانات اور نعتوں وغیرہ کا سلسلہ شروع کیا ہے اس خودساختہ طریقے سے سلف کی اتباع زیادہ بہتر ہے۔"[1]

جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ اذان وقت شروع ہونے سے پہلے کہلوائی تھی ان کا قول یہ ہے کہ اس اذان کا مقصد فجر کی پہلی اذان کی طرح یہ تھا کہ لوگوں کو آگاہ کیا جائے کہ جمعہ کا وقت ہونے والا ہے، لہٰذا تیاری کر کے جلدی سے مسجد میں آ جاؤ۔ اگر وقت شروع ہونے کے بعد اذان کہلوائی جائے تو یہ مقصد جمعہ کی نماز کچھ تاخیر کرنے ہی سے حاصل ہوگا۔ ایسا کرنا خلافِ سنت ہے۔ وقت سے پہلے اذان دینے ہی سے ان بدعات سے چھٹکارا ممکن ہے جو اعلانات اور نعتوں وغیرہ کی صورت میں رونما ہو چکی ہیں جن کی طرف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے اور صرف اس قول کے ساتھ رد کیا ہے کہ "سلف صالحین کی پیروی اولیٰ ہے۔"[2]

اسلام لانے کے بعد روزانہ غسل: اسلام قبول کرنے کے بعد روزانہ غسل کرنا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا معمول تھا۔[3]

ایک روز آپ نے جنابت کی حالت میں صبح کی نماز پڑھا دی اور حالت جنابت کا آپ کو علم نہ ہوا۔ صبح ہوئی، کپڑوں پر احتلام کے اثرات دیکھے تو فرمایا: "اللہ کی قسم! میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ مجھے احتلام کا بھی علم نہیں ہو سکا۔" پھر آپ نے نماز دہرائی اور آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے والوں نے اپنی نماز نہیں دہرائی۔[4]

[1] فتح الباري:4/345. [2] السنة والبدعة لعبداللّٰه باعلوي الحضرمي، ص:133,132. [3] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل، حديث:756، إسناده حسن. [4] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص:190 و192.

سجدۂ تلاوت: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہے بشرطیکہ وہ مکلّف ہو۔ اور جو اہتمام کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت سن رہا ہے اس پر بھی سجدہ کرنا واجب ہے لیکن جو شخص قصداً تلاوت نہ سنے بلکہ ویسے غیر ارادی طور پر سن لے تو اس پر سجدۂ تلاوت ضروری نہیں ہے۔ آپ ایک قصہ گو کے پاس سے گزرے۔ اس نے جان بوجھ کر آیت سجدہ تلاوت کی تاکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس کے ساتھ سجدہ کریں۔ آپ نے فرمایا: ''سجدہ اس پر ضروری ہے جو غور سے تلاوت سن رہا ہو۔ پھر آگے چلے گئے۔ سجدہ نہیں کیا۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''سجدہ اس پر لازم ہے جو تلاوت کے لیے بیٹھے۔'' [2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حائضہ اگر قرآن کی تلاوت غور سے سنے تو سجدے کی آیت پر صرف اشارے سے سجدہ کرے، نہ تو بالکل چھوڑے۔ نہ نماز کے سجدے کی طرح سجدہ کرے۔ [3]

شہروں اور مضافات میں نمازِ جمعہ: لیث بن سعد کہتے ہیں: ''ہر شہر اور بستی میں، جہاں نماز باجماعت ادا ہوتی تھی، نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے حکم سے شہروں اور مضافات والے نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ اور ان میں کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہوتے تھے۔'' [4]

خطبۂ جمعہ میں استراحت: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم خطبۂ جمعہ کھڑے ہو کر دیتے تھے۔ آخری عمر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑا ہونا دشوار ہو گیا۔ وہ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے اور پھر بیٹھ جاتے

[1] الخلافة الراشدة والدولة الأموية للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص:444. [2] موسوعة فقه عثمان بن عفان للدكتور قلعجي، ص: 168. [3] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 168. [4] فتح الباري:441/2.

تھے۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انھوں نے پہلا خطبہ بیٹھ کر اور دوسرا کھڑے ہو کر دیا۔[1]

رکوع سے پہلے قنوت: سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب سے پہلے جس نے قنوت رکوع سے قبل مستقل شروع کی وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ رکعت کو پالیں۔[2]

احکامِ حج کا سب سے زیادہ علم: محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لوگوں کی رائے یہ تھی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے زیادہ حج کے احکام کا علم رکھتے ہیں اور ان کے بعد سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔''[3]

میقات سے پہلے احرام باندھنے کی ممانعت: عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ نے جب خراسان فتح کیا تو کہا: ''یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت سے فتح ہوا، لہٰذا مجھے اس فتح پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ میں یہ شکر اس طرح ادا کروں گا کہ خراسان ہی سے احرام باندھ کر مکہ جاؤں گا۔'' چنانچہ اس نے اپنی نذر پوری کرنے کے لیے نیشاپور ہی سے احرام باندھ لیا۔ احنف بن قیس کو خراسان میں اپنا نائب مقرر کیا اور عمرہ کر کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ اس سال کی بات ہے جس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: ''تم نے نیشاپور سے احرام باندھ کر اپنے عمرے کا ثواب برباد کر دیا۔''[4]

عدت گزارنے والی عورت کا حج و عمرہ: یہ بات معروف ہے کہ عدت گزارنے والی خاتون گھر سے باہر رات نہ گزارے۔ اگر کسی سفر پر جانا چاہتی ہے تو عدت گزار کر جائے کیونکہ سفر کی وجہ سے اسے رات باہر گزارنی پڑے گی۔ حج میں بھی سفر لازمی ہے، اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ عدت گزارنے والی عورت پر اس وقت تک حج

[1] الخلافة الراشدة والدولة الأموية للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص: 444. [2] الخلافة الراشدة والدولة الأموية للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص: 444، وفتح الباري: 569/2. [3] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 112. [4] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 31/5، وموسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 17.

فرض نہیں جب تک کہ اس کی عدت پوری نہیں ہو جاتی، لہٰذا آپ ایسی عورت کو جحفہ اور ذوالحلیفہ ہی سے مدینہ واپس بھیج دیتے تھے۔ ①

حج تمتع کی ممانعت: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حج تمتع اور حج قِران سے منع کر دیا تاکہ لوگ افضل، یعنی حج افراد پر عمل کریں، ② اس لیے نہیں کہ آپ حج تمتع کو ناجائز سمجھتے تھے۔ یہ بات تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سمیت سب جانتے تھے کہ حج اِفراد، قِران اور تمتع میں سے کوئی بھی صورت اختیار کرنا جائز ہے لیکن آپ کے نزدیک حج اِفراد افضل تھا، اس لیے اس کی ترغیب دیتے تھے۔

مروان بن حکم سے مروی ہے کہ میں نے سیدنا علی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے ساتھ حج کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حج تمتع اور حج قِران سے منع کرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو حج اور عمرہ دونوں کے لیے تلبیہ کہا۔ حج قِران کیا اور فرمایا: ''میں کسی کی بات کے پیش نظر سنت نبوی کو نہیں چھوڑ سکتا۔'' ③ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطرہ تھا کہ لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ممانعت کو اس کی حرمت اور عدم جواز پر محمول نہ کر لیں۔ انھوں نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ حج قِران بھی سنت اور جائز ہے، حج اور عمرہ دونوں کا تلبیہ پکارا۔ دونوں حضرات مجتہد تھے۔ دونوں ہی عند اللہ ماجور ہوں گے۔ ④ ان شاء اللہ۔

مذکورہ بالا سلسلۂ گفتگو سے درج ذیل فوائد سامنے آتے ہیں: علماء اور حکام کا عوام کی تعلیم اور خیر خواہی کے لیے مناظرہ اور مباحثہ کرنا جائز ہے۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ علماء اور ذمہ دار ثقہ حضرات کو وسعت نظری کا مظاہرہ کرنا چاہیے، بالخصوص ان مسائل میں جن

① موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 112. ② کون سا حج افضل ہے؟ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ تفصیل کے لیے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ ③ صحيح البخاري، الحج، باب التمتع والقران والإفراد بالحج......، حديث: 1563. ④ شهيد الدار عثمان بن عفان رضي الله عنه لأحمد الخروف، ص: 86.

میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ کوئی مجتہد دوسرے مجتہد کو اپنی پیروی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل پر سکوت فرمایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی عمل کرنے یا بات کہنے سے پہلے انسان کو اس کا علم ہونا ضروری ہے۔[1]

دورانِ حج شکار کے گوشت سے احتراز: محرم کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی جانور یا پرندے کا شکار کر کے اس کا گوشت کھائے۔ اسی طرح وہ شکار کھانا بھی مُحرم کے لیے جائز نہیں جو کسی غیر مُحرم نے اس کے لیے کیا ہو۔[2]

عبدالرحمن بن حاطب کہتے ہیں کہ انھوں نے ایک قافلے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ عمرہ کیا۔ روحاء کے مقام پر پہنچے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو یعاقیب نامی پرندے کا گوشت پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: ''تم کھاؤ۔'' خود آپ نے کھانا پسند نہیں فرمایا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''کیا ہم وہ گوشت کھائیں جو آپ نہیں کھا رہے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''میں اس معاملے میں تمھاری طرح نہیں ہوں کیونکہ یہ میرے لیے شکار کیا گیا ہے اور میری ہی وجہ سے اسے ذبح کیا گیا ہے۔''[3]

اسی طرح ایک اور موقع پر بھی آپ نے احرام کی حالت میں شکار کا گوشت کھانے سے انکار کر دیا جیسا کہ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو گرمی کے ایک روز ''عرج'' کے مقام پر دیکھا، آپ محرم تھے۔ آپ نے ارغوانی رنگ کی ایک چادر سے اپنا چہرا ڈھانپ رکھا تھا۔ آپ کے پاس شکار کا گوشت لایا گیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''تم کھاؤ۔'' انھوں نے کہا: ''آپ نہیں کھائیں گے؟'' فرمایا: ''میرا معاملہ تم سے مختلف ہے کیونکہ یہ میری خاطر شکار کیا گیا ہے، اس لیے

[1] شهيد الدار عثمان بن عفان رضي الله عنه لأحمد الخروف، ص: 86. [2] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 20. [3] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 20.

میرے لیے جائز نہیں۔'' ①

باہم قرابت دار خواتین سے بیک وقت نکاح کی کراہت: خلال کا بیان ہے کہ اسحاق بن عبداللہ بن ابوطلحہ اپنے باپ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں: ''سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کینہ و عداوت کے خدشے کے پیش نظر باہم رشتے دار خواتین سے بیک وقت نکاح کرنا ناپسند کرتے تھے۔'' ②

رضاعت کے بارے میں فیصلہ: ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے شادی شدہ جوڑوں کے درمیان اس وقت علیحدگی کرا دی جب ایک سیاہ فام عورت نے کہا کہ انھیں میں نے دودھ پلایا ہے۔ ③

خلع میں اجتہاد: ربیع بنت معوذ کہتی ہیں کہ میرے اور میرے چچا زاد، جو میرے شوہر بھی تھے، کے درمیان تنازع پیدا ہو گیا۔ میں نے اس سے کہا: ''میں سب کچھ تمھیں دیتی ہوں، بس مجھے طلاق دے دو۔'' اس نے کہا: ''ٹھیک ہے۔ میں نے تجھے طلاق دی۔'' اور اللہ کی قسم! اس نے سب کچھ مجھ سے لے لیا حتی کہ میرا بستر بھی مجھ سے چھین لیا۔ ان دنوں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے۔ میں ان کی خدمت میں گئی اور اپنا مسئلہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: ''شرائط کی پاسداری ہی ضروری ہے۔'' اور میرے شوہر سے فرمایا: ''اس سے سب کچھ لے لو حتیٰ کہ اس کے بالوں کا کلپ بھی نہ چھوڑو۔'' ④

ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنے خاوند سے سب کچھ واپس کر دینے کی شرط پر خلع کا مطالبہ کیا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا۔ ⑤

خاوند کی وفات پر بیوی کا سوگ: خاوند کی وفات پر بیوی کا سوگ منانا ضروری ہے۔ سوگ کا مطلب یہ ہے کہ وہ زیب و زینت ترک کر دے اور خاوند کے گھر کے سوا

① السنن الکبرٰی للبیهقي: 191/5، وموسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ص:20. ② الخلافة الراشدة والدولة الأموية للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص:449. ③ فتح الباري: 18/5. ④ الطبقات لابن سعد: 448/8. ⑤ الخلافة الراشدة، والدولة الأموية للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص:449.

کہیں اور رات نہ گزارے الا یہ کہ شدید ضرورت درپیش ہو، اس کے لیے دن کے وقت کام کاج کی غرض سے باہر جانا جائز ہے لیکن شام تک واپس آنا ضروری ہے تاکہ رات اپنے گھر بسر کرے۔ ①

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن فُریعہ بنت مالک بن سنان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور اپنے خاوند کی وفات کے بارے میں بتایا کہ وہ اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں نکلا تھا۔ انھوں نے اسے ''قدوم'' کے قریب قتل کر دیا، نیز اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں جس مکان میں رہ رہی ہوں یہ بھی میرے خاوند کا ذاتی مکان نہیں ہے۔ زندگی کی گزر بسر کے لیے اس نے کوئی سرمایہ بھی نہیں چھوڑا۔ کیا میں ان حالات میں اپنے خاندان کے ہاں واپس جا سکتی ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں۔'' وہ کہتی ہیں کہ جب میں واپس جانے لگی اور ابھی میں آپ کے حجرے ہی میں تھی تو آپ نے مجھے بلایا یا کسی کو حکم دیا تو اس نے مجھے بلایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «كَيْفَ قُلْتِ؟» ''تم نے کیا سوال کیا تھا؟ دوبارہ بتاؤ۔'' میں نے آپ کو دوبارہ اپنی اور اپنے خاوند کی داستان سنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اُمْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهٗ» ''اپنے گھر میں رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔''

وہ کہتی ہیں: میں نے وہیں چار ماہ دس دن عدت گزاری۔ ان کا بیان ہے کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے مجھ سے اس واقعے کی تفصیل معلوم کی۔ میں نے انھیں بتایا تو انھوں نے اس کی اتباع کی اور اسی کے مطابق فیصلہ دیا۔ ②

اسی لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ عدت گزارنے والی عورت کو گھر سے باہر رات گزارنے سے منع کرتے تھے اور اس معاملے میں سختی سے کام لیتے تھے۔ ان کے زمانۂ خلافت میں ایک

① موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص:244. ② موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص:224، والموطأ للإمام مالك:591/2.

بیوہ دوران عدت اپنے رشتہ داروں سے ملنے گئی تو اسے دردِ زہ شروع ہو گیا۔ اس کے عزیز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مسئلہ دریافت کرنے آئے۔ آپ نے فرمایا: ''اسے اسی حالت میں اٹھا کر اس کے گھر لے جاؤ۔''①

حلالہ کی ممانعت: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ آپ سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، آپ نے آنے والے سے اس کی آمد کا مقصد پوچھا۔ اس نے کہا: ''امیر المومنین! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے ذرا جلدی ہے، اگر تم پسند کرو تو میرے پیچھے سوار ہو جاؤ اور اپنی ضرورت پوری ہونے تک میرے ساتھ رہو۔'' وہ آپ کے پیچھے سوار ہو گیا اور کہا: ''میرے ایک ہمسائے نے غصے میں آ کر اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور اب بہت پشیمان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مال اور جان کے ذریعے سے اس کی مدد کروں۔ اس کی بیوی سے نکاح کروں، پھر خلوت اختیار کر کے اسے طلاق دے دوں تاکہ اس کا پہلا شوہر دوبارہ اس سے نکاح کر سکے۔'' آپ نے فرمایا: ''اگر اسے مستقل بیوی بنانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ اس سے نکاح مت کرنا۔''②

نشے میں مدہوش شخص کی طلاق: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ نشے میں دھت شخص کی تمام تر گفتگو لغو شمار ہو گی۔ اس کی بیع، معاہدہ، فسخ اور اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا، اسی طرح اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہو گی، اس لیے کہ وہ جو کچھ بول رہا ہوتا ہے اس کا وہ مقصد نہیں ہوتا نہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منہ سے کیا نکال رہا ہے۔ جو کام غیر ارادی طور پر کیا جائے اسے لازم ٹھہرانا ٹھیک نہیں۔③

① موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 225. ② موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 81. ③ موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 53، والفتاوى لشيخ الإسلام ابن تيمية: 72/14.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجنون اور مدہوش کی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں۔ [1]

والد کا اپنے بیٹے کو ہبہ کرنا: باپ اپنے چھوٹے بیٹے یا بیٹی کو ہدیہ کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس ہدیے پر کسی کو گواہ ٹھہرائے۔ جب وہ گواہ مقرر کر لے گا تو یہ گواہی قبضے میں دینے کے قائم مقام ہوگی اور ہدیے کا باپ کے پاس رہنا صحیح ہوگا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے نابالغ بچے کو ہدیہ دے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کا اعلان کرے اور اس پر گواہ بنائے چاہے وہ ہدیہ اس (والد) کے پاس ہی رہے۔ [2]

اگر باپ اس پر گواہ مقرر نہیں کرتا، نہ ہبہ کی ہوئی چیز بچے کے سپرد کرتا ہے تو یہ ہبہ لازم نہیں ہوگا، یعنی اس پر ہدیے کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''ایسے لوگوں کا کیا کیا جائے کہ ان میں سے کوئی اپنے بچے کو ہبہ کرتا ہے اگر وہ بچہ فوت ہو جائے تو کہتا ہے کہ مال بھی میرا اور بچہ بھی میرا۔ اور اگر وہ خود مرنے لگے تو کہتا ہے کہ میں نے اسے ہبہ کیا۔ ہبہ وہی صحیح تسلیم کیا جائے گا، جو بچے کی ملکیت میں ہوگا ورنہ اسے وراثت شمار کیا جائے گا۔ [3]

کم عقل پر مالی تصرف کی پابندی: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بے وقوف آدمی پر اس کے اپنے مال میں بھی تصرف پر پابندی کے قائل تھے۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے ساٹھ ہزار دینار کی زمین خریدی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے دیکھا کہ زمین اتنی قیمتی نہیں اور عبداللہ کے ساتھ واضح دھوکا ہوا ہے بلکہ انھوں نے نہایت غیر مناسب اور غیر دانشمندانہ تصرف کیا ہے تو انھوں نے ارادہ کر لیا کہ یہ معاملہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھیں اور مطالبہ کریں کہ وہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی غیر دانشمندی کی وجہ سے ان پر اس امر کی پابندی لگا دیں کہ وہ کسی قسم کا مالی تصرف نہ کریں۔

[1] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور قلعجي، ص: 53، والفتاوٰى لشيخ الإسلام ابن تيمية: 61/33. [2] السنن الكبرٰى للبيهقي: 170/6، وموسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور قلعجي، ص: 288. [3] الفتاوٰى لشيخ الإسلام ابن تيمية: 154/31.

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما جلدی سے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جو کہ ایک ماہر تاجر تھے۔ ان سے کہا کہ میں نے اس طرح زمین خریدی ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ میرے مالی تصرف پر پابندی لگوانا چاہتے ہیں۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں اس زمین کی بیع میں آپ کا شریک ہوا۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا: ''میرے بھتیجے عبداللہ نے بنجر زمین ساٹھ ہزار دینار میں خرید لی جبکہ میں تو اس کے بدلے دو جوتے بھی دینے کا روادار نہیں، لہٰذا اسے مالی تصرف کی ممانعت کا حکم جاری فرمایئے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں اس سودے میں عبداللہ کا شریک ہوں۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''میں کسی آدمی کے مالی تصرف پر اس بیع کی وجہ سے کس طرح پابندی لگا سکتا ہوں جس میں زبیر بھی اس کے ساتھ شریک ہوں۔''[1]

یعنی ہم عبداللہ پر ایسے تصرف کی وجہ سے کیسے کم عقلی کا حکم لگا کر پابندی لگائیں جس تصرف میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوں کیونکہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اپنی مہارت کی وجہ سے کسی گھاٹے والی بیع میں شریک نہیں ہو سکتے۔[2]

مفلس پر مالی تصرف کی پابندی: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مفلس شخص پر اس کے مالی تصرف میں پابندی عائد کرنے کے بھی قائل تھے۔ جب مفلس پر مالی تصرف کی پابندی عائد ہو گی تو اس کا باقی ماندہ مال قرض خواہوں میں قرض کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا لیکن اگر کسی قرض خواہ کا مال یا سامان بعینہ موجود ہو گا تو اس کے لیے جائز ہو گا کہ وہ معاہدہ فسخ کر کے اپنا پورا مال واپس لے لے۔[3] وہ دوسرے قرض خواہوں کی نسبت اپنے مال کا زیادہ حق رکھتا ہے۔[4]

مال سٹاک کرنے کی ممانعت: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مال جمع کرنے اور مارکیٹ میں نہ

[1] السنن الکبرٰی للبیهقي: 661/6، وموسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدکتور قلعجي، ص: 119.
[2] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدکتور قلعجي، ص: 119. [3] السنن الکبرٰی للبیهقي: 46/6. [4] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدکتور قلعجي، ص: 119.

لانے سے منع کرتے تھے اور سٹاک سے روکتے تھے۔[1] اس سے ظاہر ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنے پیش رو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح مال سٹاک کرنے کی حرمت کے سلسلے میں غلہ اور دوسری اشیاء میں فرق نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ذخیرہ اندوزی کی عام ممانعت تھی۔ بالخصوص ان چیزوں میں جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احتکار کی مطلق حرمت وارد ہوئی ہے۔ اور بعض چیزوں میں مقید طور پر احتکار حرام ہے۔ جمہور کے نزدیک ان دونوں احادیث میں تعارض نہ ہونے کی وجہ سے (مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ) مطلق کی عمومیت برقرار رہے گی۔[2]

گمشدہ اونٹوں کا مسئلہ: امام مالک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے امام زہری رحمہ اللہ سے سنا: ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں گمشدہ اونٹ پھرتے رہتے تھے حتیٰ کہ اونٹنیاں بچے بھی دیتی تھیں۔ انھیں کوئی ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو لاوارث پھرنے والے اونٹوں، اونٹنیوں اور ان کے بچوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ آپ نے ان اونٹوں کی گم شدگی کا اعلان عام کرنے کا حکم دیا۔ یہ اعلان سال بھر تک مناسب وقفوں سے ہوتا رہتا تھا۔ ایک سال تک ان کے مالکان رجوع نہ کرتے تو یہ اونٹ بیت المال کے کھاتے میں جمع کر لیے جاتے تھے اور بعد ازاں بیچ دیے جاتے تھے۔ فروخت ہونے کے بعد اگر ان کے مالکان رجوع کرتے تو آپ کا حکم تھا کہ انھیں ان کے اونٹوں کی قیمت دے دی جائے۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحیحین کی درج ذیل حدیث کے پیشِ نظر گمشدہ اونٹوں کو بیچنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

سیدنا زید بن خالد جہنی بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے گری پڑی چیز کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

[1] الموطأ للإمام مالك: 651/2. [2] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور قلعجي، ص: 15.
[3] الموطأ للإمام مالك، ص: 649,648.

«اِعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَ إِلَّا شَأْنَكَ بِهَا، قَالَ: فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: هِيَ لَكَ، أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ، قَالَ: فَضَالَّةُ الْإِبِلِ؟ قَالَ: مَالَكَ، مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَ حِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَ تَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا»

''اس کے تھیلے اور تسمے کو اچھی طرح پہچان لو، پھر سال بھر اس کا اعلان کرو۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو ٹھیک ورنہ وہ استعمال کرو۔'' اس نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تمھاری ہے یا تمھارے بھائی کی یا پھر اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔'' یعنی اسے پکڑ لو تو بہتر ہے۔ اس نے کہا: ''اور گمشدہ اونٹ؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تجھے اس سے کیا سروکار ہے۔ اس کا مشکیزہ اور تلوے اس کے ساتھ ہیں۔ وہ اپنے مالک کے آنے تک خود ہی پانی پی لے گا اور درختوں سے چر چگ لے گا۔'' [1]

پروفیسر حجوی کا موقف یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اجتہاد مصالح مرسلہ پر مبنی ہے (مصالح مرسلہ سے مراد ہر وہ فائدہ مند چیز ہے جس کے بارے میں شریعت نے امت کو آزادی دی ہو) کیونکہ جب انھوں نے دیکھا کہ لوگ گمشدہ اونٹوں کو ہتھیا لیتے ہیں تو ایک چرواہا مقرر کر دیا جو گمشدہ اونٹوں کو جمع کرتا، پھر انھیں مصلحتِ عامہ کے تحت فروخت کر دیا جاتا۔ [2]

پروفیسر عبدالسلام سلیمانی پروفیسر حجوی کے اس موقف کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''پروفیسر حجوی کی بات کو مطلق قبول کرنا مشکل ہے کیونکہ مصالح مرسلہ کا تعلق ان مسائل سے ہے جن کا شارع سے اثبات ثابت ہو نہ انکار۔ گمشدہ اونٹوں کے بارے میں مذکورہ بالانص موجود ہے۔ یہ تو مصلحت معتبرہ ہے کیونکہ شارع کا حکم اس بارے میں نصاً موجود ہے، اس لیے اونٹوں کے بارے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو مصالح مرسلہ کہنا درست

[1] صحيح البخاري، اللقطة، باب إذا لم يوجد صاحب اللقطة بعد سنة......، حديث: 2429.
[2] الفكر الإسلامي لكامل الشريف: 245/1.

نہیں کیونکہ مصالح مرسلہ نص شرعی کے خلاف نہیں ہوتیں۔ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کی بنیاد عملی طور پر مصلحت عامہ پر تھی نہ کہ مصالح مرسلہ پر!۔ اس میں شک نہیں کہ اس مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش بہر حال تھی اور مرورِ زمانہ کے ساتھ گمشدہ اونٹوں کے مالکان کی مصلحت کی خاطر اس حکم میں کمی بیشی ممکن تھی کیونکہ ظاہری طور پر اس حکم میں علت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اونٹ محفوظ رہیں اور مالک ان تک پہنچ جائیں یا ان کی قیمت انھیں مل جائے۔ یہ دونوں صورتیں ایک مصلحت ہیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد بھی یقیناً اس مصلحت کو مؤثر بنانا تھا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد فاروقی تک کے زمانے میں اس طرح مال ضائع نہیں ہوتا تھا لیکن آہستہ آہستہ جب لوگوں کے اخلاق بگڑ گئے تو وہ گمشدہ اونٹوں کو ہتھیانے لگے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ راستہ بند کرنے کے لیے یہ اقدام کیا۔ یقیناً یہ صحیح اجتہاد تھا۔''[1]

مرض الموت میں طلاق دینے والے شخص کی بیوی کی وراثت کا حکم: سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیماری کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی عدت گزر جانے کے بعد اسے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی وراثت میں سے حصہ دیا۔ کہتے ہیں کہ قاضی شریح نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ایک آدمی نے مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ اب اس کی میراث کا کیا حکم ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر دوران عدت خاوند فوت ہوگیا ہے تو اسے میراث ملے گی۔ اگر اس کی عدت ختم ہو چکی ہے تو وہ میراث کی حقدار نہیں۔'' دونوں خلفاء اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے دے تو اس کی بیوی وارث ہوگی۔

خاوند کب تک فوت ہو تو بیوی وارث ہوگی؟ اس میں اختلاف ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک عورت کی عدت کے دوران اگر خاوند فوت ہو جائے تو وہ وارث ہوگی بصورت دیگر

[1] الاجتهاد في الفقه الإسلامي لعبد السلام السليماني، ص:143، 144.

نہیں جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کی کوئی میعاد مقرر نہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ مرض الموت میں طلاق یافتہ خاتون وارث ہو گی، چاہے خاوند عدت کے دوران فوت ہو یا بعد میں۔ اس مسئلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت موجود نہیں ہے، جس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ یہ حکم نافذ کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مرض کی حالت میں خاوند کے طلاق دینے کا مقصد محض طلاق نہیں ہوتا بلکہ دراصل وہ اسے وراثت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔[1]

عدت ختم ہونے تک عورت کی وراثت کا مسئلہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''عورت کی عدت کے دوران میاں بیوی میں سے کوئی فوت ہو جائے تو زندہ رہنے والا مرنے والے کا وارث ہو گا۔''[2]

حیض کے رک جانے کی وجہ سے عدت کے دورانیے کا طول اس پر اثر انداز نہیں ہو گا۔ حبان بن منقذ نے اپنی بیوی کو تندرستی کی حالت میں طلاق دے دی اس وقت وہ اس کی بیٹی کو دودھ پلا رہی تھی۔ طلاق کو سترہ ماہ گزر گئے لیکن اس خاتون کو دودھ پلانے کی وجہ سے حیض نہیں آیا۔ طلاق کے سترہ یا اٹھارہ ماہ بعد حبان بیمار ہو گیا۔ اسے کسی [illegible] یا کہ تیری بیوی بھی تیری وارث بنے گی۔ اس نے کہا: ''مجھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ [illegible]ں لے چلو۔'' اس کے عزیز اسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ اس [illegible]پ بیوی کا معاملہ پیش کیا۔ اس وقت وہاں سیدنا علی بن ابو طالب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ''آپ لوگوں کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے؟'' انھوں نے کہا: ''ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ فوت ہو گیا تو اس کی بیوی وراثت سے اپنا حق وصول کرے گی، اس لیے کہ اس کا حکم حیض سے مایوس عورتوں والا نہیں۔ نہ یہ ان عورتوں میں سے ہے جنھیں ابھی حیض شروع ہی نہ ہوا ہو کیونکہ ان دونوں قسم کی عورتوں کی طلاق کے

(1) تاريخ التشريع الإسلامي للخضري، ص: 118، ونشأة الفقه الاجتهادي لمحمد السايس، ص: 27، والاجتهاد في الفقه الإسلامي لعبد السلام السليماني ص: 142. (2) موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 28.

بعد عدت تین ماہ ہوتی ہے، اس لیے اس کی عدت کا اعتبار مہینے کے بجائے حیض پر ہے۔ اگر اس کے تین حیض آنے کے دوران میں یہ فوت ہو جاتے ہیں تو وہ وارث ہو گی۔'' چنانچہ حبان نے واپس آ کر اپنی بیٹی اس سے لے لی۔ دودھ چھڑانے کی وجہ سے اسے حیض آنا شروع ہو گیا۔ ابھی اسے دو بار حیض آیا تھا کہ حبان فوت ہو گیا۔ اس نے وفات کی عدت (چار ماہ اور دس دن) پوری کی اور اپنے خاوند حبان بن منقذ کے مال سے وراثت پائی۔ [1]

حمیل (پچھ لگ) کی وراثت کا بیان: جب کافروں کی کوئی عورت لونڈی بن کر آئے، اس کے ساتھ کوئی بچہ بھی ہو، اور اس کا دعویٰ ہو کہ یہ بچہ اس کا اپنا ہے تو (ایسے بچے کو عربی میں حمیل کہتے ہیں) عورت کو اس کے دعویٰ میں سچا نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ کوئی واضح ثبوت نہ مل جائے۔ وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سب نے اپنی اپنی رائے دی۔ بالآخر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم کسی کو بغیر دلیل کے اللہ کے مال کا وارث نہیں ٹھہرائیں گے۔'' پھر فرمایا: ''واضح ثبوت کے بغیر حمیل کو وارث قرار نہیں دیا جائے گا۔'' [2]

یہ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے چند ایک اجتہادات تھے جن کی وجہ سے عدلیہ کے بعض اُمور، بالخصوص قصاص، حدود، جرائم اور تعزیرات کے شعبوں پر نہایت نمایاں اثر پڑا۔ یہ فقہی مسائل کے ابواب میں بھی ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ اس سے آپ کی علمی وسعت، فقاہت، دانش مندی اور شریعت اسلامی کی مزاج شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ خلیفۂ راشد تھے۔ آپ کے اجتہادات سے امت تادیر استفادہ کرتی رہے گی، یوں دینِ اسلام کی خدمت کا یہ عظیم سلسلہ تا قیامت آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہو گا۔ ان شاء اللہ

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 419/7، وموسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه، ص: 29. [2] موسوعة فقه عثمان بن عفان رضي الله عنه للدكتور قلعجي، ص: 28.

باب

4

عہد عثمانی کی فتوحات

عہد عثمانی کی فتوحات (تمہیدی کلمات)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر دشمنان اسلام دلیر ہو گئے۔ خصوصاً ایرانی اور رومی اپنے اپنے ملک واپس لینے کی سوچنے لگے۔ ایران کا بادشاہ یزدگرد سمرقند کے دارالحکومت ''فرغانہ'' کے بارے میں، جس میں وہ رہتا تھا، منصوبہ بندی کرنے لگا۔ روم کے رؤساء شام چھوڑ کر بازنطینی دارالحکومت قسطنطنیہ منتقل ہو گئے تھے۔ انھوں نے بھی عہد عثمان میں اپنے مقبوضہ علاقے واپس لینے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ہی میں مصر میں رومیوں کے باقی ماندہ لشکر اسکندریہ میں قلعہ بند ہو گئے تھے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تھی۔ اسکندریہ بہت سے حفاظتی اقدامات کی بنا پر نہایت محفوظ جنگی مقام بن چکا تھا، یہاں قلعے کی فصیلوں پر منجنیقیں (توپیں) بھی نصب کی ہوئی تھیں۔ ہرقلِ روم نے بذاتِ خود جنگ میں شامل ہونے کا عزم کر رکھا تھا اور یہ طے تھا کہ کوئی رومی پیچھے نہیں رہے گا کیونکہ اسکندریہ ان کا آخری قلعہ اور پناہ گاہ تھی۔ [1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں رومی اسکندریہ میں اکٹھے ہونے لگے۔ انھوں نے اپنی سلطنت کو واپس لینے کی منصوبہ بندی شروع کر دی، حتیٰ کہ انھوں نے معاہدۂ صلح بھی ختم کر دیا اور روم کی بحری سپاہ سے بھی مدد طلب کی۔ [2] چنانچہ روم کی بحریہ نے جنگی

[1] الخلافة والخلفاء الراشدون للمستشار البهنساوي، ص:221. [2] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين للدكتور محمد السيد الوكيل، ص:324.

سازوسامان اور افرادی قوت سے لیس تین سو بحری جہاز روانہ کر دیے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے نہایت سمجھ داری، ہمت اور منصوبہ بندی سے اہم اقدامات کیے، مثلاً:

- ایرانی اور رومی سرکشوں کو مطیع کرنے کے لیے دوبارہ ان کے شہروں تک اسلامی سلطنت کی سرحدوں کو وسعت دی۔
- جہاد اور فتوحات کے سلسلے کو مفتوحہ علاقوں سے آگے تک جاری رکھنے کے احکام جاری کیے تاکہ ان مفتوحہ علاقوں کو پیچھے سے پہنچنے والی امداد کا سدباب ہو۔
- بلاد اسلامیہ کے استحکام کے انتظامات کیے اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے رابطے میں رہنے کی سہولتیں مہیا کیں۔
- اسلامی فوج کی ضرورت کے پیش نظر بحری عسکری قوت کا آغاز کیا۔ [1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بڑے سرحدی شہر ہی فوجی چھاؤنیاں تھیں۔ عراق کی چھاؤنیاں کوفہ اور بصرہ تھیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پورے شام کے گورنر بنے تو دمشق میں مجاہدینِ اسلام کی بڑی فوجی چھاؤنی بنا دی گئی۔ اسی طرح مصر بھی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا مرکز فسطاط تھا۔ مملکتِ اسلامیہ کی حفاظت، فتوحات میں وسعت اور اسلام کو پھیلانا ان چھاؤنیوں کی اولین ذمہ داری تھی۔ [2]

بلادِ مشرق میں فتوحات

آذربائیجان

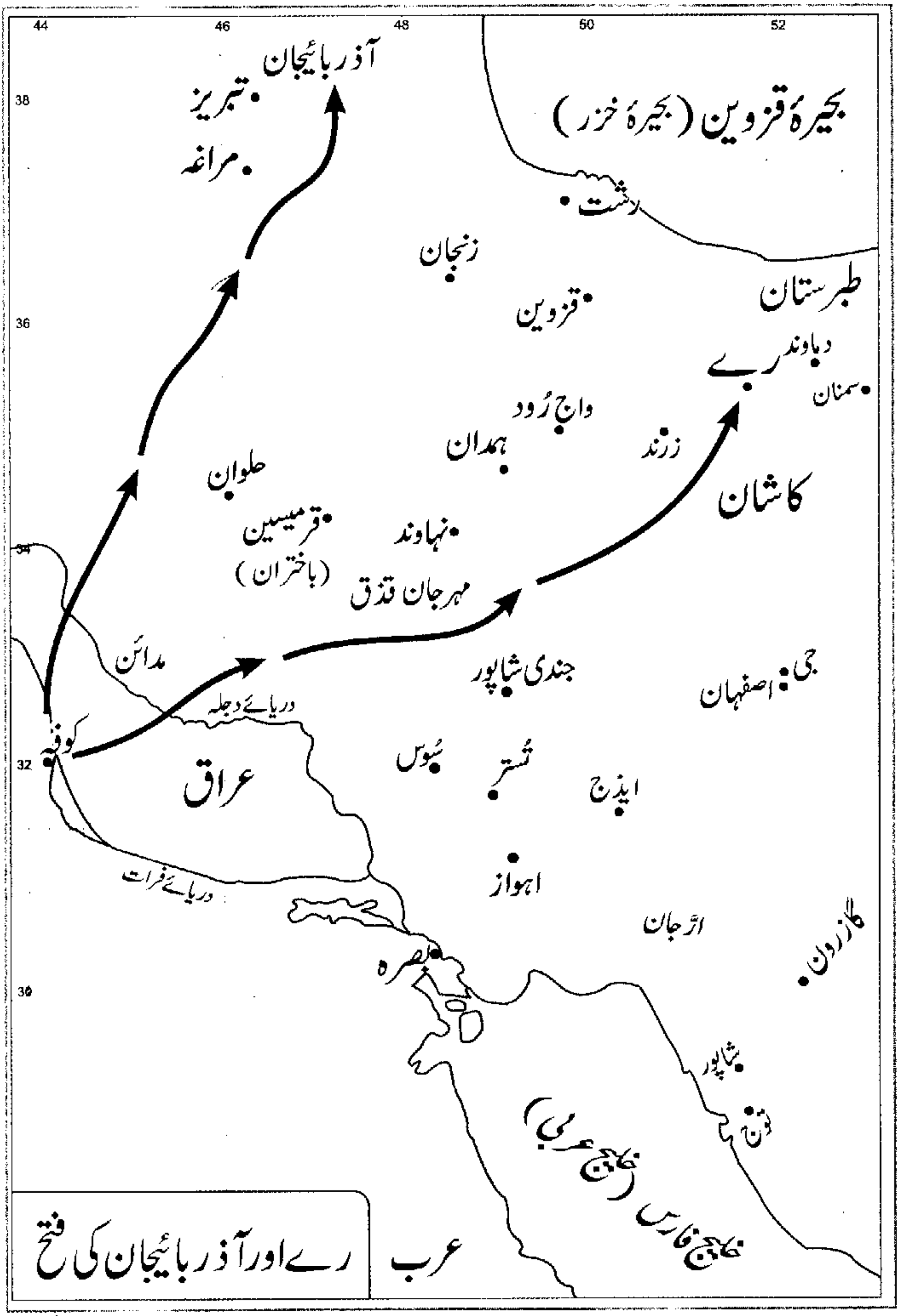
رَے اور آذربائیجان کے علاقے کے غزوات اہل کوفہ کے سپرد تھے۔ وہاں ہر وقت دس ہزار سپاہی الرت (سربکف) رہتے تھے۔ چھ ہزار سپاہی آذربائیجان میں اور چار ہزار رَے

[1] الخلافة والخلفاء الراشدون للمستشار البهنساوي، ص:222. [2] عثمان بن عفان رضي الله عنه لصادق عرجون، ص:200,199.

میں مقرر تھے۔ کوفہ کی کل باقاعدہ فوج چالیس ہزار نفر تھی۔ ان میں سے ہر سال دس ہزار فوجی ڈیوٹی دیتے تھے۔ اس طرح ہر سپاہی چار سال کے بعد ایک سال کے لیے عسکری ڈیوٹی دیتا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پورا کوفہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے زیر انتظام کر دیا تو آذربائیجان کے باشندوں نے بغاوت کر دی۔ ان لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو جتنا خراج دینا طے کیا تھا، اس کی ادائیگی سے نہ صرف انکار کیا بلکہ اپنے تحصیلدار عقبہ بن فرقد پر حملہ بھی کر دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید کو ان پر چڑھائی کا حکم دیا۔ ولید رضی اللہ عنہ نے اس مہم کو سر کرنے کے لیے اپنے کمانڈر سلمان بن ربیعہ باہلی کا انتخاب کیا۔ اسے مقدمۃ الجیش کے طور پر روانہ کیا۔ پھر لوگوں کو لے کر خود حملہ آور ہوئے۔ جلد ہی آذربائیجان کے باشندے پہلی شرائط پر صلح کے لیے تیار ہو گئے۔ ولید نے ان کی درخواست قبول کر کے ان سے اطاعت کا عہد لیا اور مضافاتی علاقوں میں شبخون مارنے کے لیے فوجی دستے پھیلا دیے۔ عبداللہ بن شُبیل احمسی کو چار ہزار کا لشکر دے کر اہل موقان، ببر اور طیلسان کی طرف روانہ کیا۔ اسے بہت سے مال غنیمت کے علاوہ کچھ قیدی ہاتھ آئے لیکن ان میں اکثر بچ کر نکل بھاگے۔ یوں ان کی قوت کو ختم نہ کیا جا سکا، پھر سلمان باہلی کو بارہ ہزار کا لشکر دے کر آرمینیا روانہ کیا۔ اس نے انھیں مطیع کیا اور بے شمار مال غنیمت لے کر واپس آیا۔ اس کے بعد ولید رضی اللہ عنہ کوفہ واپس آ گئے۔[1]

آذربائیجان کے باشندے بڑے دغاباز تھے۔ انھوں نے کئی بار سرکشی کی۔ ولید رضی اللہ عنہ کی واپسی کے بعد وہ پھر باغی ہو گئے۔ اب آذربائیجان کے والی سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے کمک طلب کی تو انھوں نے کوفہ سے ایک لشکر روانہ کیا۔ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو شکست فاش دی۔ بالآخر وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے پہلی شرائط پر ان سے صلح کر لی۔ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کو خدشہ لاحق ہوا کہ

[1] تاريخ الطبري: 246/5.


رے اور آذربائیجان کی فتح
آذربائیجان
تبریز
مراغہ
بحیرۂ قزوین (بحیرۂ خزر)
رشت
زنجان
قزوین
طبرستان
دباوند
رے
سمنان
واج رُود
ہمدان
زرند
کاشان
حلوان
قرمیسین
(باختران)
نہاوند
مہرجان قذق
مدائن
جندی شاپور
جی
اصفہان
دریائے دجلہ
کوفہ
عراق
سُوس
تُستر
ایذج
اہواز
دریائے فرات
ارجان
کازرون
بصرہ
شاپور
توج
(خلیج عربی)
خلیج فارس
عرب
44
46
48
50
52
38
36
34
32
30

نقشہ: 6

کہیں یہ لوگ دوبارہ بغاوت نہ کر دیں۔ اس خدشے کے پیش نظر انھوں نے اہل عرب کی ایک فوج محافظ دستے کے طور پر بھرتی کی۔ ان کی باقاعدہ تنخواہ مقرر کی ان کے ناموں کا اندراج کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔

جب سعید بن عاص رضی اللہ عنہ آذربائیجان کے گورنر مقرر کیے گئے تو وہاں کے باشندوں نے دوبارہ بغاوت کر دی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو ان پر چڑھائی کا حکم دیا۔ انھوں نے باغیوں کو شکست دے کر ان کے رئیس کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد حالات معمول پر رہے۔ بہت سے قبائل مسلمان ہو گئے اور انھوں نے قرآن کریم سیکھ لیا۔

جہاں تک ''رَے'' کا تعلق ہے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو انھیں حکم دیا کہ اہل رَے کی بغاوت کو کچلنے کے لیے فوج کشی کریں۔ انھوں نے قریظہ بن کعب انصاری کی قیادت میں ایک فوجی دستہ اہل رَے پر حملے کے لیے روانہ کیا۔ انھوں نے بغاوت کچل دی اور دوبارہ فتح کا جھنڈا لہرا دیا۔[1]

رومیوں کے حملوں کو ناکام بنانے کے لیے اہل کوفہ کا کردار

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ جب آذربائیجان کی مہم سے واپس موصل پہنچے تو انھیں امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ خط موصول ہوا: ''اما بعد! معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے خط کے ذریعے سے اطلاع دی ہے کہ رومی مسلمانوں پر فوج کشی کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کر رہے ہیں۔ مناسب یہی ہے کہ میں کوفی بھائیوں کو ان کی مدد کے لیے بھیجوں۔ پس جونہی میرا یہ خط جہاں بھی موصول ہو، آپ وہیں سے کسی جذبۂ ایمان سے سرشار، دلیر اور بااعتماد شخص کو آٹھ دس ہزار کا لشکر دے کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے بھیج دیں۔ والسلام۔''

یہ خط ملتے ہی ولید رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا: ''لوگو! اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس آزمائش میں کامیاب کیا ہے۔ بغاوت کرنے

[1] الخلافة والخلفاء الراشدون للمستشار البهنساوي، ص:224.

والی قوموں کو دوبارہ مطیع کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں مزید شہر بھی مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گئے ہیں اور مسلمانوں کو غنیمتوں سے مالا مال کر کے بہت زیادہ اجر و ثواب کے ساتھ صحیح سالم واپس بھیجا ہے۔ ان تمام احسانات کے لیے ہم پر رب العالمین کا بے حد شکر واجب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ امیر المؤمنین نے حکم دیا ہے کہ میں آپ میں سے دس ہزار افراد کو اہل شام کی مدد کے لیے بھیجوں کیونکہ رومی ان پر چڑھ دوڑے ہیں۔ اس نقل و حرکت میں بڑا اجر اور بڑی فضیلت ہے۔ اللہ آپ پر رحم کرے! اب سلمان بن ربیعہ باہلی کی قیادت میں نکلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

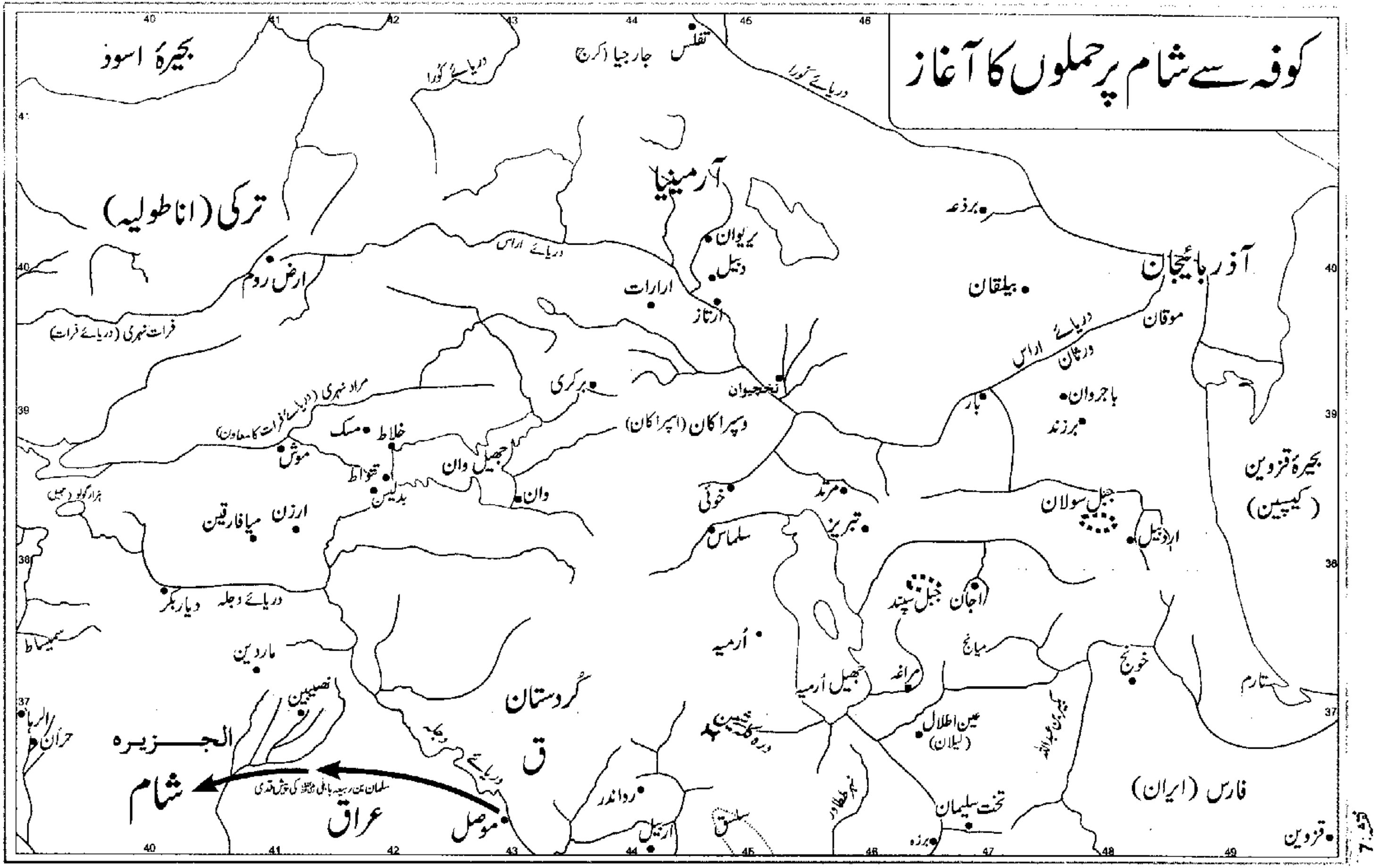
لوگوں نے تیاری شروع کر دی اور تیسرے ہی دن آٹھ ہزار کا لشکر کوفہ سے نکل پڑا۔ وہ شام پہنچے تو اہل شام رومیوں کے علاقے میں داخل ہو چکے تھے۔ شامی فوج کے کمانڈر حبیب بن مسلمہ بن خالد فہری تھے اور کوفی فوج کی قیادت سلمان بن ربیعہ باہلی کر رہے تھے، انھوں نے مل کر رومیوں پر شبخون مارے۔ اس کے نتیجے میں بہت سے قیدی اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا اور بہت سے قلعے فتح ہوئے۔[1]

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی جنگی مہمات کے بارے میں بعض راویوں کا بیان ہے کہ ایک روز امام شعبی محمد بن عمرو بن ولید کے پاس بیٹھے تھے۔ محمد نے مسلمہ بن عبدالملک کی جنگی کامیابیوں کا ذکر کیا۔ امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''کاش! تم ولید رضی اللہ عنہ کی امارت اور غزوات دیکھ لیتے۔ وہ جب تک گورنر رہے نہایت کامیابی سے جہاد کرتے رہے وہ کبھی کمزور نہیں پڑے تھے۔ نہ کسی نے ان کے خلاف بغاوت کی جرأت کی۔''[2]

سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی طبرستان پر فوج کشی

30ھ کو سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کوفہ سے خراسان پر چڑھائی کے لیے نکلے۔ آپ کے ساتھ حذیفہ بن یمان اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ سیدنا

[1] تاریخ الطبري:5/247. [2] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص:201.


کوفہ سے شام پر حملوں کا آغاز
بحیرۂ اسود
ترکی (اناطولیہ)
ارض روم
فرات نہری (دریائے فرات)
مراد نہری
تفلس
جارجیا (کرج)
دریائے کورا
آرمینیا
یریوان
دبیل
ارارات
ارتاز
دریائے اراس
برقعہ
برذعہ
آذربائیجان
بیلقان
موقان
ورثان
باجروان
برزند
نخچیوان
برکری
وسپراکان (اسپراکان)
خلاط
منسک
موش
تنواط
بدلیس
جھیل وان
وان
خوئی
مرند
تبریز
سلماس
جبل سولان
اردبیل
بحیرۂ قزوین (کیپین)
ارزن
میافارقین
دریائے دجلہ
دیار بکر
ماردین
سمیساط
نصیبین
حران
الرہا
الجزیرہ
شام
عراق
موصل
سلمان بن ربیعہ باہلی کی پیش قدمی
کردستان
ارمیہ
جھیل ارمیہ
مراغہ
اوجان
جبل سہند
میانج
خونج
عین اطلال (لیلان)
تخت سلیمان
فارس (ایران)
قزوین
رواندر
اربیل
برزہ
شیز

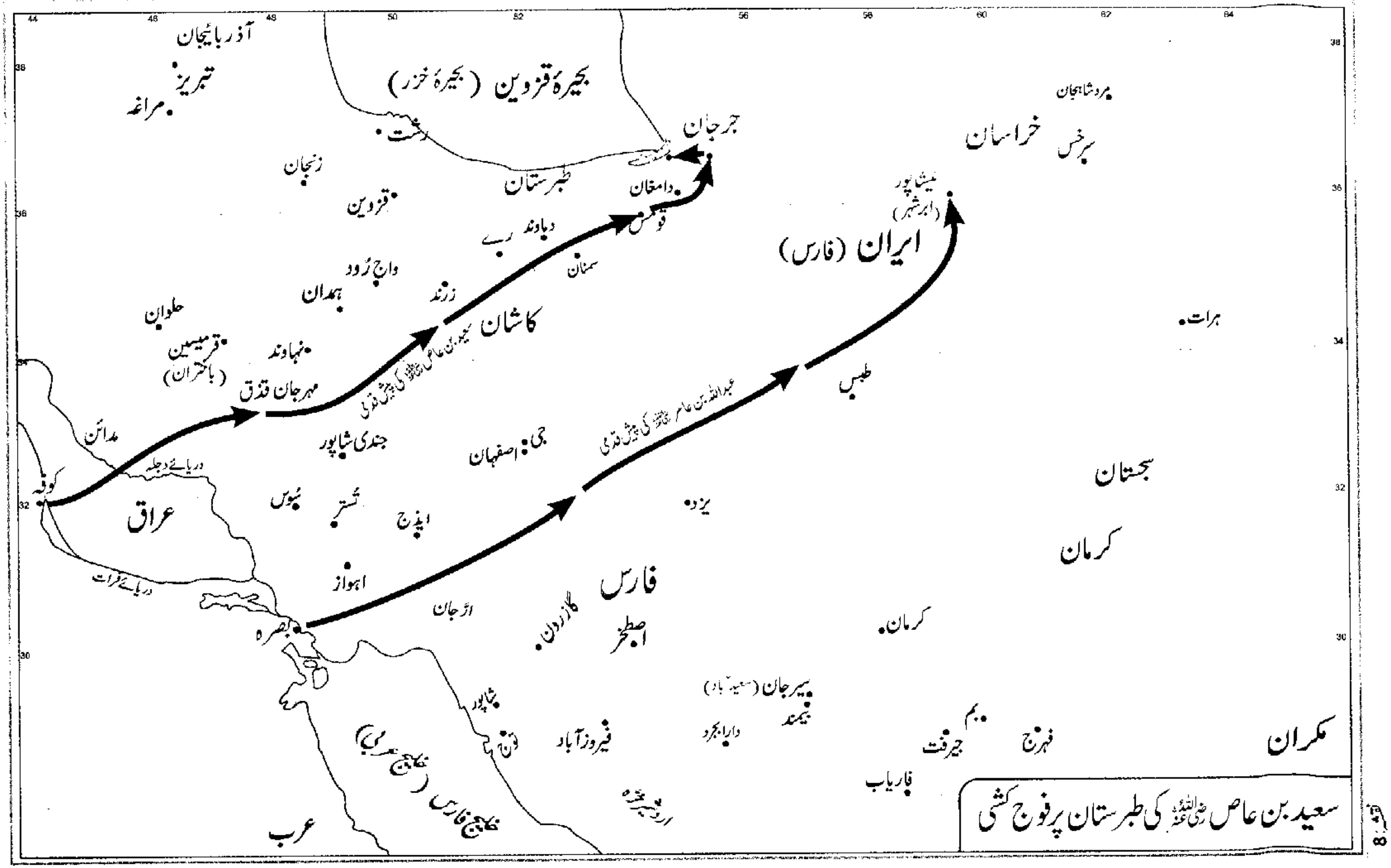
عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی تھے۔ ادھر بصرہ سے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی خراسان پر چڑھائی کے لیے جا رہے تھے۔ وہ سعید رضی اللہ عنہ سے پہلے خراسان پہنچ گئے۔ انھوں نے ''ابر شہر'' میں پڑاؤ ڈالا ''ابر شہر'' میں ان کے پڑاؤ کی خبر سعید رضی اللہ عنہ کو ملی تو انھوں نے ''قومس'' میں قیام کیا۔ قومس والوں کے ساتھ معاہدۂ صلح تھا۔ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ''نہاوند'' کی فتح کے بعد ان سے معاہدہ کیا تھا۔ سعید رضی اللہ عنہ جرجان کی طرف بڑھے۔ وہاں کے باشندوں نے دو لاکھ درہم جزیہ پر مصالحت کر لی۔ وہاں سے انھوں نے ''طَمیسہ'' کا رخ کیا۔ یہ سارا طبرستانِ جرجان کا علاقہ تھا اور ساحل سمندر پر واقع تھا۔ گویا طمیسہ جرجان اور طبرستان کے وسط میں تھا۔ وہاں کے باشندوں نے مزاحمت کی۔ گھمسان کی جنگ ہوئی حتی کہ نماز خوف ادا کی گئی۔ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف کس طرح ادا کی تھی؟ انھوں نے طریقہ بتایا۔ سعید رضی اللہ عنہ نے لشکر کو نماز خوف پڑھائی۔ اس دوران زبردست جنگ جاری تھی۔ اس دن سعید رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کو اتنے زور سے تلوار ماری کہ اس کے کندھے کو کاٹتی ہوئی کہنی سے جا نکلی۔ بالآخر سعید رضی اللہ عنہ نے دشمنوں کا محاصرہ کر لیا۔ انھوں نے امان طلب کی۔ آپ نے اس شرط پر امان دے دی کہ ان کا ایک آدمی قتل نہیں کیا جائے گا۔ جب انھوں نے قلعے کا دروازہ کھولا تو سعید رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے علاوہ سب کو قتل کر دیا اور قلعے میں موجود سارا ساز و سامان اپنے قبضے میں لے لیا۔[1]

جب سعید رضی اللہ عنہ واپس کوفہ روانہ ہوئے تو کعب بن جعیل نے ان کی مدح میں درج ذیل اشعار پڑھے:

فَنِعْمَ الْفَتٰی إِذْ جَالَ جَیْلَانَ دُونَهٗ ۔۔۔ وَ إِذْ هَبَطُوا مِنْ دَسْتَبٰی ثُمَّ أَبْهَرَا

تَعَلَّمَ سَعِیدُ الْخَیْرُ أَنَّ مَطِیَّتِي ۔۔۔ إِذَا هَبَطَتْ أَشْفَقَتْ مِنْ أَنْ تُعَقَّرَا

[1] تاريخ الطبري: 270/5.


سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی طبرستان پر فوج کشی
بحیرۂ قزوین (بحیرۂ خزر)
آذربائیجان
تبریز
مراغہ
جرجان
خراسان
ایران (فارس)
عراق
کوفہ
بصرہ
فارس
کرمان
سجستان
مکران
کاشان
طبرستان
دامغان
قومس
نیشاپور (ابرشہر)
سرخس
ہرات
طبس
یزد
اصفہان
ہمدان
نہاوند
حلوان
قزوین
زنجان
اہواز
تستر
ایذج
سوس
جندی شاپور
مدائن
اصطخر
کازرون
فیروز آباد
دارابجرد
جیرفت
فہرج
بم
عرب
خلیج فارس
سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی
عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی

كَأَنَّكَ يَوْمَ الشِّعْبِ لَيْثٌ خَفِيَّةٌ تَحَرَّدَ مِنْ لَيْثِ الْعَرِينِ وَ أَصْحَرَا

تَسُوسُ الَّذِي مَا سَاسَ قَبْلَكَ وَاحِدٌ ثَمَانِينَ أَلْفًا دَارِعِينَ وَ حُسَّرَا

''سعید کیا خوب نوجوان ہیں! انھوں نے گھوڑا دوڑاتے ہوئے گولان کی پہاڑیوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ جب وہ دستبیٰ سے داخل ہوئے اور پھر ابہرا جا پہنچے۔ سعید الخیر سمجھتے تھے کہ میری سواری ٹھہر گئی تو اس کی کونچیں کاٹ دی جائیں گی۔ (اے سعید!) آپ شعب والے دن جنگل کے ایسے شیر معلوم ہو رہے تھے جو اپنے مسکن سے نکل کر صحرا نشین ہو گیا ہو۔ (آپ اس دن) اسی ہزار (80000) زرہ پوش اور بے زرہ فوجیوں پر اس طرح حکومت کر رہے تھے کہ اس جیسی حکومت کسی نے نہیں کی۔''

ایران کے بادشاہ یزدگرد کا خراسان کی طرف فرار

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بصرہ واپس پہنچ کر ایران کا رخ کیا اور اسے فتح کر لیا یزدگرد 30ھ وجوز[1] یعنی اردشیر خرہ سے بھاگ نکلا۔ ابن عامر نے مجاشع بن مسعود سلمی کو اس کا پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ اس نے کرمان تک اس کا پیچھا کیا۔ بالآخر مجاشع نے سیرجان میں پڑاؤ ڈالا اور یزدگرد خراسان بھاگ گیا۔[2]

شاہِ ایران یزدگرد کا قتل

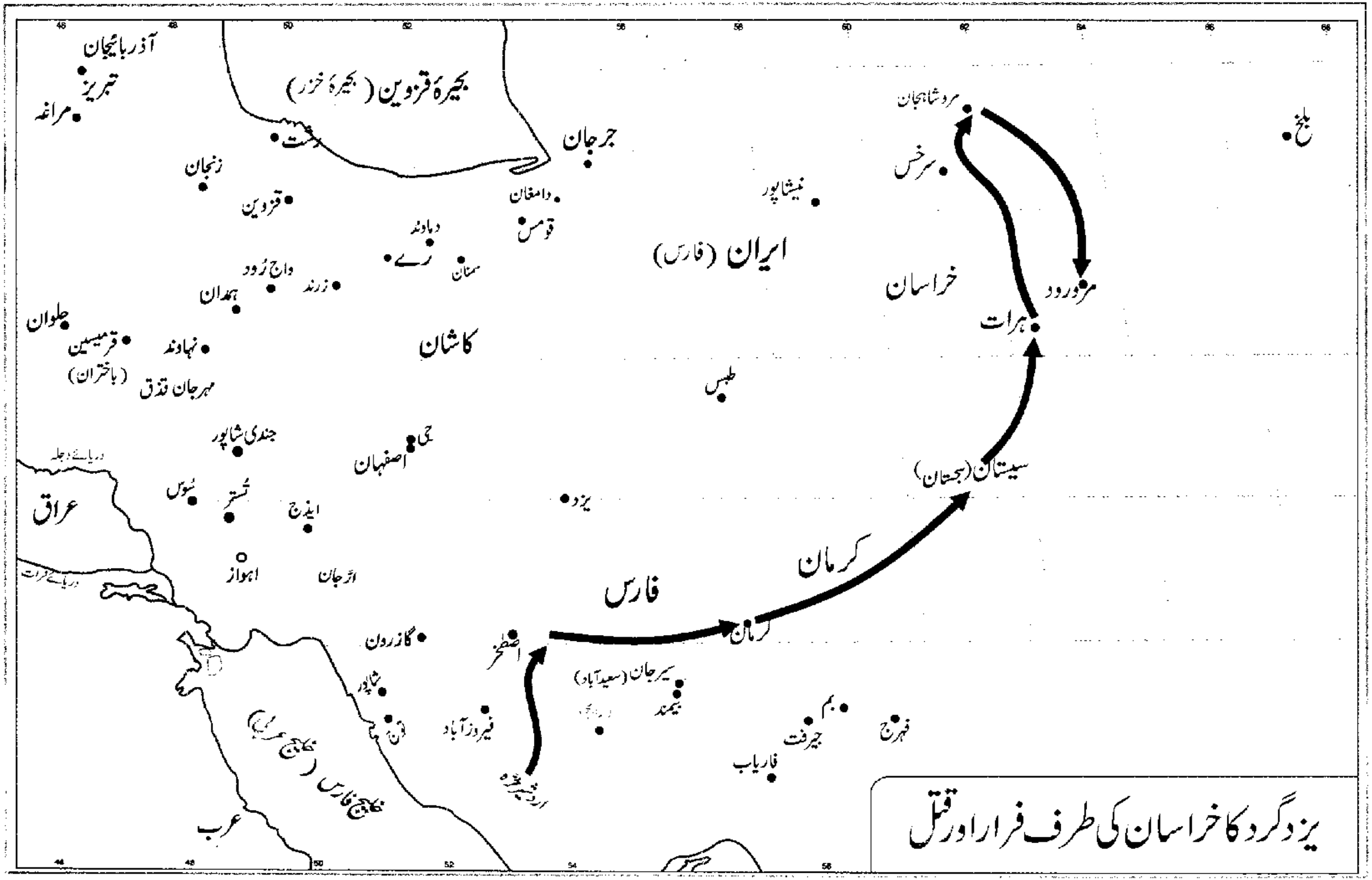
یزدگرد کے قتل کے بارے میں مؤرخین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ یزدگرد کرمان سے چند آدمیوں کے ساتھ مرو کی طرف بھاگا اس نے وہاں کے باشندوں سے مال کا مطالبہ کیا۔ ان لوگوں نے انکار کر دیا لیکن انھیں اس سے خطرہ لاحق ہوا تو انھوں نے ترکوں کو اس خطرے سے آگاہ کیا۔ ترکوں نے آ کر اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ یزدگرد وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے نہر مرغاب کے کنارے

[1] وجوز ایک مقام کا نام ہے اور اسی کا دوسرا نام اردشیر خُرَّہ ہے۔ [2] تاريخ الطبري : 288/5.

ایک چکی بنانے والے کے پاس پناہ لی۔ اس شخص نے اسے رات کو نیند کی حالت میں قتل کر دیا۔[1]

طبری کی روایت کے مطابق یزدگرد عربوں کے کرمان میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ وہ طبسان اور قہستان سے ہوتا ہوا چار ہزار نفر کے لشکر کے ساتھ مرو پہنچا تا کہ خراسان میں دوبارہ اپنی جمعیت اکٹھی کر کے عربوں کا مقابلہ کر سکے۔ وہاں اسے باہم دشمنی اور حسد رکھنے والے دو سرداروں سے واسطہ پڑا۔ ایک کا نام براز اور دوسرے کا سنجان تھا۔ ان دونوں نے یزدگرد کی اطاعت کی وہ مرو میں مقیم ہو گیا۔ اس نے براز کو زیادہ اہمیت دی اس وجہ سے وہ سنجان سے پہلے سے بھی زیادہ حسد کرنے لگا، ادھر براز سنجان کو ہلاک کرنے کی منصوبہ بندی کرنے لگا اور یزدگرد کو اس کے خلاف بھرنے لگا۔ بالآخر براز نے سنجان کے قتل کا پکا ارادہ کر لیا۔ سنجان کو یزدگرد اور براز کے اس منصوبے کا علم ہوا تو وہ محتاط ہو گیا۔ اس نے یزدگرد اور براز کے مقابلے کے لیے فوج تیار کی اور جس محل میں یزدگرد ٹھہرا ہوا تھا اس پر حملہ کر دیا۔ براز کو اس بات کا علم ہوا تو وہ سنجان کی فوج کی کثرت سے خائف ہو کر لڑائی سے باز رہا۔ ادھر یزدگرد بھی سنجان کی فوج سے خوف زدہ ہو گیا۔ وہ بھیس بدل کر پیدل ہی نکل پڑا تا کہ اپنی جان بچا سکے۔ ابھی دو فرسخ ہی چلا تھا کہ اسے ایک پن چکی نظر آئی وہ پن چکی والے کے گھر میں گھس گیا اور تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ چکی والے نے دیکھا کہ باوقار لباس میں ملبوس ایک شخص اس کے گھر میں پناہ کا خواستگار ہے تو اس نے چٹائی بچھا دی یزدگرد چٹائی پر بیٹھ گیا۔ اس دوران وہ اس کے لیے کھانا لایا۔ یزدگرد نے کھانا کھایا۔ ایک دن اور ایک رات وہ اسی کے پاس رہا۔ چکی والے نے اس سے کچھ مانگا۔ یزدگرد نے اسے جواہرات سے مرصع ایک کڑا دے دیا۔ چکی والے نے وہ کڑا لینے سے انکار کر دیا اور کہا: ”مجھے اس کی بجائے چند درہم دے دو تا کہ میں ان سے

[1] تاریخ الطبري: 295/5.



یزدگرد کا خراسان کی طرف فرار اور قتل

نقشہ: 9

اپنے کھانے پینے کا سامان خرید سکوں۔'' یزدگرد بولا: ''میرے پاس درہم نہیں ہیں۔'' اس کے بعد چکی والا اس کی خوشامد کرتا رہا۔ اسی دوران یزدگرد سو گیا۔ اب چکی والا اُٹھا اور کلہاڑا لے کر یزدگرد پر ٹوٹ پڑا۔ اُس نے اس کی کھوپڑی پھاڑ دی پھر اس کا سر کاٹ دیا۔ بعد ازاں اس کا لباس اور زیور اتار لیا۔ پھر اس کی لاش اسی دریا میں پھینک دی جس سے اس کی پن چکی چلتی تھی۔ اس نے اس کا پیٹ پھاڑ کر اس میں وہ جڑیں بھر دیں جو پانی میں اگتی تھیں تاکہ اس کی لاش اسی جگہ ڈوبی رہے جہاں اس نے پھینکی ہے۔ وہاں سے آگے نہ جائے۔ مبادا وہ پہچانی جائے اور قاتل کو تلاش کرنے کی مہم چل پڑے۔ یہ بندوبست کرنے کے بعد چکی والا وہاں سے بھاگ گیا۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ ترک یزدگرد کو ڈھونڈتے ہوئے چکی والے کے پاس پہنچے۔ انھوں نے حیرت سے دیکھا کہ چکی والے نے یزدگرد کو قتل کر کے اس کے لباس اور زیورات پر قبضہ کر رکھا ہے۔ انھوں نے چکی والے کو اس کے خاندان سمیت قتل کر دیا۔ یزدگرد کا سامان قبضے میں لے لیا پھر یزدگرد کی لاش تابوت میں ڈال کر اصطخر پہنچا دی۔[2]

طبری نے دونوں طرح کی روایات تفصیل سے نقل کی ہیں اور یزدگرد کو پیش آنے والے اُن حالات وحوادث کا بھی ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی۔[3]

بعض روایات میں ہے کہ جب یزدگرد کو قتل کیا جانے لگا تو اس نے درخواست کی کہ مجھے قتل نہ کرو۔ پھر وہ بولا: ''افسوس ہے تم پر! ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ جس نے بادشاہوں کو قتل کرنے کی جرأت کی اللہ اسے دنیا میں آگ میں جلنے کا مزہ چکھائے گا، لہٰذا مجھے قتل نہ کرو، مجھے اپنے گورنر کے پاس لے جاؤ یا عربوں کے پاس بھیج دو کیونکہ عرب میرے جیسے بادشاہوں کے ساتھ شرم ولحاظ کا سلوک کرتے ہیں۔''[4]

[1] خلافة عثمان للدكتور محمد السلمي، ص: 57. [2] تاريخ الطبري: 5/297. [3] الاكتفاء للكلاعي: 4/417. [4] الاكتفاء للكلاعي: 4/418، وتاريخ الطبري: 5/302.

یزدگرد بیس سال تک حکمران رہا۔ اس مدت میں سے چار سال نہایت شان و شوکت اور سکون سے گزرے۔ باقی سولہ سال وہ اسلام اور اہل اسلام کے ڈر سے دربدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ وہ فارس کا آخری مطلق العنان حکمران تھا۔[1]

پاک ہے وہ ذات جو ساری عظمتوں، رفعتوں اور شہنشاہیت کی مالک ہے۔ وہ باری تعالیٰ جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور سدا زندہ رہے گا، اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے۔ سبھی کو اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اسی کی سلطنت کو دوام اور بادشاہت کو بقا ہے۔[2]

رسول اکرم ﷺ نے روم اور ایران کے بادشاہوں کے متعلق فرمایا تھا:

«هَلَكَ كِسْرٰى ثُمَّ لَا يَكُونُ كِسْرٰى بَعْدَهُ، وَ قَيْصَرُ لَيَهْلِكَنَّ ثُمَّ لَا يَكُونُ قَيْصَرُ بَعْدَهُ، وَ لَتُقْسَمَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

”کسریٰ ہلاک ہو گیا ہے۔ اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہو گا اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں آئے گا۔ ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں ضرور تقسیم کیے جائیں گے۔“[3]

یزدگرد کے قتل کے بعد عیسائیوں کی اس سے ہمدردی

یزدگرد کے قتل کی خبر اہواز کے ایلیاء نامی شخص کو ملی۔ وہ مرو میں عیسائیوں کا مذہبی راہنما تھا۔ اس نے اپنے گرد و نواح کے عیسائیوں کو جمع کیا اور ان سے کہا: ”ایران کا بادشاہ قتل کر دیا گیا ہے۔ وہ شہریار بن کسریٰ کا فرزند تھا۔ شہریار شیریں کا فرزند تھا اور شریں عیسائی مومنہ تھی۔ تم ملکہ شیریں کے اپنے ہم مذہبوں پر احسانات سے واقف ہو۔ یزدگرد میں عیسائیت کا اثر پایا جاتا تھا۔ اس کے جد امجد کسریٰ کی سلطنت میں عیسائیوں کی بڑی قدر و

[1] خلافة عثمان للدكتور محمد السلمي، ص: 57. [2] الاكتفاء للكلاعي: 419/4. [3] صحيح مسلم، ......، حديث: 2918.

منزلت تھی۔ اس سے پہلے بھی ایرانی بادشاہوں نے بھلائی کے بڑے کام کیے ہیں۔ انھوں نے عیسائیوں کے لیے گرجے اور عبادت خانے تعمیر کرائے اور عیسائیت کو فروغ دینے کے لیے بڑی خدمات انجام دیں، لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ یزدگرد کے قتل پر سوگ منائیں کیونکہ اس کی دادی شیریں کے ہم پر بہت سے احسانات ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے لیے مقبرہ تعمیر کروں اور اس کی لاش کو باعزت طور پر دفن کر دوں۔'' عیسائیوں نے کہا: ''اے مطران! ہم آپ کے حکم کے تابع ہیں۔ ہم آپ کی رائے کی حمایت کرتے ہیں۔'' پھر مطران کے حکم پر مرو میں پادریوں کے باغ میں ایک مقبرہ تعمیر کیا گیا۔ اس کے بعد مطران مرو کے چند عیسائیوں کے ساتھ نہر پر گیا یزدگرد کی لاش نہر سے نکال کر تابوت میں رکھی۔ اس کے ساتھی وہ تابوت مقبرے تک اٹھا لائے۔ وہاں اسے دفن کیا گیا۔ پھر انھوں نے مقبرے کا دروازہ بند کر دیا۔[1]

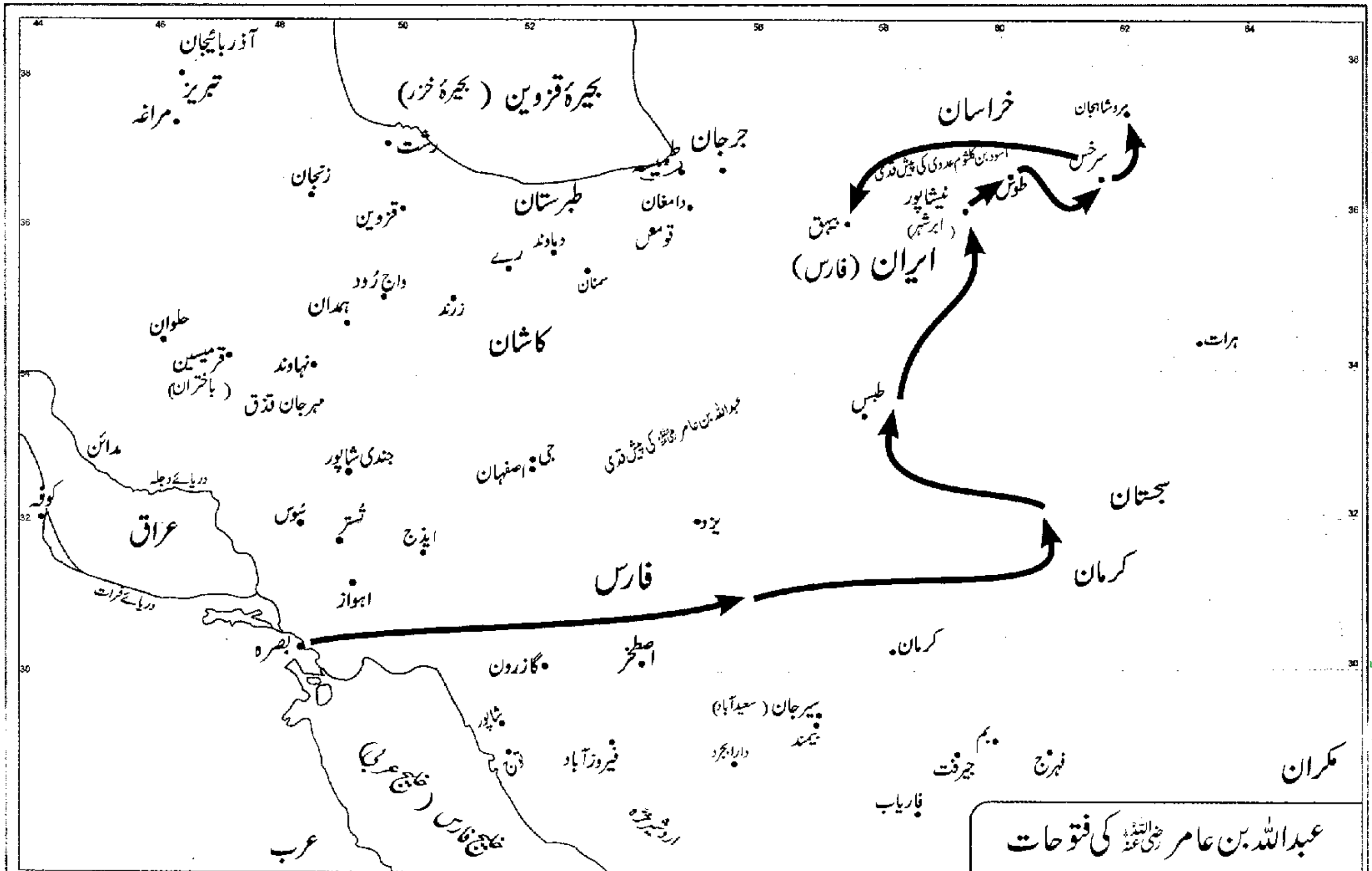
سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی فتوحات

31ھ میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ خراسان کی طرف بڑھے اور ابرشہر، طوس، بیورد اور نسا کو فتح کرتے ہوئے سرخس جا پہنچے۔ اسی سال اہل مرو نے ان سے مصالحت کر لی۔

سکن بن قتادہ عرینی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایران فتح کرنے کے بعد بصرہ واپس آ گئے اور اصطخر پر شریک بن اعور حارثی کو حاکم مقرر کیا۔ اُس نے وہاں مسجد اصطخر تعمیر کرائی۔

ابن عامر کے پاس قبیلۂ بنو تمیم کا ایک شخص آیا۔ اُس کا نام احنف بن قیس یا اوس بن جابر جشمی تھا، اس نے کہا: اے ابن عامر! آپ کا دشمن بھاگ رہا ہے۔ وہ آپ سے خوف زدہ ہے۔ ملک بڑا وسیع ہے، لہٰذا آپ روانہ ہو جائیں۔ اللہ آپ کی مدد کرے گا اور اپنے دین کو عزت بخشے گا۔ چنانچہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے تیاری شروع کر دی اور لوگوں کو جہاد کے

[1] تاريخ الطبري: 304/5.


عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی فتوحات
آذربائیجان
تبریز
مراغہ
بحیرۂ قزوین (بحیرۂ خزر)
جرجان
طمیسہ
رشت
زنجان
قزوین
طبرستان
دامغان
قومس
دباوند
رے
سمنان
واج رُود
ہمدان
زرند
کاشان
حلوان
قرمیسین
(باختران)
نہاوند
مہرجان قذق
مدائن
دریائے دجلہ
کوفہ
عراق
جندی شاپور
جی
اصفہان
عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی
سوس
تستر
ایذج
یزد
دریائے فرات
اہواز
فارس
بصرہ
گازرون
اصطخر
شاپور
توج
فیروز آباد
سیرجان (سعید آباد)
سیمند
دارابجرد
خلیج فارس (خلیج عرب)
اردشیر خرہ
عرب
خراسان
مروشاہجان
سرخس
اسود بن کلثوم عدوی کی پیش قدمی
طوس
نیشاپور
(ابرشہر)
بیہق
ایران (فارس)
ہرات
طبس
سجستان
کرمان
بم
جیرفت
نہرج
فاریاب
مکران
44
46
48
50
52
56
58
60
62
64
38
36
34
32
30

نقشہ: 10

لیے نکلنے کا حکم دیا۔ بصرہ پر زیاد کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ خود کرمان کا رخ کیا۔ پھر خراسان کی طرف قدم بڑھا دیے۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ انھوں نے پہلے اصفہان کا رخ کیا۔ پھر خراسان کی طرف بڑھے۔ پہلی روایت کے مطابق کرمان پر مجاشع بن مسعود ثقفی کو عامل مقرر کیا اور خود اسی (80) فرسخ دور ''وابر'' کے جنگل کا قصد کیا۔ وہاں سے طبسان روانہ ہوئے، منزل مقصود نیشاپور کا شہر ''ابرشہر'' تھا۔ ان کے ہراول دستے پر احنف بن قیس کمانڈر مقرر تھے۔ ابن عامر قہستان سے ہوتے ہوئے ''ابرشہر'' پہنچے۔ وہاں ان کی اہلِ ہرات کے ہیاطلہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ احنف بن قیس نے ان سے جنگ کی۔ اہل ہرات شکست کھا کر بھاگے اور ابن عامر نیشاپور آ گئے۔[1]

ایک روایت کے مطابق ابن عامر ''ابرشہر'' میں مقیم ہوئے۔ آدھا ابرشہر تلوار کے زور پر فتح کیا۔ باقی نصف کناریٰ کے قبضے میں تھا۔ نسا اور طوس کا نصف حصہ بھی اس کے قبضے میں تھا، اس لیے ابن عامر مرو کی طرف نہیں جا سکے۔ کناریٰ نے اپنا بیٹا ابوصلت اور بھتیجا سلیم بطور رہن دے کر ابن عامر سے مصالحت کر لی۔ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن خازم کو ہرات اور حاتم بن نعمان کو مرو بھیجا اور کناری کے دونوں بیٹے نعمان بن افقم نصری کے حوالے کر دیے۔ اس نے انھیں آزاد کر دیا۔[2]

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے ''ابرشہر'' اور اس کے گرد ونواح طوس، بیورد، نسا اور حمران کے علاقے فتح کر لیے اور سرخس تک جا پہنچے۔ وہاں سے ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اسود بن کلثوم عدوی کو بیہق کی طرف روانہ کیا۔ یہ علاقہ ''ابرشہر'' سے سولہ فرسخ (تقریباً 128 کلومیٹر) کے فاصلے پر تھا۔ انھوں نے بیہق کو فتح تو کر لیا مگر اس دوران خود شہید ہو گئے۔ وہ نہایت فاضل اور دیندار انسان تھے اور عامر بن عبداللہ عنبری کے ساتھیوں میں سے تھے۔ عامر بن عبداللہ اسود بن کلثوم کے بصرہ سے چلے جانے کے بعد فرمایا کرتے

[1] تاريخ الطبري:305/5. [2] تاريخ الطبري:306/5.

تھے: ''مجھے عراق کی تین چیزوں پر ہمیشہ حسرت رہے گی، دوپہر کی پیاس کی لذت پر، مؤذنوں کی ایک ساتھ اذان کے سرور پر اور اسود بن کلثوم جیسے دوست پر۔''[1]

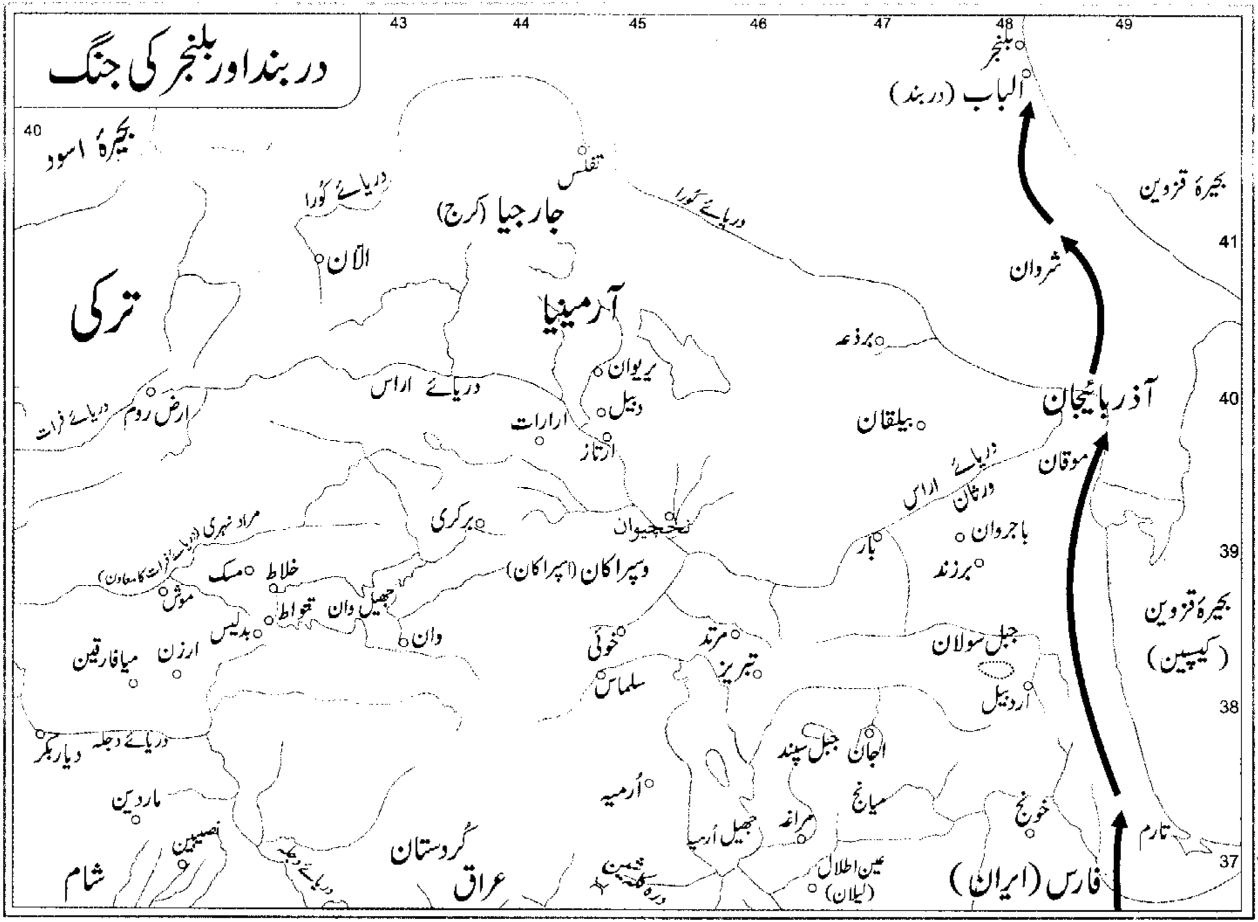
بیہق کی فتح کے بعد ابن عامر نے نیشاپور فتح کرلیا اور سرخس کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں اہل مرو کی طرف سے پیغام آیا کہ وہ مصالحت کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے حاتم بن نعمان باہلی کو اہل مرو سے مصالحت کے لیے بھیجا۔ حاتم نے وہاں کے حاکم براز سے بائیس لاکھ درہم سالانہ خراج لینے کی شرط پر صلح کرلی۔[2]

دربند اور بلنجر کی جنگ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ سلمان بن ربیعہ باہلی کو باب الابواب (دربند) کی جنگ کے لیے روانہ کریں اور عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی کو، جو پہلے ہی باب الابواب کے مقام پر متعین تھے، تحریر فرمایا: ''رعایا کے اکثر افراد کو آرام و آسائش نے خراب کر دیا ہے۔ وہ کوتاہ ہمت ہو گئے ہیں، اس لیے جب تک سلمان بن ربیعہ باہلی تمھارے ساتھ مل نہیں جاتے اس وقت تک مسلمانوں کو لے کر آگے نہ بڑھنا اور دشمن کے علاقے میں مت گھسنا کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ وہ کسی آزمائش میں پڑ جائیں گے۔'' عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی نے خط کی پروا کیے بغیر پیش قدمی جاری رکھی۔ وہ ہر قیمت پر بلنجر فتح کرنا چاہتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے نویں سال انھوں نے بلنجر پر حملہ کیا۔ جب وہاں پہنچے تو دشمنوں نے اپنے شہر کو ہر طرف سے بند کرلیا۔ انھوں نے منجنیقیں اور گولے برسانے والی مشینیں پہلے ہی نصب کر رکھی تھیں۔ جو بھی ان کے قریب جاتا وہ اسے زخمی یا قتل کر دیتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔[3]

ادھر ترکوں نے بھی اہل بلنجر سے امدادی فوج بھیجنے کا وعدہ کر رکھا تھا، جب ان کی امدادی فوج پہنچی تو اہل بلنجر شہر سے باہر نکل آئے۔ پھر خوب گھمسان کی جنگ ہوئی،

[1] تاريخ الطبري: 5/307. [2] تاريخ الطبري: 5/307. [3] تاريخ الطبري: 5/308.



دربند اور بلنجر کی جنگ
بلنجر
الباب (دربند)
بحیرۂ اسود
بحیرۂ قزوین
دریائے کُورا
تفلس
جارجیا (کرج)
الآن
ترکی
آرمینیا
شروان
برذعہ
یریوان
دبیل
دریائے اراس
آذربائیجان
بیلقان
ارض روم
دریائے فرات
ارارات
ارتاز
موقان
ورثان
برکری
نخجیوان
باجروان
بار
برزند
خلاط
مسک
موش
وسپراکان (اسپراکان)
جھیل وان
تواط
بدلیس
وان
خوئی
مرند
جبل سولان
ارزن
میافارقین
تبریز
سلماس
کیسپین
اردبیل
دریائے دجلہ
دیار بکر
اجان
جبل سپند
ارمیہ
ماردین
میانج
خونج
مراغہ
تارم
نصیبین
جھیل ارمیہ
کردستان
عین اطلال (لیلان)
شام
عراق
فارس (ایران)

عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی جنھیں ذوالنور کہا جاتا تھا، شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ وہ منتشر ہو کر پسپا ہو گئے۔ جن لوگوں نے سلمان بن ربیعہ باہلی والا راستہ اختیار کیا تو وہ انھیں باب (دربند) سے صحیح سلامت لے کر نکل گئے۔ خزر یا دوسرے شہروں کا راستہ اختیار کیا پھر گولان اور جرجان جا نکلے۔ ان میں سیدنا سلمان فارسی اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ دشمنوں نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ کی میت پر قبضہ کر لیا اور اسے ایک صندوق میں رکھ دیا۔ میت انھی کے قبضے میں رہی۔ وہ اس کے وسیلے سے اپنے عقیدے کے مطابق بارش اور فتح و نصرت کی دُعائیں مانگتے تھے۔ ان کی نسلیں آج تک ایسا ہی کرتی چلی آ رہی ہیں۔[1]

یزید بن معاویہ کی شہادت: اہل کوفہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کئی سال تک بلنجر میں جنگ کی۔ ان جنگوں میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ نہ کوئی عورت بیوہ ہوئی، نہ کوئی بچہ یتیم ہوا۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کا نواں سال شروع ہوا تو حملے سے دو روز پہلے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت ہرن ان کے خیمے میں لایا گیا ہے اور اسے ان کے بستر میں لپیٹ دیا گیا ہے، پھر اسے ایک قبر کے پاس لایا گیا قبر بالکل سیدھی اور نہایت خوبصورت تھی۔ وہاں چار آدمی کھڑے تھے، اس ہرن کو اس قبر میں دفنا دیا گیا۔ اگلے روز مسلمان ترکوں سے برسرپیکار ہوئے تو ایک پتھر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر پر آ لگا۔ ان کا سر پھٹ گیا۔ گویا اس طرح خون کے دھبوں سے ان کے لباس کو زیب و زینت بخشی گئی۔ گویا یہی وہ ہرن تھا جو آپ نے خواب میں دیکھا تھا۔[2]

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت حسین و جمیل تھے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو انھوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا: ''اہل کوفہ نے بے وفائی کی ہے۔ اے اللہ! ان کی توبہ قبول فرما اور انھیں ہدایت عطا فرما۔''[3]

عمرو بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی شہادت: سیدنا عمرو بن عتبہ رضی اللہ عنہ سفید چادر اوڑھتے تو کہتے:

[1] تاریخ الطبري: 309/5. [2] تاریخ الطبري: 310/5. [3] تاریخ الطبري: 311/5.

''اے چادر! تجھ پر خون کی سرخی کتنی خوبصورت لگے گی۔'' دشمن سے لڑتے لڑتے انھیں ایک پتھر لگا۔ وہ شدید زخمی ہو گئے انھوں نے اپنی چادر کو حسبِ خواہش خون سے رنگین دیکھا اور شہید ہو گئے۔ ①

کپڑوں پر خون کا داغ کتنا بھلا لگتا ہے!: قرشع رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''خون کا داغ کپڑوں پر کتنا بھلا لگتا ہے!'' جب باقاعدہ جنگ کا دن آیا تو قرشع رحمہ اللہ نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے یہاں تک کہ ان کی پوشاک نیزوں سے پھٹ گئی اور ان کی قبا اس طرح رنگین ہو گئی کہ اس کا تانا بانا ہر چند سفید تھا مگر اس پر خون کے سُرخ سرخ نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ جب تک وہ لڑتے رہے مسلمان ثابت قدم رہے جونہی وہ شہید ہوئے مسلمانوں کو شکست ہو گئی اور وہ منتشر ہو گئے۔ ②

یہ بھی تمھاری طرح مرتے ہیں: اس معرکے میں ترک مسلمانوں سے اس قدر خائف تھے کہ وہ جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں پر اسلحہ اثر انداز نہیں ہوتا۔ اتفاق سے ایک چھپے ہوئے ترکی فوجی نے کسی مسلمان کو تیر مارا۔ وہ شہید ہو گیا۔ اس نے زور سے آواز لگائی: ''جس طرح تم مرتے ہو اُسی طرح یہ بھی مرتے ہیں۔ ان سے مت ڈرو۔'' یہ سُن کر ترک مسلمانوں کے خلاف دلیر ہو گئے۔ اپنی کمین گاہوں سے باہر نکل آئے اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن بالآخر شہید ہو گئے۔ ③

آلِ سلمان صبر کرو!: ایک دوسری روایت کے مطابق عبدالرحمٰن بن ربیعہ کے شہید ہونے کے بعد ان کے بھائی سلمان بن ربیعہ نے علم اٹھا لیا اور لڑائی شروع کر دی۔ کسی نے باآواز بلند پکارا: ''اے آل سلمان! صبر کرو۔'' اس پر سلمان نے جواب دیا: ''کیا آپ

① تاريخ الطبري: 310/5. ② تاريخ الطبري: 310/5. ③ قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 151.

نے ہم میں کوئی بے صبری والی بات دیکھی ہے؟'' پھر سلمان نے وہاں سے پسپائی اختیار کرتے ہوئے گولان کی پہاڑیوں کو عبور کیا اور جرجان جا نکلے۔ اُن کے ساتھ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ [1]

(ایک اور روایت کے مطابق) سلمان بن ربیعہ باہلی نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو بلنجر کے نواح میں دفن کر دیا۔ پھر باقی ماندہ لشکر ساتھ لے کر واپسی کی راہ اختیار کی۔ [2]

محمود شیت خطاب نے پسپائی اختیار کر کے فوج کو بچانے والی روایت کو راجح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس دن مسلمانوں کے لیے پسپائی اختیار کرنا لڑائی کرنے سے بہتر تھا کیونکہ اس وقت دشمنوں کی طرف سے مسلمانوں پر شدید دباؤ تھا اور انھوں نے مسلمانوں کو سخت زک پہنچائی تھی۔ ایسی صورت حال میں باقی ماندہ فوج کو نکال کر لے جانا ہی حکمت کا تقاضا تھا تاکہ دوبارہ تیاری کر کے دشمن پر حملہ کیا جا سکے۔ مزید یہ کہ سلمان بن ربیعہ باہلی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے عبدالرحمٰن کی نصرت کے لیے آئے تھے اس لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ باب (دربند) ہی میں ٹھہرے رہے ہوں۔ یہ بات بھی عقل کے خلاف ہے کہ عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی جو ایک خونی معرکے میں داخل ہو چکے تھے انھوں نے اپنے بھائی سے مدد نہ لی ہو جبکہ ایسے حالات میں کمانڈر کے نزدیک ایک ایک سپاہی کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ انھوں نے ایک مکمل لشکر کو جس کی قیادت خود ان کا چھوٹا بھائی کر رہا تھا، قبول نہ کیا ہو۔ (اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ عبدالرحمٰن کی شہادت کے وقت سلمان بھی موجود تھے اور مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی بلکہ سلمان بن ربیعہ ایک جنگی چال کے طور پر اپنی فوج کو پسپا کر کے بچا لے گئے تاکہ دوبارہ سنبھل کر دشمن پر حملہ آور ہوسکیں) جہاں تک لفظ ہزیمت (شکست) کا تعلق ہے تو قدیم مؤرخین ''ہزیمت'' کا لفظ دونوں صورتوں یعنی شکست اور تدبیر کے ساتھ پیچھے ہٹ جانے کے عمل

[1] تاريخ الطبري: 309/5، وقادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 151. [2] قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 151.

کے لیے یکساں طور پر استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ اکثر مؤرخین شہری ہیں، اس لیے وہ ان دونوں تعبیروں ہزیمت اور انسحاب میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ ہزیمت بے ہنگم اور منتشر ہو کر بغیر قیادت کے میدان جنگ سے بھاگنے کا نام ہے۔ اسے کارثہ، یعنی حادثہ اور مصیبت کہتے ہیں جب کہ انسحاب منصوبہ بندی کے ساتھ میدان چھوڑنے کو کہتے ہیں۔ یہ ایک جنگی چال ہے شکست نہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوبارہ افرادی قوت اور مکمل تیاری کے ساتھ دشمن پر حملہ کیا جائے۔ امید ہے کہ جدید مؤرخین تعبیرات کے درمیان فرق نہ کرنے کی غلطی میں نہیں پڑیں گے اور ہزیمت اور انسحاب میں فرق ملحوظ رکھیں گے، اس لیے کہ ہزیمت اور انسحاب میں بہت فرق ہے۔ [1]

اہلِ کوفہ اور اہلِ شام میں پہلا اختلاف

32 ھ میں جب عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی شہید ہو گئے تو سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ سلمان بن ربیعہ باہلی کو حاکم بنایا۔ ادھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے (خلافت کے دسویں سال) ثغر [2] سرحدی علاقے کی طرف اہل شام کی امدادی فوج بھیجی۔ اس فوج کے کمانڈر حبیب بن مسلمہ تھے۔ اصولی طور پر حبیب بن مسلمہ سلمان کے ماتحت تھے لیکن سلمان اور حبیب کے مابین امارت کے مسئلے پر جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ حبیب نے سلمان کی امارت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اہل شام نے کہا: ''ہم سلمان کو ماریں گے۔'' اس پر اہل کوفہ نے کہا: ''اگر تم نے ایسا کیا تو ہم حبیب کی پٹائی کریں گے اور اسے قید کر دیں گے۔ اگر تم مطیع نہ ہوئے تو ہمارے اور تمھارے مابین بڑی خونریزی ہوگی۔ دونوں طرف مقتولوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی۔'' اوس بن مغراء کوفی نے اس بارے میں درج ذیل اشعار کہے:

[1] قادة فتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 153,152. [2] ثَغر: دشمن کی سرزمین کے قریب ہر موضع ثغر کہلاتا ہے۔ اس نام کے کئی علاقے ہیں۔ ثغرِ شام میں مصّیصہ، اَذِنہ، طرسوس اسکندرون (اسکندریہ) اور مرعش وغیرہ شامل ہیں۔ ثغرِ شام کا مشہور ترین شہر انطاکیہ ہے۔ (معجم البلدان: 80,79/2)۔ ان دونوں مصّیصہ (Misis)، اذنہ (Adana)، طرسوس، اسکندریہ اور انطاکیہ سب ترکی میں شامل ہیں۔

إِنْ تَضْرِبُوا سَلْمَانَ نَضْرِبْ حَبِيبَكُمْ وَإِنْ تَرْحَلُوا نَحْوَ ابْنِ عَفَّانَ نَرْحَلُ

''اگر تم سلمان کو مارو گے تو ہم تمھارے کمانڈر حبیب کی پٹائی کریں گے۔ اگر تم ابن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ گے تو ہم بھی جائیں گے۔''

وَإِنْ تُقْسِطُوا فَالثَّغْرُ ثَغْرُ أَمِيرِنَا وَ هٰذَا أَمِيرٌ فِي الْكَتَائِبِ مُقْبِلُ

''اگر تم انصاف سے کام لو تو سرحدی علاقہ ہمارے امیر کے ماتحت ہے۔ یہ دیکھو! امیر فوجوں کو لے کر آ رہا ہے۔''

وَ نَحْنُ وُلَاةُ الثَّغْرِ كُنَّا حُمَاتَهُ لَيَالِيَ نَرْمِي كُلَّ ثَغْرٍ وَ نُنْكِلُ

''ہم سرحد کے حاکم ہیں۔ ہم ہی اس کی حفاظت کرتے تھے۔ ہم تیر اندازی کرتے رہیں گے اور دشمن کو نکیل ڈالتے رہیں گے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مسلمانوں نے اس فتنے پر قابو پالیا۔ ابھی ان میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی موجود تھے۔ وہ اہل کوفہ کے لشکر میں شامل تھے۔ انھوں نے اس سرحد پر تین غزوات میں شرکت کی۔ تیسرے غزوے میں انھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔[2]

32ھ میں ابن عامر رضی اللہ عنہ کی فتوحات

32ھ میں سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے مرو روذ، طالقان، فاریاب، جوزجان اور طخارستان کے علاقے فتح کیے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے احنف بن قیس کو مرو روذ کی طرف روانہ کیا۔ انھوں نے وہاں کے باشندوں کا محاصرہ کرلیا۔ وہ جنگ کے لیے نکلے، لیکن مسلمانوں نے انھیں شکست دی یہاں تک کہ وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے قلعے سے جھانک کر کہا: اے اہل عرب! ہم تو تمھیں کچھ سمجھتے تھے لیکن تم کچھ اور ہی نکلے۔ ہمیں پہلے سے تمھارا اندازہ ہوتا تو تمھارا ہمارا معاملہ بہت مختلف ہوتا، ہمیں ایک

[1] تاريخ الطبري: 311/5، والبداية والنهاية: 166/7. [2] تاريخ الطبري: 311/5.

دن غور کرنے کی مہلت دو اور اپنے لشکر کی طرف واپس چلے جاؤ۔ احنف بن قیس واپس چلے گئے۔ صبح ہوئی۔ مسلمان جنگ کی تیاری کر کے نکلے۔ اچانک ایک عجمی خط لے کر شہر سے باہر آیا اور کہا: میں قاصد ہوں، مجھے امان دی جائے۔ مسلمانوں نے اسے امان دے دی۔ وہ مرو روذ کے حاکم کا بھتیجا تھا اور ترجمان کی حیثیت سے احنف کے نام خط لے کر حاضر ہوا تھا۔ انھوں نے خط پڑھا تو وہ سپہ سالار کے نام تھا۔ اس میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

''ہم اس اللہ کی تعریف کرتے ہیں جس کے قبضے میں دنیا کی سلطنتیں ہیں۔ وہ جس سلطنت میں چاہے انقلاب پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت کے بعد سرفراز کر دیتا ہے اور جسے چاہے بلندی کے بعد زوال دے دیتا ہے۔ میں آپ سے مصالحت اور جنگ بندی پر اس لیے آمادہ ہوا ہوں کہ میرے جد امجد مسلمان ہو گئے تھے۔ اور آپ کے حاکم نے انھیں بڑا اعزاز بخشا تھا اور بہت عزت کا سلوک کیا تھا، اس لیے میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں، آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں، اور صلح کی پیش کش کرتا ہوں، میری شرط یہ ہے کہ میں آپ کو سالانہ ساٹھ ہزار درہم خراج ادا کروں گا، تاہم وہ جائیداد بدستور میرے پاس رہنے دی جائے گی جو شہنشاہ کسریٰ نے میرے پردادا کو اس وقت اس لیے عطا کی تھی کہ انھوں نے ایک ایسے اژدھے کو مار ڈالا تھا جس نے کئی آدمیوں کو نگل لیا تھا اور لوگوں پر کاشتکاری والی زمینوں اور دیہات کے راستے بند کر دیے تھے۔ میری یہ شرط بھی قبول فرمائیں کہ آپ میرے اہل خانہ کے کسی فرد سے خراج نہیں لیں گے۔ سرداری بھی میرے ہی خاندان کے پاس رہنے دیں گے۔ اگر آپ مجھے یہ رعایت دے دیں تو میں آپ کی خدمت میں آ جاؤں گا۔ میں نے ان شرائط کی توثیق کرانے کے لیے اپنے بھتیجے ماہک کو آپ کے پاس بھیجا ہے۔''

اس کے جواب میں سیدنا احنف بن قیس رحمہ اللہ نے لکھا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

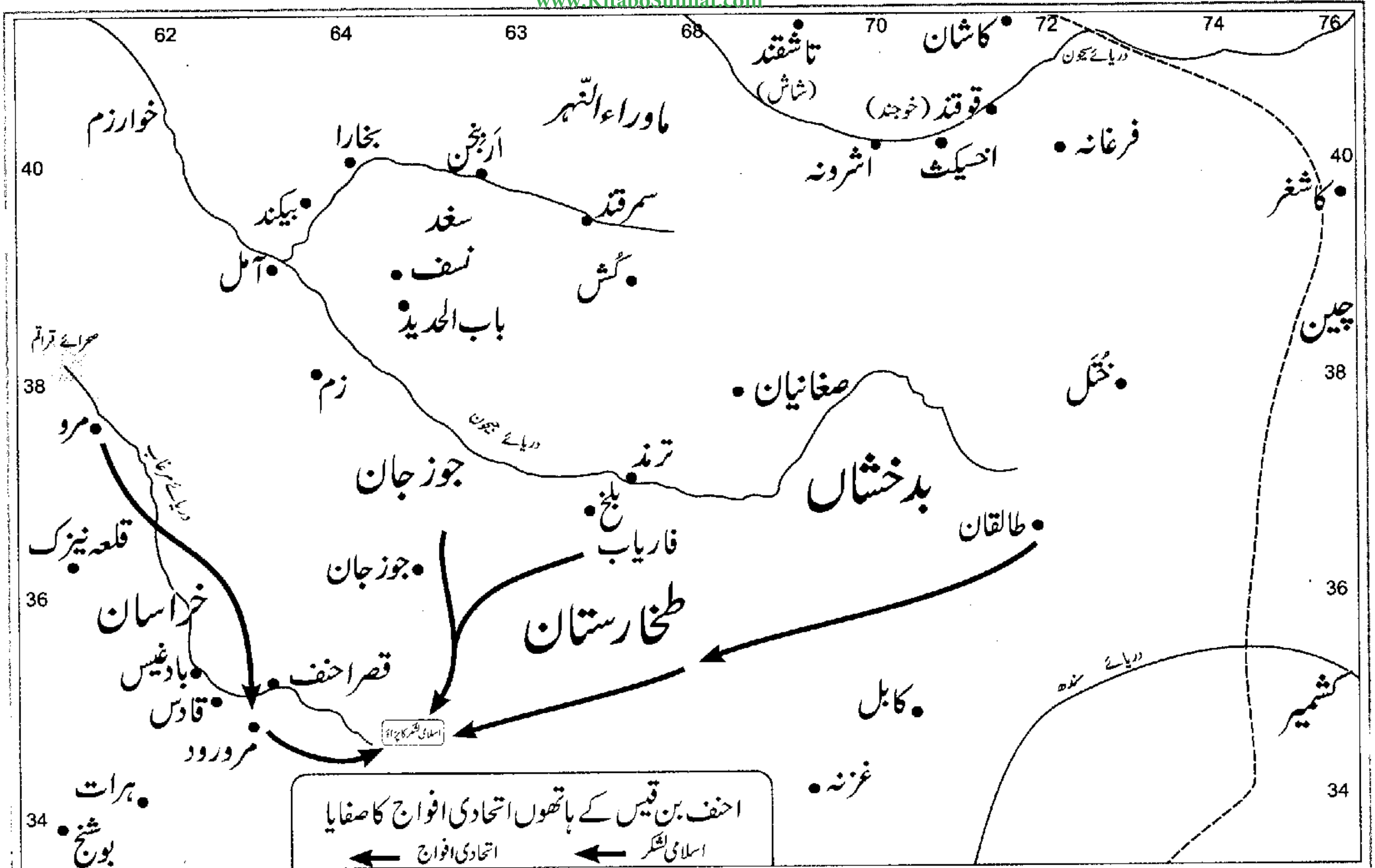
”صحر بن قیس سپہ سالار کی طرف سے مرو روذ کے حاکم باذان، اس کی کابینہ اور دیگر اہل عجم کے نام! سلامتی ہو اس پر جس نے اسلام کی پیروی کی، ایمان لایا اور تقویٰ اختیار کیا۔ تمھارا بھتیجا میرے پاس آیا۔ اس نے تمھارے لیے مخلصانہ کوششیں کیں۔ تمھارا پیغام پہنچایا۔ میں نے یہ معاملہ اپنے مسلمان ساتھیوں کے سامنے رکھا کیونکہ ہم سب تمھارے بارے میں فیصلہ کرنے کا برابر حق رکھتے ہیں۔ ہم تمھاری شرائط قبول کرتے ہیں بشرطیکہ تم اپنے کسانوں اور رعایا کی طرف سے، ان زمینوں کے عوض جو ظالم کسریٰ نے خود تمھارے پردادا کو اژدھا مارنے کے عوض دی تھیں، ساٹھ ہزار درہم ادا کرتے رہو۔ یاد رکھو یہ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وارث بناتا ہے۔ تم پر مسلمانوں کی مدد کرنا فرض ہوگا۔ اگر مسلمان چاہیں گے تو تمھیں اپنی فوج سمیت مسلمانوں کے دشمن سے لڑنا ہوگا۔ اگر تم سے تمھاری قوم یا مذہب کا کوئی فرد جنگ کرے گا تو مسلمان تمھاری مدد کریں گے۔ یہ وثیقہ میں نے لکھ دیا ہے تاکہ میرے بعد تمھارے لیے مفید ہو۔ تم پر، تمھارے اہل خانہ پر اور قریبی رشتہ داروں پر خراج لاگو نہیں ہو گا۔ ہاں اگر تم اسلام قبول کر لو اور رسول اکرم ﷺ کی پیروی کر لو تو تمھیں مسلمانوں کی طرف سے عطیات و وظائف اور بڑی قدر و منزلت ملے گی، اس طرح تم ہماری اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ گے۔ اس تحریر کا میں، میرے والد، تمام مسلمان اور ان کے آباؤ اجداد ذمہ دار ہیں۔ اس معاہدے کے گواہ یہ ہیں: ① جزء بن معاویہ یا معاویہ بن جزء سعدی ② حمزہ بن ہرماس ③ حمید بن خیار مازنیان ④ عیاض بن ورقاء اسیدی۔

یہ معاہدہ بنو ثعلبہ کے مولیٰ کیسان نے بروز اتوار محرم الحرام میں تحریر کیا۔ سپہ سالار احنف بن قیس رحمہ اللہ نے مہر لگائی۔ ان کی انگوٹھی، یعنی مہر کا نقش نعبد اللّٰه ہے۔ [1]

طخارستان، جوزجان وغیرہ کی اتحادی فوجوں اور احنف رحمہ اللہ کے لشکر کے درمیان معرکہ

ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اہل مرو سے صلح کر لی اور احنف بن قیس کو چار ہزار کا لشکر دے کر طخارستان کی طرف روانہ کیا۔ انھوں نے مرو روذ میں قصر احنف کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ طخارستان، جوزجان، طالقان اور فاریاب کی اتحادی فوجیں جمع ہوگئیں اور ان تین ڈویژنوں کی فوج تیس ہزار نفر پر مشتمل تھی۔ سیدنا احنف کو اتحادی فوجوں کے جمع ہونے کا علم ہوا تو انھوں نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ سب نے اپنی اپنی رائے دی۔ کسی نے کہا: ''ہم کو مرو واپس چلے جانا چاہیے۔'' کسی نے کہا: ''ابرشہر واپس چلے جائیں۔'' بعض کی رائے یہ تھی کہ یہیں مقیم رہ کر مزید فوج طلب کی جائے۔ کسی نے رائے دی کہ مقابلہ کیا جائے۔ شام ہوئی۔ سیدنا احنف لشکر میں گشت کرنے نکلے تاکہ عام سپاہیوں کی رائے لے سکیں۔ وہ ایک خیمے کے پاس سے گزرے۔ ایک شخص آگ جلا رہا تھا یا آٹا گوندھ رہا تھا اور اپنے ساتھیوں سے باتیں بھی کرتا جاتا تھا۔ وہ لوگ جنگ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ انھوں نے دشمن کے بارے میں بھی باتیں کیں۔ ایک شخص نے کہا: ''امیر کے لیے یہی مناسب ہے کہ صبح ہوتے ہی دشمن کا رخ کرے اور جہاں بھی آمنا سامنا ہو ان پر ٹوٹ پڑے، اس طرح دشمن مرعوب ہو جائے گا اور ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔'' جو شخص آٹا گوندھ رہا تھا اس نے کہا: ''ایسا کرنا بڑی سنگین غلطی ہوگی۔ کیا تم یہ مشورہ دیتے ہو کہ وہ ان کی سرحد اور وطن کے اندر چلا جائے اور ہمارے چند ہزار افراد کو کھلے صحرا میں دشمن کے جم غفیر سے لڑا دیا جائے اس طرح دشمن ہمیں ایک ہی حملے میں نیست و نابود کر

[1] تاريخ الطبري: 316/5.



62
64
63
68
70
72
74
76
40
38
36
34
تاشقند
(شاش)
کاشان
دریائے سیحون
خوارزم
ماوراء النّہر
بخارا
اربنجن
قوقند (خوجند)
فرغانہ
اخسیکث
اشرونہ
کاشغر
بیکند
سمرقند
سغد
آمل
نسف
کُش
باب الحدید
چین
صحرائے قراقم
زم
صغانیان
خُتّل
مرو
دریائے جیحون
ترمذ
جوزجان
بدخشاں
بلخ
طالقان
فاریاب
قلعہ نیزک
جوزجان
خراسان
طخارستان
دریائے سندھ
بادغیس
قصر احنف
کابل
کشمیر
قادس
اسلامی لشکر کا پڑاؤ
مرورود
غزنہ
ہرات
بوشنج
احنف بن قیس کے ہاتھوں اتحادی افواج کا صفایا
اسلامی لشکر
اتحادی افواج

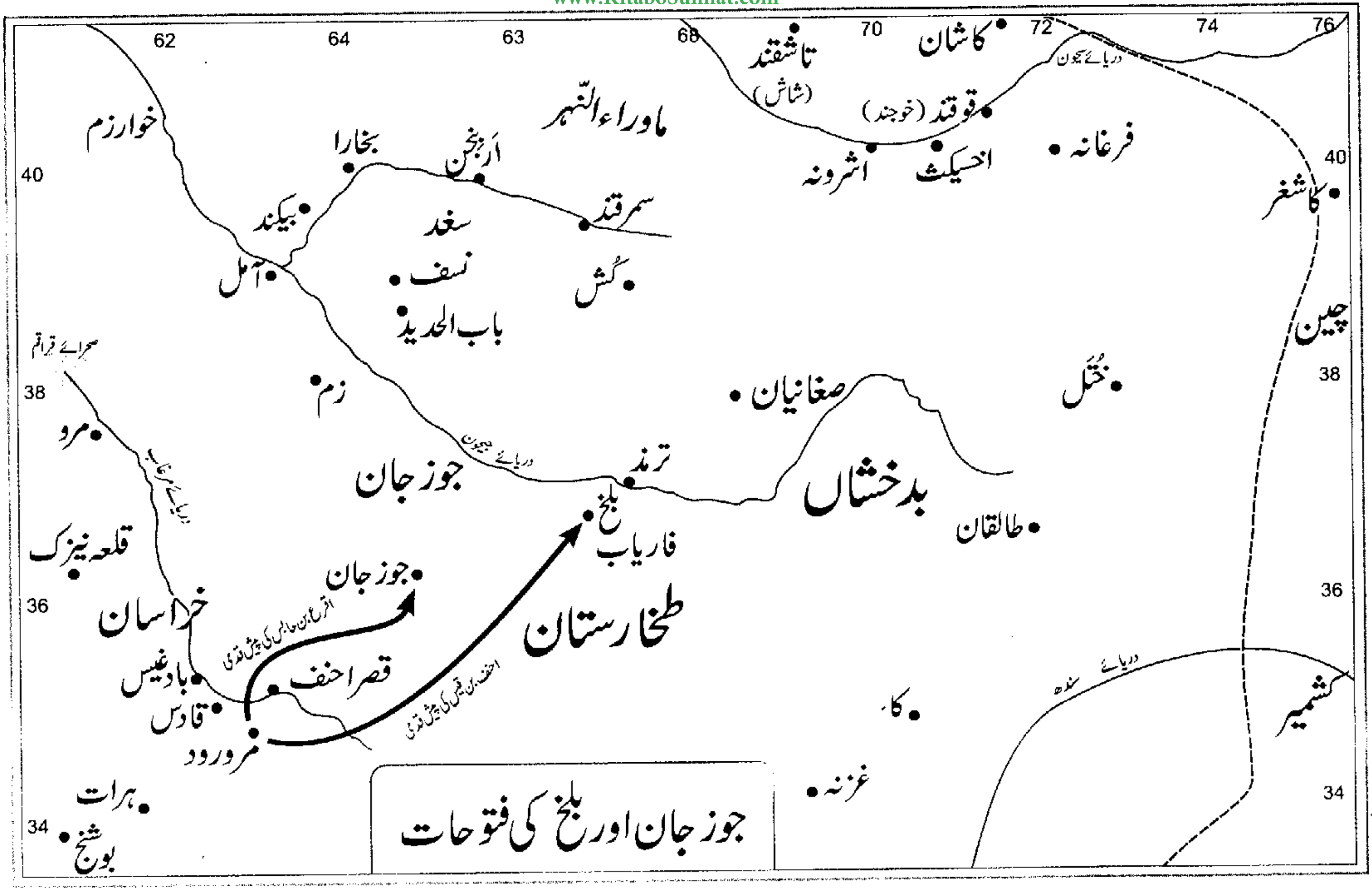
دے؟ صحیح طریقہ یہ ہے کہ امیر نہر مرغاب اور پہاڑی کے درمیان پڑاؤ ڈالے، اس طرح کہ نہر مرغاب دائیں جانب اور پہاڑی اس کے بائیں جانب ہو۔ اس طرح دشمن کے بیک وقت صرف اتنے ہی افراد لڑ سکیں گے جتنے ہمارے لشکر کے ہیں۔'' احنف نے اس کی بات پلے باندھ لی اور واپس چلے گئے۔ پھر انھوں نے لشکر کو مرتب کیا اور وہیں ٹھہرے رہے۔ اس دوران مرو کے باشندوں نے امداد کی پیشکش کی لیکن احنف نے یہ کہہ کران کی پیشکش ٹھکرا دی کہ میں مشرکوں سے مدد طلب نہیں کرتا۔ انھوں نے مزید کہا: ''تم لوگوں سے بس یہی مطلوب ہے کہ تم اپنے معاہدے پر کاربند رہو۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو ہم اپنی شرائط پر قائم رہیں گے۔ اگر دشمن کامیاب ہو گیا اور پھر تم سے اس نے لڑائی کی تو تم اپنے دفاع میں لڑنا۔'' اس دوران عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ مسلمان نماز میں مصروف ہوئے تو کافر تیزی سے جھپٹ پڑے۔ زور دار مقابلہ ہوا یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ اس دوران احنف ایک شاعر ابن جویہ اعرجی کے یہ شعر گنگنا رہے تھے:

أَحَقُّ مَنْ لَّمْ يَكْرَهِ الْمَنِيَّةَ حَزَوَّرٌ لَيْسَ لَهُ ذُرِّيَّةٌ

''آج وہ شخص موت کو ناپسند نہ کرنے کا زیادہ حق دار ہے جو مضبوط غلام ہو اور اس کی اولاد بھی نہ ہو۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ رات گئے تک جنگ جاری رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو شکست دے دی۔ مسلمانوں نے دباؤ جاری رکھا یہاں تک کہ دشمن مقام رسکن تک پسپا ہوتا چلا گیا۔ یہ علاقہ قصر احنف سے تقریباً بارہ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ مرو روذ کا حاکم ابھی تک جزیے کی رقم دینے میں متردد تھا۔ وہ مسلمانوں کی فتح یا شکست کا انتظار کر رہا تھا۔ جب احنف کو جنگ میں فتح ہو گئی تو انھوں نے مرزبان سے خراج لینے کے لیے اپنے دو نمائندے بھیجے اور انھیں حکم دیا کہ پہلے رقم وصول کرنا، پھر بات کرنا۔ انھوں نے اسی طرح

[1] تاريخ الطبري: 317/5.



جوز جان اور بلخ کی فتوحات

کیا۔ مرزبان جان گیا کہ انھیں فتح ہو گئی ہے، اس لیے تو انھوں نے آتے ہی خراج کا مطالبہ کر دیا ہے، لہٰذا اس نے خراج کی رقم دے دی۔ [1]

احنف بن قیس رحمہ اللہ نے اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ کو شہسواروں کا ایک دستہ دے کر جوزجان روانہ کیا اور حکم دیا کہ بچے کھچے جنگجوؤں کا خاتمہ کر دو۔ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو دشمن نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ مسلمانوں کے کچھ سوار شہید ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے سرفراز فرمایا، انھوں نے دشمنوں کو شکست دے کر انھیں قتل کر دیا۔ کُثَیّر نہشلی نے اس بارے میں درج ذیل اشعار کہے:

سَقٰی مُزْنُ السَّحَابِ إِذَا اسْتَهَلَّتْ مَصَارِعَ فِتْيَةٍ بِالْجُوزَجَانِ
إِلَی الْقَصْرَيْنِ مِنْ رُّسْتَاقِ خُوطٍ أَقَادَهُمُ هُنَاكَ الْأَقْرَعَانِ

”خوب برسنے والے بادل ان نوجوانوں کی جائے شہادت کو سیراب کریں جو جوزجان میں شہید ہوئے ہیں، خوط کے شہر رستاق سے قصرین تک سیراب کریں، وہ نوجوان جن کی قیادت دو مضبوط جوانوں (اقرع بن حابس اور احنف بن قیس) کے ہاتھ میں تھی۔“ [2]

احنف کی اہل بلخ سے صلح

سیدنا احنف بن قیس رحمہ اللہ مرو روذ سے بلخ گئے، وہاں انھوں نے دشمن کا محاصرہ کر لیا، وہاں کے باشندوں نے ان سے چار لاکھ درہم کی رقم ادا کرنے پر صلح کی درخواست کی، انھوں نے یہ درخواست قبول کر لی۔ اپنے چچا زاد اسید بن متشمس کو رقم وصول کرنے کی ذمہ داری سونپی اور خود خوارزم چلے گئے۔ موسم سرما شروع ہونے تک وہیں مقیم رہے۔ سردی کی وجہ سے مزید اقدام مشکل ہو گیا۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے رائے لی۔ انھوں نے کہا: عمرو بن معدیکرب کا شعر ہے:

[1] تاريخ الطبري: 317/5. [2] تاريخ الطبري: 318/5.

إِذَا لَمْ تَسْتَطِعْ أَمْرًا فَدَعْهُ وَجَاوِزْهُ إِلٰى مَا تَسْتَطِيعُ

''جب تم کوئی کام نہ کر سکو تو اسے چھوڑ دو اور اس کے بجائے وہ کام کرو جسے تم انجام دے سکو۔''

اس پر سیدنا احنف نے کوچ کرنے کا حکم دیا اور بلخ لوٹ آئے۔ اس وقت تک ان کے چچا زاد بھائی اسید بن متشمس مصالحت کی رقم وصول کر چکے تھے۔ خراج کی وصولی کے موقع پر مہرجان کا تہوار آ گیا۔ اہل بلخ نے اسید کو سونے چاندی کے برتن، درہم و دینار، ساز و سامان اور کپڑے پیش کیے۔ اسید نے پوچھا: ''کیا یہ چیزیں بھی اس معاہدے میں شامل ہیں جس کے تحت ہم نے تم سے صلح کی تھی۔'' انھوں نے کہا: ''نہیں۔ مگر ہم یہ چیزیں اس دن اپنے حاکم کو اس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے دیتے ہیں۔'' اسید نے پوچھا: ''آج کیا دن ہے؟'' انھوں نے کہا: ''آج مہرجان (میلہ/عید) ہے۔'' اسید نے کہا: ''میں نہیں جانتا کہ اس دن کی کوئی اہمیت ہے؟ لیکن میں یہ تحائف بھی واپس نہیں کرنا چاہتا، ہوسکتا ہے یہ میرا حق ہو، لہٰذا میں لے لیتا ہوں لیکن اسے الگ رکھوں گا تاکہ بعد میں اس کے بارے میں غور کروں۔'' انھوں نے وہ تحائف وصول کر لیے اور سیدنا احنف کو صورت حال بتائی۔ احنف نے تحائف دینے والوں سے تفصیل طلب کی تو انھوں نے وہی جواب دیا جو اسید کو دے چکے تھے۔ انھوں نے کہا: ''میں یہ سامان امیر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤں گا۔'' چنانچہ وہ یہ تحائف ابن عامر کے پاس لے گئے اور اس کی تفصیل بتائی تو انھوں نے کہا: ''اے ابو بحر! انھیں اپنے پاس رکھو، یہ تحائف آپ ہی کے ہیں۔'' اس پر احنف بن قیس نے کہا: ''مجھے ان کی ضرورت نہیں۔'' ابن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مسمار! اسے تم لے لو۔'' چنانچہ مسمار قریشی نے اسے وصول کر لیا اور ان کا نام مضم پڑ گیا۔[1]

[1] تاریخ الطبري: 319/5.

ابن عامر رضی اللہ عنہ کا نیشاپور سے احرام

جب سیدنا احنف بن قیس ابن عامر رضی اللہ عنہ کے ہاں واپس آئے تو لوگوں نے ابن عامر سے کہا: کسی کے ہاتھوں اتنی فتوحات نہیں ہوئیں جتنی تمھارے ہاتھوں ہوئی ہیں۔ فارس (ایران)، کرمان، سجستان اور خراسان کا سارا علاقہ تمھارے ہاتھوں فتح ہوا ہے۔ اس پر ابن عامر نے کہا: ''تب تو میرے لیے ضروری ہے کہ میں ان کامیابیوں کا شکر اس طرح ادا کروں کہ اپنی اقامت گاہ ہی سے احرام باندھ لوں اور عمرہ ادا کرنے جاؤں۔'' چنانچہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے نیشاپور ہی سے عمرے کا احرام باندھ لیا۔ جب وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے انھیں خراسان سے احرام باندھنے پر ملامت کی اور فرمایا: ''کاش تم میقات سے احرام باندھتے جہاں دوسرے مسلمان احرام باندھتے ہیں۔''[1]

خراسان میں قارن کی شکست

جب ابن عامر رضی اللہ عنہ خراسان کی مہمات سے واپس ہوئے تو قیس بن ہیثم کو خراسان میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ ابن عامر کے واپس آنے کے بعد قارن چالیس ہزار ترکوں کا لشکر لے کر حملے کے لیے نکلا۔ عبداللہ بن خازم بھی چار ہزار کا لشکر لے کر قارن کے مقابلے کے لیے نکلے۔ جب شام ہوئی تو انھوں نے چھ سو سپاہیوں کا ہراول دستہ آگے بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ نیزوں کی نوک پر روئی اور تیل لگا کر آگ روشن کریں، وہ آدھی رات ہی کو قارن کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ ترکوں کے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ سمجھ ہی نہ سکے کہ یہ کیا آفت آن پڑی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے مختصر سے ہراول دستے ہی نے دشمن کے چالیس ہزار کے لشکر کو جنگ میں الجھائے رکھا۔ اس دوران ابن خازم نے باقی فوج کو ساتھ لے کر ان کا گھیراؤ کر لیا۔ ترک دم دبا کر بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔

[1] البداية والنهاية: 167/7، وتاريخ الطبري: 319/5.

بہت سے فوجیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ قارن بھی مارا گیا۔ دشمن کے بہت سے فوجی قیدی بنا لیے گئے اور بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ ابن خازم نے اس فتح کی خوشخبری ابن عامر کو دی تو وہ اس سے راضی ہو گئے اور اسے خراسان کی حکومت پر بحال رکھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ اس نے ایک حیلے کے ذریعے سے سابق حاکم قیس بن ہیثم کو خراسان سے نکال دیا تھا اور خود قارن سے جنگ کرنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ جبکہ قیس کو خود ابن عامر اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے غرضیکہ جب ابنِ خازم نے قارن کو شکست دے کر اور اس کے سازوسامان پر قبضہ کر کے ابن عامر کو یہ خوشخبری سُنائی تو وہ خوش ہو گئے اور اسے خراسان کی حکومت پر بحال رکھا۔[1]

اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مشرق میں اٹھنے والی شورشوں اور بغاوتوں کا سدباب کیا۔ فتوحات کا سلسلہ مسلسل جاری رہا۔ بغاوتیں مسلمانوں کو کمزور نہ کر سکیں۔ انھیں کچلنے کے لیے خلیفۂ راشد ہر آن مستعد رہے۔ ان کے عزم و استقلال میں ذرا بھی کمی نہیں آئی۔ انھوں نے بڑی جرأت کے ساتھ ہر چیلنج کا مقابلہ کیا اور بڑی تیزی سے حالات کا رخ پھیر دیا۔ آپ نے امدادی مہمات شروع کیں۔ نہایت قابل، اہل اور باصلاحیت افراد کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں۔ تاریخ طبری، ابن کثیر اور کلاعی میں وارد واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جن حضرات کو سرکاری عہدوں اور قیادت کے لیے منتخب کیا وہ اپنے مناصب کے پوری طرح اہل تھے۔ انھوں نے نہایت کامیابی سے فتوحات کا دائرہ وسیع کیا اور پریشان کن صورتِ حال پر خوش اسلوبی سے قابو پا لیا۔ وہ نہایت موزوں افراد تھے اور ان کا انتخاب الہامی تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس بات سے بھی بخوبی واقف تھے کہ جہاد کی ذمہ داری بہت مشکل اور بڑی اہم ہے جو بھرپور توجہ اور رہنمائی کا تقاضا کرتی ہے اس وقت جدال وقتال کا دائرہ کار نہایت وسیع ہو چکا تھا، نت نئے فتنے

[1] البداية والنهاية: 167/7.

سر اٹھا رہے تھے۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ شہروں کی مسافت بہت زیادہ تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد جس طرح اور جس تیزی سے درپیش مشکلات پر قابو پایا، وہ ان کے استقلال، عزم و ہمت و بردباری، حد درجہ احتیاط، شخصی قوت اور پختہ بصیرت کی بڑی روشن دلیل ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مملکت اسلامیہ کے وقار کو بہت نقصان پہنچا اور مملکت میں خاصی کمزوری آ گئی تھی۔ اس عظمت اور وقار کو دوبارہ بحال کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے فضل و کرم کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مساعیِ جمیلہ نہایت مؤثر طور پر کارفرما رہیں اور آپ کے اقدامات کے نہایت شاندار نتائج سامنے آئے۔ ذرا ان نتائج پر نظر ڈالیے:

- باغیوں اور سرکشوں کو مطیع ہونا پڑا اور ان پر دوبارہ سلطنتِ اسلامیہ کی دھاک بیٹھ گئی۔
- فتوحات اسلامیہ کا دائرہ بغاوت کرنے والے شہروں سے آگے تک وسیع کر دیا گیا تاکہ ان شہروں میں پناہ لینے والے باغیوں کی روک تھام ہو اور ان شہروں سے جو فتنے سر اٹھاتے ہیں ان کا قلع قمع کیا جا سکے۔
- مفتوحہ شہروں کی حفاظت کے لیے مسلمانوں نے باقاعدہ ضابطے مقرر کیے جن کی روشنی میں وہ ان شہروں کی نگرانی کرتے تھے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) نا اہل اور کمزور تھے اور سلطنت اسلامیہ پر ان کی گرفت مضبوط نہیں تھی[1] جیسا کہ رافضیوں، شیعوں اور مستشرقین کی روایات کی دلدل میں پھنسے ہوئے بعض لوگ خیال کرتے ہیں یا جو ان کے بودے منہج کے پیروکار ہیں، تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک کمزور قیادت کے نتیجے میں اس قدر عظیم الشان فتوحات نصیب ہوں، انتہائی دانشمندانہ پالیسیاں کامیاب رہیں اور صوبوں کا نظم و ضبط مثالی حیثیت اختیار کر جائے؟

[1] تحقیق مواقف الصحابة: 1/409,408.

بلادِ مشرق کی فتوحات کے ایک قائد کا تذکرہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں عظیم الشان فتوحات ہوئیں۔ مناسب ہے کہ عہد عثمان رضی اللہ عنہ کی فتوحات کے چیدہ چیدہ کمانڈروں کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی جائے۔ چونکہ یہاں مشرق کی فتوحات کا تذکرہ کیا گیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ ان فتوحات میں اہم کردار ادا کرنے والے کسی زبردست سپہ سالار کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی جائے، چنانچہ میں نے ان جرنیلوں میں سے احنف بن قیس رحمہ اللہ کا انتخاب کیا ہے:

احنف بن قیس رحمہ اللہ

٭ نام ونسب اور خاندان: آپ کا اصل نام ضحاک یا صخر تھا لیکن آپ ابو بحر احنف بن قیس کے نام سے مشہور تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: احنف بن قیس بن معاویہ بن حصین بن حفص بن عبادہ تمیمی۔[1] والدہ کا نام حبّہ بنت عمرو بن قرط باہلیہ تھا،[2] اُن کے بھائی اخطل بن قرط بہادری میں اپنی مثال آپ تھے۔ احنف بن قیس اپنے اس ماموں پر فخر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

«وَمَنْ لَّهٗ خَالٌ مِثْلَ خَالِي؟»

''میرے ماموں جیسا بھلا کس کا ماموں ہے؟''[3]

آپ بڑے بلند مرتبہ کبار تابعین میں سے تھے۔ اپنی قوم کے نہایت مقبول لیڈر تھے۔[4] نہ صرف اپنی قوم کے بلکہ اہل بصرہ کے بھی سردار تھے۔[5] آپ لوگوں کے طبقات، طبائع اور میلانات کے اختلاف کے باوجود ہردلعزیز اور بااعتماد تھے۔ آپ کا شمار،

[1] جمهرة أنساب العرب لعلي بن أحمد الأندلسي، ص: 217، والطبقات لابن سعد: 95/7.
[2] قادة فتح السند وأفغانستان لمحمود خطاب، ص: 258. [3] جمهرة أنساب العرب لعلي بن أحمد الأندلسي، ص: 212. [4] قادة فتح السند وأفغانستان لمحمود خطاب، ص: 285. [5] الإصابة: 103/1، و أسد الغابة: 55/1.

دانا، دور اندیش اور صاحب عقل و بصیرت لوگوں میں ہوتا تھا۔آپ دیندار، ذہین وفطین اور فصیح و بلیغ تھے۔ آپ کا حلم ایک ضرب المثل بن گیا تھا۔کسی شاعر نے آپ کے بارے میں کہا تھا:

إِذَا الْأَبْصَارُ أَبْصَرَتِ ابْنَ قَيْسٍ ظَلَلْنَ مَهَابَةً مِّنْهُ خُشُوعًا

''جب آنکھیں ابن قیس کو دیکھتی ہیں تو ان کی ہیبت کی تاب نہ لاتے ہوئے بے اختیار جھک جاتی ہیں۔''[1]

آپ کے بارے میں خالد بن صفوان نے کہا تھا: ''احنف بن قیس شرف اور جاہ وجلال سے دور بھاگتے تھے لیکن شرف ان کا پیچھا کرتا تھا۔''[2]

یہاں آپ کی چند صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

❁ **حلم و بردباری:** احنف بن قیس رحمہ اللہ نہایت حلیم اور بردبار تھے۔آپ کے حلم کی مثال دی جاتی تھی، ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ حلم کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: ''صبر کے ساتھ ساتھ عجز و انکسار اختیار کرنا۔'' لوگ آپ کے حلم پر تعجب کرتے تو آپ فرماتے: ''مجھے بھی تمھاری طرح غصہ آتا ہے لیکن میں صبر سے کام لیتا ہوں۔ میں نے حلم قیس بن عاصم منقری سے سیکھا ہے۔''[3] اس کے بیٹے کو اس کے بھتیجے نے قتل کر دیا۔ قاتل کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کے سامنے پیش کیا گیا تاکہ قصاص لے لیں لیکن قیس نے کہا: ''تم نے اِس نوجوان کو خوفزدہ کر دیا ہے!'' پھر نوجوان کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ''تم نے بہت برا کیا۔ اپنی تعداد گھٹا دی، اپنی قوت کو کمزور کیا، دشمن کو ہنسایا اور اپنی قوم سے برا سلوک کیا۔'' پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: ''اسے چھوڑ دو اور مقتول کی ماں کو دیت ادا کر دو «فإنها غريبة» کیونکہ وہ تنہا ہو چکی ہے۔'' قاتل چلا گیا۔قیس نے پہلو تک نہ بدلا۔ نہ اس کے چہرے پر کوئی تغیر پیدا ہوا۔[4]

[1] قادة فتح السند وأفغانستان لمحمود خطاب، ص: 304. [2] تهذيب ابن عساكر: 13/7.
[3] الاستيعاب: 1294/3. [4] وفيات الأعيان لابن خلكان: 188/2.

ایک شخص نے احنف بن قیس سے کہا: ''ابو بحر! مجھے حلم و بردباری سکھائیے۔'' انھوں نے کہا: ''اے بھتیجے! حلم ذلت کا نام ہے، کیا تو اس پر صبر کرے گا؟'' اور فرمایا: ''میں حلیم نہیں ہوں لیکن کوشش کر کے حلیم بنتا ہوں۔'' ان کے حلم کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے انھیں گالی دی۔ وہ خاموش رہے۔ اس نے دوبارہ گالی دی۔ وہ پھر بھی چپ رہے۔ اس نے تیسری بار گالی دی۔ آپ نے پھر بھی سکوت اختیار کیا۔ گالی دینے والا عاجز آ گیا اور چلا کر کہنے لگا: ''یہ مجھے اس لیے جواب نہیں دیتا کہ مجھے ذلیل سمجھتا ہے۔''[1]

آپ فرمایا کرتے تھے: ''جو ایک کلمہ نہیں سن سکتا اسے کئی باتیں سننا پڑتی ہیں۔ میں کئی بار اس لیے غصہ پی گیا کہ اس کے اظہار کا انجام اس سے بھی زیادہ خوفناک تھا۔'' یاد رہے کہ آپ کا حلم ایک قوی اور با اختیار شخص کا حلم تھا، عاجز اور کمزور شخص کا حلم نہیں تھا۔ آپ نے بعض مواقع پر ایسی زبردست لڑائی کی کہ ایک شخص پوچھ بیٹھا: ''ابو بحر! اب آپ کا حلم کہاں گیا؟'' انھوں نے جواب دیا: ''گھر چھوڑ آیا ہوں۔''[2]

❁ عقل و دانش: احنف بن قیس نہایت، عاقل اور دور اندیش انسان تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے کہا: ''جس آدمی میں چار خوبیاں ہوں وہ بلا مقابلہ اور بغیر روک ٹوک اپنی قوم کا سردار بن جاتا ہے: جس کا دین اسے ظلم و زیادتی سے روکتا ہو، جس کا حسب اس کی حفاظت کرتا ہو، جس کی عقل اس کی رہنمائی کرتی ہو اور جس کی حیا اسے رذائل سے منع کرتی ہو۔''[3]

ان کا قول ہے: ''عقل سب سے بہترین ساتھی ہے، ادب سب سے عمدہ میراث ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق بہترین رفیق ہے۔''[4]

وہ فرماتے تھے: ''میں نے کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی نہیں کی۔'' جب آپ

[1] قادة فتح السند وأفغانستان لمحمود خطاب، ص: 306. [2] قادة فتح السند وأفغانستان لمحمود خطاب، ص: 306. [3] قادة فتح السند وأفغانستان لمحمود خطاب، ص: 306.
[4] تهذيب ابن عساكر: 19/7.

سے کسی آدمی کا ذکر کیا جاتا تو آپ فرماتے: ''اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، وہ اپنا ہی رزق کھاتا ہے اور اسے موت آ جائے گی۔''[1]

ایک روز ان کے بھتیجے نے ڈاڑھ کے درد کی شکایت کی تو فرمانے لگے: ''تیس سال سے میری آنکھ کی بینائی ختم ہو چکی ہے لیکن میں نے اس کا کسی سے ذکر تک نہیں کیا۔''[2]

مزید فرمایا: ''جب مجھ سے کسی بلند مرتبت نے جھگڑا کیا تو میں نے اس کی قدر و منزلت کا اعتراف کر لیا (اور لڑائی ختم کر دی) جب کسی نچلے درجے کے شخص نے مجھ سے الجھنے کی کوشش کی، میں نے اس سے جھگڑنا اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ ہاں اگر کسی ہم پلہ سے واسطہ پڑا تو میں اس پر فضیلت لے گیا۔''[3]

❋ علم: آپ نہایت ثقہ عالم دین، امانت دار اور کم گو تھے۔ آپ نے سیدنا عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے[4] اور آپ سے روایت کرنے والے حسن بصری اور عروہ بن زبیر وغیرہ ہیں۔[5] آپ کا شمار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے معروف فقہاء میں ہوتا ہے۔

❋ حکمت و دانائی: آپ نہایت حکیم اور دانا تھے۔ ہمیشہ پُر مغز اور نصیحت آموز گفتگو فرماتے تھے۔ آپ سے مروت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ''پرہیزگاری اور برداشت کا نام مروت ہے۔'' پھر لمحہ بھر کے لیے رکے اور یہ شعر پڑھا:

وَ إِذَا جَمِيلُ الْوَجْهِ لَمْ يَأْتِ الْجَمِيلَ فَمَا جَمَالُهُ!
مَا خَيْرُ أَخْلَاقِ الْفَتٰى إِلَّا تُقَاهُ وَاحْتِمَالُهُ

''جب کوئی خوبصورت شخص اچھے کام نہ کرے تو اس کا حسن و جمال کس کام کا؟
نوجوان کے اخلاق میں سب سے بہتر چیز اس کا تقویٰ اور برداشت ہے۔''

[1] تهذيب ابن عساكر: 21/7. [2] تهذيب ابن عساكر: 16/7. [3] قادة فتح السند وأفغانستان لمحمود خطاب، ص: 307. [4] الطبقات لابن سعد: 93/7. [5] قادة فتح السند وأفغانستان لمحمود خطاب، ص: 308.

ایک اور موقع پر آپ سے مروت کے معنی پوچھے گئے تو فرمایا:

❁ دین کے معاملے میں نفسانی خواہشات سے بچنے کا ملکہ پیدا کرنا۔

❁ مصائب پر صبر کرنا۔

❁ والدین سے حسن سلوک کرنا۔

❁ غصے کے وقت بردباری اختیار کرنا۔

❁ بدلہ لینے کی قدرت رکھتے ہوئے درگزر سے کام لینا۔

ان تمام خصوصیات کا نام مروت ہے۔[1]

مزید فرمایا:

❁ ادب کی چوٹی زبان (کا صحیح استعمال) ہے۔

❁ جس قول کے مطابق عمل نہ ہو اس قول میں کوئی خیر نہیں۔

❁ اس ظاہر میں کوئی خیر نہیں جس کی باطن سے یکسانیت نہ ہو۔

❁ جو مال سخاوت سے خالی ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

❁ جس دوست میں وفا نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔

❁ ورع سے خالی فقہ خیر سے خالی ہے۔

❁ نیت کے بغیر صدقہ بے ثمر ہے۔[2]

فرمایا:

''ریاکاری نہ کرو۔ اس طرح تم اپنی نیکی کو باقی رکھو گے۔''[3]

فرمایا:

❁ زیادہ ہنسنا رعب و دبدبے کو ختم کر دیتا ہے۔

[1] قادة فتح السند وأفغانستان لمحمود خطاب، ص: 308. [2] تهذيب ابن عساكر: 20,19/7.

[3] البداية والنهاية: 331/7.

٭ کثرتِ مزاح سے مروت جاتی رہتی ہے۔

٭ جو کسی چیز کا التزام کرتا ہے وہ اس کی پہچان بن جاتی ہے۔[1]

فرمایا:

''ہماری مجلس میں کھانے اور عورتوں کے ذکر سے اجتناب کرو۔ مجھے اس شخص سے شدید نفرت ہے جو نفسانی خواہشات اور جسمانی خوبیاں بیان کرتا رہے۔ مروت یہ ہے کہ بھوک باقی ہو اور کھانا ترک کر دیا جائے۔''[2]

فرمایا:

''لوگوں کی اکثریت ساتھ ہو تو سرداری ہوتی ہے۔'' یعنی جب تک کوئی شخص عوام میں مقبول نہ ہو اسے خواص میں اس کی مقبولیت کوئی فائدہ نہیں دیتی۔[3]

٭ فصاحت و بلاغت: آپ نہایت فصیح اللسان اور قادر الکلام تھے۔ ایک مرتبہ خطبہ دیا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا: ''اے بنو ازد اور بنو ربیعہ! تم ہمارے دینی بھائی اور ازدواجی رشتہ و قرابت میں ہمارے شریک ہو، نسب میں ہماری مثل اور ہمارے سگے ہو، رہائش میں ہمارے ہمسائے اور دشمن کے خلاف ہمارے بازو ہو، اللہ کی قسم! ازدِ بصرہ ہمیں کوفہ کے بنو تمیم سے زیادہ محبوب ہیں اور ازدِ کوفہ ہمیں شام کے بنو تمیم سے زیادہ پسند ہیں، اگر تمھاری دشمنی حد سے بڑھ جائے تب بھی ہمارے ضبط و تحمل اور اموال میں اپنے اور تمھارے لیے وسعت باقی رہے گی۔''[4]

احنف بن قیس رحمہ اللہ نہایت حاضر جواب تھے۔ واضح اور مدلل گفتگو کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ایک قوم کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہاں خون بہا ادا کرنے کے بارے میں گفت و شنید ہو رہی تھی۔ آپ نے کہا: ''فیصلہ کرو۔'' انھوں نے کہا: ''ہم دو دیتوں کا مطالبہ

[1] وفيات الأعيان لابن خلكان: 187/2. [2] وفيات الأعيان لابن خلكان: 188/2. [3] قادة فتح السند وأفغانستان، ص: 309. [4] قادة فتح السند وأفغانستان، ص: 309.

کرتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے تمھیں دوہری دیت مل جائے گی۔'' پھر جب وہ خاموش ہو گئے تو فرمایا: ''جو کچھ تم نے مطالبہ کیا ہے میں تمھیں ادا کروں گا لیکن میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں: ''اللہ تعالیٰ نے ایک دیت کا حکم دیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی ایک ہی دیت ادا کرنے کا فیصلہ سنایا تھا۔ اور آج تم دوہری دیت کا مطالبہ کر رہے ہو، مجھے خدشہ ہے کہ کل کلاں تم سے بھی یہی مطالبہ ہوگا اور لوگ تمھارے جاری کردہ دو دیتوں والے طریقے سے کم پر راضی نہیں ہوں گے۔'' یہ سُن کر ان لوگوں نے کہا: ''ہم ایک دیت واپس کرتے ہیں۔''[1]

احنف رحمہ اللہ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''میری مدح کی جائے یا مذمت مجھے کوئی پروا نہیں۔'' احنف بن قیس رحمہ اللہ نے اسے مخاطب کرکے کہا: ''تو اس مرحلے استراحت پا گیا جہاں بڑے بڑے معزز تھک ہار جاتے ہیں۔''[2]

❁ **ایثار و قربانی:** احنف بن قیس رحمہ اللہ جو چیز اپنے لیے پسند کرتے وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرتے تھے بلکہ دوسروں کو خیر اور بھلائی کے معاملے میں اپنی ذات پر ترجیح دیتے تھے۔ محنت کرکے دوسروں کو فائدہ پہنچا کر آپ کو دلی مسرت ہوتی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ جب وہ مدینہ منورہ آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں کچھ انعام دیا تو آپ نے کہا: ''امیر المؤمنین! ہم نے صحرا اس لیے عبور نہیں کیے اور نہ دن رات کی جانفشانی اس لیے کی کہ انعام بٹوریں۔ میری ضرورت بھی وہی ہے جو میرے پیچھے والے سپاہیوں کی ہے۔'' ان کی اس بات نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں ان کا مقام و مرتبہ بڑھا دیا۔[3]

❁ **امانت:** احنف بن قیس رحمہ اللہ نہایت امین تھے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ

[1] وفيات الأعيان لابن خلكان: 188/2. [2] وفيات الأعيان لابن خلكان: 188/2. [3] التهذيب لابن عساكر: 12/7.

احنف رحمہ اللہ نے اپنے چچا زاد اسید بن متشمس کو بلخ کا عامل مقرر کیا۔ اس نے مصالحت کی رقم وصول کی۔ اس رقم کی وصولی کے موقع پر اہل بلخ نے اسید کو سونے چاندی کے برتن، درہم و دینار اور کپڑے وغیرہ دیے تو اسید نے کہا: ''کیا یہ وہ مال ہے جس پر ہم نے تم سے مصالحت کی تھی؟'' انھوں نے کہا: ''نہیں! یہ کچھ تحائف ہیں جو ہم آج کے دن اپنے حاکم کا قرب اور شفقت حاصل کرنے کے لیے دیتے ہیں۔'' اسید نے کہا: ''یہ کون سا دن ہے؟ انھوں نے کہا: ''مہرجان (عید) کا دن ہے۔'' اس پر اسید نے کہا: ''مجھے معلوم نہیں کہ یہ کیسا دن ہے۔ میں یہ تحائف واپس کرنا بھی نامناسب سمجھتا ہوں۔ ممکن ہے یہ میرا حق ہو۔ میں اسے وصول کر لیتا ہوں لیکن استعمال کرنے سے پہلے غور و فکر کروں گا، لہٰذا اس نے یہ مال لے لیا اور احنف کے پاس آ کر اس کی خبر دی۔ احنف رحمہ اللہ نے اہل بلخ سے مال کے متعلق پوچھا تو انھوں نے وہی کچھ کہا جو ان کے چچا زاد سے کہا تھا۔ انھوں نے کہا ''میں یہ مال امیر کے پاس لے جاتا ہوں۔'' جب وہ یہ مال لے کر عبداللہ بن عامر کے پاس گئے اور ساری صورت حال سے آگاہ کیا تو ابن عامر نے کہا: ''ابو بحر! یہ آپ ہی کا مال ہے، اسے رکھ لو۔'' احنف نے فرمایا: ''مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔''[1]

آپ تحائف لینے سے گریز کرتے تھے اور صرف غنیمت کے حصے پر اکتفا کرتے تھے۔[2]

❊ **وقار و تمکنت:** احنف بن قیس رحمہ اللہ نہایت باوقار اور توقف کرنے والے تھے۔ ہر کام کرنے سے پہلے ہزار بار سوچتے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا: ''ابو بحر! آپ اس قدر غور و فکر کیوں کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ''مجھے صرف تین کاموں میں جلدی کا پتہ ہے: نماز کے لیے حتی کہ میں اسے ادا کر کے فارغ ہو جاؤں، جنازے میں، یہاں تک کہ اسے دفن کرلوں۔ اور جب بیٹی کا ہم پلہ رشتہ آ جائے تو اس کا نکاح کر دوں۔''[3]

[1] تاریخ الطبري: 5/319. [2] قادة فتح السند وأفغانستان، ص: 313. [3] الطبقات لابن سعد: 7/96.

❋ ورع: احنف بن قیس رحمہ اللہ نہایت مضبوط ایمان والے اور متقی و پرہیز گار تھے۔ دعوت اسلام پہنچنے کے فوراً بعد حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور آپ کی قوم بھی آپ کے حکم سے اسلام لے آئی۔[1]

آپ نے اولین مبلغینِ اسلام کی بھرپور حمایت کی اور نہایت امانت و دیانت کے ساتھ ان کا دفاع کیا۔[2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب ان کی قوم اور اکثر عرب مرتد ہو گئے تو آپ اس وقت بھی نہ صرف دین اسلام پر کاربند رہے بلکہ بذریعہ جہاد اس کا بھرپور دفاع کرنے اور اسے پھیلانے کا حق ادا کیا۔ اس سلسلے میں آپ کو بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے ان سے بڑھ کر کوئی معزز سردار نہیں دیکھا۔''[3]

احنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک سال تک اپنے پاس روکے رکھا۔ آپ روزانہ صبح و شام میرے ہاں تشریف لاتے، میری طرف سے انھیں وہی کچھ دیکھنے اور سننے کو ملتا جو وہ چاہتے تھے۔''[4]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے معیار پر پورا اترنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ جب احنف بن قیس رحمہ اللہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے معیار پر پورے اترے تو انھوں نے امیر بصرہ کے نام خط لکھا، اس میں یہ جُملہ درج تھا: ''احنف اہل بصرہ کے سردار ہیں۔''[5]

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ احنف سے مشورہ کیا کریں اور ان کی بات کو اہمیت دیا کریں۔[6]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک سال اپنے پاس ٹھہرانے کے بعد فرمایا: ''احنف! میں نے

[1] شذرات الذهب لأبي الفلاح الحنبلي: 78/1. [2] قادة فتح السند وأفغانستان، ص: 314.
[3] البداية والنهاية: 331/7. [4] قادة فتح السند وأفغانستان، ص: 314. [5] قادة فتح السند وأفغانستان، ص: 314. [6] التهذيب لابن عساكر: 12/7.

تیری آزمائش کی اور تجھ میں خیر کے سوا کچھ نہیں پایا۔ میں نے دیکھا کہ تیرا ظاہر نہایت خوبصورت ہے۔ امید ہے کہ تیرا باطن بھی تیرے ظاہر کی طرح ہو گا۔''[1]

احنف رحمہ اللہ بہت نیک سیرت، عبادت گزار اور رات کو قیام کرنے والے تھے۔ آپ دیا جلا لیتے۔ پھر نماز پڑھتے ہوئے روتے رہتے حتی کہ صبح ہو جاتی۔ اپنی انگلی دیے پر رکھتے اور اپنے آپ سے کہتے: ''اے ابو بحر! جب تو اس چراغ کی آگ برداشت نہیں کر سکتا تو بڑی آگ، یعنی جہنم کو کس طرح برداشت کرے گا؟''[2]

آپ سے کہا گیا کہ آپ اتنی کثرت سے روزے رکھتے ہیں، یہ مناسب نہیں۔ اس طرح آپ کا معدہ کمزور ہو جائے گا۔ انھوں نے فرمایا: ''میں اسے لمبے سفر کے لیے تیار کر رہا ہوں۔''[3]

احنف رحمہ اللہ خراسان کے گورنر مقرر ہوئے اور ایران پہنچے۔ یہاں انھیں جنابت لاحق ہوئی۔ غضب کی سردی تھی لیکن انھوں نے کسی غلام یا سپاہی کو نہیں جگایا خود ہی پانی کی تلاش میں نکل پڑے، ادھر ادھر پھرتے رہے۔ حتیٰ کہ پاؤں سے خون بہنے لگا، تلاشِ بسیار کے بعد انھیں ایک جگہ برف ملی۔ انھوں نے اسے توڑا۔ پھر اس سے غسل کیا۔[4]

آپ کو جب تنہائی میسر آتی تو قرآن مجید منگواتے تھے، اس کی تلاوت کرتے تھے اور اس کے حقائق و بصائر پر غور کرتے تھے۔ یاد رہے کہ قرآن مجید میں غور و فکر اسلاف کا شیوہ تھا۔[5] آپ درج ذیل دعائیں کیا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنْ تَغْفِرْلِي فَأَنْتَ أَهْلُ ذَاكَ، وَ إِنْ تُعَذِّبْنِي فَأَنَا أَهْلُ ذَاكَ»

''اے باری تعالیٰ! اگر تو مجھے معاف کر دے تو یقیناً تو ایسا کر سکتا ہے۔ اگر تو مجھے عذاب دے تو میں واقعی (اپنے گناہوں کی وجہ سے) اس کا مستحق ہوں۔''[6]

[1] الطبقات لابن سعد: 94/7. [2] البداية والنهاية: 331/7. [3] الطبقات لابن سعد: 94/7. [4] الطبقات لابن سعد: 94/7. [5] الطبقات لابن سعد: 95/7. [6] قادة فتح السند وأفغانستان، ص: 315.

«اَللّٰهُمَّ! هَبْ لِي يَقِينًا تُهَوِّنْ بِهٖ عَلَيَّ مُصِيبَاتِ الدُّنْيَا»

"اے اللہ! مجھے اتنا کامل یقین عطا کر دے جو دنیاوی مصائب کو میرے لیے آسان بنا دے۔"[1]

آپ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے اپنے آپ کو موت کے دن کی تیاری کے لیے تھکا دیا۔"[2]

آپ فرمایا کرتے تھے:

"مجھے انسان پر حیرت ہے کہ دو مرتبہ پیشاب کے راستے سے گزرنے کے بعد بھی تکبر کرتا ہے۔"[3]

یہ احنف بن قیس رحمہ اللہ کی وہ نمایاں خوبیاں تھیں جنھوں نے انھیں سب کا محبوب بنا دیا۔ لوگ ان پر بھرپور اعتماد کرتے تھے، ان سے محبت کرتے تھے۔ ان کی تعظیم کرتے تھے۔ یہ خوبیاں جس شخص میں بھی ہوں اسے ہر دل عزیز، باا ثر اور طاقتور بنا دیتی ہیں۔ عوام الناس میں یہ خوبیاں شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہیں اور ایسی اعلیٰ صفات والے گوہر نایاب خال خال ہی پیدا ہوتے ہیں۔[4]

احنف بن قیس رحمہ اللہ عہد عثمانی کی فتوحات کے روحِ رواں تھے، بلادِ مشرق کی فتوحات میں انھوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اتنے کامیاب منصوبے بنائے اور ایسی زبردست حکمت عملی مرتب کی کہ عسکری نقطۂ نظر سے لشکر کی کامیاب قیادت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے محض فوجی منصوبہ بندی اور دفاعی تجاویز پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پوری قوت اور دلیری سے انھیں عملی جامہ بھی پہنایا۔ آپ کی تنہا شخصیت میں

[1] التهذيب لابن عساكر: 16/7. [2] التهذيب لابن عساكر: 16/7. [3] البداية والنهاية: 331/7.
[4] قادة فتح السند وأفغانستان، ص: 316.

بیک وقت بے شمار خوبیاں جمع ہوگئی تھیں۔ آپ بڑے دلیر، انتھک اور دور اندیش کمانڈر تھے۔ عسکری ماہرین سے ہر آن مشورہ کرتے رہتے تھے۔ آپ پر مجاہدینِ اسلام کی بھلائی اور دشمنانِ دین کی پٹائی کی دُھن سوار رہتی تھی۔ جب رات ڈھلنے لگتی اور تارے آنکھیں میچنے لگتے، آپ دبے پاؤں اپنے خیمے سے نکل آتے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک لشکر کا چکر لگاتے۔ دائیں بائیں گشت کرتے۔ مجاہدین کی سرگوشیاں سنتے۔ اگر ان کی باہمی گفتگو میں کوئی اہم اور کانٹے کی بات معلوم ہوجاتی تو اس پر فوراً عمل کرتے تھے۔ وہ حصولِ حکمت کے لیے کسی دائرے تک محدود یا محتاج نہ تھے بلکہ جہاں سے بھی دانائی کی بات ملتی تھی اسے لپک لیتے تھے۔ عہد عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ شیر دل کمانڈر دشمن کو تلوار سے زیادہ اپنی بصیرت سے زیر کرتا تھا۔ ان کی دلیری کا یہ عالم تھا کہ خود کو خطرات میں ڈال کر لوگوں کو امن اور راحت بہم پہنچانے کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ دور اندیشی اور بصیرت کے بڑے اونچے مقام پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اپنی دانشمندی کے بل بوتے وہ اپنے سپاہیوں کے نہایت مشکل اور پرخطر مسائل آسان کر دیتے تھے۔[1]

احنف رحمہ اللہ امت کے بڑے ممتاز اور نمایاں فرد تھے وہ تن تنہا ایک ادارہ اور ایک جماعت کی حیثیت رکھتے تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ایک قول کے مطابق انھیں ''سردارِ اہل مشرق'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔[2]

شام میں فتوحات

فتوحات حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ

گزشتہ اوراق میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے آغاز ہی میں رومیوں نے شام کے مسلمانوں پر زبردست فوج کشی کی اور بہت بڑا لشکر لے کر حملہ آور ہوئے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ اطلاع سنی تو ان کی رگوں میں جہاد کی بجلیاں

[1] قادة فتح السند وأفغانستان، ص:320. [2] قادة فتح السند وأفغانستان، ص:322.

کوندنے لگیں۔ انھوں نے فوراً گورنر کوفہ ولید بن عقبہ کو لکھا کہ اپنے شامی بھائیوں کی مدد کے لیے امدادی کمک بھیجو۔ انھوں نے سلمان بن ربیعہ باہلی کی قیادت میں آٹھ ہزار سپاہی بطور امداد بھیجے۔ اسلامی لشکر روم کی سرزمین میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ انھوں نے بہت سے رومیوں کو قیدی بنایا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ اہلِ شام کے جس لشکر نے آرمینیا فتح کیا اس کے خلاف رومی اور ترک اکٹھے ہو گئے۔ مسلمانوں کی قیادت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ وہ نہایت زیرک سیاست دان اور دشمن کے خلاف مہم جوئی کے ماہر تھے۔ انھوں نے ارادہ کیا کہ رومیوں کے قائد موریان پر شب خون ماریں۔ حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کی بیوی ام عبداللہ بنت یزید کلبیہ نے انھیں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تو پوچھا: ''تمھارا حملہ کہاں تک ہو گا؟'' انھوں نے کہا: ''ہم موریان کے خیمے تک پہنچیں گے یا پھر جنت، یعنی شہید ہو جائیں گے۔'' اس کے بعد انھوں نے دشمن پر شب خون مارا اور غلبہ حاصل کرتے ہوئے موریان کے خیموں تک جا پہنچے، وہاں وہ یہ دیکھ حیران رہ گئے کہ ان کی بیوی ان سے پہلے وہاں پہنچ چکی ہے۔[1]

حبیب رضی اللہ عنہ نے ان پے درپے فتوحات اور حملوں کا سلسلہ آذربائیجان اور آرمینیا میں جاری رکھا اور بالآخر کہیں صلح اور کہیں زور بازو سے مذکورہ تمام علاقے زیرنگیں کر لیے۔[2]

حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا شمار آرمینیا میں لڑائی لڑنے والے نمایاں کمانڈروں میں ہوتا ہے، انھوں نے دشمن کے لشکر واصل جہنم کیے اور بہت سے شہر اور قلعے فتح کیے۔[3] الجزیرہ کی سرحد سے ملحقہ رومی علاقوں پر چڑھائی کی اور شمشاط اور ملطیہ جیسے متعدد قلعے فتح کیے۔

فتوحاتِ شام میں سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا کردار: 25ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم پر لشکرکشی کی۔ وہ پیش قدمی کرتے ہوئے عموریہ تک جا پہنچے۔ وہاں

[1] تاريخ الطبري: 248/5. [2] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين لحمدي شاهين، ص: 252. [3] حروب الإسلام في الشام في عهود الخلفاء الراشدين لمحمد أحمد باشميل، ص: 577.

انھوں نے طرسوس اور انطاکیہ کے درمیان واقع قلعوں کو خالی پایا۔ دشمن ان قلعوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے وہاں بہت سے شامیوں اور اہل جزیرہ کو آباد کر دیا۔ پھر سردی کی وجہ سے غزوے کو مؤخر کر دیا اور اگلے سال موسم گرما میں ان کے ایک کمانڈر قیس بن حر عَبَسی نے غزوے کی باقیات مکمل کیں۔ جب وہ جنگ سے فارغ ہوا تو اس نے انطاکیہ کے گردونواح کے کئی قلعے گرا دیے تاکہ اہلِ روم ان سے فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔[1]

سب سے پہلے بحری جنگ کی اجازت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دی

سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما شام کے گورنر تھے، انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ انھیں بحری جنگ کی اجازت دی جائے۔ انھوں نے حمص کے قریب رومیوں کی موجودگی ہونے کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا: ''حمص کی ایک بستی کے لوگ اہل روم کے کتوں کے بھونکنے اور مرغیوں کے چلانے کی آوازیں سنتے ہیں۔'' انھوں نے روم کے قرب کا اس قدر دردناک نقشہ کھینچا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر اس کا گہرا اثر ہوا، چنانچہ انھوں نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے سمندر اور اس کے مسافروں کی صورت حال سے آگاہ کرو کیونکہ میرا دل اس طرف مائل ہو رہا ہے اور مجھے اس معاملے میں بڑی تشویش ہے۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں لکھا: ''میں نے دیکھا ہے کہ اللہ کی چھوٹی مخلوق اس کی بڑی مخلوق، یعنی کشتی پر سوار ہوتی ہے، وہ جھکتی ہے تو دل دہلنے لگتا ہے اور جب حرکت کرتی ہے تو ہوش و حواس اڑ جاتے ہیں۔ بچنے کا یقین کم ہی ہوتا ہے۔ غرق ہونے کے خدشات زیادہ ہوتے ہیں۔ لوگ اس میں اس طرح سوار ہوتے ہیں جیسے کسی لکڑی کے تختے پر کیڑے بیٹھ جاتے ہیں۔ جونہی وہ الٹ پلٹ ہوتی ہے تو لوگ ڈوب جاتے ہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا خط پڑھا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو

[1] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين لمحمد أحمد باشميل، ص:253.

لکھا: ”میری طرف سے تمھیں بحری جنگ کرنے کی اجازت نہیں۔ اور اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو رسول برحق بنا کر مبعوث فرمایا! میں سمندر پر کسی مسلمان کو ہرگز سوار نہیں ہونے دوں گا۔ اللہ کی قسم! مجھے ایک مسلمان رومیوں کی ساری سلطنت سے کہیں زیادہ محبوب ہے، اب میرے سامنے ایسی درخواست کبھی پیش نہ کرنا۔ میں نے تمھیں ہی خبردار کر دیا ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ میں نے علاء حضرمی سے کیا سلوک کیا تھا، حالانکہ میں نے اس معاملے میں اسے پہلے سے کوئی حکم بھی نہیں دیا تھا۔“[1]

یہ مکتوب گرامی پڑھنے کے باوجود روم پر فوج کشی کی خواہش سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں مسلسل مچلتی رہی۔ وہ سمجھتے تھے کہ روم کی فتح میں مسلمانوں کے لیے نہ صرف بھاری مالی بلکہ دیگر بہت سے دوررس فوائد مضمر ہیں، اس لیے وہ بحری جنگ کے آرزومند رہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اجازت طلب کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا: ”جب تم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بحری جنگ کی اجازت طلب کی تھی اور انھوں نے انکار کر دیا تھا تو اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔ (پس میرا فیصلہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مختلف نہیں ہوسکتا۔)“ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمت نہیں ہاری کچھ وقت گزرنے کے بعد دوبارہ اصرار کیا اور لکھا کہ قبرص کی طرف سمندری سفر نہایت آسان ہے۔ اس کے جواب میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھا: ”اگر تمھاری بیوی بھی تمھارے ساتھ جائے تو اجازت ہے بصورت دیگر نہیں۔“[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بحری جنگ کی اجازت تو دے دی لیکن اسے درج ذیل ہدایات کے ساتھ مشروط کیا: ”لوگوں کا انتخاب نہ کرنا۔ نہ ان کے درمیان قرعہ ڈالنا بلکہ جو اپنی مرضی سے بخوشی ساتھ جانا چاہے اسے لے جانا اور اس کی پوری معاونت کرنا۔“[3]

[1] تاریخ الطبري:285/5. [2] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح: 538/2. [3] تاريخ الطبري:260/5.

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خط ملا تو وہ قبرص پر فوج کشی کے لیے سرگرم ہو گئے انھوں نے ساحل والوں کے ذمہ دار افراد کو لکھا کہ کشتیوں کی اصلاح کرو اور انھیں ''حصن عکا'' کی بندرگاہ کے قریب لاؤ تاکہ مسلمان وہاں سے سوار ہو کر قبرص کی طرف روانہ ہو سکیں۔ ①

جنگِ قبرص

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سپاہیوں کو لے جانے کے لیے مضبوط کشتیوں کا بندوبست کیا روانگی کے لیے ''عکا'' کی بندرگاہ کا انتخاب کیا۔ کشتیاں بہت زیادہ تھیں۔ انھوں نے اپنی بیوی فاختہ بنت قرظہ کو بھی ساتھ لے لیا، اسی طرح عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر کے ساتھ اس غزوے میں شریک ہوئیں۔ ②

یہ وہی امِ حرام ہیں جن کا قصہ معروف ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔ وہ آپ کی خدمت میں کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز ضرور پیش کرتیں۔ ام حرام رضی اللہ عنہا سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے گئے تو ام حرام نے کھانا پیش کیا۔ اس کے بعد وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے جوئیں ٹٹولنے بیٹھ گئیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَاسٌ مِّنْ أُمَّتِي يَرْكَبُونَ الْبَحْرَ الْأَخْضَرَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مَثَلُهُمْ مَثَلُ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ»

میری امت کے کچھ لوگ اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے بحرِ اخضر پر سوار ہوں گے، ان کی مثال (دنیا اور آخرت میں) تخت پر بیٹھے ہوئے بادشاہوں کی سی ہے۔ وہ فرماتی

① الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح: 538/2. ② البداية والنهاية: 159/7.

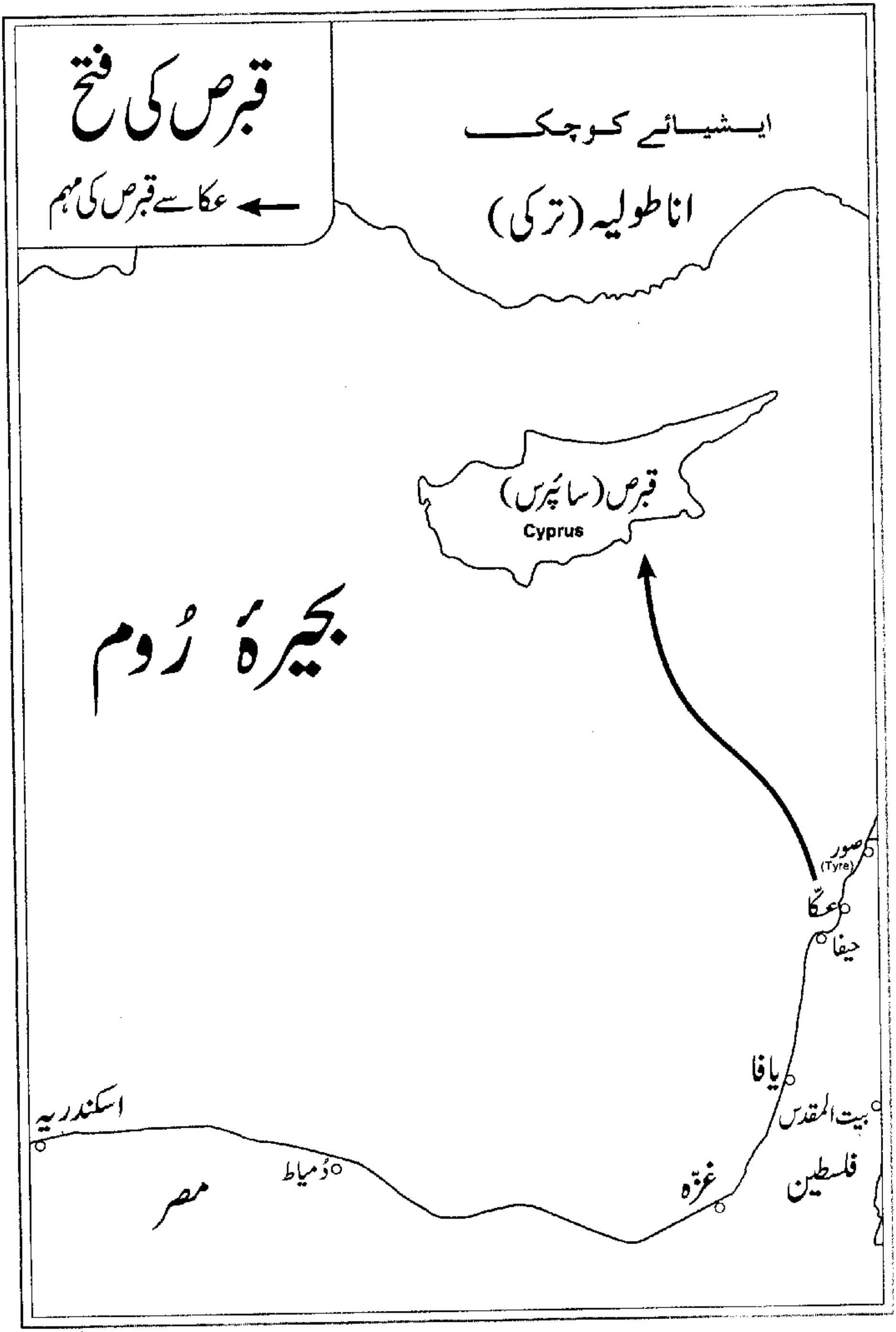
ہیں کہ میں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر دے۔“ آپ نے ان کے لیے دعا کی: «اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْهَا مِنْهُمْ» ”اے اللہ! انھیں بھی ان لوگوں میں شامل کر دے۔“ آپ نے سر رکھا اور سو گئے، پھر بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔ وہ کہتی ہیں، میں نے پوچھا: ”اے اللہ کے رسول! اب آپ کی مسکراہٹ کا کیا سبب ہے؟“ آپ ﷺ نے پہلے ارشاد کا اعادہ فرمایا: وہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: ”اللہ کے رسول! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں شامل کر دے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ» ”تم پہلے گروہ میں سے ہو۔“

پھر ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور سیدنا معاویہ کی گورنری کے زمانے میں بحری سفر پر روانہ ہوئیں لیکن سمندر پار کرنے کے بعد اپنی سواری سے گر گئیں اور اسی تکلیف کی شدت سے وفات پا گئیں۔ [1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی کو اس غزوے کے لیے مجبور نہیں کیا۔ اس کے باوجود مسلمانوں کا ایک بہت بڑا لشکر آپ کی معیت میں نکل پڑا۔ [2] یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک دنیا اور اس کے خزانوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ دنیا کی فراوانی کے باوجود انھوں نے اسے جمع نہیں کیا بلکہ اس کی چمک دمک سے بالکل بے نیاز رہے۔

مسلمانوں کا اِس صداقت عظمیٰ پر کامل یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اخروی نعمتیں زیادہ بہتر اور دائمی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے دین کی نصرت، عدل کرنے، فضل واحسان عام کرنے اور اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کو باقی ادیان باطلہ پر غالب کرنے کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ وہ اس بات کا بھی پورا اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ کے دین کے غلبے کے لیے جدوجہد کرنا ہی ان کا حقیقی فریضہ ہے اور جہاد فی سبیل اللہ، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے

[1] صحيح البخاري، حديث: 2788. [2] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين للدكتور محمد السيد الوكيل، ص: 356.


قبرص کی فتح
عکا سے قبرص کی مہم
ایشیائے کوچک
اناطولیہ (ترکی)
قبرص (سائپرس)
Cyprus
بحیرۂ رُوم
صور
(Tyre)
عکّا
حیفا
یافا
بیت المقدس
فلسطین
غزّہ
اسکندریہ
دُمیاط
مصر

نقشہ: 14

حصول کا ذریعہ ہے۔ مسلمان اس خطرے سے بہت ڈرتے تھے کہ اگر انھوں نے اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کی اور اپنا فرض ادا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ انھیں دنیا میں اپنی مدد اور نصرت اور آخرت میں اپنی خوشنودی سے محروم کر دے گا اور یہ بہت بڑا خسارہ ہے۔ اسی وجہ سے لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوڑ پڑے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر لپک لپک کر کشتیوں میں سوار ہوئے۔ شاید ام حرام رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث ان کے دل و دماغ میں بیٹھ گئی تھی اسی لیے وہ جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے نکل پڑے۔ یہ (28ھ/649ء) میں سردیوں کا موسم ختم ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔[1]

مسلمان شام سے چلے۔ ''عکا'' کی بندرگاہ سے کشتیوں پر سوار ہوئے اور قبرص کی طرف چل دیے۔ مسلمان ساحل پر اترے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا بھی ساحل پر اتریں اور اپنی سواری پر سوار ہونے کے لیے آگے بڑھیں تو سواری کا جانور بدک گیا۔ ام حرام رضی اللہ عنہا زمین پر گر پڑیں۔ اس حادثے میں ان کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ وہیں فوت ہو گئیں۔[2]

مسلمانوں نے دین اسلام کو پھیلانے کے لیے اپنی قربانیوں اور پیش رفت کی آخری جگہ پر بطور یادگار سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کو دفن کر دیا۔ وہاں ان کی قبر ''صالح عورت کی قبر'' کے نام سے آج بھی معروف ہے۔[3]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے درج ذیل ساتھیوں پر مشتمل مجلس مشاورت قائم کی اور درپیش مہم کے بارے میں طویل مشورے کیے: ابو ایوب خالد بن زید انصاری، ابودرداء، ابوذر غفاری، عبادہ بن صامت، واثلہ بن اسقع، عبداللہ بن بشر مازنی، شداد بن اوس بن ثابت، مقداد بن اسود، کعب بن ماتع (کعب احبار) اور جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہم۔

مجلس مشاورت کا اجلاس برخواست کرنے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل قبرص کو

[1] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين للدكتور محمد السيد الوكيل، ص:356. [2] البداية والنهاية:159/7. [3] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين ، ص:357.

پیغام بھیجا کہ ہم تمھارے جزیرے کو چھیننے یا اپنا تسلط قائم کرنے نہیں آئے، ہمارا مقصد تمھیں اللہ کے دین کی دعوت دینا ہے۔ مزید برآں ہم مملکت اسلامیہ کی شام کی سرحد کے تحفظ کے لیے ضمانت لینا چاہتے ہیں۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ بازنطینی باشندے دورانِ جنگ قبرص کو اڈا بنا لیتے تھے، وہاں استراحت کرتے تھے اور خرچ کم پڑ جاتا تو وہاں سے سپلائی لے لیتے تھے۔ بازنطینی قوم بلاد شام کے ان علاقوں کے رہنے والوں کو جو ان کے زیر اثر تھے، اس جائے پناہ کے بل بوتے پر ڈراتی دھمکاتی رہتی تھی۔ جب تک مسلمانوں کی اس جزیرے والوں سے مصالحت نہیں ہو جاتی تھی یا وہ مسلمانوں کی پالیسیوں اور ارادوں کے تابع نہیں ہو جاتے تھے تب تک اس جزیرے کا وجود مسلمانوں کے غلبے کی راہ میں ایک کانٹے اور ان کی سرحد میں ایک تیر کی حیثیت رکھتا تھا لیکن جزیرے کے باسیوں نے حملہ آوروں کی اس پیش کش کو قبول نہ کیا۔ نہ ان کے لیے شہر کے دروازے کھولے بلکہ اپنے دارالحکومت میں قلعہ بند ہو گئے اور مسلمانوں کے مقابلے کے لیے بھی نہ نکلے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ رومی آ کر ان کا دفاع کریں گے اور مسلمانوں کی یلغار روکیں گے۔[1]

خود سپردگی اور صلح کی درخواست: جب انھوں نے مسلمانوں کی پیش کش قبول نہ کی تو مسلمان آگے بڑھے اور انھوں نے قبرص کے دارالحکومت قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ بہت جلد وہ لوگ صلح کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے، مسلمانوں نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ انھوں نے مسلمانوں کے سامنے کچھ شرائط رکھیں اور مسلمانوں نے بھی ان پر چند شرائط عائد کیں۔ اہل قبرص نے درخواست کی کہ ان پر کوئی ایسی شرط عائد نہ کی جائے جو انھیں اہل روم سے الجھا دے کیونکہ ان میں رومیوں کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے، نہ وہ ان سے جنگ کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں نے ان پر درج ذیل شرائط لاگو کیں:

- اہل جزیرہ پر اگر کوئی جنگ جو حملہ آور ہوگا تو مسلمان ان کا دفاع نہیں کریں گے۔

[1] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 357.

❁ اہل جزیرہ کے لیے لازم ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو ان کے رومی دشمنوں کی نقل وحرکت سے آگاہ کریں۔

❁ اہل جزیرہ ہر سال مسلمانوں کو سات ہزار دو سو دینار بطور جزیہ دیا کریں گے۔

❁ انھیں دشمن کے خلاف مسلمانوں کی رہنمائی کرنا ہوگی یا ان کا سفر خرچ برداشت کرنا ہوگا۔

❁ رومی اگر اسلامی شہروں پر حملہ کرنے کی کوشش کریں تو اہل جزیرہ ان کی مدد نہیں کریں گے، نہ انھیں مسلمانوں کے رازوں سے آگاہ کریں گے۔[1]

اس کے بعد مسلمان واپس شام آگئے، لیکن اس کارروائی نے ثابت کر دیا کہ مسلمان کسی بھی بڑے سے بڑے بحری معرکے میں کود جانے کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں، مزید برآں اس مہم کے ذریعے مسلمانوں کو بلاد شام اور اسکندریہ پر حملہ کرنے کے منتظر رہنے والے دشمنوں کے ساتھ بحری معرکوں میں طبع آزمائی کے لیے مشق کرنے کی فرصت بھی میسر آگئی۔[2]

شام کے اسلامی بحری بیڑے کے قائد عبداللہ بن قیس رحمہ اللہ کا تذکرہ: سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے بحری فوج پر بنوفزارہ کے حلیف عبداللہ بن قیس جاسی رحمہ اللہ کو کمانڈر مقرر کیا۔ انھوں نے سردیوں اور گرمیوں میں پچاس حملے کیے۔ اس دوران کوئی شخص غرق ہوا نہ کسی کو نقصان پہنچا۔ عبداللہ بن قیس ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لشکر کو خیر و عافیت سے رکھے اور ان میں سے کسی کو موت سے دو چار کر کے انھیں آزمائش میں نہ ڈالے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ بعد ازاں جب اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن قیس کو اکیلے ہی اس آزمائش میں مبتلا کرنے کا ارادہ فرمایا تو وہ خبر رسانی والوں کی ایک کشتی میں سوار ہوئے اور رومی علاقے کی ایک بندرگاہ تک پہنچ گئے۔ اس جگہ خاصے غریب لوگ جمع تھے۔ سوال کیے بغیر احسان کے خواہاں تھے۔ عبداللہ بن قیس نے

[1] تاريخ الطبري: 261/5. [2] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 359,358.

انھیں خیرات دی۔ خیرات مانگنے والوں میں سے ایک عورت واپس گاؤں گئی اور وہاں کے مردوں سے کہنے لگی: ''کیا تم عبداللہ بن قیس کو پکڑنا چاہتے ہو؟'' انھوں نے پوچھا: ''وہ کہاں ہے؟'' اس نے کہا: ''بندرگاہ پر۔'' وہ کہنے لگے: ''کم بخت تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ عبداللہ بن قیس ہے؟'' اس نے انھیں ملامت کرتے ہوئے کہا: ''تم اتنے نااہل ہو کہ عبداللہ کو پہچان بھی نہیں سکتے۔'' چنانچہ وہ اسی وقت نکلے اور جا کر عبداللہ بن قیس پر حملہ کر دیا، جنگ جاری رہی بالآخر عبداللہ بن قیس شہید ہو گئے۔ ملاح بچ کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور انھیں عبداللہ کی شہادت کی اطلاع دی۔ وہ تیزی سے اس موقع پر پہنچے اور اہل علاقہ سے جنگ شروع کی۔ اب ان کے کمانڈر سفیان بن عوف ازدی تھے۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ سفیان پریشان ہو گئے اور ساتھیوں کو برا بھلا کہنے لگے۔ عبداللہ بن قیس کی لونڈی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی، اس نے افسوس کرتے ہوئے کہا: ''ہائے عبداللہ! وہ جنگ کے وقت ایسی باتیں نہیں کرتے تھے۔'' سفیان نے پوچھا: ''وہ کیا کہتے تھے؟'' وہ بولی کہ ایسے مواقع پر وہ مصائب کے ازالے کی امید پر ہمیں صبر کی تلقین کرتے تھے اور فرماتے تھے: ''سختیاں ہیں۔ جلد ہی چھٹ جائیں گی۔'' سفیان نے اپنے ساتھیوں کو بُرا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور عبداللہ بن قیس کی پیروی کرتے ہوئے کہنے لگے: «غمرات ثم ینجلین» ''کوئی بات نہیں، یہ سختیاں بہت جلد چھٹ جائیں گی۔'' اس روز مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا۔ یہ عبداللہ بن قیس جاسی رحمہ اللہ کی فتوحات کا آخری دور تھا۔ [1]

بعد ازاں لوگوں نے اس عورت سے پوچھا جس نے رومیوں کو عبداللہ بن قیس رحمہ اللہ کی خبر دی تھی کہ تو نے اسے کیونکر پہچان لیا؟ اس نے کہا: ''بظاہر تو وہ ایک تاجر معلوم ہوتے تھے مگر جب میں نے ان سے مدد مانگی تو انھوں نے مجھے بادشاہوں کی طرح نوازا۔ ان کے طرزِ عمل سے میں نے پہچان لیا کہ وہ عبداللہ بن قیس ہیں۔'' [2]

[1] تاریخ الطبري: 260/5. [2] تاریخ الطبري: 260/5.

عبد اللہ بن قیس کی شہادت سے ماخوذ احکام و اسباق: جب اللہ تعالیٰ نے اس عظیم قائد کو شہادت کے مرتبے پر فائز کرنے کا احسان کرنا چاہا تو شہادت انھیں اس طرح نصیب ہوئی کہ مسلمانوں کی بحری شہرت اور ساکھ کو ذرہ بھر نقصان بھی نہ پہنچا کیونکہ وہ اکیلے ہی دشمن کی خبر رسانی اور جاسوسی کے لیے نکلے ہوئے تھے (اور اکیلے آدمی کو شہید کرنا دشمن کا کوئی کارنامہ نہیں تھا، اس لیے ان کی شہادت کا مسلمانوں کی شہرت پر کوئی منفی اثر نہیں پڑا بلکہ مثبت اثرات مرتب ہوئے) پس یہ ایک انوکھا واقعہ تھا جس کی حقیقت اور گہرائی تک اس شہر کی ایک ذہین عورت پہنچی کہ اس نے ایک آدمی دیکھا جو بظاہر ایک تاجر معلوم ہوتا تھا لیکن خیرات بادشاہوں کی طرح دیتا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ یہ شخص گو بظاہر سادہ ہے لیکن اس میں سرداری کی تمام علامات چمک رہی ہیں۔ اس نے اندازہ لگایا کہ یہ مسلمانوں کا قائد ہی ہوسکتا ہے جس نے اس شہر کے جنگجوؤں کو حواس باختہ کر رکھا ہے۔ اس طرح اس قائد کی فیاضی اور دریا دلی، جو کافروں کے لیے بھی عام تھی، اس کا راز افشا کرنے اور اس کے مرتبے کی معرفت کا سبب بن گئی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس معاملے کا وہ فیصلہ فرما دے جو ہو کر رہنے والا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ حملہ آوروں کے ذریعے سے پورا کر کے اسے شہادت کے بلند درجے پر فائز کر دیا۔

مسلمانوں کے قائدین اسی طرح اعلیٰ مثالیں قائم کرتے ہیں تاکہ اُن کے ہاتھوں عظیم کام انجام پائیں اور وہ اپنے بعد والوں کے لیے اچھا نمونہ بنیں۔

پس عبد اللہ بن قیس الہامی قائد تھے۔ وہ اکیلے ہی دشمن کی خبر رسانی کی مہم پر نکل کھڑے ہوئے۔ اُس نے یہ معاملہ لشکر پر نہیں چھوڑا۔ ان کے اکیلے نکلنے میں دشمن سے ٹکراؤ کے خدشات موجود تھے حتی کہ جان تک کو خطرہ لاحق تھا لیکن آپ نے اپنی جان کی مطلق پروا نہیں کی بلکہ بے دھڑک تن تنہا مصائب کا مقابلہ کیا اور اس مہم کو اپنے سر لے لیا، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اعلیٰ اسلامی اخلاق سے آراستہ تھے انھوں نے دشمن کی عورتوں اور کمزور

لوگوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا، ان سے نہایت نرمی اور شفقت کے ساتھ پیش آئے اور ان کی جھولیاں نہایت فیاضی سے مال و دولت سے بھر دیں۔

عبداللہ بن قیس اپنے لشکر کے سپاہیوں کے ساتھ بھی بڑی شفقت اور مرحمت سے پیش آتے تھے۔ وہ نہایت نرم دل اور بڑے صابر و شاکر انسان تھے۔ انھوں نے کبھی سختی اور تکبر سے کام نہیں لیا۔ جب مشکلات گھیرا ڈال لیتیں تو نہایت اعتماد اور امید کے ساتھ ان کا حل نکالتے، گھبرا کر اپنے ساتھیوں کو کبھی برا بھلا نہ کہتے، ان پر پریشانی کبھی اس طرح حاوی نہیں ہوئی کہ ان کے کام کو متاثر کرے یا اختلاف و انتشار کا باعث بن کر کوئی بگاڑ پیدا کرے۔ ان کے برعکس ان کے نائب سفیان ازدی شاید اس لیے مضطرب ہوئے اور اپنے سپاہیوں کو بُرا بھلا کہنے لگے کہ انھیں قیادت کا تجربہ نہ تھا اور وہ نئے نئے کمانڈر بنے تھے لیکن ان کی یہ خوبی ضرور ہے کہ جب انھیں عبداللہ بن قیس کی لونڈی نے متنبہ کیا کہ عبداللہ کا یہ طرز کلام نہ تھا بلکہ سیادت میں ان کا اسلوب نہایت مدبرانہ تھا تو انھوں نے اس معاملے میں فوراً ان کی پیروی کی اور اس کلمۂ حق کو سننے اور قبول کرنے میں ذرہ بھر تکبر نہ کیا، اگرچہ نصیحت کرنے والی ایک گمنام لونڈی تھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خواہشاتِ نفس کی پیروی کے مرض سے پاک تھے۔ قرون اولیٰ کے اکثر لوگ اسی اعلیٰ اخلاق سے متصف تھے۔ اسی اعلیٰ اخلاق ہی کی برکت سے انھیں عظیم الشان فتوحات نصیب ہوئیں۔ حکمران امت کے معاملات چلانے میں کامیاب ہوئے۔ کیا خوب تھے وہ لوگ! ان کا تذکرہ کتنا حسین اور دل نشین ہے، ان کی سوچ کتنی عمیق تھی، سرکشی اور تکبر کرنے والوں پر ان کی گرفت کتنی مضبوط اور متین تھی۔ کمزوروں کسمپرسوں اور مساکین کے لیے ان کا لمس کتنا شیریں تھا۔[1]

اہل قبرص کی عہد شکنی: 32ھ میں اہل قبرص رومیوں کے زبردست دباؤ میں آ گئے۔

[1] التاريخ الإسلامي للدكتور عبد العزيز الحميدي: 402/12.

رومیوں نے انھیں مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے کشتیاں دے کر ان کی مدد کریں۔ اس طرح اہلِ قبرص نے دباؤ کی وجہ سے صلح توڑ دی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہل قبرص کی اس خیانت کا علم ہوا تو انھوں نے جزیرۂ قبرص پر چڑھائی کرنے اور انھیں سلطنت اسلامیہ کے زیرنگین کرنے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ مسلمانوں نے اہلِ قبرص پر زبردست حملہ کیا۔ حملے کا طریقۂ کار یہ اختیار کیا گیا کہ ایک طرف سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور دوسری جانب سے عبداللہ بن سعد حملہ آور ہوئے۔ اس حملے میں بہت سے کافر قتل ہوئے، بہت سارے قیدی ہاتھ آئے اور بے شمار دولت بطور غنیمت حاصل ہوئی۔[1]

اسلامی فوج کے دباؤ میں آ کر قبرص کا حاکم مجبور ہو گیا کہ وہ فاتحین کے سامنے سرنگوں ہو جائے اور ان سے صلح کی بھیک مانگے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں پہلی صلح ہی پر برقرار رکھا۔[2]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ اب کی بار یہاں کے باشندوں کو اپنی فوج کی نگرانی میں رکھا جائے۔ فوج رکھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ وہ جزیرے کو دشمن کے حملوں سے بچائے گی اور نظام امن کو بھی مستحکم کرے گی تاکہ آئندہ کوئی شخص مسلمانوں سے سرکشی کی جرأت نہ کرے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہاں بارہ ہزار سپاہی مقرر کیے اور بعلبک سے لوگوں کی ایک جماعت جزیرہ بھیجی۔ وہاں ایک شہر آباد کیا اور باقاعدہ مسجد بنائی۔ مزید برآں آپ نے وہاں تعینات سپاہیوں کے وظائف مقرر کر دیے۔ اس طرح جزیرے میں امن و امان قائم ہو گیا اور مسلمان رومیوں کے اچانک حملوں سے محفوظ ہو گئے۔

مشاہدے سے یہ بات بہت جلد مسلمانوں پر اُجاگر ہو گئی کہ اہل قبرص عسکری صلاحیت سے خالی ہیں۔ جو بھی ان پر حملہ آور ہو اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ مسلمانوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ رومی جب چاہتے ہیں انھیں اپنا محکوم بنا لیتے ہیں اور اپنے مفادات کی خاطر انھیں استعمال کرتے ہیں۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر مسلمانوں کو احساس ہوا

[1] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين، ص:360,359. [2] فتوح البلدان للبلاذري، ص: 158.

کہ اہل قبرص کو رومیوں اور بازنطینیوں کے ظلم سے بچانا اور ان کی حفاظت کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔

اس وقت اسماعیل بن عیاش نے کہا تھا: ''اہل قبرص نہایت ذلیل اور مقہور و مغلوب لوگ ہیں۔ رومیوں نے انھیں اور ان کی عورتوں کو اپنے تسلط میں لے رکھا ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کا دفاع کریں۔''[1]

اللہ کی نافرمانی سے انسان کتنا گر جاتا ہے؟: مذکورہ غزوے کے سیاق میں سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک واقعہ معروف ہے کہ جب انھوں نے دشمن کے قیدیوں کو دیکھا تو رو پڑے، پھر فرمایا: ''ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو کس قدر بے وقعت ہو گئے۔ دیکھو! یہ لوگ جب برسر اقتدار تھے تو اپنے مخالفین پر کس قدر غالب تھے لیکن جب انھوں نے اللہ عزوجل کے حکم کو چھوڑ دیا اور اس کی نافرمانی کی تو اب ان کی حالت تم خود دیکھ رہے ہو۔''[2]

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا جبیر بن نفیر نے سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا آپ رو رہے ہیں، حالانکہ آج اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور اسلام کو عزت دی ہے؟'' انھوں نے فرمایا: ''تیرا بھلا ہو! یہ قوم غالب تھی، ان کی سلطنت تھی لیکن جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی ناقدری کی تو تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ نے انھیں کتنی پستی میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تقدیر میں غلامی اور اسیری لکھ دی۔ جس قوم کے مقدر میں قید اور اسیری ہو، وہ اللہ کے نزدیک نہایت بے حیثیت ہو جاتی ہے'' پھر فرمایا:

«مَا أَهْوَنَ الْعِبَادَ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى إِذَا تَرَكُوا أَمْرَهُ»

''جب بندے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تارک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنے بے وقعت ہو جاتے ہیں!''[3]

[1] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 361. [2] التاريخ الإسلامي للدكتور عبد العزيز الحميدي: 396/12. [3] البداية والنهاية: 159/7.

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ نے جو بات کی اسے کامل فہم و فراست اور اللہ تعالیٰ کا قانون سمجھنے کے لیے ضرب المثل قرار دیا جاتا ہے۔ یہ جلیل القدر صحابی ان لوگوں پر افسوس کرتے ہوئے روتے ہیں جن کی بصیرت (ان کے برے اعمال کی وجہ سے) چھین لی گئی اور انھوں نے دعوت حق کو قبول نہ کیا، اس سنگین گناہ کی پاداش میں وہ ایسے المناک انجام سے دوچار ہوئے کہ عزت و سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ذلت و مغلوبیت ان کا مقدر بن گئی۔

یہ سارا المیہ دعوت حق کو تسلیم نہ کرنے اور تکبر و عناد پر اڑے رہنے کا بھیانک نتیجہ تھا۔ اگر وہ عقل سے کام لیتے، غور و فکر کرتے اور اسلام میں داخل ہو جاتے تو ان کی سلطنت قائم رہتی، ان کے گھر آباد رہتے۔ اسلامی سلطنت کی حمایت کر کے وہ شاندار کامیابی حاصل کر سکتے تھے۔

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کی فکری گہرائی ان کی رحمت و عاطفت کی عکاسی کرتی ہے جو ان کی صالح شخصیت نے ان پر آشکار کر دی۔ یہ گہری سوچ اس عظیم انسان کی آنکھوں میں آنسو بن کر ظاہر ہوئی تاکہ وہ اپنے دل میں اٹھنے والے شفقت و رحمت کے جذبا[ت] [ا]بھار کر سکیں۔ اور اس بدنصیب قوم پر افسوس کریں جس کی قسمت میں گمراہی، ملک [و س]لطنت سے محرومی اور ذلت و رسوائی لکھ دی گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک مس[لمان] لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے پر جس قدر خوش ہوتا ہے اسی طرح وہ کافروں کو ان کی ضلالت و گمراہی میں پڑا دیکھ کر غمزدہ بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے کفر کے نتیجے میں پہنچنے والے آخرت کے دائمی عذاب کا ادراک ہوتا ہے۔ اس بدنصیبی کے ساتھ ساتھ اگر انھیں دنیا میں بھی قید و بند، جلاوطنی اور قتل و غارت گری کا سامنا ہو تو ان کی اس حرماں نصیبی پر ایک صالح شخصیت بے اختیار رو پڑتی ہے۔[1]

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے قبرص کی غنیمتیں تقسیم کیں: سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

[1] التاريخ الإسلامي للدكتور عبد العزيز الحميدي: 397/12.

نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں موجود تھا۔ لوگ مال غنیمت کے بارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے اون کا ایک ریشہ لیا اور فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ لَا يَحِلُّ لِي مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ قَدْرُ هٰذِهِ إِلَّا الْخُمُسُ، وَ الْخُمُسُ مَرْدُودٌ عَلَيْكُمْ»

''اے لوگو! میرے لیے اس مال میں سے خمس کے علاوہ اتنا (مال) بھی حلال نہیں۔ اور خمس بھی تمھی پر خرچ ہوگا۔'' (1)

لہٰذا اے معاویہ! غنیمتوں کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ صحیح صحیح تقسیم کرنا۔ کسی کو اس کے حق سے زیادہ نہ دینا۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ''غنیمتوں کی تقسیم کی ذمہ داری میں آپ ہی کے سپرد کرتا ہوں۔ شام میں آپ سے زیادہ افضل عالم اور کوئی نہیں، لہٰذا آپ ہی لوگوں میں غنیمتیں تقسیم کریں اور اس کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔'' چنانچہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے غنیمتیں تقسیم کیں اور سیدنا ابودرداء اور ابوامامہ رضی اللہ عنہما نے ان کی معاونت کی۔ (2)

مصر کے محاذ پر فتوحات

اسکندریہ میں سرکشوں کی سرکوبی

اہل روم کے لیے اسکندریہ کا قبضے سے نکل جانا بہت بڑا دھچکا تھا۔ وہ اسے دوبارہ اپنے قبضے میں لینے کے لیے موقع کی تاک میں تھے۔ اس کے لیے وہ اسکندریہ میں رہائش پذیر رومیوں کو وقتاً فوقتاً مسلمان حاکم کے خلاف سرکشی اور بغاوت پر اُکساتے رہتے تھے۔ رومی خوب سمجھتے تھے کہ اسکندریہ کے ان کے قبضے سے نکل جانے کے بعد اب ان کا اپنے

(1) سنن النسائي، قسم الفيء، حديث: 4143. (2) الرياض النضرة لمحب الطبري، ص: 561.

شہروں میں قرار پکڑنا ممکن نہیں۔ ①

رومیوں کے اکسانے پر اسکندریہ کے باشندوں میں بھی آزادی کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی۔ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کے لیے اہل روم کی دعوت قبول کر لی۔ انھوں نے قسطنطین بن ہرقل کو لکھا کہ اسکندریہ میں مسلمانوں کی تعداد نہایت قلیل ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے اسکندریہ میں رومیوں کی ذلت اور رسوائی کا حال بھی لکھ دیا۔ ②

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دنوں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر بنا دیا تھا۔ اسی اثناء میں رومی لشکروں کا قائد ''منویل خصی'' اسکندریہ کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے کے لیے اسکندریہ پہنچ گیا۔ وہ اپنے ساتھ تین سو بحری بیڑوں میں بھاری بھرکم لشکر سوار کر کے لایا، اسلحہ اور دیگر جنگی ساز وسامان بھی ان کے پاس وافر مقدار میں تھا۔ ③

اہل مصر کو معلوم ہوا کہ رومی فوجیں اسکندریہ پہنچ گئی ہیں تو انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ وہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو دوبارہ مصر کا گورنر مقرر کر دیں تاکہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ رومی لشکروں کا مقابلہ کریں کیونکہ انھیں رومیوں سے جنگ کرنے کا بڑا تجربہ ہے اور ان لوگوں کے دلوں پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا رعب بھی چھایا ہوا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مصریوں کا یہ مطالبہ منظور کر لیا اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو دوبارہ مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ ④

منویل خصی اور اس کے لشکر نے اسکندریہ میں خوب لوٹ مار کی۔ عمارتوں کو منہدم کر دیا۔ بستیاں ویران کر دیں، پھر انھوں نے اسکندریہ کے آس پاس کی بستیوں میں بھی ظلم و ستم کا بازار گرم کیا اور ایسی آفت ڈھائی کہ دور دور تک لاقانونیت اور انارکی پھیل گئی۔ سیدنا

① الکامل لابن الأثیر. ② جولة تاریخیة في عصر الخلفاء الراشدین، ص:335. ③ جولة تاریخیة في العصر الخلفاء الراشدین، ص:335. ④ جولة تاریخیة في عصر الخلفاء الراشدین، ص:335.

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں خوب ڈھیل دی۔ کوئی ٹکراؤ نہ کیا تاکہ مصریوں (اہل اسکندریہ) کو مسلمان حکمرانوں اور رومی حکمرانوں کے طرزِ عمل کا فرق اچھی طرح معلوم ہو جائے۔ یوں مصریوں کے دلوں میں رومیوں کے خلاف کینہ اور عداوت پیدا ہو جائے اور ان کی نظر میں رومیوں کی کوئی وقعت باقی نہ رہے۔

منویل خصی اپنا لشکر اسکندریہ سے لے کر زیریں مصر کی طرف نکلا اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا۔ بعض ساتھیوں نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اسے اس طرح چھوڑنا ٹھیک نہیں۔ لیکن سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر ان سے مختلف تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ ظاہر ہے وہ مصریوں کے مال لوٹیں گے، حماقتیں کریں گے۔ اس کے نتیجے میں مصریوں کے دل میں ان کے خلاف شدید غضب اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ اور جب مسلمان رومیوں کے مقابلے کے لیے نکلیں گے تو مصری ان سے نجات پانے کے لیے مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی اس پالیسی کی یوں وضاحت کی:

> ''مصریوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو تاکہ وہ مجبور ہو کر میری طرف آئیں۔ وہ رومی یقیناً جہاں سے گزریں گے لوگوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو کافروں کے ذریعے ہی رسوا کرے گا۔'' [1]

سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کا اندازہ سچ ثابت ہوا۔ رومیوں نے خوب لوٹ مار کی اور فساد برپا کیا۔ مصری ان کے کرتوتوں پر چیخ اٹھے اور ان کے شر سے نجات پانے کے لیے کسی مسیحا کا انتظار کرنے لگے۔ [2]

منویل خصی جب ''نقیوس'' پہنچا تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کا سامنا کرنے کی تیاری کی،

[1] جولة تاريخية في العصر الخلفاء الراشدين، ص: 336، و عثمان بن عفان رضي الله عنه لمحمد حسين هيكل، ص: 67. [2] جولة تاريخية في العصر الخلفاء الراشدين، ص: 336.

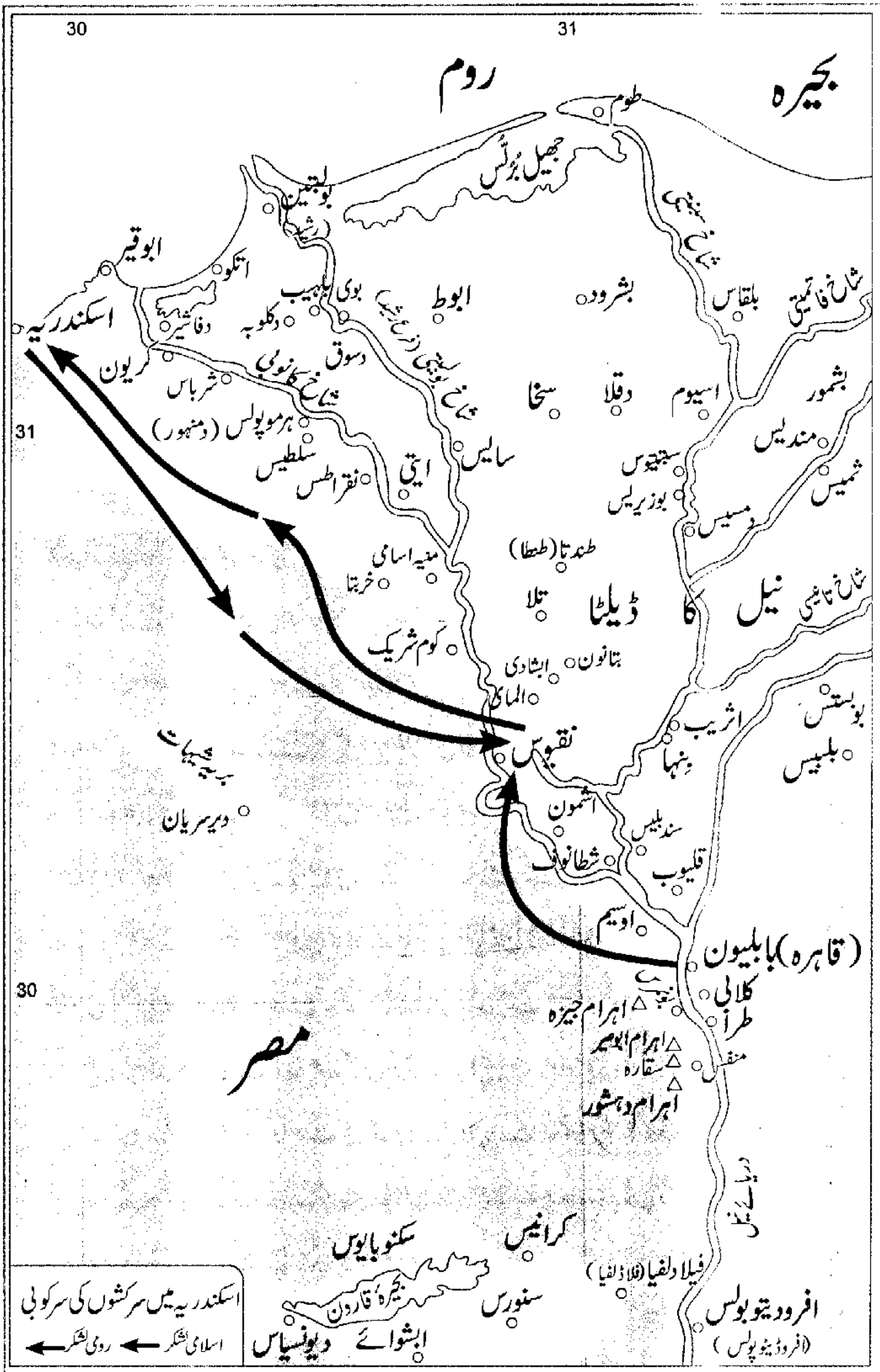
لشکر کو اکٹھا کر لیا اور دشمن کی جانب بڑھے۔ نقیوس کے قلعے کے قریب نیل کے ساحل پر دونوں لشکر ٹکرائے اور نہایت بہادری سے لڑے۔ ہر فریق نے اپنے مدمقابل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ معرکۂ کارزار نہایت شدت سے گرم ہوا۔ جنگ بہت شدید تھی۔ اس قدر گھمسان کا رن پڑا کہ مسلمانوں کے قائد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بنفس نفیس دشمنوں کی صفوں میں گھسنے پر مجبور ہو گئے۔ انھوں نے اپنا گھوڑا دشمنوں کے گھوڑوں سے بھڑا دیا، اپنی تلوار دشمنوں کی تلواروں کے سامنے لہرائی اور بڑے بڑے شہسواروں کی گردنیں اڑاتے چلے گئے۔ اسی دوران آپ کے گھوڑے کو ایک تیر لگا وہ مر گیا۔ آپ پیدل لڑائی کرتے رہے۔ دشمن کی پیادہ صفوں میں گھس گئے۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ نہایت جرأت اور بہادری سے لڑے۔ تلواروں کی جھنکار کا خوف ان کے دلوں سے نکل گیا۔[1]

رومی لشکر مسلمانوں کے حملوں کی تاب نہ لا سکا، ان کے حوصلے پست ہو گئے، اعصاب جواب دے گئے اور وہ ان بہادروں اور حریت کے شاہینوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے جن کا مقصد (دنیا و آخرت کی) دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی، یعنی شہادت پانا یا غازی بننا تھا۔ انھوں نے بھاگتے ہوئے اسکندریہ کا رخ کیا کہ شاید انھیں محفوظ قلعوں یا بلند فصیلوں میں پناہ مل جائے اور وہ سر پر سوار موت کے منہ سے بچ جائیں۔[2]

مصریوں نے جب رومیوں کی شکست اور مسلمانوں کی فتح دیکھی تو وہ بھی نکل پڑے۔ انھوں نے وہ تمام راستے جو رومیوں نے خراب کر دیے تھے ٹھیک کیے۔ ٹوٹے ہوئے پلوں کو از سر نو تعمیر کیا۔ وہ لوگ جنھوں نے مصریوں کی عزتیں پامال کی تھیں اور ان کا مال لوٹا تھا، ان کی شکست اور مسلمانوں کی فتح پر اہل مصر نے بے حد خوشی کا اظہار کیا اور مسلمانوں کی اسلحہ کے علاوہ دیگر جنگی ضروریات میں ہر ممکن مدد کی۔[3]

[1] جولة تاريخية في العصر الخلفاء الراشدين، ص: 338. [2] فتوح البلدان للبلاذري، ص: 69.

[3] جولة تاريخية في العصر الخلفاء الراشدين، ص: 338.



اسکندریہ میں سرکشوں کی سرکوبی
اسلامی لشکر
رومی لشکر
بحیرہ
روم
مصر
نیل کا ڈیلٹا
اسکندریہ
ابوقیر
نقیوس
(قاہرہ) بابلیون
جھیل برلس
طوم
بوطین
رشید
اتکو
دفاشیر
کریون
شرباس
(دمنہور)
ہرموپولس
سلطیس
نقراطس
بوی
بلہیب
دکلوبہ
دسوق
ابوط
بشرودہ
سخا
دقلا
اسیوم
بلقاس
شاخ فاتمیق
بشمور
مندلیس
ثمیس
سیبنیتوس
بوزیریس
دمسیس
سائس
ایتی
منیہ اسامی
خربتا
طندتا (طنطا)
تلا
شاخ تانیثی
کوم شریک
بتانون
ابشادی
الماسی
اثریب
بنہا
بوبستس
بلبیس
اشمون
سندبلیس
شطانوف
قلیوب
اوسیم
کلالی
طرا
منفس
اہرام جیزہ
اہرام ابوصیر
سقارہ
اہرام دہشور
دیر سریان
کرانیس
سکنوبایوس
بحیرہ قارون
سنورس
فیلا دلفیا (فلاڈلفیا)
افرودیتوپولس
(افروڈیتوپولس)
ابشوائے
دیونیسیاس
30
31

نقشہ: 15

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ پہنچ کر شہر کا محاصرہ کرلیا اور ارد گرد منجنیقیں (اس دور کی توپیں) نصب کر دیں۔ شہر کی فصیلوں کو پتھر مار مار کر کمزور کر دیا۔ گولہ باری مسلسل جاری رکھی یہاں تک کہ اہل شہر گھبرا گئے اور شہر کی فصیلیں پھٹنے پر انھوں نے مضبوط شہر اسکندریہ کے دروازے کھول دیے۔ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ انھوں نے رومی جنگجوؤں کو تہ تیغ کیا، ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ جو موت سے بچ نکلے وہ کشتیوں پر سوار ہوکر روم بھاگ گئے۔ رومیوں کا قائد منویل خصی بھی قتل ہو گیا۔ مسلمانوں نے قتل کرنے اور قیدی بنانے کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ جب مسلمان شہر کے وسط میں پہنچے تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جنگ بندی کا حکم دیا کیونکہ اب شہر میں ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔[1]

جب مسلمان فارغ ہوئے تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جس مقام پر جنگ بندی کا اعلان کیا تھا وہاں مسجد بنانے کا حکم دیا اور اس کا نام مسجد الرحمة رکھا۔[2]

میدان جنگ بنے ہوئے اس صوبائی ہیڈکوارٹر کی طمانیت دوبارہ لوٹ آئی۔ مصریوں نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ رومیوں کے خوفناک حملے سے ڈر کر بھاگ جانے والے لوگ دوبارہ اسکندریہ آ گئے۔ قبطیوں کا لاٹ پادری بنیامین جو اسکندریہ سے بھاگ گیا تھا وہ بھی واپس آ گیا اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ قبطیوں سے برا سلوک نہ کریں کیونکہ انھوں نے اپنا عہد نہیں توڑا۔ نہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں کوئی کوتاہی کی۔ اس نے یہ بھی درخواست کی کہ وہ رومیوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ نہ کریں۔ اپنے بارے میں اس نے کہا: جب میں مر جاؤں مجھے کنيسة يحنس میں دفن کیا جائے۔[3]

رومیوں سے نجات دلانے پر مصری ہر طرف سے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا شکریہ ادا

[1] جولة تاريخية في العصر الخلفاء الراشدين، ص:338. [2] جولة تاريخية في العصر الخلفاء الراشدين، ص:338. [3] جولة تاريخية في العصر الخلفاء الراشدين، ص:340.

کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ وہ اپنی دوستی اور اطاعت کا اعلان کر رہے تھے، رومیوں نے ان کے جو مال مویشی چھینے تھے ان کی واپسی کی درخواست کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا: رومی ہمارے چوپائے ہانک کر لے گئے، ہمارے مال لوٹ لیے۔ ہم نے آپ کا عہد نہیں توڑا بلکہ آپ کی اطاعت پر قائم ہیں۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا: ''جو شخص اپنے دعوے پر دلیل پیش کرے گا اسے اس کا مال واپس کر دیا جائے گا۔'' پس جس نے دلیل پیش کی اور اپنا مال پہچان لیا اسے اس کا مال واپس کر دیا گیا۔[1]

اسی سال 25 ھ کو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کی فصیل گرا دی۔ فصیل ختم ہونے کے باوجود اسکندریہ کو کسی جانب سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ اب وہ ہر طرف سے محفوظ تھا۔ اس کا مشرقی اور جنوبی حصہ پہلے سے مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ مغربی علاقے رقہ، زویلہ اور مغربی طرابلس کو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فتح کر کے اس جہت کو بھی پرامن بنا دیا۔ اس علاقے کے باشندوں نے جزیہ دینے پر صلح کر لی اور وہ نہایت عاجزی اور فرمانبرداری سے جزیہ ادا کرتے رہے۔ جہاں تک شمالی جانب کا تعلق ہے، وہ رومیوں کے قبضے میں تھی لیکن انھیں مسلمانوں نے ایسا سبق سکھایا کہ وہ دوبارہ حملہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ بفرض محال اگر وہ حملہ کرتے بھی تو وہاں ان کا کوئی حامی نہیں تھا جو ان کی مدد کرتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسلامی فوج ہر وقت سمندر کی نگرانی کر رہی تھی سمندری حدود کی حفاظت کا نہایت مؤثر اہتمام کیا گیا تھا۔[2]

نوبہ کے شہروں کی فتوحات

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر نوبہ[3] کے شہر فتح کرنے شروع کیے وہاں ایسی جنگ سے واسطہ پڑا جس کا مسلمانوں کو پہلے سے کوئی اندازہ نہ تھا۔

[1] جولة تاريخية في العصر الخلفاء الراشدين، ص: 340. [2] جولة تاريخية في العصر الخلفاء الراشدين، ص: 341. [3] بلاد النوبہ سے مراد مصر کے جنوبی حصہ میں واقع نوبی قوم کا وطن ہے۔

ہوا یوں کہ دشمن نے اسلامی فوج کی آنکھوں میں تیر مارے اور پہلے ہی معرکے میں ڈیڑھ سو کے لگ بھگ سپاہیوں کی آنکھیں ضائع کر دیں، اس لیے لشکر نے صلح قبول کر لی لیکن سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کی پیش کردہ شرطوں کو رد کر دیا تاکہ افضل شرائط کی بنا پر صلح ہو۔[1]

جب سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر مقرر ہوئے تو انھوں نے 31 ھ میں دوبارہ نوبہ پر فوج کشی کی اور نوبہ کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد نے مسلمانوں سے شدید لڑائی کی۔ اس روز بھی کئی مسلمانوں کی آنکھیں ضائع ہوئیں۔ ان کے شاعر نے اس معرکے کی شدت کے بارے میں کہا:

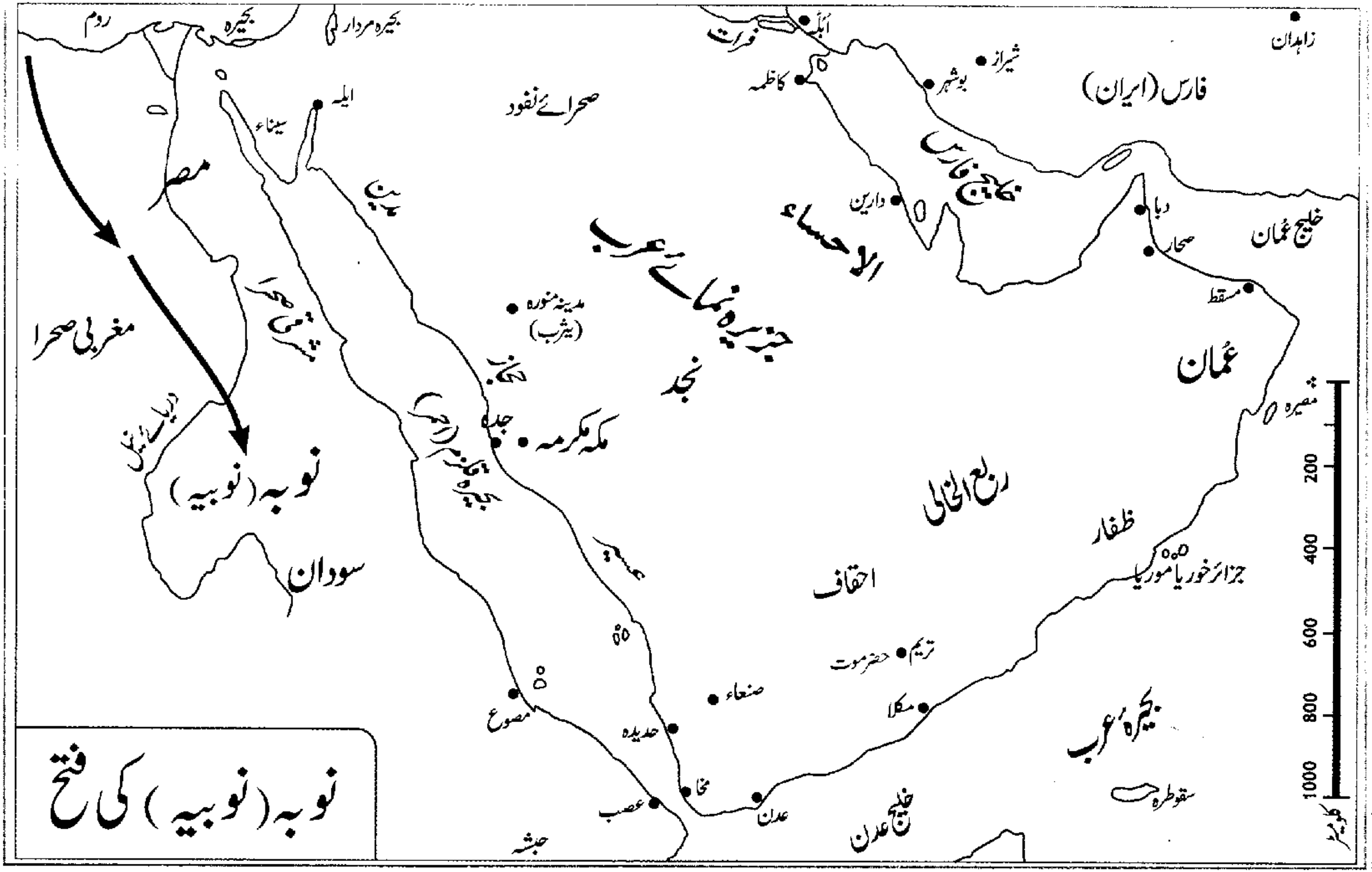
لَمْ تَرَ عَيْنٌ مِثْلَ يَوْمِ دُمْقَلَةْ وَالْخَيْلُ تَعْدُو بِالدُّرُوعِ مُثْقَلَةْ

"کسی نے دمقلہ (شہر کا نام) کے دن کے معرکے جیسا شدید معرکہ نہیں دیکھا۔ اس دن لشکر بھاری بھرکم زرہ پوشی کے ساتھ حملہ آور ہوا۔"[2]

بالآخر اہل نوبہ نے عبداللہ بن سعد سے صلح اور جنگ بندی کی درخواست کی۔ انھوں نے ان سے صلح کر لی جو چھ صدیوں تک برقرار رہی۔[3]

ابن سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے ایک معاہدہ لکھا۔ اس میں درج تھا کہ وہ داخلی طور پر خودمختار ہوں گے اور جنوبی حدود کی جانب سے مسلمانوں کو اطمینان کی یقین دہانی کرائیں گے، نیز مملکت اسلامیہ کی خدمات پر مامور رضاکاروں، غلاموں کی تجارت اور آمدنی کے معاملے میں رہنمائی کرنا ان کی ذمہ داری ہوگی۔ مسلمان نوبہ اور بجہ میں وہاں کے باشندوں کے ساتھ مل جل کر رہے۔ اس کے نتیجے میں ان میں سے بہت سے لوگ حلقۂ بگوشِ اسلام ہو گئے۔[4]

[1] الخلافة والخلفاء الراشدون للمستشار سالم البهنساوي، ص: 229. [2] قادة فتح بلاد المغرب لمحمود خطاب: 1/61-63 [3] الخلافة والخلفاء الراشدون للمستشار سالم البهنساوي، ص: 229. [4] قادة فتح بلاد المغرب لمحمود خطاب: 1/61-63.


نوبہ (نوبیہ) کی فتح
روم
بحیرہ
بحیرہ مردار
مصر
مغربی صحرا
دریائے نیل
نوبہ (نوبیہ)
سودان
سیناء
ایلہ
صحرائے نفود
مدین
مدینہ منورہ
(یثرب)
جزیرہ نمائے عرب
نجد
حجاز
جدہ
مکہ مکرمہ
بحیرہ قلزم (احمر)
عسیر
مصوع
صنعاء
حدیدہ
مخا
عصب
عدن
حبشہ
خلیج عدن
کویت
ابلہ
کاظمہ
شیراز
بوشہر
زاہدان
فارس (ایران)
خلیج فارس
دارین
الاحساء
دبا
صحار
خلیج عمان
مسقط
عمان
مصیرہ
ربع الخالی
ظفار
جزائر خوریا موریا
احقاف
تریم
حضرموت
مکلا
بحیرہ عرب
سقوطرہ
200
400
600
800
1000
کلومیٹر

نقشہ: 16

افریقیہ کی فتح

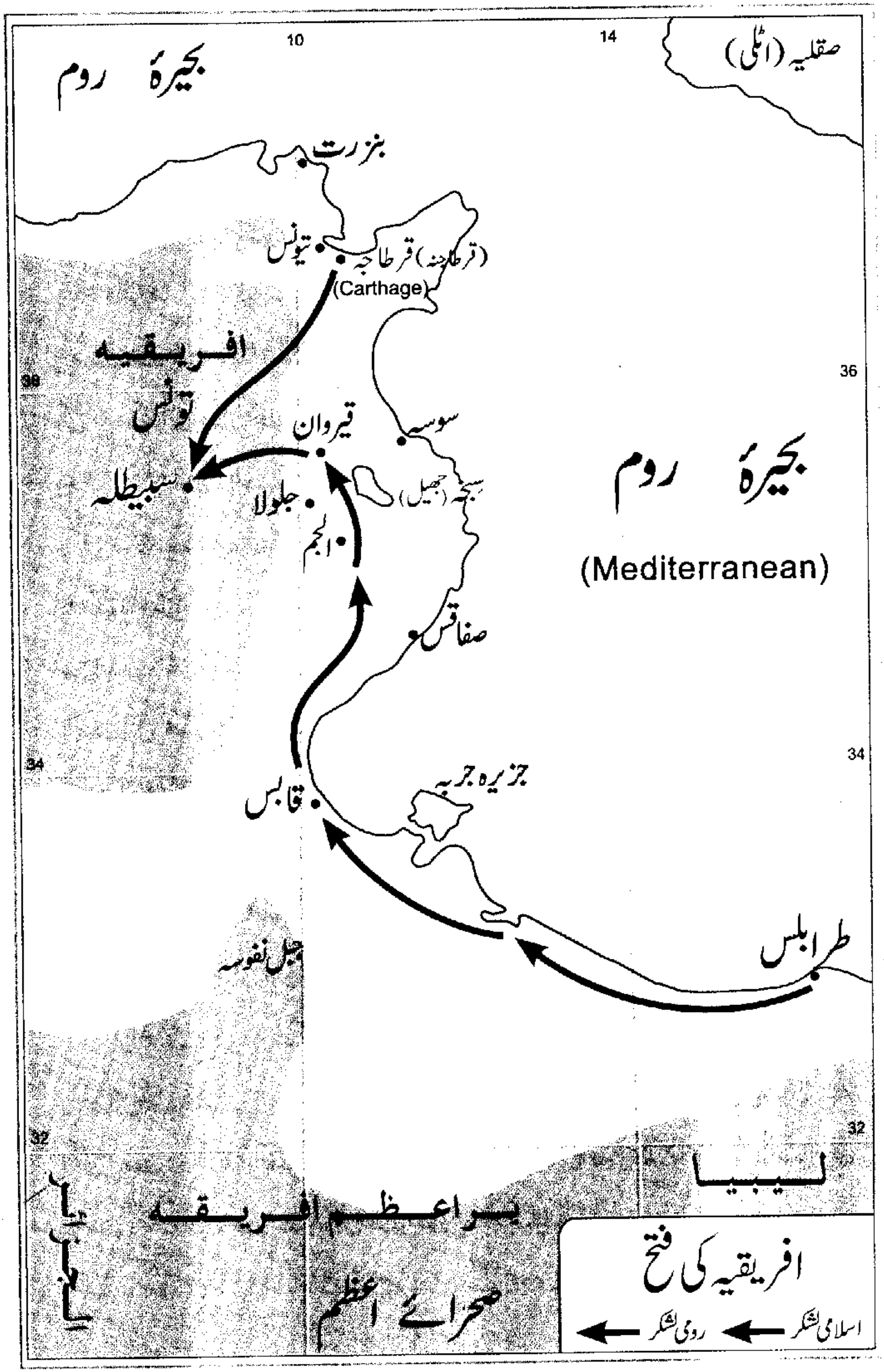
سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بَرقہ، طرابلس اور لیبیا کے دوسرے علاقوں پر حملہ کرنے کا ایک مقصد یہ تھا کہ ان شہروں کو فتح کیا جائے اور خلقِ خدا کے دلوں سے رومی طاغوت کا اثر زائل کر دیا جائے تاکہ ان کے لیے راستے روشن ہوں اور انھیں مختلف عقائد کا پتہ چلے۔ ان قبائل میں آزادیٔ رائے کا اظہار رواج پائے۔ بتوں کی عبادت میں غرق اور ان کے تقرب کے مختلف ذرائع اپنانے والے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کو رب ماننے والے اور جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے انسانوں کے لیے یہ حملہ نور کا مینار بن گیا۔ اس طرح بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر بندوں کے رب کی عبادت کی طرف لانے کا راستہ روشن ہو گیا۔[1]

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے افریقیہ پر حملہ کے بارے میں ڈاکٹر صالح مصطفیٰ کہتے ہیں:

"26ھ/646ء میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی ولایت سے معزول کر دیا گیا۔ ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ گورنر مقرر ہوئے۔ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرح گھڑ سوار دستے افریقیہ کے نواح میں روانہ کرتے رہے، وہ دشمن پر بار بار حملے کرتے اور مالِ غنیمت حاصل کرتے رہے۔"[2]

افریقیہ (تونس) کی طرف بھیجے جانے والے یہ دستے اسے فتح کرنے کی ابتدائی تیاری تھی، افریقیہ کی جغرافیائی معلومات حاصل کرنا بھی ان کے مقاصد میں شامل تھا۔ ان دستوں کی صورت حال جاسوسی دستوں سے ملتی جلتی تھی جنھیں دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے لشکر کے آگے روانہ کیا جاتا ہے۔ جب سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس افریقیہ کے داخلی اور خارجی راستوں، اس کے لشکر، جنگی ساز و سامان اور جغرافیائی سٹریٹجی

① الشرف والتسامي بحركة الفتح الإسلامي للصلابي، ص: 189. ② ليبيا من الفتح العربي حتى انتقال الخلافة الفاطمية للدكتور صالح مصطفى، ص: 49.



بحیرۂ روم
صقلیہ (اٹلی)
بنزرت
تیونس
قرطاجنہ (قرطاجنہ)
(Carthage)
افریقیہ
تونس
قیروان
سوسہ
سبیطلہ
جلولا
الجم
سبخہ (جھیل)
بحیرۂ روم
(Mediterranean)
صفاقس
قابس
جزیرہ جربہ
طرابلس
جبل نفوسہ
لیبیا
براعظم افریقہ
صحرائے اعظم
افریقیہ کی فتح
اسلامی لشکر
رومی لشکر
10
14
36
34
32

نقشہ: 17

کی اہمیت کے بارے میں مطلوبہ معلومات جمع ہو گئیں تو انھوں نے خلیفۂ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مکمل صورتحال سے آگاہ کیا اور ان معلومات کی بنا پر افریقیہ کو فتح کرنے کی اجازت طلب کی۔ انھیں ان کی خواہش کے مطابق اجازت دے دی گئی۔

ڈاکٹر صالح مصطفیٰ کہتے ہیں: ''جب سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے افریقیہ پر حملہ کرنے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تو انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے فتح کرنے کا مشورہ دیا۔ سیدنا ابوالاعور سعید بن زید نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو بنیاد بنا کر کہ کوئی مسلمان افریقیہ پر لشکر کشی نہ کرے، اس کی مخالفت کی۔ لیکن اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسے فتح کرنے پر متفق ہو گئے۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جہاد کی دعوت دی۔ خلافتِ اسلامیہ کے دارالحکومت مدینہ منورہ میں رضاکاروں کو جمع کرنے، ان کی جنگی تیاری کرنے اور انھیں مصر روانہ کرنے کی مہم شروع ہو گئی تاکہ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں افریقیہ پر لشکر کشی کی جا سکے۔ اس غزوے کا اہتمام بڑے زور شور اور بھرپور طریقے سے کیا گیا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ کئی کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اہل بیت کے جوانانِ رعنا اور سابقین اولین مہاجرین و انصار کے فرزند بھی اس غزوے میں شریک ہوئے۔ اس غزوے میں سیدنا حسن وحسین، ابن عباس اور ابن جعفر رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔

اس غزوے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ صرف قبیلۂ مہرہ سے اس غزوے میں چھ سو آدمی، قبیلۂ غنث میں سے سات سو افراد اور قبیلۂ میدعان سے بھی سات سو افراد شریک ہوئے۔ جب تیاری مکمل ہو گئی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مجاہدین اسلام کو خطبہ دیا۔ جہاد کے فضائل سے آگاہ کیا اور فرمایا: عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچنے تک حارث بن حکم رضی اللہ عنہ تمھارے امیر ہوں گے اور وہاں پہنچنے پر تم سب کے امیر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ ہوں گے۔'' پھر فرمایا:

«أَسْتَوْدِعُكُمُ اللّٰهَ» ''میں تمھیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس غزوے میں ایک ہزار اونٹ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے دیے تاکہ وہ لوگ جو مالی طور پر کمزور ہیں ان پر سوار ہو کر جہاد میں شامل ہو سکیں۔ یہ لشکر مصر پہنچ کر عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گیا اور فسطاط سے یہ لشکر جس کی کل تعداد تقریباً بیس ہزار تھی، سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں آگے بڑھا اور مصر کی لیبیا والی سرحد سے پار ہو گیا۔ جب یہ لوگ برقہ پہنچے تو سیدنا عقبہ بن نافع فہری بھی اپنے لشکر سمیت ان سے آ ملے۔ برقہ میں پیش قدمی اور سفر کے دوران مسلمانوں کی کوئی مزاحمت نہ ہوئی کیونکہ اہل برقہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دور اقتدار میں کی گئی صلح کی شرائط پر تاحال قائم تھے، یہاں تک کہ ان سے کوئی شخص جزیہ لینے کے لیے بھی نہیں جاتا تھا، وہ ازخود ہی مناسب وقت پر جزیہ مصر بھجوا دیتے تھے۔ اس بات کی تائید کہ اہل برقہ اپنے عہد پر قائم تھے اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو کسی نے کہتے ہوئے سنا: ''میں اپنے اس منصب پر بیٹھا ہوں اور قبطیوں میں سے سوائے اہل انطابلس (برقہ) کے کسی کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔ ان کے ساتھ عہد ہے جسے ہم پورا کریں گے۔''

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ بھی ہے: ''میرے لیے حجاز میں جو کچھ ہے وہ نہ ہوتا تو میں برقہ میں سکونت اختیار کر لیتا۔ مجھے اس سے بڑھ کر پرامن اور خلوت نشینی والی کسی جگہ کا علم نہیں۔'' [1]

اس طرح افریقیہ کی جانب یہ بابرکت سفر جاری رہا اور یہ سب کچھ عقبہ بن نافع کی فوج کے ساتھ ملنے کے بعد ہوا۔ اگرچہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے جو پورے لشکر کی قیادت کر رہے تھے، اپنے جاسوس اور خبررساں ہر طرف پھیلا دیے تھے تاکہ لشکر جس طرف پیش قدمی کرے اس طرف کے راستوں کی صورت حال واضح ہو۔ انھیں پرامن بنایا

[1] ليبيا من الفتح العربي حتى انتقال الخلافة الفاطمية للدكتور صالح مصطفى، ص: 39.

جا سکے اور دشمن کی نقل و حرکت اور سرگرمیوں پر نظر رکھی جائے تاکہ کسی بھی متوقع خطرے اور اچانک حملے کا قبل از وقت مناسب حل نکالنا ممکن ہو۔ ان خبر رساں اور جاسوس دستوں کا یہ فائدہ ہوا کہ ان تمام جنگی کشتیوں کی مکمل نگرانی ہوتی رہی جو رومی سلطنت کے تابع تھیں۔ جونہی انھوں نے طرابلس کے قریب لیبیا کے بحری ساحل پر لنگرانداز ہونے کا ارادہ کیا، مسلمانوں نے فوراً حملہ کر کے انھیں اپنے قبضے میں لے لیا اور سو (100) سے زیادہ افراد کو (جو ملاح وغیرہ ہوں گے) گرفتار کر لیا۔ افریقیہ کی فتح کے راستے میں یہ پہلی خاصی قیمتی غنیمت تھی جو مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔[1]

سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے افریقیہ کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔ ہر طرف جاسوس اور خبر رساں دستے پھیلا دیے یہاں تک کہ ان کا لشکر امن و امان کے ساتھ سبیطلہ پہنچ گیا۔ وہاں دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی۔ دونوں لشکر ٹکرائے۔ مسلمانوں کی قیادت سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کر رہے تھے اور افریقیوں کا قائد ان کا حاکم جرجیر تھا اور ان کے فوجیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ دونوں قائدین کے درمیان مسلسل رابطہ رہا۔ خط کتابت کا تبادلہ ہوا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے جرجیر کو اسلامی نقطۂ نظر سے آگاہ کیا اور اسے ترغیب دی کہ اسلام قبول کر لے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر لے، بصورت دیگر جزیہ ادا کرے اور اسلامی سلطنت کے تابع ہو کر رہے۔ لیکن اس نے یہ تمام پیش کشیں ٹھکرا دیں اور اپنے کفر پر مصر رہا۔ اس نے اور اس کے لشکر نے تکبر کیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ صورت حال خاصی پریشان کن تھی۔ بالآخر فریقین میں جنگ چھڑ گئی۔ کئی دن تک سخت لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی قیادت میں کمک پہنچ گئی اور ان کے ہاتھوں متکبر اور سرکش جرجیر اپنے انجام کو پہنچا۔[2]

[1] الشرف والتسامي بحركة الفتح الإسلامي للصلابي، ص: 191. [2] الشرف والتسامي بحركة الفتح الإسلامي للصلابي، ص: 193، والبداية والنهاية: 158/7.

ساحل پر موجود رومیوں نے جب جرجیر اور اہل سبیطلہ کی ٹھکائی ہوتے دیکھی تو اپنا جائزہ لیا اور ایک جگہ جمع ہوئے۔ انھوں نے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی طرف سے حملے کے ارادے کے بارے میں باہم خط کتابت کے ذریعے تبادلۂ خیال کیا۔ وہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے حملے کے عزم سے ڈر گئے۔ انھوں نے ان سے خط کتابت کر کے یہ پیش کش کی کہ وہ اپنا لشکر لے کر یہاں سے واپس چلے جائیں، ہم انھیں ہرجانہ ادا کریں گے اور کسی قسم کی کوئی رکاوٹ بھی پیدا نہیں کریں گے۔ اس سلسلے میں انھوں نے سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی طرف تین سو قنطار سونے کی مالیت بھیجی۔ بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے ہر سال ایک لاکھ قنطار بطور جزیہ ادا کرنے کی پیش کش کی، اس شرط پر کہ وہ ان سے جنگ نہ کریں اور ان کے ملک سے واپس چلے جائیں۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ قبول کر لیا اور مال اپنے قبضے میں لے لیا۔ ان کی شرائطِ صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مصالحت سے پہلے مسلمانوں کو جو مال بطور غنیمت ملا ہے وہ مسلمانوں ہی کا ہوگا لیکن معاہدۂ صلح کے بعد ملنے والا مال انھیں واپس کر دیا جائے گا۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ پندرہ ماہ اور ایک روایت کے مطابق تیرہ ماہ افریقیہ میں گزار کر مصر واپس چلے گئے۔ ①

جب سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ طرابلس (کی بندرگاہ پر) پہنچے تو وہاں انھیں کشتیاں مل گئیں۔ انھوں نے لشکر کے ساز و سامان کو ان میں لادا اور صحیح سالم مصر لوٹ آئے۔ مالِ غنیمت میں سے خمس اور دیگر کچھ سامان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دارالخلافہ بھیج دیا۔ باقی سامان مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ راجح بات یہ ہے کہ جو کشتیاں انھیں طرابلس کی بندرگاہ پر ملیں یہ وہی کشتیاں تھیں جو مسلمانوں کو شام اور اسکندریہ کی فتح میں بطور غنیمت حاصل ہوئی تھیں جیسا کہ آرچیبالڈ (Archibald) کا بیان ہے: ''مسلمانوں پر افریقیہ کی فتح اس لیے آسان ہوگئی کہ اسکندریہ اور سوریہ میں بازنطینی صنعت پر بھی ان کا کنٹرول تھا

① الشرف والتسامي بحركة الفتح الإسلامي للصلابي، ص: 194.

اور جنگی جہاز بھی ان کے پاس موجود تھے۔ کم از کم جنگی جہاز تیار کرنا ان کے لیے نہایت آسان تھا۔①

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ جب مصر واپس پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ افریقیہ والوں نے عہد شکنی کی ہے، لہٰذا انھوں نے 33 ہجری میں دوبارہ افریقیہ پر فوج کشی کی، انھیں مطیع کیا، وہاں اسلامی نظام کی بنیادوں کو مضبوط کیا اور وہاں کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے یا جزیہ ادا کرنے میں سے کسی ایک صورت پر قائم رہنے کا پابند کیا۔②

افریقیہ کی فتح میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بہادری: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جب افریقیہ پر حملہ کرنے والے مسلمانوں سے رابطہ منقطع ہوگیا تو انھوں نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔ وہ نہایت سبک رفتاری سے چلے۔ افریقیہ جا پہنچے مسلمان خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ ہر طرف نعرۂ تکبیر کی صدائیں گونج اٹھیں۔ جرجیر نے اپنے جاسوسوں سے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ مسلمانوں کے پاس امدادی لشکر آیا ہے۔ اس خبر سے اس کے اعصاب شکستہ ہو گئے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما روزانہ صبح سے لے کر ظہر تک مسلمانوں کی جنگ کا جائزہ لیتے تھے۔ ظہر کی اذان ہو جاتی تو ہر فریق اپنے اپنے خیموں میں واپس چلا جاتا۔ حسب معمول وہ اگلے دن لڑائی کا جائزہ لینے نکلے تو انھیں سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے۔ دریافت کیا تو انھیں بتایا گیا کہ عبداللہ نے جرجیر کے ایک منادی کرنے والے کو سنا، وہ کہہ رہا تھا: ''جو عبداللہ بن سعد کو قتل کرے گا اسے ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا

① ليبيا من الفتح العربي حتى انتقال الخلافة الفاطمية للدكتور صالح مصطفى، ص: 46.
② الشرف والتسامي بحركة الفتح الإسلامي للصلابي، ص: 194.

اور میں اپنی بیٹی کے ساتھ اس کی شادی بھی کروں گا۔'' اس لیے عبداللہ ڈرتے ہوئے باہر نہیں آئے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے پاس گئے اور انھیں کہا: ''آپ اعلان کرا دیں کہ جو شخص جرجیر کا سر میرے پاس لائے گا میں اسے ایک لاکھ دینار بطور انعام دوں گا۔ اس پر مستزاد جرجیر کی بیٹی سے اس کی شادی بھی کروں گا اور اس کی سلطنت بھی اسے دے دوں گا۔ انھوں نے اسی طرح کیا تو جرجیر عبداللہ سے بھی زیادہ خوف زدہ ہو گیا۔''[1]

پھر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: ''ان لوگوں کے ساتھ ہماری جنگ طول پکڑ رہی ہے۔ یہ ہمارے لیے کسی صورت بہتر نہیں۔ کیونکہ یہ ان کے شہر ہیں اور انھیں مسلسل کمک پہنچ رہی ہے جبکہ ہم مسلمانوں اور ان کے شہروں سے دور ہیں اور ہمارا ان سے کوئی رابطہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ کل ہم ایک باصلاحیت اور بہادر جماعت اپنے پیچھے خیموں میں تیار چھوڑ جائیں اور خود جا کر دشمن کی صفوں میں گھس کر لڑائی کریں یہاں تک کہ دشمن پریشان ہو جائے اور اکتا جائے۔ جب جنگ بند کر کے وہ خیموں میں چلے جائیں اور مسلمان بھی لوٹ آئیں تو خیموں میں موجود مسلمان جو جنگ میں شریک نہ ہوئے ہوں اور آرام کر رہے ہوں وہ اچانک دشمن پر حملہ کر دیں۔ امید ہے اس تدبیر سے اللہ ہمیں فتح نصیب کرے گا۔''

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے سربرآوردہ ساتھیوں کی ایک جماعت کو بلا کر مشورہ کیا تو انھوں نے اس حکمت عملی کی تائید کی۔ اگلے روز عبداللہ رضی اللہ عنہ نے طے شدہ منصوبے پر عمل کیا اور تمام بہادروں کو ان کے خیموں میں ٹھہرا دیا۔ ان کے گھوڑے ان کے پاس تیار کھڑے تھے۔ باقی لشکر گیا اور اس نے ظہر تک دشمن سے زبردست جنگ کی۔ جب ظہر کی اذان ہوئی تو رومیوں نے حسب عادت واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے انھیں واپس جانے کا موقع نہ دیا، لڑائی پر مجبور کیا یہاں تک کہ وہ تھک کر نڈھال ہو گئے،

[1] التاريخ الإسلامي للدكتور عبد العزيز الحميدي: 388/12.

پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان جنگ سے واپس آ گئے۔ فریقین نے اسلحہ اتار دیا اور تھکاوٹ کے مارے گر پڑے۔ اسی لمحے سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان بہادر مسلمانوں کو، جو آرام کر رہے تھے، ساتھ لیا، اچانک دشمن پر یک بارگی حملہ کر دیا اور نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ رومیوں کو سنبھلنے اور ہتھیار بند ہونے کا موقع ہی نہ ملا کہ مسلمانوں نے انھیں جا لیا۔ جرجیر سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں قتل ہوا۔ رومی پسپا ہو گئے۔ ان کے بہت سے لوگ قتل ہو گئے۔ جرجیر کی بیٹی کو قیدی بنا لیا گیا۔ اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے شہر کا رخ کیا۔ محاصرہ کیا اور شہر فتح کر لیا۔ بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ یہ مال اس قدر زیادہ تھا کہ اتنا کسی اور شہر میں نہیں تھا۔ ایک شہسوار کا حصہ تین ہزار دینار اور پیاوے کا ایک ہزار دینار بنا۔ جب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سبیطلہ شہر فتح کر لیا تو سپاہیوں کو شہر میں پھیلا دیا۔ وہ نہایت پھرتی سے شہر میں پھیل گئے انھوں نے لوگوں کو قید کیا اور مال غنیمت حاصل کیا۔ ایک گروہ کو انھوں نے محل کے قلعے کی طرف روانہ کیا۔ وہاں آس پاس کی آبادی نے پناہ لے رکھی تھی۔ انھوں نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا اور بغیر جنگ کے یہ بھی فتح ہو گیا۔ اہل افریقیہ نے مصالحت کر لی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے بادشاہ جرجیر کی بیٹی بطور انعام سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو دے دی اور انھیں افریقیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔[1]

سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا کارنامہ: سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما انتہائی دلیر انسان تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”جب مسلمانوں نے افریقیہ پر چڑھائی کی تو ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔ ان کی قیادت سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ اس لشکر میں سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ ادھر بربر کا حاکم جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار یا دو لاکھ فوج لے کر مقابلے

[1] الکامل لابن الأثیر: 46,45/3.

کے لیے نکلا۔ دونوں فریق آمنے سامنے ہوئے تو جرجیر نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لے۔ اس طرح مسلمان نہایت خطرناک صورتِ حال میں پھنس گئے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میں نے دیکھا کہ جرجیر لشکر کی پشت پر موجود ہے۔ عمدہ گھوڑے پر سوار ہے، دو لڑکیاں اُس پر مور کے پروں سے سایہ کیے ہوئے ہیں۔'' یہ منظر دیکھ کر میں سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہا: ''چند نوجوان میرے ساتھ کر دیں جو پیچھے رہ کر میرا دفاع کریں۔ میں جرجیر کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے بہادروں کا ایک گروہ میرے ساتھ روانہ کیا اور انھیں حکم دیا کہ پیچھے سے میری حفاظت کریں۔ میں صفیں چیرتا ہوا بادشاہ کی جانب بڑھا۔ دشمن سمجھتے رہے کہ میں بادشاہ کی جانب کوئی پیغام لے کر جا رہا ہوں۔ جب میں اس کے قریب ہوا تو اسے مجھ سے خطرہ محسوس ہوا۔ وہ اپنے گھوڑے پر بھاگ نکلا۔ میں نے اُس کا تعاقب کیا۔ اُسے پیچھے سے جا لیا اور نیزے سے حملہ کر دیا، پھر تلوار سے اس کا سر کاٹ کر نیزے کی اَنی پر نصب کیا اور نعرۂ تکبیر لگایا۔

یہ منظر دیکھتے ہی بربری دہشت زدہ ہو گئے اور دم دبا کر ایسے بھاگے جیسے تیتر میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے، مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ انھیں قتل کیا، قیدی بنایا اور بہت سا مال بطور غنیمت حاصل کیا۔ یہ واقعہ سبیطلہ شہر میں، جو قیروان سے دو دن کی مسافت پر ہے، پیش آیا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ پہلا کارنامہ تھا جس سے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہرت ہوگئی۔ اللہ ان سے، ان کے والد اور ان کے تمام ساتھیوں سے راضی ہو۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا یہ کارنامہ ہولناکیوں سے گھری ہوئی بلندیوں کی طرف ایک اہم قدم تھا۔ یہ وہ کارنامہ تھا جو انھوں نے کسی سابقہ تجربے کے بغیر انجام دیا۔ اس

[1] البداية والنهاية: 158/7.

وقت ان کی عمر صرف ستائیس سال تھی۔ اس سے پہلے ان کی بہادری کے کارناموں کا ذکر کسی مہم میں نہیں ملتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس خطرناک مہم میں، جس میں عام تجربات کے مطابق انجام ہلاکت ہی ہوتا ہے، وہ کس طرح آگے بڑھے اور یہ کارنامہ کس طرح انجام دے ڈالا۔ اس طرح کی مہم میں جانباز کے دل میں دو طرح کے خیالات پیدا ہو سکتے ہیں:

① اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ اپنے حملے میں کامیاب ہو جائے اور بربری حاکم کا کام تمام کر دے۔ اس طرح دشمن کے لشکر میں بھگدڑ مچ جائے اور کفار حسب عادت بھاگ جائیں۔ یوں مسلمان اس خطرناک معرکے میں الجھے بغیر ہی کامیاب ہو جائیں۔

② اس کا مقصد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے بطور شہید قبول کر لے اور یوں وہ اعلیٰ آرزو کے حصول میں کامیاب ہو جائے اور ان بلند درجات تک اس کی رسائی ممکن ہو جائے جن کی برگزیدہ لوگ تمنا رکھتے ہیں اور ان کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی طرح کافروں کو ڈرانا اور ان کے دلوں میں رعب و دبدبہ پیدا کرنا بھی مقصود ہو سکتا ہے، جو بذات خود بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ کفار اس سے یہ سمجھیں گے کہ مسلمانوں کا ہر سپاہی اسی طرح دلیر اور جنگجو ہے۔ کسی جانباز کی شجاعت کی یہی بہت بڑی دلیل ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھڑکتے ہوئے معرکے کے تنور میں ڈال دے۔ ایسا اقدام صرف وہی عظیم لوگ کر سکتے ہیں جنھیں معرکۂ حق و باطل سے جنت کی خوشبو آ رہی ہو اور وہ اس میں رہنے کے مشتاق ہوں۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ حملہ کیا تو وہ اس وقت دنیا کے تعلقات اور اس کے حوصلہ شکن بوجھ سے آزاد تھے۔ ان کا مقصد ان نعمتوں کا حصول تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کے لیے تیار کی ہیں جو اس کے راستے میں اپنی طاقت کے مطابق جہاد کرتے ہیں، چاہے انھیں غلبہ نصیب ہو یا وہ جام شہادت نوش کر جائیں۔[1]

[1] التاريخ الإسلامي للدكتور عبدالعزيز الحميدي: 390/12.

اس واقعے میں یہ بات بھی بتا دی گئی ہے کہ جب بربری حاکم قتل ہو گیا تو بربری سپاہی مسلمانوں کے لشکر سے ڈر کر اس طرح بھاگے جیسے تیتر بھاگتا ہے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ بغیر کسی مزاحمت کے انھیں قتل کیا اور قیدی بنایا۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے ساتھ ہے۔ جب وہ بے جگری سے باطل کے خلاف لڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں مشکلات سے نکلنے کا راستہ بھی دکھا دیتا ہے اور پریشانیوں سے نجات عطا فرماتا ہے۔

اس معرکے میں مسلمان یقیناً نہایت خطرناک صورت حال سے دوچار ہو چکے تھے۔ تعداد میں چھ گنا زیادہ دشمن نے انھیں گھیر رکھا تھا۔ مسلمانوں کے لیے چاروں جانب لڑائی کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اتنی بڑی تعداد میں دشمن کے ساتھ ہر طرف مقابلہ کرنا نہایت مشکل تھا جیسا کہ راوی کا بیان ہے: ''مسلمان جس بری طرح پھنسے ہوئے تھے اس سے زیادہ خوفناک منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے انھیں نہایت دلیر جنگجو عطا کر دیا۔ اس نے ایک نادر مہم جوئی کی، اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو وحشت انگیز خطرے سے نجات دی۔''[1]

ہم ان بہادروں کے کارناموں کو بھی نہیں بھول سکتے جنھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا دفاع کیا۔ وہ بھی یقیناً ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اس خطرناک مہم میں برابر کے شریک تھے۔ اگرچہ تاریخ نے ان کے ناموں کا تذکرہ نہیں کیا لیکن ان کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا اور امت کا سر، اپنے ان بہادروں کا تذکرہ کر کے، ہمیشہ فخر سے بلند رہے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلص مجاہدین سے جو وعدے کیے ہیں آخرت میں وہ ان کے مستحق ٹھہریں گے۔[2]

علاوہ ازیں مسلمانوں نے افریقیہ کی فتوحات میں ہر چھوٹی بڑی قربانی پیش کی۔ ان

[1] التاريخ الإسلامي للدكتور عبدالعزيز الحميدي: 390/12. [2] التاريخ الإسلامي: 390/12.

میں سے بہت سے لوگ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ کچھ غازی بن کر لوٹے اور افریقیہ ہی میں عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئے۔ ان میں سے ایک ابوذؤیب ہذلی بھی تھے۔ وہ مشہور شاعر تھے۔ انھی کے یہ اشعار ہیں:

وَ إِذَا الْمَنِيَّةُ أَنْشَبَتْ أَظْفَارَهَا ... أَلْفَيْتُ كُلَّ تَمِيمَةٍ لَا تَنْفَعُ

وَ تَجَلُّدِي لِلشَّامِتِينَ أُرِيهِمْ ... أَنِّي لِرَيْبِ الدَّهْرِ لَا أَتَضَعْضَعُ

''جب موت نے اپنے پنجے گاڑ دیے تو میں جان گیا کہ کوئی تعویذ گنڈا فائدہ نہیں دے رہا۔ میں نے مصیبت پر خوش ہونے والوں کا دلیری سے مقابلہ کیا اور انھیں بتا دیا کہ میں گردشِ ایام سے کمزور پڑنے والا نہیں ہوں۔''[1]

معرکۂ ذات الصواری

افریقیہ میں رومیوں کو کاری ضرب لگی تھی۔ روڈس سے برقہ تک بحیرۂ روم کے ساحلوں پر اسلامی بحری بیڑے کے غلبے کے بعد ان کے ساحل خطرے میں پڑ گئے تھے۔ قسطنطین بن ہرقل نے رومیوں کے بنائے ہوئے جنگی جہاز جمع کیے اور ایک ہزار جنگی کشتیاں لے کر نکلا تاکہ وہ خشکی میں پہنچنے والے مسلسل خسارے کا بدلہ لے سکے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دشمن کی پیش قدمی روکنے کا حکم دیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شام کی کشتیاں مصر روانہ کیں، مصر پہنچنے پر یہ کشتیاں سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی کشتیوں کے ساتھ مل گئیں۔ ان سب کی قیادت سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ ان کشتیوں کی مجموعی تعداد صرف دو سو تھی۔ یہ اسلامی لشکر ان نامی گرامی بہادر مجاہدین پر مشتمل تھا جنھیں سابقہ معرکوں میں آزمایا جا چکا تھا۔ وہ اس سے قبل رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں کامیاب ہو چکے تھے۔ دشمن کی ہیبت اور شان و شوکت ان کے دلوں سے نکل چکی تھی، باوجود اس کے کہ مسلمانوں کے پاس ان کے مقابلے میں جنگی کشتیاں بہت کم تھیں، پھر بھی

[1] تاريخ الإسلام (عهد الخلفاء الراشدين) للذهبي، ص:359.

ان کے حوصلے بلند تھے۔ دشمن کا مطلق خوف نہیں تھا۔

مسلمان سمندر کی جانب نکلے۔ ان کے قلوب و اذہان میں اللہ تعالیٰ کے دین کی عظمت تھی وہ رومیوں کی شان و شوکت کو ہیچ اور ناقابلِ توجہ سمجھتے تھے۔ اس تاریخی معرکے کے کئی اسباب تھے، مثلاً:

- مسلمانوں کے وہ تابڑ توڑ حملے اور کاری ضربیں جو مسلمانوں نے افریقیہ میں رومیوں کو لگائی تھیں۔
- مسلمانوں کے بحری جنگی بیڑے کے غلبے کے بعد مشرقی اور جنوبی ساحلوں پر رومیوں کی ساکھ کو جو نقصان پہنچا تھا وہ اس کا ازالہ کرنا چاہتے تھے۔
- رومیوں کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ اگر مسلمانوں کا بحری تسلط برقرار رہا تو وہ قسطنطنیہ کو بھی فتح کر لیں گے۔
- قسطنطین بن ہرقل شام، مصر اور برقہ کے ساحلوں پر پے در پے شکستوں کا صدمہ سہنے کے بعد اب اپنے گم شدہ وقار اور ہیبت کو دوبارہ بحال کرنا چاہتا تھا۔
- رومی بحیرۂ روم میں اپنا غلبہ برقرار رکھنے کے لیے فیصلہ کن اور نتیجہ خیز معرکہ آرائی چاہتے تھے تاکہ وہ اس کے جزیروں کو محفوظ بنا لیں اور بلاد عرب کے ساحلوں پر حملے کرتے رہیں۔
- اسکندریہ کی اہمیت کے پیش نظر، رومی اسے مسلمانوں سے واپس لینا چاہتے تھے۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ اسکندریہ پر مسلمانوں کے قبضے سے پہلے اہلِ اسکندریہ کا روم کے بادشاہ قسطنطین بن ہرقل کے ساتھ معاہدہ تھا۔[1]

معرکے کی جائے وقوع: اس معرکے کی جائے وقوع کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ عربی کتب کے مراجع میں بھی اس جگہ کی تحدید نہیں ملتی۔ ہمارے علم کے مطابق صرف ایک کتاب میں اس جگہ کا نام ''بدقہ'' ذکر کیا گیا ہے۔ اور ایک دوسری جگہ یوں ہے: ''رومی اس (بدقہ) کی جانب متوجہ ہوئے'' یا ''انھوں نے اس کا قصد کیا۔''

[1] ذات الصواري لشوقي أبو خليل، ص: 61,60.

مراجع کی تفصیل حسب ذیل ہے:

❁ فتح مصر و أخبارها: اس کتاب میں سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کا خطبہ منقول ہے جس میں انھوں نے کہا: ''مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ہرقل ایک ہزار جنگی کشتیوں کے ساتھ آپ پر حملہ کرنا چاہتا ہے......'' لیکن یہاں بھی معرکے کی جائے وقوع کی تحدید نہیں کی گئی۔[1]

❁ الطبري: ابن جریر رحمہ اللہ نے 31 ھ کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے ذات الصواری کے معرکوں کا تعلق افریقیہ میں رومیوں کے خلاف ہونے والی مسلمانوں کی فتوحات سے جوڑا ہے، یعنی رومیوں نے یہ حملہ درحقیقت مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے کیا تھا۔ مزید کہا کہ وہ اتنا بڑا لشکر لے کر نکلے کہ اس سے قبل روم میں کبھی اتنا بڑا لشکر جمع نہیں ہوا تھا۔[2]

❁ الکامل في التاریخ: اس میں بھی معرکے کی جائے وقوع کا ذکر نہیں ہے لیکن صاحب کتاب نے اس معرکے کے وقوع کے اسباب کی کڑیاں افریقیہ میں مسلمانوں کو حاصل ہونے والی فتح کے ساتھ ملائی ہیں۔[3]

❁ البدایة والنهایة: تاریخ کی اس کتاب میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب بلاد افریقیہ میں سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرنگیوں اور بربر باشندوں کو ضرب لگائی اور انھیں نقصان پہنچایا تو رومی غضبناک ہو کر قسطنطین بن ہرقل کے پاس جمع ہوئے اور مسلمانوں پر اتنا بڑا لشکر لے کر حملہ آور ہوئے کہ مسلمانوں کو اس سے قبل اتنے بڑے لشکر سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ انھوں نے پانچ سو جنگی کشتیاں لے کر بلاد مغرب کی طرف پیش قدمی شروع کر دی جہاں سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔''[4]

❁ تاریخ الأمم الإسلامیة: اس کتاب[5] میں بھی معرکے کی جائے وقوع کا ذکر نہیں ہے۔[6]

دکتور شوقی ابو خلیل نے اس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ معرکہ اسکندریہ کے ساحل پر

[1] ذات الصواري، لشوقي أبو خليل، ص: 61. [2] تاریخ الطبري: 290/5. [3] الکامل في التاریخ: 58/3. [4] البدایة والنهایة: 163/7. [5] یہ کتاب شیخ الخضری کی ہے اور اس واقعے کا تذکرہ (29/2) پر ہے۔ [6] ذات الصواري، لشوقي أبو خليل، ص: 62.

ہوا اور اس ترجیح کے جواز میں یہ حوالے پیش کیے ہیں:

① «النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة» میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے:
''معرکۂ ذات الصواری اسکندریہ کی جانب سمندر میں ہوا۔''①

② «تاریخ ابن خلدون» میں یوں ہے: ''پھر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے سرایا بھیجے اور شہروں میں اقتدار حاصل کیا تو وہ مطیع ہو گئے اور خود مصر لوٹ آئے۔ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے افریقیہ سے جو کچھ بھی حاصل کیا اسے لے کر مصر واپس آ گئے تو قسطنطین بن ہرقل چھ سو (600) کشتیوں کے ساتھ اسکندریہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلا۔''②

③ جن عربی مراجع میں معرکے کی جائے وقوع کا تعین نہیں کیا گیا ان میں ذات الصواری کے معرکے اور رومیوں کی شمالی افریقیہ میں ناکامی کو باہم منسلک کیا گیا ہے۔

④ رومی سمندری جہازوں کے بیڑے کو قدیم عظمت حاصل تھی اور اسے بحر متوسط (بحیرۂ روم) میں ذات الصواری سے پہلے بالادست بھی مانا جاتا تھا۔ اور وہ سواحل اسلامیہ پر حملہ کرنے میں زیادہ جرأت مند تھا، اس لیے دکتور شوقی ابوخلیل نے رومی بحری بیڑے کا اسکندریہ کے ساحل پر آنا راجح قرار دیا ہے۔ رومی، اسکندریہ کی اہمیت کے پیش نظر اسے مسلمانوں سے واپس لینا چاہتے تھے انھیں یہ احساس بھی تھا کہ وہاں کے باشندوں کا ان کے ساتھ معاہدہ تھا۔ وہ مسلمانوں کے نوزائیدہ بیڑے کا بھی کام تمام کرنا چاہتے تھے تاکہ بحر متوسط اور اس کے جزیروں پر رومیوں کی بالادستی اور اجارہ داری قائم رہے۔

⑤ غیر عربی مراجع میں ذات الصواری کی جائے وقوع ''فنیقیہ'' کو قرار دیا گیا ہے اور فنیقیہ اسکندریہ شہر کے مغرب میں واقع ایک بندرگاہ ہے جو مرسی مطروح کے قریب واقع ہے۔ اس سے مکمل طور پر اس جگہ کا تعین ہو جاتا ہے جہاں یہ معرکہ بپا ہوا۔③

معرکہ کے واقعات: مالک بن اوس بن حدثان کا بیان ہے کہ میں ذات الصواری

① النجوم الزاهرة: 80/1. ② تاريخ ابن خلدون: 468/2. ③ ذات الصواري لشوقي أبو خليل، ص: 64.

میں مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ ہمارا دشمن سے سمندر میں آمنا سامنا ہوا۔ دشمن کے پاس اس قدر کشتیاں تھیں کہ اس سے پہلے ہم نے اتنی کشتیاں نہیں دیکھی تھیں۔ ہوا کا رخ بھی ہمارے خلاف اور رومیوں کے حق میں تھا ہم کچھ دیر لنگر انداز ہوئے۔ وہ بھی ہمارے قریب ہی لنگر انداز ہوگئے۔ ہوا بھی رک گئی۔ ہم نے رومیوں سے کہا: ''ہمارے اور تمھارے درمیان امن اور صلح ہونی چاہیے۔'' وہ بولے: ''تمھیں امن دیا جاتا ہے۔ اب تمھاری طرف سے بھی ہمارے لیے صلح اور امن ہونا چاہیے۔''①

مسلمانوں نے رومیوں سے کہا: ''تم پسند کرو تو ساحل پر جنگ ہو حتی کہ ہم میں سے ایک فریق کامیاب ہوجائے اور اگر تم چاہو تو سمندر کے اندر ہی جنگ ہو؟''

مالک بن اوس کا بیان ہے کہ رومیوں نے بیک زبان ہو کر کبر و نخوت سے کہا: ''جنگ پانی میں ہونی چاہیے یقیناً پانی میں۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رومیوں کو بحری جنگ کے سلسلے میں اپنے تجربے پر بڑا ناز تھا۔ وہ سمندری جنگ میں مہارت کی وجہ سے فتح کی بڑی امید رکھتے تھے۔ وہ سمندر کے اتار چڑھاؤ سے اچھی طرح واقف تھے اور اپنی فنی مہارت کے پیش نظر بھی بحری جنگ میں فتح کے واضح امکانات دیکھتے تھے۔ بالخصوص انھیں یقین تھا کہ مسلمان اس میدان میں نو وارد ہیں۔②

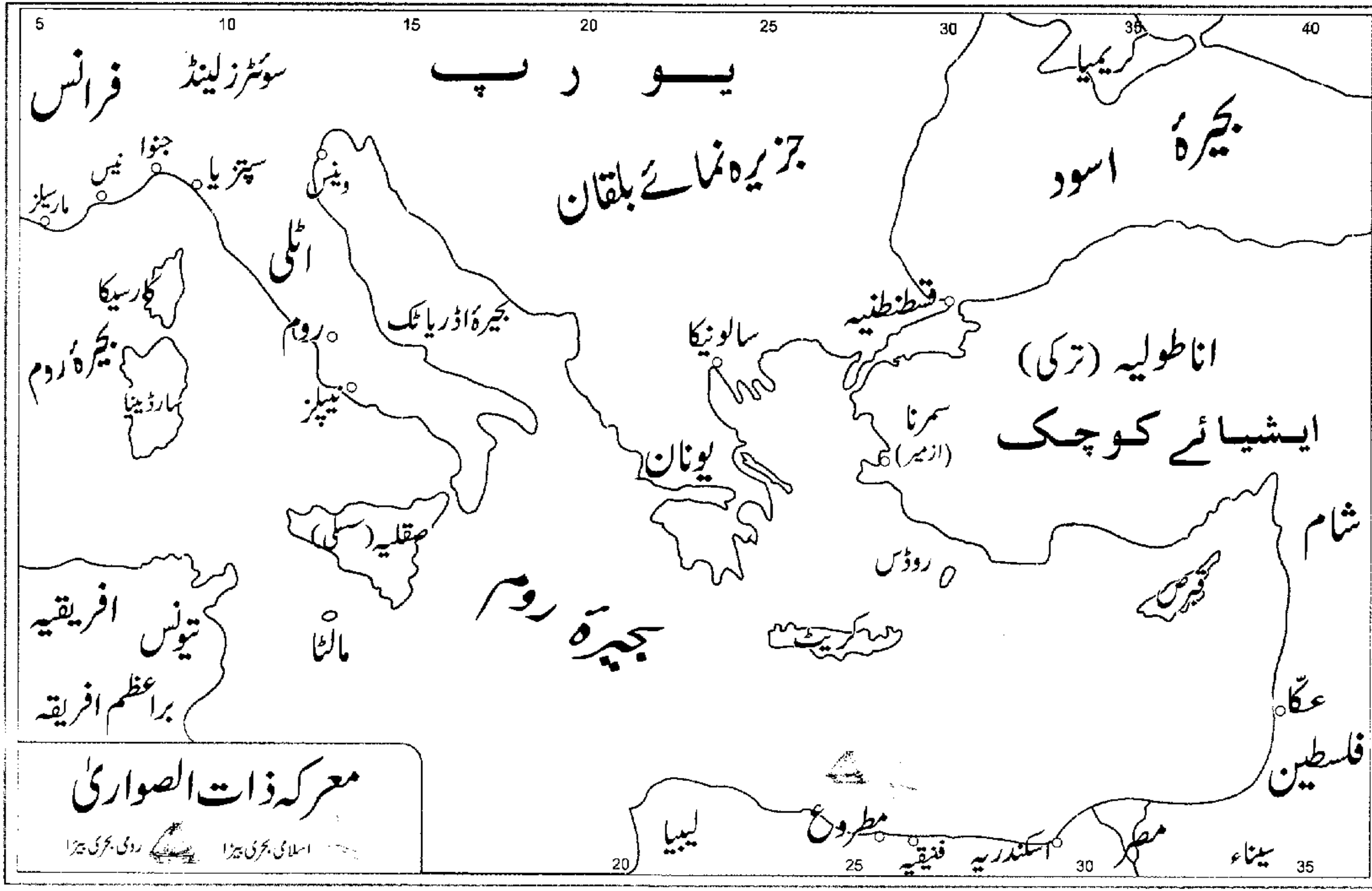
فریقین نے رات سمندر کے بیچ گزاری۔ مسلمان جس جگہ ٹھہرے ہوئے تھے وہاں ان کا نقصان تھا، اس لیے ان کے قائد نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیا کہ کیا کرنا چاہیے؟ انھوں نے کہا: ''ہمیں ایک رات مہلت دیں تاکہ ہم اپنے معاملات ترتیب دے لیں اور دشمن کا جائزہ بھی لے لیں۔'' مسلمانوں نے رات کو آہ وزاری کرتے ہوئے دعائیں مانگیں اور تہجد ادا کی۔ رات بھر ان کی اللہ کے سامنے گریہ وزاری کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح سنائی دیتی رہی۔ دوسری طرف کشتیوں سے ٹکرانے والی سمندری

① تاريخ الطبري :292/5. ② ذات الصواري لشوقي أبوخليل، ص :66.

موجیں نغمہ سرائی کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ رومی رات بھر کشتیوں میں ناقوس بجاتے رہے۔ صبح ہوئی۔ قسطنطین جلد ہی جنگ شروع کرنا چاہتا تھا لیکن سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو فجر کی نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو اصحاب حل وعقد کو بلایا۔ مشورہ کیا۔ نہایت عمدہ حکمت عملی اختیار کر کے جنگ کرنے کا نقشہ بنایا۔ انھوں نے طے کیا کہ سمندر کے اندر ہوتے ہوئے بھی مجاہدوں کو اس طرح ترتیب دیا جائے جیسے وہ خشکی پر لڑ رہے ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہوا؟ یہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی ذہنی بالیدگی کا کرشمہ تھا۔ انھوں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ کشتیاں دشمنوں کی کشتیوں کے قریب لے جاؤ۔ وہ اس قدر قریب جا پہنچے کہ ان کی کشتیاں دشمن کی کشتیوں سے ٹکرانے لگیں۔ اس دوران فدائی یا ہماری بولی کے مطابق غوطہ خور پانی میں اتر گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کی کشتیوں کو نہایت مضبوط رسوں سے رومیوں کی کشتیوں سے باندھ دیا۔ اس قدر کس کر باندھا کہ عین سمندر کے بیچ بارہ سو کشتیوں کا ایک میدان بن گیا۔ ہر دس یا بیس کشتیاں ایک دوسرے کے ساتھ جزو لاینفک کی طرح بندھی ہوئی تھیں گویا کہ یہ قطعۂ زمین تھا جس پر معرکہ برپا ہونے والا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے کشتیوں کے کناروں پر مسلمانوں کی صف بندی کی اور انھیں ہدایت کی کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہیں، خصوصاً سورۂ انفال پڑھتے رہیں کیونکہ اس میں اتفاق واتحاد اور صبر وثبات کا ذکر جمیل ہے۔[1]

رومیوں نے لڑائی شروع کر دی۔ ان کے خیال کے مطابق ان کی فتح یقینی تھی، اسی لیے انھوں نے کہا تھا کہ لڑائی سمندر کے اندر ہی ہوگی۔ وہ فتح کی آس لے کر مسلمانوں کی کشتیوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو ایسی کاری ضرب لگائیں جس سے اسلامی بیڑے کی شان وشوکت پارہ پارہ ہو جائے۔ انھوں نے کشتیوں پر مسلمانوں کی صف بندی توڑ دی، پھر ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ فریقین سناٹے میں آ گئے۔ طرفین کے

[1] ذات الصواري لشوقي أبوخليل، ص: 67.


معرکہ ذات الصواریٰ
اسلامی بحری بیڑا
رومی بحری بیڑا
یورپ
فرانس
سوئٹزرلینڈ
جزیرہ نمائے بلقان
بحیرۂ اسود
کریمیا
مارسیلز
نیس
جنوا
سپتزیا
وینس
اٹلی
کارسیکا
بحیرۂ روم
سارڈینیا
روم
نیپلز
بحیرۂ اڈریاٹک
صقلیہ (سسلی)
مالٹا
افریقیہ
تیونس
براعظم افریقہ
یونان
سالونیکا
قسطنطنیہ
اناطولیہ (ترکی)
ایشیائے کوچک
سمرنا
(ازمیر)
روڈس
کریٹ
قبرص
شام
عکّا
فلسطین
لیبیا
مطروع
فنیقیہ
اسکندریہ
مصر
سیناء

نقشہ: 18

لیے یہ صورتِ حال بہت سخت تھی۔ خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ سمندر کی موجیں لہولہان ہوگئیں۔ لاشوں کے انبار تیرنے لگے۔ سمندر کی سرکش موجوں نے کشتیوں کو ساحل سمندر کی طرف دھکیل دیا۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور لاتعداد رومی مارے گئے۔

معروف مؤرخ بیزنطی (تھیوفا مانس) نے اس معرکے کو رومیوں کے لیے یرموک ثانی قرار دیا ہے۔ [1]

طبری نے اس معرکے کے متعلق لکھا ہے: ''اس معرکے میں پانی پر خون غالب آ گیا۔'' [2]

رومیوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں کے کمانڈر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی کشتی کو غرق کردیں تاکہ مسلمانوں کا قائد نہ رہے۔ اس طرح ان کے حوصلے کمزور پڑ جائیں۔ ایک رومی کشتی سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کشتی سے آگے بڑھی۔ اور اسے کھینچنے اور علیحدہ کرنے کے لیے اس پر رسہ پھینکا لیکن علقمہ بن یزید غطیفی نے رسے پر چھلانگ کر اسے کاٹ دیا اور قائد اور اس کی کشتی کو بچالیا۔ [3]

سنگین مقابلے کے باوجود مسلمان ڈٹے رہے اور انھوں نے دیگر معرکوں کی طرح اس معرکے میں بھی بے مثل صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس صبر کا صلہ اس طرح عطا فرمایا کہ انھیں فتح سے نواز دیا اور رومیوں کا بحری بیڑا شکست کھا گیا۔ ابن عبدالحکم کے بقول قریب تھا کہ قسطنطین گرفتار ہوجاتا لیکن وہ بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ جب اس نے اپنی قوت کو پارہ پارہ ہوتے دیکھا اور اپنی فوج کی لاشوں کے انبار سمندر میں تیرتے دیکھے جنھیں سمندر کی موجیں اُٹھا اٹھا کر ساحل پر پھینک رہی تھیں۔ اسے اپنے بحری بیڑے پر بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ اس بیڑے کے بل بوتے پر اپنا وقار بحال کرنا چاہتا تھا مگر یہی بیڑا پاش پاش ہوکر غرق ہوتا نظر آیا تو وہ وہاں سے نکل بھاگا۔ وہ ایسی بے بسی کی حالت میں فرار ہوا کہ اس کا جسم زخموں سے چُور چُور تھا، حسرت اس کا کلیجہ مسل رہی تھی اور ذلت و رسوائی

[1] ذات الصواري لشوقي أبوخليل، ص: 67. [2] تاريخ الطبري: 293/5. [3] ذات الصواري لشوقي أبو خليل، ص: 68.

کی ڈھول سے اُس کا چہرہ اٹ گیا تھا۔ آخر کار وہ ذلیل وخوار ہو کر جزیرہ صقلیہ جا پہنچا۔ ①

ہوائیں اس کی کشتی کو دھکیل کر جزیرے میں لے گئیں۔ وہاں کے باشندوں نے اس سے صورت حال دریافت کی۔ اس نے اپنی حالت زار بتائی تو انھوں نے کہا: ''تو نے نصرانیت کو رسوا کیا ہے۔ ہمارے مردوں کو فنا کر دیا ہے۔ اگر مسلمان یہاں آ جائیں تو انھیں کوئی نہیں روک سکے گا۔'' ②

یہ کہہ کر ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کے جو ساتھی کشتیوں میں سوار ہو کر آئے تھے، اُنھیں چھوڑ دیا۔ ③

معرکہ ذات الصواری کے نتائج: ذات الصواری مسلمانوں کے لیے ایک انوکھا معرکہ تھا کیونکہ اس سے پہلے مسلمان بحری جنگ سے ناآشنا تھے۔ مگر اس نئے نویلے بحری بیڑے پر سوار اسلام کے سپاہیوں نے صبر و استقلال، ایمان وفراست اور جنگی مہارت کا ایسا ثبوت دیا کہ دشمن کو نہ صرف پریشان کر دیا بلکہ ان کے لیے بڑی مشکلات پیدا کر دیں۔ ان کے لیے مسلمانوں کی صفوں میں گھسنا مشکل ہو گیا۔ مسلمانوں نے دشمنوں کی کشتیوں کے بادبان اور مستول کھینچنے کے لیے لمبے لمبے آنکڑے استعمال کیے۔ یوں معرکہ رومیوں کے لیے ایک زبردست شکست کی شکل میں اختتام کو پہنچا۔

❁ ذات الصواری رومیوں کی سیاست میں مسلمانوں کے حق میں خطِ فاصل کی صورت اختیار کر گیا۔ انھیں ادراک ہو گیا کہ وہ اپنا وقار بحال کرنے یا مصر اور شام کو واپس لینے کے منصوبوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کل تک جو سمندر بحیرۂ روم کہلاتا تھا آج اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ بحیرۂ روم کی معنوی رُومیت نابود ہو گئی۔ ہمیشہ کے لیے صرف ایک نام رہ گیا۔ مسلمان قبرص، کریت، کارسیکا، سارڈینیا، صقلیہ (سسلی) اور جزائر بلیارک فتح کر کے آگے بڑھ گئے حتی کہ وہ جنوا (اٹلی) اور مارسیلز (فرانس) تک جا پہنچے۔

① تاریخ ابن خلدون :468/2. ② تاریخ ابن خلدون :468/2. ③ ذات الصواري لشوقي أبو خليل، ص :68.

❁ قسطنطین قتل ہوا۔ اس کے بعد اس کا چوتھے نمبر پر چھوٹا بیٹا برسرِ اقتدار آیا۔ وہ ابھی تک نوعمر اور ناتجربہ کار تھا اس بنا پر آگے چل کر مسلمانوں کے لیے روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر بحری اور بری حملے کے حالات سازگار ہو گئے۔

❁ یقینی فتح مندی کے لیے روحانی تیاری اور ذہن سازی نہایت ضروری ہے۔ اس طرح دل خلوص کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اگر بندۂ مومن تہجد پڑھتے ہوئے اور ذکر الٰہی کرتے ہوئے رات گزارے، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور عزت کا واسطہ دے کر اس سے مدد طلب کرے اور پھر امکان بھر تمام جنگی اسباب بھی بروئے کار لائے تو وہ دشمن کا سامنا ایسی مستعد اور عالی مرتبت روح سے کرتا ہے کہ اسے موت کا ذرہ بھر خوف نہیں ہوتا۔ اُسے پکا یقین ہوتا ہے کہ اللہ ہر چیز سے بڑا ہے۔ یہ معرکے، جو نصف تاریخ کا درجہ رکھتے ہیں، ہمارے لیے رہنما ہیں۔ ہم انھیں اپنے فکر و عمل کے لیے چراغ راہ بناتے ہیں تاکہ ہم اپنی زندگی میں ان سے استفادہ کرسکیں کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی یقیناً رہنمائی کا نمونہ اور ان کی سیرت لائق اتباع ہے۔[1]

❁ بحیرۂ متوسط اب بحیرۂ اسلامیہ بن گیا تھا۔ اور اسلامی بحری بیڑے کو بحر متوسط میں بالادستی حاصل ہوگئی تھی۔ یہ بیڑا تسلط اور قزاقی کے لیے نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد دعوت الی اللہ کو فروغ دینا، مشرکین کی قوت اور شان و شوکت کو توڑنا، کتاب و سنت کی تعلیمات پر مبنی پنپنے والی تہذیب کو پروان چڑھانا اور پھیلانا تھا۔

❁ مسلمان بحری علوم حاصل کرنے میں مشغول ہوگئے۔ انھوں نے کشتیاں بنانے اور سمندر میں کام آنے والے ہتھیاروں کی صنعت کو فروغ دیا۔ بحری جنگ کرنے کے فنون و اسالیب سیکھنے کی طرف توجہ دی۔ جہاز رانی سے متعلقہ علم فلکیات پڑھنا شروع کیا۔ بحری نقشوں پر مختلف مقامات کی پہچان شروع کی۔ اس کے لیے انھوں نے قطب نما یعنی سمت معلوم کرنے کا آلہ اسطرلاب متعارف کرایا اور اسے اس حد تک ترقی دی کہ بعد میں یورپی ملاحوں کر سٹافر

[1] ذات الصواري لشوقي أبو خليل، ص: 71، 72.

کولمبس اور امیریکو وسپوسی وغیرہ نے اپنے اکتشافات میں اس سے استفادہ کیا۔[1]

❁ اس معرکے سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح نمایاں ہو کر سامنے آ گئی کہ اگر عقیدہ صحیح اور پختہ ہو تو عسکری تجربہ، فوجوں کی تعداد اور تیاری اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ رومیوں کی زمانۂ قدیم سے سمندروں سے وابستگی تھی اور بحری جنگوں کا انھیں بخوبی تجربہ تھا جبکہ مسلمان اس میدان میں نووارد تھے۔ انھیں سمندر میں جنگ کرنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں، رومیوں کی کثرت اور تجربے کے باوجود، غالب کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں زمین میں دینِ اسلام کی نشر واشاعت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی توفیق بخشی تھی۔ اس معرکے میں مسلمانوں کی طرف سے جس قوت کے ساتھ مقابلہ کیا جا رہا تھا وہ ان کے قائد سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی قوتِ ارادی، بہادری، تحمل اور جنگی نظم ونسق پر ان کی مضبوط گرفت کا نتیجہ تھا۔ یہ معرکہ مسلمانوں کی جرأت و بہادری، اللہ کے دین کی سربلندی اور اسلامی مملکت کا وقار بڑھانے کے لیے جنگوں میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کی درخشاں مثال بن گیا۔[2]

فتوحات عثمان رضی اللہ عنہ کے فوائد ونتائج

اللہ تعالیٰ کا مومنوں سے کیا گیا وعدہ پورا ہونا: امام ابن کثیر رحمہ اللہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں بہت سے صوبے اور شہر فتح کرائے۔ مملکت اسلامیہ میں وسعت پیدا ہوئی اور سلطنت محمدیہ پھیل گئی، مصطفوی پیغام شرق وغرب میں پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے مصداق مسلمانوں کو ہر طرف غلبہ حاصل ہوا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ

[1] ذات الصواري لشوقي أبوخليل، ص: 67. [2] التاريخ الإسلامي للدكتور عبد العزيز الحميدي: 407/12.

مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○﴾

”جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا اور یقیناً ان کی حالت خوف کو بدل کر وہ انھیں امن دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔“[1]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○﴾

”وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، چاہے مشرکین کو برا ہی لگے۔“[2]

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«قَدْ مَاتَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهُ، وَ إِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

”کسریٰ مر چکا، لہٰذا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا۔ قیصر کی ہلاکت کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان دونوں کے خزانے اللہ کے راستے میں ضرور خرچ کیے جائیں گے۔“[3]

[1] النور 55:24. [2] التوبة 33:9. [3] صحيح مسلم، الفتن، باب لاتقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل......، حديث: 2918.

جنگی طریقوں اور پالیسی میں تبدیلی: دعوتِ اسلام سے پہلے، قوموں کے مابین جنگوں کی بنیادی وجوہ میں سے ایک وجہ زمین تھی۔ جب ایک قوم کسی خطہ زمین پر قابض ہونا چاہتی تو دوسری قوم اسے اپنا حق سمجھتے ہوئے جنگ کرتی۔ یا پھر جنگ کسی شہر یا قبیلے پر ظلم و زیادتی کے باعث ہوتی تھی۔ عہد نبوت اور خلفائے راشدین کے دور میں جنگی مقاصد بدل گئے۔ مسلمانوں کا مقصد کسی کی زمین کو غصب کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ زمین میں ان کے عقیدے کی برتری اور نگرانی ہو، اس لیے وہ مشرکین اور مجوسیوں وغیرہ کے فاسد اور منحرف عقائد سے ٹکرا گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ صرف جنگی تبدیلی ہی نہیں تھی بلکہ یہ فکر و عمل کا بالکل نیا انقلابی منشور تھا جس کی عالمی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ مسلمان مجاہدین اپنے دشمن کے روبرو اس کی دائمی بھلائی کے لیے سب سے پہلے اسلام پیش کرتے تھے اور دعوت دیتے تھے کہ دینِ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اگر وہ انکار کرتے تو کہتے: ہمیں جزیہ (ٹیکس) ادا کرو اور اسلامی مملکت کے تابع ہو جاؤ۔ بصورت دیگر لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

ان فتوحات سے ایسی بے مثال پالیسی نے جنم لیا جس نے تمام قوموں کو راضی اور خوشنود کر دیا۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں میں عدل اور مساوات کے خلاف کینہ تھا۔ فتنہ برپا کرنا اور کفر و عصیان پر جمے رہنا ان کے خمیر میں داخل تھا، ایسے ہی لوگوں نے مسلمانوں کو بسا اوقات سختی کرنے اور سزا دینے پر مجبور کیا۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جاری کردہ لازمی فوجی بھرتی کا قانون برقرار رہا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا لازمی فوجی بھرتی کے حکم کے نفاذ کا سبب غزوۂ قادسیہ بنا۔ آپ نے صوبوں کے گورنروں کو حکم دیا کہ وہ اچھے اچھے سمجھ دار شہسوار، گھوڑے اور اسلحہ پیش کریں۔ اگر لوگ رضا مندی سے آئیں تو ٹھیک ہے ورنہ انھیں حکماً لایا جائے۔ انھوں نے اپنے پختہ ارادے

[1] عصر الخلفاء الراشدين للدكتور عبد الحميد بخيت، ص: 216.

پر عمل کرتے ہوئے انھیں اس بارے میں جلدی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''کسی کو پیچھے نہ چھوڑو، ہر سمجھدار فرد کو میرے پاس بھیج دو اور اس معاملے میں جس قدر ممکن ہو عجلت سے کام لو۔ ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کرو۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تمنا تھی کہ جہاد کے لیے باقاعدہ فوج وقف ہونی چاہیے۔ جب انھوں نے مردم شماری کرائی، اسے باقاعدہ مدون کیا اور مسلمانوں کے سالانہ وظائف مقرر کیے تو وہ اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوگئے۔ وہ اس طرح کہ انھوں نے دیوان قائم کرنے کے ساتھ ساتھ سرکاری فوج کا باقاعدہ شعبہ بھی قائم کردیا۔ باضابطہ فوجیوں کی تنخواہیں مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بحری جنگ کی اجازت دی تو انھیں حکم دیا کہ وہ بحری معرکے کے لیے کسی شخص کو مجبور نہ کریں بلکہ جو اپنی مرضی سے جانا چاہتا ہے وہی جائے۔ جہاں تک بری مہمات کی تکمیل کا تعلق ہے تو اس کے لیے باضابطہ فوج کے تنخواہ دار سپاہیوں کا محاذ پر جانا اسی طرح ضروری تھا جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ضروری قرار دیا گیا تھا۔[2]

مملکت اسلامیہ کی سرحدوں کی نگہبانی: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مملکت اسلامیہ کے پھیلاؤ کی وجہ سے ضروری تھا کہ سرحدوں کی حفاظت کی پالیسی جاری رکھی جائے اور دشمن کے حملوں سے بچنے کے لیے نگران دستے مقرر کیے جائیں۔ اس کی دو صورتیں تھیں:

① وہاں نگران فوجی دستے مقرر کیے جائیں۔

② سرحدوں پر چھاؤنیاں اور چوکیاں بنا دی جائیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مملکت اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے مامور فوجی دستوں کے کمانڈروں کو لکھا:

① إتمام الوفاء لمحمد الخضري، ص: 70. ② النظم الإسلامية لصبحي الصالح، ص: 489.

"امابعد! تم مسلمانوں کے محافظ ہو۔ ان کا دفاع کرنے والے ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمھارے لیے جو قواعد وضوابط مقرر کیے وہ ہم سے مخفی نہیں۔ ہمیں ان کا بخوبی علم ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر وتبدل نہیں ہونا چاہیے، ورنہ اللہ تعالیٰ تمھیں ہٹا کر اس مقام پر کسی اور کو لے آئے گا۔ اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے جس شرف وعزت سے مجھے نوازا ہے میں بھی اس کے تقاضے پورے کروں گا اور اپنی ذمہ داریاں بہرحال پوری کروں گا۔"[1]

انتظامی آسانی کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے شام اور جزیرہ کو باہم مدغم کر دیا۔ اس کے منتظم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان علاقوں کی سرحدوں کی ذمہ داری بھی ایک ہی نظام کے تحت تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ شمشاط کی سرحد پر خود چڑھائی کریں یا کسی تجربہ کار، بااعتماد اور بہادر کمانڈر کو روانہ کریں جو رومیوں سے قتال کی رغبت رکھتا ہو۔[2]

آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم بھی دیا کہ انطاکیہ کی سرحد کی حفاظت کا اہتمام کریں۔ اس مقصد کے لیے لوگوں کو وہاں زمینیں الاٹ کر دیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی کیا۔[3]

آپ سرحدوں پر بھرپور توجہ دیتے تھے۔ سرحدی علاقوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے معتمد اہل کاروں کو سرحدوں کے دورے پر بھیجتے رہتے تھے۔[4]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب عموریہ فتح کیا تو رومی فوج انطاکیہ اور طرسوس کی سرحدوں کے مابین تمام قلعے خالی چھوڑ کر چلی گئی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہاں شام، جزیرہ اور قنسرین کے فوجی باشندوں کو ٹھہرادیا اور حکم دیا کہ وہ یہیں آباد رہیں تاکہ غزوات سے واپسی پر ان کی پشت محفوظ رہے اور وہ ان کا پیچھے کی جانب سے دفاع کریں، پھر ایک یا دو

[1] تاریخ الطبري: 244/5. [2] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح: 466/2. [3] فتوح البلدان للبلاذري: 175/1. [4] الخراج لابن قدامة، ص: 413.

سال بعد یزید بن حر عبسی کو رومیوں پر فوج کشی کے لیے بھیجا تو انھیں بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ گرمائی اور سرمائی مہمات پر بھیجی جانے والی فوج کے سپہ سالار جب رومی شہروں میں داخل ہوتے تھے تو وہ بھی دشمن کی زمین سے نکلنے تک اپنے پیچھے بھاری لشکر سرحد پر چھوڑ جاتے تھے۔[1]

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اپنے دور گورنری میں شام کے ساحلوں اور قلعوں پر بڑے کامیاب معرکے لڑے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسکندریہ کی سرحد پر باقاعدہ فوج مقرر کر کے اسے محفوظ بنائیں اور فوجیوں کو پابندی سے بروقت تنخواہیں دیں۔ وہاں ان کی ڈیوٹیاں باری باری لگائیں تاکہ وہ ایک ہی جگہ ڈیوٹی سے اکتانہ جائیں۔ انھوں نے ایک حکم میں لکھا: ''آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسکندریہ کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔ رومی دو مرتبہ عہد شکنی کر چکے ہیں، لہٰذا اسکندریہ میں سیکیورٹی کا انتظام مضبوط رکھیں۔ اسکندریہ کی سرحد پر باقاعدہ تنخواہ دار سپاہیوں کو مقرر کریں اور ہر چھ مہینے کے بعد ان کا تبادلہ کر دیا کریں۔''[3]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سپہ سالاروں کا طریقۂ کار یہ تھا کہ جب فتوحات کرتے ہوئے پیش قدمی کرتے اور دشمنوں کے قلعوں پر قبضہ کرتے تو اپنے پیش رو سپہ سالاروں کی طرح ان میں ترمیم کرتے، پھر وہاں مسلمان سپاہیوں کو ٹھہرا دیتے۔ اس کے ساتھ ساتھ نئے دفاعی قلعے بھی تعمیر کرتے جاتے۔ جن قلعوں میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے ترمیم کی ان میں فرات کے درج ذیل شہروں کے قلعے بھی شامل ہیں:

* سمیساط: بلاد روم (ترکی) کی جانب فرات کے مغربی کنارے پر واقع شہر۔

[1] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح: 467/2. [2] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح: 467/2. [3] فتوح مصر لابن عبد الحكم، ص: 192.

❊ ملطیة : بلاد روم کا مشہور شہر جو شام کی سرحد پر واقع ہے۔

❊ شمشاط : اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

❊ کمخ: روم کا ایک شہر جو ارزنجان سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔

❊ قالیقلا : منازگرد اور خلاط کے نواح میں آرمینیا کا شہر۔

ان تمام قلعوں پر مسلمانوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آرمینیا کی فتح کے دوران قبضہ کیا اور ان میں ترمیم کر کے انھیں فوجی چھاؤنیاں بنا دیا۔[1]

قالیقلا میں سپہ سالار حبیب بن مسلمہ فہری نے دو ہزار آدمیوں کو آباد کیا، انھیں زمینیں الاٹ کر دیں اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی انھی کو سونپ دی۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے شام اور جزیرہ کے نظم و نسق اور دفاع کو مضبوط رکھنے کے لیے حبیب بن مسلمہ فہری کو حکم دیا کہ وہ شام اور جزیرہ کی سرحد پر رہیں۔[3]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے جب قزوین کی بندر گاہ فتح کی تو وہاں پانچ سو مسلمان سپاہیوں کو مقرر کر دیا۔ ان پر ایک سپہ سالار نگران مقرر کیا۔ انھیں جائیدادیں اور زمینیں الاٹ کیں جن میں کسی اور کا کوئی حق نہیں تھا۔ انھوں نے ان زمینوں کو آباد کیا، ان میں نہریں جاری کیں اور کنویں کھودے۔[4]

سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے طمیسہ (ایران کا شہر) فتح کیا تو وہاں دو ہزار باشندوں کو آباد کیا اور ان کا ایک قائد مقرر کر دیا۔[5]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مختلف سرحدوں پر متعدد نئے قلعے تعمیر ہوئے۔ ان میں مملکت اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے ہر وقت مستعد مجاہدین موجود رہتے تھے۔[6]

[1] من تاريخ التحصينات لمحمد عبدالهادي، ص:434. [2] فتوح البلدان للبلاذري:234/1. [3] فتوح البلدان للبلاذري:241/1. [4] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح: 469/2. [5] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح: 469/2. [6] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح:470/2.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گرمیوں اور سردیوں کی مناسبت سے دشمن پر حملوں کا خصوصی بندوبست کیا۔ انھوں نے اس سلسلے میں درپیش مشکلات کو آسان کرنے کی کوششیں کیں۔ ان حملوں کی کمانڈ اور اہتمام بڑے بڑے سپہ سالار اور گورنر خود کرتے تھے، جیسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبج (قدیم شہر) میں پل تعمیر کرایا تاکہ گرمیوں میں حملہ کرنے والے مجاہدین اس پُل سے آسانی سے گزر سکیں۔ اس سے پہلے اس علاقے میں کوئی پل نہیں تھا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں پر حملے کا منتظم بنایا اور انھیں اختیار دیا کہ وہ جسے چاہیں گرمیوں میں رومیوں پر حملے کے لیے سپہ سالار مقرر کر دیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری سفیان بن عوف کو سونپی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں موسم گرما میں وہی رومیوں پر حملے کے سپہ سالار رہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سردیوں اور گرمیوں کے یہ حملے خشکی تک ہی محدود نہ تھے بلکہ آپ کے عہد میں دشمنوں پر بحری حملے بھی سال بھر جاری رہتے تھے۔[1]

اہل شام اور اہل عراق میں مالِ غنیمت کی تقسیم: حبیب بن مسلمہ فہری نے آرمینیا پر حملہ کیا تو ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کوفہ سے لشکر لے کر اہل شام کی مدد کے لیے پہنچے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی حبیب نے آرمینیا میں رومیوں کو شکست دے دی۔ اہل شام کو بہت سامالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ اہل کوفہ وہاں پہنچے تو مال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ حبیب نے اس صورت حال سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا۔ انھوں نے اس بارے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے رہنمائی طلب کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا کہ اہل شام مال غنیمت میں اہل کوفہ کو بھی شامل کریں۔ یہ خط حبیب بن مسلمہ کے پاس پہنچا۔ انھوں نے اس کا متن شامی فوج کو سُنایا تو شامیوں نے کہا کہ ہم امیر المومنین کا فیصلہ دل و جان سے قبول کرتے ہیں، پھر انھوں نے اہل کوفہ کو مال غنیمت میں شریک کر لیا۔[2]

[1] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح: 470/2. [2] الفتوح لابن أعثم: 342,341/1.

دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کی وحدت کا تحفظ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عبداللہ بن عامر نے قیس بن ہیثم سلمی کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ انھوں نے طبسین، باذغیس، ہرات اور قہستان (کوہستان) کے باشندوں کو ساتھ ملایا اور چالیس ہزار کا لشکر لے کر خراسان کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ وہاں پہنچنے کے بعد قیس بن ہیثم نے عبداللہ بن خازم سے مشورہ کیا کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا: ''میرا خیال یہ ہے کہ تم اس شہر کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔ کیونکہ میں امیر ہوں۔ میرے پاس ابن عامر کا معاہدہ بھی ہے کہ جب خراسان میں جنگ ہوگی تو میں امیر ہوں گا۔'' پھر ایک خود ساختہ تحریر انھیں دکھائی۔ قیس بن ہیثم رحمہ اللہ نے الجھنا مناسب نہ سمجھا اور چپ چاپ وہاں سے چلے گئے۔[1]

قیس بن ہیثم نے یہ قربانی اس لیے دی کہ مسلمان متحد رہیں، ان کا شیرازہ نہ بکھرے اور اختلاف کی وجہ سے کمزور ہو کر وہ دشمنوں سے شکست نہ کھا جائیں۔ ان کے اس اقدام کا ثمر یہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کر دی۔[2]

لشکر کو صلح کی دفعات میں حسبِ ضرورت شرط عائد کرنے کی اجازت: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مملکتِ اسلامیہ میں وسعت پیدا ہوئی تو سپہ سالاروں نے صلح کے بعض معاہدوں میں یہ شرط لگانے کی ضرورت محسوس کی کہ جب مسلمانوں کا لشکر ان کے علاقے سے گزرے گا تو اہل علاقہ کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ مویشی، کھانے پینے کا سامان فراہم کرنے کے علاوہ لشکر کی دیگر جنگی ضروریات بھی پوری کریں گے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح مسلمانوں کو مرکزی قیادت سے رسد طلب نہیں کرنی پڑے گی۔ یوں وہ سامان اٹھانے کی مشقت سے بھی بچ جائیں گے۔ اس طرح یہ شرط فتوحات میں ان کی ممدو معاون ثابت ہوگی۔ وہ زیادہ مؤثر طریقے سے دشمن کا مقابلہ کر سکیں گے اور پیش قدمی

[1] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح: 189/1، نقلا عن الطبري.
[2] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح: 189/1، نقلا عن الطبري.

آسان ہو جائے گی۔[1]

دشمن کی سرگرمیوں پر نظر: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ از خود دشمنوں کے حالات پر نظر رکھتے اور ان کی چھان بین بڑے اہتمام سے کرتے تھے۔[2]

اس سلسلے میں آپ کے سپہ سالار بھی اپنے پیش رو سپہ سالاروں کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ دشمن کے حالات اور نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے بڑی چھان بین کرتے تھے۔ وہ اس مقصد کے لیے جاسوس بھی چھوڑتے تھے۔[3]

مسلمان جن لوگوں سے صلح کا معاہدہ کرتے تھے ان پر یہ شرط بھی عائد کرتے تھے کہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرتے ہوئے انھیں دشمن کی نقل و حرکت سے آگاہ رکھیں گے، مسلمانوں کے جاسوس بن کر ان کی معاونت کریں گے اور اُنھیں دشمن کے حملوں سے پیشگی مطلع کریں گے۔[4]

عظیم سپہ سالار عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کا تعارف: سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نہایت عظیم پختہ کار سپہ سالار تھے۔ عقیدے کی پختگی اور صلابت کی بنا پر عوام اور دوسرے رؤساء ان پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دلیری اور امور دین کا وافر علم بھی عطا کیا تھا، اسی لیے وہ سراقہ بن عمرو کی وفات سے اپنی شہادت تک ''باب الابواب'' (دربند) کے گورنر رہے۔ خلفاء کی تبدیلی، کوفہ کے گونروں اور سپہ سالاروں کی تبدیلی کے باوجود انھیں ان کے منصب سے معزول نہیں کیا گیا۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ میدان جنگ کے شہسوار تھے۔ دشمن سے آمنے سامنے کی لڑائی پر یقین رکھتے تھے۔ خیانت کرنے،

[1] تاريخ اليعقوبي:2/167,166. [2] الطبقات لابن سعد:3/59. [3] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح:1/403. [4] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان بن صالح:1/403.

دھوکا دینے اور پیچھے سے حملہ کرنے کے قائل نہیں تھے۔ ①

دربند اور بحر خزر کے جنوب اور مغرب میں معاملات کے استحکام، امن و امان کے قیام اور نظام کی بہتری میں آپ کی سیرت حسنہ کے اثرات اس قدر گہرے تھے کہ یہ خطے اسلام کی دعوت پھیلانے اور شمال میں فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ طرح طرح کی مشکلات اور اتار چڑھاؤ کے باوجود ان دور دراز خطوں میں چودہ سو سال بعد آج بھی اسلام موجود ہے۔ ②

آپ کے لازوال تاریخی کارناموں میں یہ بھی ہے کہ جب آپ بلنجر فتح کرنے نکلے اور دربند عبور کیا تو بادشاہ شہر یار نے پوچھا: ''آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟'' آپ نے جواب دیا: ''اہل بلنجر اور ترکوں پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا: ''ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ دربند سے پیچھے رہیں اور ہمارے ملک میں مداخلت نہ کریں۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہم تمھارے گھر میں داخل ہوئے بغیر ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ اللہ کی قسم ! ہمارے ساتھ ایسی قومیں ہیں کہ اگر ہمارا امیر ہمیں آگے بڑھتے رہنے کی اجازت دے تو ہم ردم (سد ذوالقرنین، یا دیوار چین) تک چلے جائیں گے۔'' شہر یار نے پوچھا: ''تمھارے ساتھ کیسی قومیں ہیں؟'' سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے ساتھ ایسی قوم ہے جنھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ وہ صدق نیت سے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ دور جاہلیت میں بھی وہ حیادار اور باعزت تھے، قبول اسلام کے بعد ان کی حیا اور شرف وعزت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ یہ غلبہ اور فتح ونصرت انھی کا مقدر ہے الا یہ کہ کوئی ان سے بڑھ کر عزت وشرف والا آجائے یا وہ خود اپنے حال سے غافل ہوجائیں۔'' ③

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بلنجر پر حملہ کیا تو

① قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 155. ② قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 156. ③ الكامل لابن الأثير: 30,29/3، و تاريخ الطبري: 146/5.

ترکوں نے کہا: ’’ہم پر حملے کی جرأت وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے ساتھ فرشتے ہوں اور وہ انھیں موت سے بچائیں۔‘‘ چنانچہ ترک میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ بند ہوگئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بخیلہ (بیضاء) سے جو بلنجر سے دوسو فرسخ (تقریباً سولہ سو کلو میٹر) کے فاصلے پر ہے، سالم و غانم کامیاب واپس ہوئے۔ اس مہم میں ان کا ایک فرد بھی شہید نہیں ہوا۔ [1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ پے در پے فتوحات اور دین سے وابستگی کی وجہ سے مسلمانوں کے حوصلے اور عزائم نہایت بلند ہوگئے تھے۔ اس کے برعکس ان سے مقابلہ کرنے والی قوموں کے حوصلے نہایت پست ہوگئے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں نے جن قوموں سے بھی جنگ کی ان پر غالب آئے، اس لیے ترک بھی مرعوب ہو گئے۔ مسلمانوں کا سامنا نہ کر سکے اور بھاگ کر قلعہ میں بند ہوگئے، چنانچہ اس غزوے میں عملاً کوئی لڑائی نہیں ہوئی، اسی لیے کوئی مسلمان شہید بھی نہیں ہوا۔ [2]

سیدنا عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ نہایت دیندار، پرہیز گار اور حسنِ اخلاق کے پیکر تھے۔ مفتوحین کے ساتھ ان کا کریمانہ رویہّ امن و امان، استحکام، نظم و ضبط، اسلام کے فروغ کا ذریعہ بن گیا۔ آپ نہایت باوفا اور بدرجۂ غایت امانت دار انسان تھے۔

مسلمانوں کے دربند فتح کرنے سے پہلے دربند کے حاکم نے چین کے بادشاہ کو تحائف بھیجے۔ قاصد واپس آیا تو دربند مسلمانوں کے قبضے میں جاچکا تھا۔ قاصد کے پاس چین کے بادشاہ کے بھیجے ہوئے کچھ تحائف تھے۔ ان میں نہایت قیمتی سرخ پتھر یا قوت بھی تھا۔ قاصد کے واپس پہنچنے کے وقت دربند کا حاکم سیدنا عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود تھا۔ اس نے وہ تحائف اپنے قاصد سے وصول کیے اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے حوالے کردیے لیکن انھوں نے یاقوت دیکھ کر فوراً واپس کردیے۔ دربند

[1] تاريخ الطبري: 146/5. [2] قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 150.

کا حاکم ہکا بکارہ گیا۔ نہایت متاثر ہوا اور کہنے لگا: ''عبدالرحمٰن کا یاقوت دیکھ کر اس طرح واپس کر دینا، اس ملک (دربند) سے بدرجہا بہتر ہے۔ اللہ کی قسم! آپ مجھے آلِ کسریٰ کے حکمرانوں سے کہیں زیادہ محبوب ہیں۔ اگر میں ان کی سلطنت میں ہوتا اور انھیں اس یاقوت کی خبر ملتی تو وہ مجھ سے یقیناً چھین لیتے!! اللہ کی قسم! جب تک آپ اور آپ کا خلیفہ اسی طرح امانت داری سے لوگوں کے حقوق ادا کرتے رہیں گے کوئی سُورما آپ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔''[1]

دربند کے بادشاہ کا مسلمان سپہ سالار کی امانت اور وفا پر حیران ہونا اور اس قدر شدید تعجب کا اظہار کرنا بے جا نہ تھا کیونکہ اس کی تمام عمر خیانت اور غداری سے اٹے ہوئے ماحول میں گزری تھی۔ جب اس نے مسلمانوں کی مثالی امانت داری اور بلا امتیاز وفا دیکھی تو وہ بے قرار ہوگیا۔ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا۔ اپنے کھوئے ہوئے ملک اور سابقہ بادشاہوں کو بھول گیا اور امانت و وفا کے نادر مظاہر دیکھ کر بے اختیار دل کی گہرائیوں کے جذبات و احساسات کو لفظوں کا جامہ پہنانے لگا۔[2]

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ نہایت قیمتی یاقوت قبضے میں لینا ان کا شخصی حق ہے نہ مسلمانوں کے بیت المال کا۔ یہ قیمتی ہیرا اور مٹی ان کے نزدیک برابر تھے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ نہایت مہمان نواز، خود دار، غیرت مند، متقی، پرہیزگار، زہد و ورع والے، دین کی سوجھ بوجھ رکھنے والے اور اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ ان کی عمر کا اکثر حصہ جہاد اور گورنری میں گزرا، اس کے باوجود ان کے پاس دنیا کا کوئی ساز و سامان موجود نہ تھا۔ آپ 32 ہجری میں بلنجر میں شہید ہوئے۔[3]

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا شمار عہد عثمانی کی فتوحات کے سپہ سالاروں میں ہوتا ہے، آپ

[1] تاريخ الطبري: 148/5. [2] قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 154.
[3] قادة الفتح الإسلامي في أرمينية، ص: 154.

کو شرف صحابیت حاصل تھا گو متأخر الاسلام تھے۔

سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ: آپ پہلے جلیل القدر صحابی ہیں جو کوفہ میں منصب قضا پر فائز ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح سے پہلے آپ کو کوفے کا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دوبارہ کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے تو انھوں نے بھی سیدنا سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ ہی کو قاضی مقرر کیا۔ آپ قادسیہ میں بھی رہے۔ فیصلے کرتے رہے، پھر مدائن کے قاضی مقرر ہوئے۔

یاد رہے کہ ہر شخص منصب قضا کا اہل نہیں ہوتا، خصوصاً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ نہایت مشکل کام تھا۔ اور کوفہ میں منصب قضا پر فائز ہونا اس سے بھی زیادہ کٹھن بات تھی۔ کیونکہ وہاں ایک طرف عرب کی بڑی بڑی شخصیات اور کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ٹھٹ لگا رہتا تھا اور دوسری طرف مختلف قبائل اور قوموں کے لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ شرعی امور میں اعلیٰ درجے کی مہارت رکھتے تھے، استقامت، عدل اور دین داری ان کا امتیازی وصف تھا۔ نہایت روشن دماغ اور باا ثر شخصیت کے مالک تھے۔ اسی وجہ سے تمام لوگ آپ پر اعتماد کرتے تھے۔ مدائن اور دربند کی فتح میں غنیمتوں کی تقسیم کی ذمہ داری بھی انھی کے سپرد ہوئی۔ یہ آپ کی پاکدامنی کی بہت بڑی سند ہے۔ نیکی کی حالت یہ تھی کہ ہر سال حج کرتے۔ آپ سے کئی کبار تابعین نے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ معتدل اور راست باز لوگوں کے لیے نادر نمونہ تھے۔ نہایت فیاض، مہمان نواز، باوقار، غیرت مند، صدق و وفا کے پیکر اور اچھائی کے دوست تھے۔ لوگوں کے لیے وہی کچھ پسند کرتے تھے جو اپنے لیے پسند کرتے تھے۔ ان کی ساری زندگی جہاد، گورنری اور منصب عدالت میں بسر ہوئی، اس کے باوجود دنیا سے ان کی بے رغبتی کا عالم یہ تھا کہ شہادت کے وقت ان کی ملکیت میں نہ کوئی گھر تھا نہ درہم و دینار کی کوئی نقدی! وہ علم ونظر اور قائدانہ صلاحیتوں میں اپنے دوستوں سے برتر تھے۔ کوفہ میں

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے عہد گورنری میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا کہ وہ اہل کوفہ کی امدادی فوج شام بھیجیں اور ایسے شخص کو قیادت پر مامور کریں جس کی بہادری، جنگی مہارت اور دین داری پر وہ مطمئن ہوں۔ ولید رضی اللہ عنہ نے اس نہایت خطرناک مہم کے لیے فی الفور بغیر سوچے سمجھے سیدنا سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ انھوں نے سربرآوردہ سپہ سالاروں اور عظمائے کوفہ میں سے سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کا انتخاب اس لیے کیا کہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ میں بہادری اور جنگی مہارت کے ساتھ ساتھ مثالی ورع وتقویٰ کا جوہر بھی موجود تھا۔ آپ جنگی مہموں میں بڑی تیزی سے آگے بڑھتے تھے۔ لوگوں کی قیادت کرنے کا طویل تجربہ اور مہارت رکھتے تھے۔ آپ دورانِ جنگ گھوڑوں کے جوڑوں پر نیزہ یا تیر مارنے میں ایک قصاب سے بھی زیادہ مہارت رکھتے تھے۔ یہ وصف آپ کی تیراندازی کی مہارت پر دلالت کرتا ہے۔ آپ بہترین گھڑسوار اور گھوڑوں کی تمام اقسام سے بخوبی آگاہ تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں میں جہاد کے لیے گھوڑے تیار کر رکھے تھے۔ صرف کوفہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہتے تھے۔ جب دشمن سرحد اسلامیہ کا رخ کرتا تو مسلمان ان گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمن سے قتال کرنے کے لیے سرگرم عمل ہو جاتے تھے۔[1]

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کوفہ میں ان گھوڑوں کی دیکھ بھال کے ذمہ دار تھے۔[2]

آپ گھڑسواری کے ماہر تھے۔ آپ کا قول ہے: ''میں نے اپنی تلوار سے سو زرہ پوشوں کو قتل کیا، وہ سب کے سب غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک آدمی کو بھی باندھ کر قتل نہیں کیا۔''

آپ اپنے کافر دشمن کو بھی جو غیر اللہ کی عبادت کرنے والا ہوتا، میدان قتال میں

[1] تهذيب لابن عساكر: 210/6، و تاريخ الطبري: 309/5. [2] قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 169. [3] أسد الغابة: 327/2.

باندھ کر قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اسے مہلت دیتے تھے۔ پھر اسے ایک مد مقابل کی طرح مقابلے کی دعوت دیتے تھے۔ پھر موقع پاتے ہی اسے قتل کر دیتے تھے۔ اس طرح نہ یہ دھوکے سے قتل کرنا ہوتا اور نہ ہی یہ باندھ کر قتل کرنے کے زمرے میں آتا تھا۔ (1)

آپ ثواب کی نیت سے جہاد کرنے والے اس مجاہد کے لیے بہترین نمونہ تھے جو صرف اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرتا ہے اور انجام کار سے بے خوف و خطر ہوتا ہے۔

قصہ مختصر آپ خون سے لت پت زمین پر گرے لیکن تلوار آپ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹی۔ آپ کا روشن ماضی اور رہتی دنیا تک باقی رہنے والے منفرد کارنامے ہر سپاہی اور سپہ سالار کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ (2)

آپ 32 یا 33 ھ میں شہید ہوئے۔ (3)

حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کا تعارف: حبیب رضی اللہ عنہ نے کم سنی ہی میں مختلف کارروائیوں میں حصہ لیا۔ کبھی خود حملہ آور کے طور پر شریک ہوئے اور کبھی امدادی کمک لے کر شامل جہاد ہوئے۔ جس معرکے میں بھی شریک ہوئے فتح و نصرت آپ کے ہم رکاب رہی۔ ایک مرتبہ مدینہ میں خدمت نبوی میں غازی بن کر حاضر ہوئے۔ ان دنوں آپ بہت چھوٹے تھے۔ غزوۂ تبوک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔ اسی غزوے سے آپ کا سفرِ جہاد شروع ہوا۔ اس وقت آپ بیس سال کے نوخیز جوان تھے۔ (4)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ آپ پختہ عادات اور مضبوط بدن کے مالک ہیں تو انھیں عملی طور پر آزمایا تاکہ دیکھیں کہ آپ کس میدان کے آدمی ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دو عہدے پیش کیے کہ یا تو آپ وزیر خزانہ بن جائیں یا اسلحہ کی ذمہ داری سنبھال لیں۔ آپ نے اسلحہ کی ذمہ داری لے لی۔ مال کی ذمہ داری سے دُور رہے۔ اسلحہ کو مال پر

(1) الاستيعاب لابن عبد البر: 633/2. (2) قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 170. (3) قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 171. (4) قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 172.

ترجیح دینا یقیناً ایک ایسے سپہ سالار کا وصف ہے جس کے رگ و پے میں جنگجوئی کی بجلیاں کوندتی ہوں اور وہ اپنے آپ کو صرف جہاد ہی کے لیے وقف کرنا چاہتا ہو۔

حبیب رضی اللہ عنہ نے یرموک کے فیصلہ کن معرکے میں لشکر کے بہت بڑے حصے کی قیادت کے فرائض انجام دیے، حالانکہ اس وقت آپ کی عمر صرف چوبیس سال تھی، اس سے عنفوان شباب میں آپ کی ابھرتی ہوئی قائدانہ صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں عجم (جزیرہ) کا سپہ سالار مقرر کیا اور انتظامی ذمہ داری بھی انھی کے سپرد کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انھیں اس عظیم منصب پر فائز کرنا معمولی بات نہیں کیونکہ ان کا معیار بڑا سخت تھا اور وہ ہر کس و ناکس کو اس منصب پر فائز نہیں کر سکتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جن خوبیوں کی بنا پر کسی کو قائد مقرر کرتے تھے وہ بہت تھوڑے لوگوں میں پائی جاتی تھیں۔ آخر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں آرمینیا اور آذربائیجان کا گورنر مقرر کیا۔ یہ علاقے مسلمانوں کے صدر مقام سے بہت دور دراز تھے۔ وہاں کی ذمہ داری نہایت اہم تھی کیونکہ وہاں کے باشندے نہایت خوددار تھے۔ وہ کسی کے سامنے کبھی نہیں جھکے۔

حبیب رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سپہ سالاری اور انتظامی امور میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ آپ نہایت بہادر تھے۔ بڑھ چڑھ کر پیش قدمی کرنے والے تھے۔ جب موریان سے معرکہ آرا ہوئے تو ان کے ساتھ صرف چھ ہزار سپاہی تھے۔ دوسری طرف موریان کے لشکر کی تعداد ستر ہزار تھی۔ حبیب رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”اگر وہ بھی ڈٹے رہیں اور تم بھی ڈٹے رہو تو تم ان کی نسبت اللہ کے زیادہ قریب ہو اور اگر وہ صبر سے کام لیں اور تم جزع فزع کرو تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ پھر رات کو وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے اور یہ دعا کی:

«اَللّٰھُمَّ! أَبْدِ لَنَا قَمَرَھَا، وَاحْبِسْ عَنَّا مَطَرَھَا، وَاحْقِنْ دِمَاءَ أَصْحَابِي، وَاكْتُبْھُمْ شُھَدَاءَ»

”اے اللہ! اس (رات) کے چاند کو ہمارے لیے روشن کر دے اور ہم سے بارش کو روک دے۔ میرے ساتھیوں کی زندگیوں کی حفاظت فرما اور انھیں شہداء میں شمار کر لے۔“

اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا قبول کی اور انھیں فتح عطا فرمائی۔[1]

دشمن پر فتح پانے کے اسباب میں سے ایمان کی مضبوطی کے ساتھ ساتھ ایک سبب یہ بھی تھا کہ انھوں نے سُوجھ بوجھ سے کام لیا۔ جنگی حکمت عملی اختیار کی اور راتوں رات دشمن پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملے سے وہ سٹپٹا گئے۔ ان کے ناپاک مقاصد دھرے کے دھرے رہ گئے اور وہ دم دبا کر بھاگ نکلے۔[2]

حبیب رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے لیے شجاعت اور پیش قدمی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ آپ لشکر کے آگے رہتے تھے۔ مجاہدین کی رہنمائی کرتے تھے اور کہتے کہ میرے پیچھے پیچھے چلو۔ سلامتی اور عافیت کو ترجیح دیتے ہوئے کوئی بھی ان کے نقش قدم کی پیروی سے پیچھے نہ رہتا۔ جب انھوں نے موریان پر شب خون مارنے کا عزم کیا تو اس کی خبر ان کی اہلیہ کو بھی ہوگئی۔ اس نے پوچھا: ”تمھارا حملہ کہاں تک ہوگا؟“ انھوں نے فرمایا: ”موریان کے خیمے تک پہنچیں گے یا پھر جنت میں، یعنی شہید ہو جائیں گے“ پھر حبیب رضی اللہ عنہ نے شب خون مارا۔ جو بھی ان کے راستے میں حائل ہوا، مارا گیا۔ حبیب رضی اللہ عنہ داد شجاعت دیتے ہوئے موریان کے خیموں تک جا پہنچے، وہاں وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کی بیوی ان سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکی ہے۔[3]

حبیب رضی اللہ عنہ نہ صرف خود اپنے ساتھیوں کے لیے بہادری کی نادر مثال تھے بلکہ ان کی بیوی بھی ایسی دلیر خاتون تھیں کہ لوگ ان کی جاں نثاری اور بہادری دیکھ کر ان کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔[4]

[1] تاريخ مدينة دمشق: 74/12. [2] قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 189.
[3] قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 189. [4] قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 189.

حبیب رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے تھے۔ ان کے مشوروں کو قبول بھی کرتے تھے۔ اپنی رائے مسلط نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے ساتھیوں کی آراء توجہ سے سنتے تھے تاکہ ان سب کو ذہن میں محفوظ رکھ کر کوئی تطبیقی صورت پیدا کرسکیں، پھر ان تمام آراء میں تطبیق پیدا کر کے جسے اچھا اور صحیح سمجھتے وہی طریقہ اختیار کرلیتے تھے۔ ان کا طریقۂ کار یہ تھا کہ کسی بھی معرکے سے پہلے، درمیان میں اور بعد میں، شوریٰ کا اجلاس طلب کرتے تھے۔

ایک روز انھوں نے اپنے ساتھی کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اگر میں شوریٰ کا رکن ہوتا تو ایک ایسا مشورہ دیتا جس کی تعمیل ہمارے لیے فتح و نصرت کا باعث ہوتی اور اللہ تعالیٰ ضرور آسانی پیدا فرما دیتا (ان شاء اللہ)'' حبیب رضی اللہ عنہ اس کی بات توجہ سے سنتے رہے۔ اس کے ساتھیوں نے کہا: ''وہ مشورہ کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''میں مشورہ دیتا کہ وہ چند فوجی دستوں کو پیش قدمی کا حکم دیں اور خود باقی لشکر لے کر ان دستوں کے پیچھے پیچھے رہیں۔ آدھی رات کے وقت یہ فوجی دستے دشمن پر حملہ کر دیں۔ بعد ازاں حبیب رضی اللہ عنہ اپنا باقی لشکر لے کر فجر کے وقت میدان جنگ پہنچ جائیں۔ اس طرح دشمن سمجھے گا کہ انھیں کمک پہنچ گئی ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ انھیں مسلمانوں سے مرعوب کر کے شکست دے دے گا۔ [1]

حبیب رضی اللہ عنہ نے فوجی دستوں کو بلایا۔ انھیں چاندنی اور بارش سے بھیگی ہوئی رات میں دشمن کی طرف روانہ کیا، پھر خود بھی لشکر لے کر ان کے پیچھے چل دیے اور فجر کے وقت دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن شکست کھا گیا۔ مسلمانوں کو فتح اور بہت سی غنیمتیں حاصل ہوئیں۔ [2]

حبیب رضی اللہ عنہ نہایت مدبر انسان تھے۔ غور و فکر کرتے تھے، پھر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے تھے، میدان جنگ سے آگاہی حاصل کرتے اور دشمنوں کے بارے میں تمام اہم خبریں جاننے کے بعد ان کی روشنی میں جنگی نقشہ ترتیب دیتے۔ حبیب رضی اللہ عنہ کی جنگی مہمات کی بنیاد سوچے سمجھے منصوبے اور لائحہ عمل کے مطابق ہوتی تھی۔ ان کی مہمات محض

[1] التهذيب لابن عساكر: 37/4. [2] قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 190.

جذباتی اور اچانک نہیں ہوتی تھیں، اس لیے مشکل ترین محاذ پر بھی فتح و نصرت سائے کی طرح آپ کے پیچھے پیچھے دوڑتی نظر آتی تھی۔ ان خوبیوں سے کہیں بڑھ کر ان کا سب سے ممتاز وصف یہ تھا کہ وہ پکے سچے مومن تھے۔ جب دشمن سے ٹکراتے یا کسی قلعے پر حملہ آور ہوتے تو یہ دعائیہ کلمہ ضرور پڑھتے تھے: «لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ» [1]

سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ بے مثال اور منفرد قائد تھے۔ اُن میں ایک بے مثال قائد کی تمام خوبیاں جمع ہوگئی تھیں۔ وہبی احساسات، اخلاق و عادات، اکتسابی علم، عملی تجربے اور قادر مطلق پر ناقابلِ شکست ایمان نے انھیں ایک منفرد جرنیل بنا دیا تھا۔ [2]

سیدنا حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی فتوحات اسلامیہ میں جس قدر خدمات ہیں، انھیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ بلاشبہ عہد عثمانی کی فتوحات کے سپہ سالاروں میں درخشندہ ستارے تھے۔ آپ 42 ھ میں فوت ہوئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر قمری حساب سے 54 سال تھی۔ ہر چند آپ کی عمر کے ماہ و سال کی تعداد کم ہے لیکن ان کے جلیل القدر کارناموں کی فہرست بہت طویل ہے۔ وہ تھوڑا عرصہ زندہ رہے لیکن رہتی دنیا تک کے لیے اپنے کارناموں کے آثار چھوڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ اس جلیل القدر، پختہ کار منتظم، پالیسی ساز، صاحب بصیرت اور فاتح سپہ سالار صحابی رسول حبیب بن مسلمہ فہری سے راضی اور خوش ہو۔ [3]

امت کو ایک مصحف پر جمع کرنے کا عظیم دینی اور تاریخی کارنامہ
کتابت قرآن کے مراحل

عہد نبوی میں کتابت قرآن

یہ بات قطعی دلیل سے ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوتی تھی آپ اسے لکھنے کا حکم دیتے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے کاتبینِ وحی مقرر تھے جو نازل

[1] التهذيب لابن عساكر: 37/4. [2] قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 192.
[3] قادة الفتح الإسلامي في أرمينية لمحمود خطاب، ص: 187.

ہونے والے قرآن کو لکھتے تھے۔ یہاں تک کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کتابت وحی کی وجہ سے ''کاتب النبی'' کے لقب سے معروف تھے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں فضائلِ قرآن کے سلسلے میں یہ باب قائم کیا ہے:

«باب كُتَّاب النَّبِي صلی اللہ علیہ وسلم» ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کا بیان'' اور اس کے تحت دو حدیثیں درج کی ہیں:

① سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے کہا:

«وَ قَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم»

''اور یقیناً آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت کیا کرتے تھے۔''[1]

② سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اُدْعُ لِي زَيْدًا وَلْيَجِيءْ بِاللَّوْحِ وَالدَّوَاةِ وَالْكَتِفِ، أَوِ الْكَتِفِ وَالدَّوَاةِ»

''زید کو میرے پاس بُلا لاؤ اور اسے کہو کہ تختی، دوات اور شانے کی ہڈی لیتا آئے یا (فرمایا:) شانے کی ہڈی اور دوات بھی ساتھ لے آئے۔''[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں بھی قرآن مجید لکھواتے تھے۔ آپ کے کاتبین میں سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ بھی تھے جو مرتد ہوگئے مگر فتح مکہ کے سال اُنھوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ ان کا قصہ معروف ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ یہ بات معروف ہے کہ خلفائے اربعہ کا شمار بھی کاتبین وحی میں ہوتا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ حضرات مکہ مکرمہ میں قرآن مجید کی کتابت کرتے تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام اور بہن کے گھر جانے کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ

[1] صحيح البخاري، حديث :4986. [2] صحيح البخاري، حديث:4990.

قرآن ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں بھی لکھا جاتا تھا۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب اپنی بہن کے گھر داخل ہوئے تو اس کے ہاتھ میں ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی آگاہ فرمایا ہے کہ قرآن مجید صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝﴾

''اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاکیزہ صحیفے پڑھے۔''[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پورا قرآن لکھا ہوا تھا لیکن ایک جگہ پر جمع نہیں تھا۔ مختلف چیزوں، کھجور کے پتوں اور چوڑے سفید پتھروں وغیرہ پر تحریر تھا۔ لوگوں کے سینوں میں بھی محفوظ تھا۔ صحیفوں اور لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہونے کے علاوہ جبریل علیہ السلام ہر سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے۔ اور جس سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس سال دو مرتبہ دور کیا۔[2]

ممکن ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے ناسخ اور منسوخ، یعنی بعض احکام منسوخ ہوجانے یا بعض آیات کی تلاوت منسوخ ہوجانے کے امکان کے پیش نظر اسے ایک مصحف میں جمع نہ کیا ہو۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک پورا قرآن نازل ہو چکا اور نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کو یہ کام کرنے کا الہام کردیا تاکہ امت محمدیہ کے لیے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری کا سچا وعدہ پورا ہو جائے۔[3]

عہد ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں کتابتِ قرآن

جنگ یمامہ میں قرآن مجید کے بہت زیادہ حفاظ شہید ہوگئے۔ جس کے نتیجے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے قرآن کو چمڑوں کے ٹکڑوں، ہڈیوں، کھجور کی چھالوں اور لوگوں کے سینوں سے ایک جگہ جمع کیا۔[4] سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ عظیم

[1] البینة 98:2. [2] صحیح البخاري، حدیث :4998. [3] المدینة المنورة فجر الإسلام والعصر الراشدي لمحمد حسن شُرّاب، ص: 240، نقلا عن فتح الباري: 12/9. [4] حروب الردة و بناء الدولة الإسلامية لأحمد سعيد، ص: 145.

ذمہ داری جلیل القدر صحابی سیدنا زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو سونپی۔

سیدنا زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''یمامہ میں بہت سے حفاظ کی شہادت کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا بھیجا۔ وہاں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظِ قرآن شہید ہوگئے ہیں۔ خدشہ ہے کہ آئندہ معرکوں میں اگر اسی طرح حفاظ شہید ہوئے تو قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہوجائے گا۔ میرا خیال ہے کہ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا ہے کہ میں ایسا کام کیسے کروں جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ (ایک مصحف میں جمع نہیں کیا ہے) عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! یہ خیر ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ بار بار مجھ سے اصرار کرتے رہے۔ اب اللہ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا ہے جس کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کو انشراح صدر تھا۔ اب میری بھی اس بارے میں وہی رائے ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔'' سیدنا زید کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: ''آپ عقل مند ہیں۔ نوجوان ہیں۔ ہم آپ کو (حفظ و اتقان اور دین داری میں سے کسی معاملے میں بھی) متہم نہیں ٹھہراتے۔ مزید یہ کہ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی وحی کی کتابت کرتے رہے، لہٰذا مختلف اشیاء سے (جو آپ کے پاس ہیں یا کسی اور کے پاس ہیں) قرآن پاک کی آیات اور سورتیں تلاش کریں اور انھیں جمع کریں۔'' سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے پہاڑوں میں سے کوئی پہاڑ منتقل کرنے کا مکلّف ٹھہراتے تو یہ حکم مجھ پر اس قدر گراں نہ گزرتا جس قدر قرآن جمع کرنے کی ذمہ داری ثقیل تھی۔ پس (یہ ذمہ داری قبول کرتے ہوئے) میں نے کھجور کی چھالوں، چوڑے سفید پتھروں، لوگوں کے سینوں، چمڑے کے ٹکڑوں اور شانوں کی ہڈیوں سے قرآن کی تلاش شروع کردی۔'' فرماتے ہیں: ''حتی کہ سورۂ توبہ کی درج ذیل آیت سے آخر تک کا حصہ مجھے صرف ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملا۔ ان کے علاوہ کہیں

سے نہ ملا:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾

یہ صحیفے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے پاس رہے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے پاس رہے، پھر وہ مصاحف جن میں قرآن تھا سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس رہے۔[1]

تدوین کے دوسرے مرحلے سے ماخوذ چند نتائج: قرآن جمع کرنے کی ضرورت اس کے ضائع ہونے کے خوف سے اس وقت پیش آئی جب مرتدین کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں میں بے شمار قرائے کرام شہید ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھلائی کے کاموں بالخصوص جہاد فی سبیل اللہ میں علمائے دین پیش پیش رہتے تھے۔ انھوں نے نہ صرف اپنے افکار ونظریات اور کردار سے اسلام کے محاسن اجاگر کیے بلکہ جہاد بالسیف کے ذریعے بھی اسلام کی شان وشوکت بڑھائی۔ یوں وہ امت کے بہترین افراد تھے جو لوگوں کی رہنمائی کے لیے بروئے کار آئے۔ یہ لوگ امت مسلمہ کے لیے ایک درخشاں نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تدوین قرآن مصالح مرسلہ کے پیش نظر کی گئی۔ اس کی سب سے بڑی دلیل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا: ''ہم وہ کام کس طرح کرسکتے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ خیر ہے۔'' اور بعض روایات میں ہے: ''اللہ کی قسم! اس میں خیر اور مسلمانوں کی مصلحت ہے۔'' یہی جواب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس وقت دیا جب انھوں نے پوچھا: ''آپ وہ کام کیسے کرسکتے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ جس روایت میں ''مصلحت''

[1] التوبة 128:9، صحيح البخاري، حديث:4986.

کا لفظ ہے وہ صحیح ہو یا نہ ہو' 'کلمۂ خیر'' کی تعبیر اسی (مصلحت والے) معنی پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن جمع کرنے میں مسلمانوں کی مصلحت ہے اور اس کی بنا شروع میں تو مصالح مرسلہ ہی پر تھی، پھر جب سب لوگوں نے اس کا صریح یا ضمنی اقرار کر کے اس کی موافقت کی تو اس امر پر اجماع ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مصالح مرسلہ کی حجیت کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ اجماع کے لیے سند بن سکتے ہیں جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے۔

اس واقعے سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت پر امن فضا میں اجتہاد کرتے تھے جس میں باہمی محبت و احترام ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ اس سے ان کا مقصد صرف مسلمانوں کی عمومی مصلحت کا حصول ہوتا تھا۔ وہ صحیح رائے فوراً مان لیتے تھے اور اسے ماننے اور قبول کرنے کے بعد اس کے لیے انھیں انشراح صدر بھی ہوجاتا تھا۔ جب وہ کسی رائے کو تسلیم کر لیتے تو اس کا اس طرح دفاع کرتے، جیسے یہ شروع ہی سے خود ان کی اپنی رائے ہو۔ اسی جذبے کی بنا پر بہت سے اجتہادی مسائل میں ان کا اجماع ہوا۔[1]

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو تدوینِ قرآن کی ذمہ داری سونپنے کے بنیادی اسباب: تدوین قرآن جیسے عظیم کام کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ یہ انتخاب درج ذیل بنیادی اسباب کی بنا پر تھا:

❁ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جواں سال تھے، آپ کی عمر ابھی صرف اکیس سال تھی۔ اس عمر میں انسان نہایت چاق چوبند ہوتا ہے اور اپنی ذمہ داریاں احسن انداز میں پوری کرسکتا ہے۔

❁ آپ نہایت قابل اور لائق تھے، آپ کو نہایت صحت کے ساتھ قرآن پاک زیادہ یاد تھا اور جسے اللہ تعالیٰ نے وافر سوجھ بوجھ اور عقل و دانش سے نوازا ہو، اس کے لیے خیر کے تمام راستے آسان ہوجاتے ہیں۔

① الاجتهاد في الفقه الإسلامي لعبد السلام السليماني، ص: 127۔

❊ آپ ثقہ آدمی تھے۔ کسی لحاظ سے متہم نہیں تھے، اس لیے آپ کا کام بھی مقبول تھا اور اس کام کی طرف نفس مائل اور دل مطمئن ہوتا تھا۔

❊ آپ کاتب وحی تھے، اس لیے آپ کو پہلے ہی سے اس کام کا تجربہ اور عملی مہارت تھی۔ آپ اس کام سے اجنبی اور ناواقف نہیں تھے۔ ①

❊ اس پر مستزاد آپ ان چار افراد میں سے تھے جنھوں نے عہد نبوی میں قرآن مجید جمع کیا تھا۔ قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''عہد نبوی میں کس نے قرآن جمع کیا؟'' انھوں نے فرمایا: ''چار لوگوں نے اور وہ چاروں انصاری تھے: اُبی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضی اللہ عنہم۔'' ②

سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کرنے میں جس طریقے کی پیروی کی وہ یہ تھا کہ کوئی بات اس وقت تک قرآن میں جمع نہ کرتے جب تک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی ہوئی نہ ہوتی یا پھر صحابہ نے اسے محفوظ نہ کیا ہوتا۔ آپ صرف حافظے پر اعتماد نہیں کرتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں حفظ میں کوئی غلطی ہوگئی ہو یا وہم ہوگیا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کچھ لکھا ہوا لاتا تو جب تک دو گواہ نہ لاتا، جو اس بات کی گواہی دیتے کہ یہ مکتوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا ہے، اسے قبول نہ کرتے۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھتے کہ کیا یہ لکھا ہوا ان وجوہ (قراءات) میں سے بھی ہے جن میں قرآن نازل ہوا۔ ③

اسی مذکورہ بالا منہج پر کاربند رہتے ہوئے سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے نہایت حزم واحتیاط، باریک بینی اور جانچ پڑتال کے ساتھ قرآن مجید جمع کیا۔ ④

عہد نبوی اور عہد صدیقی کی کتابت کے مابین فرق: عہد نبوی کے مکتوب اور عہد صدیقی میں جمع کیے جانے والے کام میں فرق یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں

① التفوق والنجابة على نهج الصحابة لحمد العجمي، ص:73. ② سير أعلام النبلاء :431/2.
③ التفوق والنجابة على نهج الصحابة لحمد العجمي، ص: 74. ④ الانشراح ورفع الضيق بسير أبي بكر الصديق للصلابي، ص:306.

قرآن مختلف صحیفوں، تختیوں، کھجور کی شاخوں، صاف شدہ تنوں اور دیگر اشیاء پر الگ الگ محفوظ تھا لیکن سورتوں کی ترتیب سے جمع نہ تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہر سورت کو ایک صحیفے یا کئی سورتوں کو ایک صحیفے میں اس ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا گیا جس ترتیب سے انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا تھا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی یہ ذمہ داری تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے لکھے ہوئے مختلف صحیفوں کو از سر نو مرتب کر کے آیات کو ترتیب توقیفی کے مطابق جمع کر دیا۔ [1]

عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں تدوینِ قرآن

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ وہ آرمینیا اور آذربائیجان کی فتح میں اہل شام اور اہل عراق کے ساتھ مل کر جہاد کر رہے تھے۔ قرآن مجید کی قراءت کے بارے میں اہل شام اور اہل عراق کے باہم اختلاف نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو پریشان کر دیا۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: ''امیر المومنین! اس امت کو سنبھالیے۔ اس سے پہلے کہ یہ کتاب اللہ میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف میں پڑ جائے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ (عہد صدیقی والے) مصاحف ہمیں بھیج دیں، ہم انھیں مزید صحیفوں میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ مصاحف بھیج دیے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تو انھوں نے انھیں نقل کر دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کے تینوں حضرات کو حکم دیا کہ اگر تمھارا کسی چیز میں زید بن ثابت سے اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کی لغت کے مطابق لکھو کیونکہ قرآن انھی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ انھوں نے اسی طرح کیا۔ جب انھوں نے ان مصاحف کی کئی کاپیاں تیار کر لیں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

[1] المدينة المنورة فجر الإسلام والعصر الراشدي لمحمد حسن شُرَّاب: 241/2.

کو واپس کر دیے اور جو کاپیاں انھوں نے تیار کی تھیں ان میں سے ایک ایک کاپی ہر علاقے میں بھیج دی۔ ساتھ ہی حکم دے دیا کہ اس کے علاوہ جتنے صحیفے یا مصحف ہیں انھیں جلا دیا جائے۔[1]

فوائد: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید مصاحف میں جمع ہونے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جمع کرنے کی ضرورت مسلمانوں کے قرآن کی قراءت میں اختلاف کی وجہ سے پیش آئی۔ کتاب اللہ کی قراءت میں یہ اختلاف کسی بہت بڑے فتنے کا باعث بن سکتا تھا کیونکہ قرآن مجید ہی شریعت کی اساس اور دین کا بنیادی ستون ہے۔ امت کی سیاسی، اجتماعی اور اخلاقی وحدت کی اساس بھی یہی آخری آسمانی کتاب ہے۔ اختلاف قراءت اس حد تک پہنچ گیا کہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے: ''میری قراءت تیری قراءت سے بہتر ہے۔'' اسی بات نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو پریشان کیا۔ وہ گھبرا کر مسلمانوں کے خلیفہ اور امام کی خدمت میں گئے اور ان سے درخواست کی کہ امت میں اختلاف کا زہر پھیلنے سے پہلے ہی اس کا سدباب کریں اور اس فتنے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں مبادا قرآن مجید کی نص متاثر ہو اور اس کی آیات اور کلمات میں تحریف ہو جائے جیسا کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر قوموں نے کیا تھا۔

❁ یہ صحیح حدیث اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن مجید ایک ترتیب کے ساتھ صحیفوں میں جمع تھا اور امت کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ جو کچھ ان صحیفوں میں ہے وہی قرآن ہے اور ٹھیک اُسی طرح ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری بار جبریل امین علیہ السلام سے قرآن کا دور کرتے ہوئے سنا اور سنایا تھا۔ پھر یہ صحیفے خلیفۂ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حفاظت میں رہے۔ ان کے بعد خلیفۂ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تحویل میں چلے گئے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بعد کسی خلیفہ کا تعین نہ کیا بلکہ یہ معاملہ شوریٰ

[1] صحیح البخاري، حدیث: 4987.

کے ان چنیدہ ارکان پر چھوڑ دیا جنھیں رسول اکرم ﷺ نے اپنی خوشنودی سے سرفراز فرمایا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کے ان صحیفوں کی حفاظت کے بارے میں وصیت کی کہ یہ ان کی بیٹی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو دے دیے جائیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کرنے کے لیے انھی صحیفوں پر اعتماد کیا اور اسی سے اپنا مصحف تیار کرایا (جو بعد میں رسم عثمانی کے نام سے معروف ہوا۔) آپ نے حفظ و اتقان، ادائے حروف اور قراءت اور اعراب و لغت کے چار ماہرین قراء صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ ذمہ داری سونپی۔ ان میں سے تین قریش سے اور ایک انصار میں سے تھے اور وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے جنھوں نے عہد صدیق میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر پہلی بار قرآن جمع کیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کو قرآن نقل کرنے کا حکم دیا ان کی تعداد بارہ تھی۔ ان میں ابی بن کعب اور قریش و انصار کے دیگر قراء بھی شامل تھے۔ [1]

❁ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتوحات خلیفہ ہی کی اجازت اور حکم سے ہوتی تھیں۔ ہر عسکری مہم کا حکم مرکز خلافت مدینہ منورہ ہی سے صادر ہوتا تھا۔ ان کے عہد زریں میں مملکت اسلامیہ کی تمام ریاستیں خلیفہ کے حکم کے تابع تھیں۔ تمام صوبوں میں صحابہ اور تابعین رحمہم اللہ کا خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے برحق ہونے پر اجماع تھا۔ لوگوں کے اختلاف قراءت کے وقت سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کا خلیفۂ وقت کے پاس آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بڑے بڑے اہم شرعی مسائل میں خلیفہ ہی سے مشاورت کی جاتی تھی۔ اور مدینہ دارالسنہ اور فقیہ صحابہ کا گڑھ تھا۔ [2]

قرآن جمع کرنے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا صحابۂ کرام سے مشورہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور قرآن جمع کرنے کے لیے ان سے

[1] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 171. [2] المدينة المنورة فجر الإسلام والعصر الراشدي لمحمد حسن شراب: 2/244.

مشورہ کیا۔ ان میں امت کے سربرآوردہ احباب ائمہ کرام اور علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے ان حضرات میں سرفہرست سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ مشکل اور اہم ترین مسئلہ امت کے ان ہدایت یافتہ احباب اور بہترین رہنمائی کرنے والے برگزیدہ قائدین کے سامنے رکھا۔ ان سے بحث مباحثہ کیا۔ مختلف سوال جواب ہوئے یہاں تک کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی رائے معلوم ہوگئی اور انھیں آپ کے موقف کا علم ہوگیا۔ انھوں نے بھرپور اتفاق کرتے ہوئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے کو قبول کیا یہاں تک کہ مومنوں کو قرآن کریم کی صحت و ترتیب میں کسی قسم کے شک و شبہ کی ذرہ بھر گنجائش نہیں رہی۔ پھر اس اجماع کی خبر ہر طرف پھیل گئی۔ کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی نہ کسی نے اس پر کوئی اعتراض کیا۔ قرآن کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ امت کے کسی فرد پر مخفی رہے چہ جائیکہ علماء اور مشہور ائمہ پر اس کے جمع و ترتیب کا معاملہ مخفی رہتا۔ [1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کو ایک مصحف میں جمع کر کے کسی بدعت کا ارتکاب نہیں کیا۔ کیونکہ آپ سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کام کر چکے تھے۔ انھوں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے کیا اور صحابۂ کرام نے اس کام کو سراہتے ہوئے کہا: «نِعْمَ مَا رَأَيْتَ!» ”جی ہاں! آپ کی رائے بہت اچھی ہے۔“ اور انھوں نے یہ بھی کہا: «قَدْ أَحْسَنَ!» ”انھوں نے بہت اچھا کام کیا،“ یعنی آپ کا قرآن کی نقلیں تیار کرنے والا کام بہت اچھا ہے۔ [2]

مصعب بن سعد اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے پاس موجود تھے جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کی نقول تیار کرنے کے بعد باقی ماندہ مصاحف جلادیے، چنانچہ انھوں نے دیکھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کی تحسین فرمائی ہے۔ [3]

[1] عثمان بن عفان لصادق عرجون، ص: 175. [2] فتنة مقتل عثمان بن عفان للدكتور محمد عبد الله الغبان: 78/1. [3] التاريخ الصغير للبخاري: 94/1، إسناده حسن لغيره.

اگر کوئی شخص اس سلسلے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسے منع کرتے ہوئے فرماتے: ''اے لوگو! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حد سے نہ بڑھو۔ ان کے بارے میں کلمۂ خیر ہی کہو۔ اللہ کی قسم! انھوں نے قرآن جمع کرنے کے لیے جو کچھ کیا ہے وہ سب کچھ ہم صحابہ کی ایک بہت بڑی جماعت کے مشورے ہی سے کیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر یہ ذمہ داری مجھ پر ڈالی جاتی تو میں بھی انھی کی طرح عمل کرتا۔''①

مخلوق خدا کی ان برگزیدہ اور صاحب فضل و کمال ہستیوں کے اس مبارک امر پر اتفاق کے بعد ہر اس شخص پر جو خواہشات نفس کا پجاری نہیں ہے خوب واضح ہو جاتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن مجید کی حفاظت کے لیے کیے گئے اس کام کو برضا و رغبت تسلیم کرنا نہایت ضروری ہے۔②

امام قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کا کام شروع کرنے سے پہلے مہاجرین و انصار اور نامور مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے اس اہم کام کی بابت مشورہ کیا۔ ان سب نے کامل اتفاق کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد مشہور قراءتوں کے علاوہ تمام قراءتوں کو تلف کر دیا جائے۔ صرف مشہور قراءتوں کو باقی رکھا جائے۔ اور انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے موقف کو نہ صرف صحیح قرار دیا بلکہ اس کی تائید بھی کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی رائے بالکل ٹھیک اور الہامی تھی۔''③

سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے جمع قرآن میں فرق

ابن التین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا ابوبکر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے جمع قرآن میں فرق یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید اس خدشے کے پیش نظر جمع کیا کہ اہلِ باطل سے

① فتح الباري: 18/9، وسنده صحيح. ② فتنة مقتل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 78/1. ③ التفسير القرطبي: 88/1.

معرکہ آرائی میں قرائے کرام کے شہید ہونے سے قرآن ضائع نہ ہوجائے۔ کیونکہ اس وقت تک قرآن مجید ایک جگہ پر محفوظ نہیں تھا، لہٰذا انھوں نے سورتوں کی آیات کو رسول اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مختلف صحیفوں میں جمع کردیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن جمع کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب لوگوں نے وجوہ قراءت میں اختلاف کرنا شروع کیا۔ صورتِ حال اس قدر خراب ہوگئی کہ وسعتِ لغات کی بنا پر لوگوں نے اپنی اپنی لغتوں کے مطابق قرآن پڑھنا شروع کردیا۔ اور اپنے علاوہ دوسرے کی قراءت کو باطل قرار دینے لگے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خدشہ لاحق ہوا کہ یہ معاملہ سنگین نہ ہوجائے، لہٰذا انھوں نے سیدنا صدیق اکبر کے جمع کردہ صحیفوں کو ایک ہی صحیفے میں سورتوں کی ترتیب کے ساتھ نقل کرادیا اور باقی لغتوں کی بجائے صرف لغت قریش کو برقرار رکھا کیونکہ قرآن انھی کی لغت میں نازل ہوا تھا۔ اگرچہ شروع شروع میں دوسری لغتوں میں پڑھنے کی بھی اجازت تھی تاکہ مشقت اور حرج نہ ہو۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اب یہ لغت مشکل نہیں رہی تو انھوں نے اسی ایک لغت کو اختیار فرمالیا۔''

قاضی ابوبکر باقلانی فرماتے ہیں: ''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد قرآن کو محض دوگتوں میں جمع کرنا نہیں تھا بلکہ ان کا مقصد لوگوں کو رسول اکرم ﷺ سے منقول معروف اور ثابت قراءتوں پر جمع کرنا اور ان کے علاوہ دیگر قراءتوں کو ختم کرنا تھا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے پاس ایک ایسا مصحف ہو جس میں کسی قسم کی تقدیم و تاخیر ہو، نہ متن کے ساتھ اس کی تفسیر درج ہو۔ نہ اس میں وہ آیات ہوں جن کی تلاوت منسوخ ہوچکی ہے، چنانچہ انھوں نے اس میں صرف ان آیات کو لکھا جن کی تلاوت و حفظ شرعاً فرض تھا، اس کے لیے انھوں نے رائج اور معتبر (قریشی) رسم الخط اختیار کیا تاکہ بعد والوں کے لیے کوئی شبہ اور الجھاؤ پیدا نہ ہو۔''

حارث محاسبی کہتے ہیں: ''لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جامع القرآن

ہیں، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تو صرف اہل شام اور اہل عراق کے اسلوبِ قراءت میں اختلاف پیدا ہونے پر مہاجرین و انصار کے باہمی مشورے سے لوگوں کو ایک قراءت پر جمع کیا کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں فتنہ برپا ہونے کا خدشہ تھا۔ اس سے پہلے قرآن مجید مختلف صحیفوں میں قراءت سبعہ، جن پر قرآن نازل ہوا تھا، کی صورت میں موجود تھا۔ سب سے پہلے جمع قرآن کا کارنامہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نے انجام دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ''اگر میں خلیفہ ہوتا تو یقیناً میں بھی مصاحف کے بارے میں وہی فیصلہ کرتا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔''[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کر دیا تھا تو پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے تیار کردہ مصحف پر لوگوں کو جمع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد لوگوں کو اپنے تالیف کردہ مصحف پر جمع کرنا نہ تھا۔ غور کریں کہ ان کا طریقۂ عمل کیا تھا؟ یہ تھا کہ انھوں نے سب سے پہلے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تیار کردہ مصحف بھیج دیں تاکہ وہ اس کی مزید کاپیاں تیار کر لیں، بعد ازاں وہ یہ مصحف انھیں لوٹا دیں گے۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے اور لوگوں نے قراءت قرآن میں اختلاف کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ اختلاف سنگین صورت حال اختیار کرتا جا رہا تھا۔ بالخصوص بقولِ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اہل شام اور اہل عراق کے مابین اختلاف نہایت شدت اختیار کر چکا تھا۔''[2]

کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ مصاحف قراءتِ سبعہ پر مشتمل تھے؟

عظیم محقق صادق عرجون رحمہ اللہ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحیفے جنھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اصل بنایا، ان کے بارے میں مسلمانوں

[1] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 178. [2] التفسير القرطبي: 87/1.

کا اجماع ہے کہ وہ صحیح احادیث سے ثابت قرآن مجید کی قراءت سبعہ پر حاوی نہیں تھے بلکہ ان میں صرف ایک قراءت (لغت) تھی، یعنی وہ قراءت جس میں آخری بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پیش کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے آخر تک اسی پر عمل رہا۔ قراءت سبعہ کی اجازت شروع شروع میں امت کی آسانی کے لیے تھی۔ جب قرآن عام ہوگیا، لوگ باہم مل جل گئے اور ان کی لغات یکجا ہوگئیں تو پھر یہ اجازت منسوخ ہوگئی۔''

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''چونکہ لوگ امی (ان پڑھ) تھے۔ ان میں سے اکثر لکھنا ہی نہیں جانتے تھے، اس لیے انھیں اجازت دی گئی کہ وہ اپنی لغت میں قرآن یاد کرلیا کریں۔ کیونکہ انسان کے لیے اپنی زبان سے ہٹ کر دوسرے کی زبان اختیار کرنا مشکل ہے۔ کوشش کے باوجود بھی یہ کام نہایت کٹھن ہوتا ہے، اس لیے انھیں (اس شرط پر) اجازت دی گئی کہ اگر معانی میں فرق نہ آئے تو الفاظ بدل لیں۔ یہ معاملہ اسی طرح رہا یہاں تک کہ پھر بہت سے لوگوں کو پڑھنا لکھنا آ گیا۔ ان کی لغات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت میں ضم ہوگئیں اور وہ قرآن مجید کے الفاظ یاد کرنے پر قادر ہوگئے تو پھر ان کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی مخالفت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔''

ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس سے ظاہر ہوا کہ ان سات قراءتوں کی اجازت ایک خاص وقت کے لیے بہ تقاضائے ضرورت جائز تھی، لیکن جب ضرورت ختم ہوگئی تو ان سات قراءتوں کا حکم بھی منسوخ ہوگیا۔ اب قرآن مجید کو صرف ایک قراءت کے مطابق پڑھنا ضروری قرار دیا گیا۔''[1]

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''قراءت سبعہ میں تلاوت واجب نہیں تھی۔ امت کو صرف اس کی اجازت دی گئی تھی کہ وہ ایسا کرلیں۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے محسوس کیا کہ اگر امت کو ایک قراءت پر جمع نہ کیا گیا تو انتشار پیدا ہوجائے گا۔ پس انھوں نے ایک قراءت

[1] عثمان بن عفان، لصادق عرجون، ص: 180.

پر اجماع کر لیا اور باقی قراءتوں کو کالعدم قرار دے دیا۔ یہ اجماع عام تھا۔ یقیناً صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات سے معصوم ہیں کہ وہ گمراہی پر اجماع کر لیں۔'' ①

وہ حرف (قراءت) جس پر جمع شدہ صحیفے مرتب ہوئے اور ان سے مصحف عثمانی نقل کیا گیا، اس میں قرائے سبعہ وغیرہ کی قراءات جمع تھیں جن کے مطابق لوگ تلاوت کرتے تھے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے منقول تھیں۔ یاد رہے کہ احادیث میں وارد ''حروف سبعہ'' سے مراد وہ قراءتیں نہیں ہیں جنھیں ختم کر کے ایک ہی قراءت میں جمع کر دیا گیا تھا۔ ②

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہمارے بہت سے علماء مثلاً: داودی اور ابن ابی صفرہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ ان سات قراءتوں سے مراد جو ان قرائے سبعہ کی جانب منسوب ہیں، وہ سات ''حروف'' مراد نہیں ہیں جن کے مطابق قراءت کرنا صحابہ میں معروف تھا۔ یہ تمام (قراءتیں) تو ان سات حروف میں سے صرف ایک حرف کی طرف لوٹتی ہیں اور وہ وہی حرف ہے جس پر مصحف جمع کیا گیا۔ ③

ہمارے غالب گمان کے مطابق حروف سبعہ کے مفہوم کے بارے میں اقرب الی الفہم رائے اس شخص کی ہے جو کہتا ہے کہ اس سے مراد عرب کی سات فصیح اور مشہور لغات ہیں اور یہ پورے قرآن میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہی موقف قاسم بن سلام، ابن عطیہ اور کئی دیگر جلیل القدر بزرگوں کا ہے۔ الاتقان میں امام سیوطی کے حروف سبعہ کے معانی میں ذکر کردہ اقوال سے بھی مذکورہ مفہوم ہی سمجھ میں آتا ہے۔ ④

مختلف شہروں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ارسال کردہ صحیفوں کی تعداد

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مصحف کی نقلیں تیار کرانے کے بعد فارغ ہوئے تو آپ نے ہر

① عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 180. ② عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 180. ③ التفسير القرطبي: 79/1. ④ الإتقان للسيوطي: 1/144-148.

علاقے میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا اور متعلقہ حکام کو حکم دیا کہ جو مصحف میرے اس بھیجے ہوئے مصحف کے موافق نہ ہو اسے جلا دیا جائے۔ مختلف علاقوں میں تقسیم کیے جانے والے مصاحف کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی تعداد چار تھی۔ اسی پر اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ بعض نے پانچ، بعض نے چھ، بعض نے سات اور بعض نے آٹھ کی تعداد تک کا ذکر کیا ہے۔ چار تسلیم کرنے کی صورت میں تقسیم اس طرح ہوئی کہ ایک مصحف انھوں نے مدینہ میں رکھا اور ایک شام، ایک کوفہ اور ایک بصرہ بھیج دیا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ پانچ صحیفے تھے تو اس صورت میں چار مذکورہ بالا جگہوں پر اور پانچواں مکہ میں اور چھ مان لینے کی صورت میں پانچ مذکورہ بالا مقامات پر جبکہ چھٹے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک صحیفہ اپنے لیے رکھ لیا ایک اور قول یہ ہے کہ بحرین بھیج دیا۔ سات تسلیم کرلیں تو اس صورت میں چھ مذکورہ بالا جگہوں پر اور ساتواں یمن ارسال کیا۔ اور اگر آٹھ صحیفے تسلیم کرلیں تو سات مذکورہ بالا مقامات کی طرف بھیج دیے اور آٹھواں نسخہ اپنے لیے رکھ لیا۔ آپ اسی مصحف کی تلاوت کرتے تھے اور اسی کے اوراق کے سامنے آپ کو شہید کر دیا گیا۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے ہر مصحف کے ساتھ ایک قاری بھی روانہ کیا تاکہ وہ رسم عثمانی والے نسخے میں مذکور صحیح اور متواتر قراءتوں سے لوگوں کو آگاہ کر دے۔ اہل مکہ کی طرف مصحف کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ روانہ کیے گئے۔ اہل شام کی طرف سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھیجے گئے اور کوفہ کی جانب سیدنا ابوعبدالرحمن سلمی رضی اللہ عنہ مصحف لے کر گئے۔ اہل بصریٰ کو مصحف کی تعلیم دینے کے لیے عامر بن قیس گئے۔ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم ملا کہ وہ مدینہ میں مصحف کی تعلیم دیں۔[2]

[1] أضواء البيان في تاريخ القرآن لأبي سليمان، ص:77. [2] أضواء البيان في تاريخ القرآن لأبي سليمان، ص: 78.

مصحف عثمانی کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے

یہ بات بالکل ثابت نہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی۔ مخالفت کی تمام روایات سنداً ضعیف ہیں۔ اوران ضعیف روایات میں جن میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا ذکر ہے یہ بات بھی وضاحت سے موجود ہے کہ صحابۂ کرام کے اتفاق کے بعد سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور جمع قرآن کے سلسلے میں صحابہ کے ہمنوا بن گئے۔ انھوں نے لوگوں میں سرعام اپنے رجوع کا باقاعدہ اعلان کیا اور باقی لوگوں کو بھی اس مسئلے میں دوسرے مسلمانوں کی ہمنوائی کا حکم دیا۔[1]

اور فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْتَزِعُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا، وَلٰكِنْ يَّنْتَزِعُهُ بِذِهَابِ الْعُلَمَاءِ، وَ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلٰى ضَلَالَةٍ، فَجَامِعُوهُمْ عَلٰى مَااجْتَمَعُوا عَلَيْهِ، فَإِنَّ الْحَقَّ فِيمَا اجْتَمَعُوا عَلَيْهِ»

”یقیناً اللہ تعالیٰ علم کو یک لخت نہیں چھینے گا بلکہ علماء کو اُٹھا کر علم بھی اٹھا لے گا۔ اللہ تعالیٰ امت محمد (ﷺ) کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، لہٰذا جس بات پر انھوں نے اجماع کر لیا ہے تم بھی ان کا ساتھ دو۔ حق اسی میں ہے جس پر ان کا اجماع ہوا۔“

بعد ازاں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں اپنا موقف لکھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔“[2]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے کہ صحابۂ کرام کے اتفاق کے بعد سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا۔[3]

[1] فتنة مقتل عثمان بن عفان للدكتور محمد عبد الله الغبان: 78/1. [2] فتنة مقتل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 79/1. [3] البداية والنهاية: 228/7.

امام ذہبی رحمہ اللہ نے بڑے وثوق سے کہا ہے: ''یہ بات منقول ہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے موقف کو راضی خوشی تسلیم کر کے ان کی اتباع کر لی تھی۔ وللہ الحمد۔''[1]

مصحف کے معاملے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تعلقات کے حوالے سے طہٰ حسین کا زہر آلود بیان ہرگز قابل التفات نہیں۔ دراصل اس سلسلے میں اس نے اپنے مستشرق اساتذہ کے افکار کی ترجمانی کی ہے۔[2]

وہ ان لوگوں کے نقش قدم پر رینگ رہا ہے جنھوں نے ضعیف اور رافضیوں کی اُن غلط اور گمراہ کن روایات پر اعتماد کیا ہے جن میں صحابۂ کرام کے باہمی تعلقات کو بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں اختلاف اور فتنے سے بچنے اور خلیفہ کی اطاعت کی خاطر قصر نماز ترک کر کے پوری نماز پڑھی تو کیا ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ انھوں نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کو ایک متفقہ معاملے کی مخالفت کا درس دیا ہو؟ جبکہ ان کا یہ قول ہے: ''اختلاف بہت بڑا شر ہے۔''[3]

رافضی مؤرخین نے خود ساختہ روایات کو حقیقت کا نقاب پہنا کر انھیں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کیا۔ پھر ان من گھڑت روایات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شر پسند، جھگڑالو، ایک دوسرے سے بغض رکھنے والے اور فحش گو ظاہر کیا ہے، (نعوذ باللہ من ذالكَ)

یہ تمام روایات من گھڑت ہیں۔ درجۂ اعتبار سے گری ہوئی ہیں۔ اصول وضوابط کے مطابق غیر متعصبانہ نقد وجرح کی روشنی میں ان کی کوئی حیثیت نہیں، مومن کا ذوق سلیم تو کجا ایک عام سمجھدار آدمی کی عقل بھی انھیں تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے۔[4]

[1] سير أعلام النبلاء: 349/1. [2] الفتنة الكبرىٰ لطهٰ حسين: 159/1. [3] فتنة مقتل عثمان بن عفان للدكتور محمد عبد الله الغبان: 80/1. [4] عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ لعبد الستار الشيخ، ص: 335.

روافض کا مبنی بر جھوٹ عقیدہ اور یہ خیال کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہتے تھے اور انھیں کافر قرار دیتے تھے، اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں سزا دینے کا حکم دیا اور وہ انھی کوڑوں کی ضرب سے فوت ہوگئے۔ یہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر سراسر بہتان ہے۔ علمائے تاریخ بخوبی جانتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ہرگز کافر نہیں کہا بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ سے کوفہ گئے۔ وہاں پہنچے تو خطبہ دیا، اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وفات پاگئے، ہمارے خیال میں اس سے بڑھ کر کوئی دن آہ و بکا والا نہیں تھا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جمع ہوئے، پھر ہم نے اپنے بہترین اور بلند نصیب شخص کی بیعت کرنے میں بخل سے کام نہ لیا۔ ہم نے امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے۔ پس تم بھی ان کی بیعت کرو۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے یہ روشن کلمات اس بات کی بہت بڑی دلیل ہیں کہ آپ اور دوسرے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ نہایت بلند تھا۔ یہی وہ پاک باز ہستیاں ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے خود مدح سرائی کی اور وہ ان سے راضی ہوگیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان کو سب سے بہتر سمجھنے والے تھے:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝﴾

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ٹھیک بات کہا کرو۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا قول مبنی برصداقت تھا، اس میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں تھا۔ انھوں نے یہ بات پورے شرح صدر سے کہی تھی اور یہ فرمان از خود محض اپنے ارادے سے صادر فرمایا تھا۔ ان کو کسی کا خوف نہ تھا۔ وہ کسی کے دباؤ میں نہیں تھے۔ انھوں نے یہ بات کسی فریب کاری کے لیے نہیں کہی تھی۔ نہ خلافت میں کوئی مقام و مرتبہ حاصل

[1] الطبقات لابن سعد: 3/63. [2] الأحزاب 33:70.

کرنا ان کا مقصود تھا۔ جب انھوں نے ان میں سے کسی بھی مقصد کے لیے یہ کلمات نہیں کہے، تو پھر صاف ظاہر ہے کہ ان کے مابین کینہ و بغض نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ اگر کوئی بات (خلیفہ کی طرف سے) ہوئی بھی تو صرف حق کی خاطر اور مسلمانوں کی بہتری کے لیے ہوئی۔[1]

اور وہ یقیناً خلیفہ کی طرف سے نصیحت و خیر خواہی اور خلیفہ کی رعایا کو تادیب کے زمرے میں آئے گی۔

جہاں تک روافض اور ان کے پیرو کاروں کا یہ فاسد خیال ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا کہ وہ وفات پا گئے تو اہل علم کے نزدیک یہ بالاتفاق جھوٹ اور بہتان ہے۔ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مارنے کا واقعہ ایک خود ساختہ سفید جھوٹ ہے۔"[2]

رافضیوں کے پاس سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے واقعے کو بنیاد بنا کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں مارا نہ کبھی ان کا وظیفہ بند کیا۔ آپ یقیناً ان کے مقام و منزلت سے اچھی طرح واقف تھے۔ اسی طرح سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اپنے امام کی اطاعت کا التزام کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بیعت کے وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی سب سے زیادہ برگزیدہ شخصیت تھے۔[3]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں اختلاف کی ممانعت کرنے والی آیات کا مفہوم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○﴾

[1] عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لعبد الستار الشیخ، ص: 324. [2] العواصم من القواصم للقاضي ابن العربي، ص: 63. [3] عقيدة أهل السنة للدكتور عايض حسن شيخ: 1066/3.

”اور یقیناً یہ میرا راستہ سیدھا ہے، لہٰذا تم اسی کی پیروی کرو، اور تم دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو، وہ تمھیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ اللہ نے تمھیں اس کی تاکید کی ہے، تاکہ تم پرہیز گاری اختیار کرو۔“[1]

صراط مستقیم سے مراد قرآن مجید، اسلام اور وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور سبل سے مراد خواہشات، گروہ بندی اور بدعات و محدثات ہیں۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ میں سبل سے مراد بدعات، شبہات اور گمراہیاں ہیں، یعنی بدعات، شبہات اور گمراہی کے راستوں کی پیروی مت کرو۔“[2]

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گزشتہ امتوں کی طرح اختلاف اور تفرقہ بازی سے روکا ہے اور صراحت فرمائی ہے کہ پرانے زمانے کے لوگ واضح دلائل اور کتابیں آ جانے کے بعد بھی گروہ بندیوں میں بٹ گئے تھے، تم ان کی طرح مت ہو جانا، اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾

”اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور ان کے پاس واضح نشانیاں آ جانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور ان لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“[3]

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ہدایت کی ہے کہ مشرکوں میں سے نہ ہو جائیں جنھوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور گروہ بندیوں میں تقسیم ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ

[1] الأنعام 153:6. [2] التفسير للمجاهد، ص: 227. [3] آل عمرٰن 105:3.

وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝﴾

”چنانچہ (اے نبی!) آپ یکسو ہوکر اپنا رخ دین کے لیے سیدھا رکھیں، اللہ کی فطرت (اختیار کریں) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے (دین پر قائم رہو)، اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور تم مشرکوں میں سے نہ ہوجاؤ۔ (یعنی) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور وہ کئی گروہ ہوگئے، ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے۔“[1]

اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ میرا رسول ان لوگوں سے بری ہے جو اپنے دین میں انتشار پیدا کرتے ہیں اور گروہ بندیوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝﴾

”بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ بازی کی، اور وہ گروہوں میں بٹ گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، بے شک ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، پھر وہ انھیں ان کاموں سے آگاہ کرے گا جو وہ کرتے رہے تھے۔“[3]

عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں جمع قرآن کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اختلاف سے ممانعت والی ان آیات کا بڑا بلیغ فہم رکھتے تھے جن میں اللہ تعالیٰ نے اختلاف اور اس کے نقصانات سے ڈرایا ہے۔ ان کے اس فہم کی گیرائی اور گہرائی ہی کا نتیجہ تھا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب قرآن مجید کی قراءت میں اختلاف کی علامات دیکھیں تو کانپ اٹھے۔ فوراً دارالخلافہ پہنچے اور جو کچھ سنا اور دیکھا تھا اس کی خبر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو

① الروم 30:30-32. ② دراسات في الأهواء والفرق والبدع لناصر العقل، ص:49. ③ الأنعام 6:159.

دی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کی نزاکت کے پیش نظر فوراً خطبہ دیا۔ لوگوں کو اس اختلاف کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا اور اس فتنے کی مشکلات حل کرنے کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ آپ نے نہایت قلیل عرصے میں صورت حال پر قابو پالیا۔ اور اس خطرناک فتنے کا سدباب اس طرح کیا کہ قرآن مجید جن جن صحیفوں میں لکھا ہوا تھا انھیں جمع کیا پھر نہایت قابل اعتماد مصادر سے قرآن مجید کو ایک مصحف کی صورت میں جمع کیا۔ اس فتنے کے تسلی بخش سدباب سے مسلمان بہت خوش ہوئے۔ لیکن منافقین جو اس فتنے کی علامات دیکھ کر بغلیں بجا رہے تھے، اس کے پھیلنے کے منتظر تھے اور اسے ہوا دینے کی پوری کوشش کر رہے تھے، نہایت برہم ہوئے۔ چنانچہ جب اختلاف ختم ہوگیا اور اسے دوبارہ ہوا دینے اور بھڑکانے کا ان کے پاس کوئی موقع اور راستہ نہ رہا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی سے ان کا کینہ اور زیادہ بڑھ گیا۔ انھوں نے آپ پر طعن و تشنیع شروع کردی۔ آپ کی اس نیکی کو برائی کا رنگ دینے لگے۔ انھوں نے اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے جن دلائل کا سہارا لیا وہ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور تھے۔ ان کا مقصد آپ پر طعن و تشنیع کرنا اور بغاوت کا جواز تلاش کرنا تھا۔ انھوں نے طرح طرح کے حیلوں سے آپ کی اس نیکی کو عوام الناس کے سامنے ایسے پیرائے میں پیش کیا کہ گویا یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کی بنا پر آپ کے خلاف خروج و بغاوت کرنا ضروری ہوگیا ہے۔[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی قاریِ قرآن کو اس کی قراءت پر برقرار نہیں رہنے دیا بلکہ سب کو ایک قراءت پر جمع کیا۔ اس طرح ان کی شیرازہ بندی ہوگئی اور ان کی صفوں میں یکسانیت کی شان پیدا ہوگئی۔ یہ وہ عظیم الشان سبق ہے جو ہمیں خلفائے راشدین کی بیش بہا سبق آموز تاریخ اور درخشاں سیرت کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔[2]

(1) فتنة مقتل عثمان بن عفان للدكتور محمد عبد الله الغبان: 82/1. (2) فتنة مقتل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 83/1.

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا: أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَّ أَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا، وَ أَنْ تَنَاصَحُوا مَنْ وَّلَّاهُ اللّٰهُ أَمْرَكُمْ»

''اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تین چیزیں پسند فرماتا ہے: تم اس کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور گروہ بندی میں نہ بٹو اور جسے اللہ تعالیٰ نے تمھارے امور کا نگران (حاکم) بنایا ہے، اس کی خیر خواہی کرو۔''[1]

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم قرآن وسنت کا التزام کریں۔ یہ ہمارے عظیم دین کے عظیم اصولوں میں سے بنیادی اصول ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ اصل عظیم دین اسلام ہے۔ اسی کو اختیار کرنے کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں شدید ترغیب دی ہے اور اہل کتاب کو اس کے چھوڑنے کی وجہ سے مذموم ٹھہرایا ہے۔ اسی بات کی رسول اکرم ﷺ نے اکثر و بیشتر مواقع پر تاکید فرمائی ہے۔''[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہر وہ کام کرنے کا حکم دیا ہے جس سے مسلمانوں کے اتحاد اور باہمی الفت کو فروغ حاصل ہو اور ہر اس کام سے منع کیا ہے جس سے اس عظیم مقصد کو نقصان پہنچے۔

اس بنیاد اور اس کے ضابطوں کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں کے مابین جو بے رخی، قطع تعلقی اور خون خرابہ ہوا، اس سے ان کی صفوں میں تفریق پیدا ہوگئی، ان کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی اور وہ فرقوں اور گروہوں میں اس طرح بٹے کہ ہر گروہ اپنے مسلک پر خوش ہے۔[3]

[1] مسند أحمد: 2/1،26. [2] مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية: 359/22. [3] تبصير المؤمنين بفقه النصر والتمكين للصَّلَّابي، ص: 307.

مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت شرعاً مطلوب ہے اور یہ امر شریعت اسلامیہ کے مقاصد میں سے ایک عظیم مقصد ہے بلکہ اللہ کے دین کو مضبوط کرنے کے اہم اسباب میں سے ہے۔ ہمیں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ ایک دوسرے کو حق بات کی وصیت اور صبر کی تلقین کرتے رہیں۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ دعوت وارشاد کا فریضہ نبھانے والے اسلامی تحریکوں کے قائدین، امت مسلمہ کے علماء اور طلبائے علم معاشرتی اصلاح اور اتحاد کے لیے مشترکہ کوششیں کریں۔ اصلاح کی یہ جدوجہد مخلصانہ اور حقیقی بنیادوں پر ہو، محض فریب کاری اور بناوٹ نہ ہو کیونکہ منافقت سے اصلاح کے بجائے بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جہاد کی دو قسمیں ہیں:

① وہ جہاد جس سے مقصود مسلمانوں کی اصلاح ہو، ان کے عقائد، اخلاقیات اور معاشرتی آداب کی اصلاح ہو، ان کے تمام دینی اور دنیاوی معاملات صحیح رکھنے کی کوشش کی جائے اور ان کی علمی تربیت کا بندوبست کیا جائے۔ یہی حقیقی اور بنیادی جہاد ہے۔

② جہاد کی دوسری قسم یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور سرکش منافقین، کفار، ملحدین اور دیگر اسلام دشمنوں کا ناطقہ بند کیا جائے اور ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: حجت، برہان اور زبان سے جہاد اور ہر دور کی مناسبت سے مطلوبہ اسلحہ سے جہاد۔

پھر انھوں نے ایک الگ فصل اس عنوان سے قائم کی ہے:

«الجهاد المتعلق بالمسلمين بقيام الألفة واتفاق الكلمة»

''مسلمانوں کے مابین وحدت اور الفت قائم کرنے کے لیے جہاد۔''

پھر مسلمانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے وجوب اور ان کی وحدت کے ضروری ہونے پر دلالت کرنے والی آیات و احادیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ مسلمانوں میں باہمی الفت پیدا کی جائے اور انھیں ان کی دینی و دنیاوی مصلحتوں پر جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔''[1]

[1] وجوب التعاون بين المسلمين للسعدي، ص: 5.

اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں کو جوڑنے والے اور ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے والے اسباب کو اختیار کرنا سب سے بڑا جہاد ہے کیونکہ مسلمانوں کے وقار، ان کی سلطنت کے استحکام و قیام اور اپنے رب کی شریعت کی حاکمیت کے لیے یہ اقدام نہایت ضروری ہے۔ یہی خلفائے راشدین کی فہم و فراست تھی جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں امت کو ایک مصحف پر جمع کرنے کی نہایت دلنشین اور کامل ترین صورت میں ظاہر ہوئی۔

باب

5

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا انتظامی ڈھانچہ

مملکت اسلامیہ کے صوبے اور ان کے گورنر

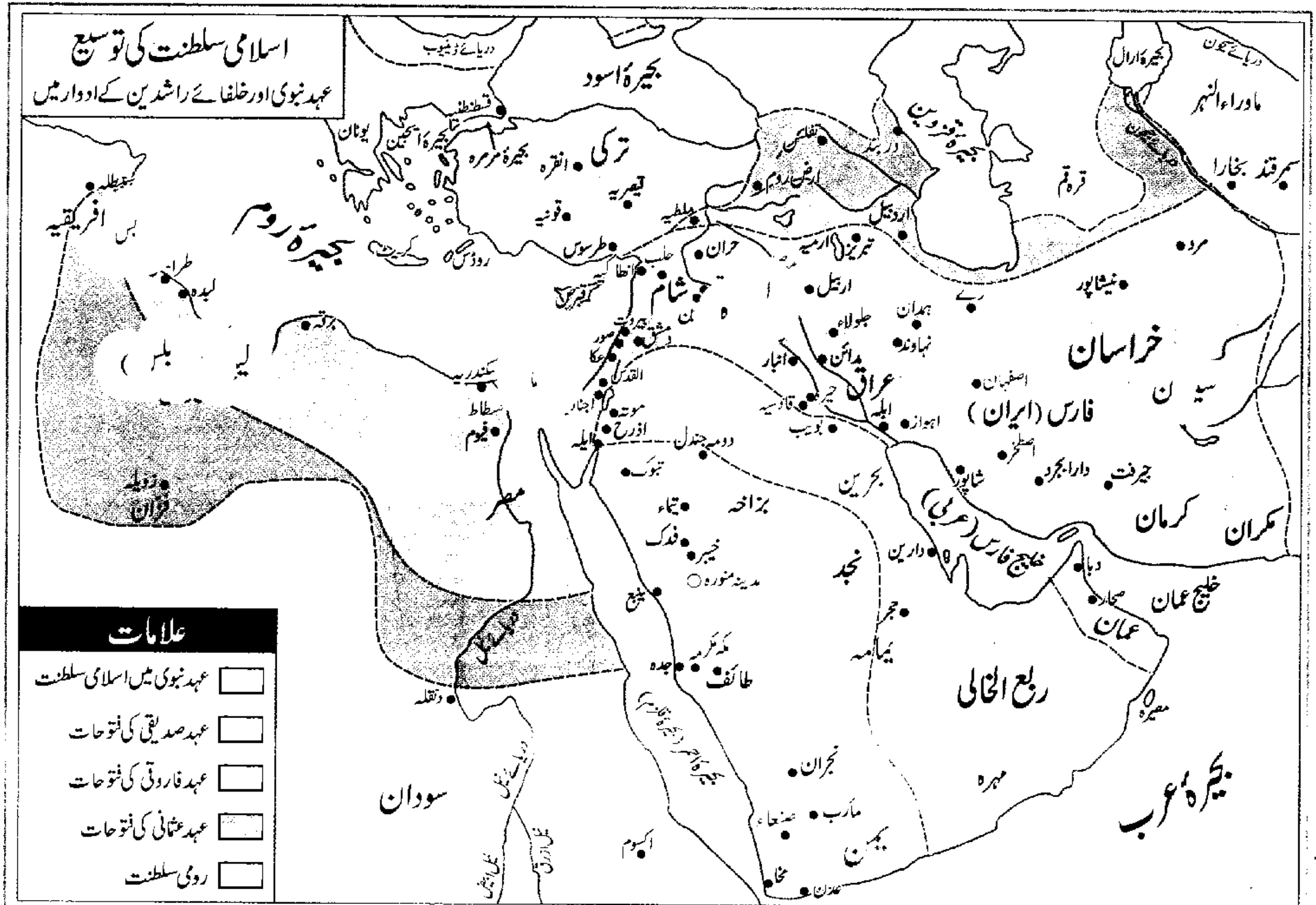
مکہ مکرمہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان دنوں خالد بن عاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی مکہ کے گورنر تھے۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ وقت کے لیے، جس کی تحدید مشکل ہے، انھیں برقرار رکھا۔ پھر معزول کر دیا۔ معزولی کی وجہ معلوم نہیں۔ تاریخ ان کے کارناموں کے بارے میں بھی خاموش ہے۔ انھیں معزول کرنے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے علی بن ربیعہ بن عبدالعزیٰ کو مکہ کا گورنر مقرر کیا، پھر گاہے گاہے کئی امراء مکہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ ان حضرات کی گورنری کے دورانیے کا تعین کرنا محال ہے۔ ایسے ہی حضرات میں سے ایک عبداللہ بن عمرو حضرمی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اسی طرح بعض دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خالد بن عاص بن ہشام کو دوبارہ مکہ کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ بعض مؤرخین نے پورے وثوق سے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت خالد بن عاص ہی مکہ کے گورنر تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد انھیں معزول کر دیا۔[2]

یہ روایت ان روایات کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت عبداللہ بن عمرو حضرمی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کے گورنر تھے۔[3]

[1] تجريد أسماء الصحابة لشمس الدين الذهبي، ص: 151. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 166/1. [3] نهاية الأرب للنويري: 27/2.



اسلامی سلطنت کی توسیع
عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے ادوار میں
علامات
عہد نبوی میں اسلامی سلطنت
عہد صدیقی کی فتوحات
عہد فاروقی کی فتوحات
عہد عثمانی کی فتوحات
رومی سلطنت
بحیرۂ اسود
بحیرۂ روم
ترکی
شام
عراق
خراسان
فارس (ایران)
کرمان
مکران
نجد
ربع الخالی
بحیرۂ عرب
خلیج عمان
عمان
سودان
مصر
یمن
افریقیہ
ماوراء النہر
بحیرۂ ارال
بحیرۂ خزر
قسطنطنیہ
انقرہ
قونیہ
طرسوس
حلب
دمشق
القدس
مدینہ منورہ
مکہ مکرمہ
طائف
جدہ
خیبر
فدک
تبوک
دومۃ الجندل
بحرین
یمامہ
نجران
صنعاء
مارب
عدن
اصفہان
ہمدان
نہاوند
نیشاپور
مرو
بخارا
سمرقند

نقشہ: 19

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور حکومت میں اگرچہ کئی شہروں میں فتنے پیدا ہو گئے تھے لیکن اس کے باوجود مکہ مکرمہ میں مستقل طور پر مثالی امن برقرار رہا۔[1]

مدینہ منورہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ منورہ نہایت اہم اسلامی شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ یہی دارالخلافہ تھا۔ مختلف شہروں سے یہیں وفود آتے تھے۔ یہیں اسلامی لشکروں کا آنا جانا رہتا تھا، نیز بہت سے کبار مہاجرین و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی یہیں مقیم تھے، اس لیے مدینہ منورہ کو زبردست اہمیت حاصل تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی یہیں رہ کر خلافت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ آپ مدینہ کی صورت حال سے ہر آن آگاہ رہتے تھے یہاں تک کہ غذائی اجناس کے بھاؤ اور لوگوں کے حالات کی بھی پوری خبر رکھتے تھے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو واپس آنے تک کسی صحابئ رسول کو اپنا نائب مقرر کر جاتے تھے۔ انھوں نے اکثر و بیشتر سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔[3]

مدینہ منورہ میں بھی دوسرے شہروں کی طرح بیت المال اور عطیات کا دفتر قائم تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری ایام خلافت میں جب فتنہ برپا ہوا، خارجیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ سے چلے گئے، ان ایام کے علاوہ عصر عثمانی میں مدینہ منورہ تمام اسلامی شہروں سے زیادہ پرامن تھا۔[4]

بحرین اور یمامہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت عثمان بن ابی العاص ثقفی بحرین کے گورنر تھے۔

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 167/1. [2] تاريخ المدينة لابن شبة: 962,961/3. [3] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 169,168/1. [4] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 169,168/1.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ عرصہ انھیں ان کے عہدے پر برقرار رکھا۔ بعض روایات کے مطابق عثمان بن ابی العاص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد تین سال، یعنی 27 ھ تک بحرین کے گورنر رہے کیونکہ ان کا بعض فتوحات میں اپنا لشکر لے کر بصرہ کے لشکر کے ساتھ شامل ہو جانا ثابت ہے۔[1]

تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ ریاست بحرین اور بصرہ کی ریاست کے مابین جو باہمی تعاون کا سلسلہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شروع ہوا تھا وہ عہد عثمان میں مزید مستحکم ہوا، بالخصوص جب عبداللہ بن عامر بن کریز[2] بصرہ کے گورنر بنے تو اس تعاون میں مزید مضبوطی پیدا ہوئی کیونکہ بحرین کا عامل بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر کے ماتحت ہو گیا تھا۔ اسی طرح تاریخی نصوص سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ریاست بحرین کسی حد تک بصرہ کی ریاست کے تابع تھی اور اس میں ضم ہو گئی تھی کیونکہ وہاں کا عامل خود ابن عامر رضی اللہ عنہ ہی مقرر کرتے تھے۔[3]

اس تعاون کی مزید توثیق کرتے ہوئے ایک مؤرخ لکھتے ہیں: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بحرین بصرہ میں ضم ہو گیا۔ آپ کے آخری دور میں فارس اور جنوبی ایران کے خلاف فتوحات کے لیے اسے ایک اڈے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس کے گورنر امیر بصرہ کے ماتحت ہوتے تھے۔ اس سے بصرہ اور بحرین کے مابین رابطہ زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو گیا۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً بحرین کے لیے درج ذیل گورنروں کے تقرر کا ذکر ملتا ہے:

① مروان بن حکم ② عبداللہ بن سوار عبدی

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت عبداللہ بن سوار عبدی بحرین کے گورنر تھے۔[4]

① تاريخ خليفة بن خياط، ص: 159، والولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 169/1.
② الطبقات لابن سعد: 44/5. ③ الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 169/1.
④ البحرين في صدر الإسلام لعبدالرحمٰن النجم، ص: 141.

فارس کی مشرقی فتوحات کے لیے امدادی فوج بھیجنے میں بحرین نے نہایت اہم کردار ادا کیا جیسا کہ ان فتوحات میں بحرین کے گورنر عثمان بن ابی العاص کا کردار نہایت قابل ستائش تھا۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک بحرین کے داخلی حالات معمول پر رہے۔ جہاں تک یمامہ کا تعلق ہے، وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بحرین اور بڑی حد تک عمان کے ماتحت تھا بلکہ بحرین کا گورنر ہی بعض اوقات وہاں عامل مقرر کرتا تھا۔ جہاں تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا تعلق ہے تو تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یمامہ پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی طرف سے براہ راست والی (عامل) مقرر تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد اٹھنے والے فتنوں میں اس بات کا ذکر بھی ملتا ہے کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے دنوں میں اہل یمامہ کی طرف سے یمامہ کے والی کو کچھ خطوط موصول ہوئے جن میں شہادت عثمان کے خلاف غیظ وغضب کا اظہار کیا گیا تھا۔[2]

یمن اور حضرموت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ ان کی طرف سے یمن کے گورنر تھے۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے طلبی کے حکم پر مدینہ آرہے تھے کہ راستے میں انھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خط موصول ہوا۔ اس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں کی بیعت کا ذکر اور ان کی طرف سے انھیں صنعاء کا گورنر مقرر کیے جانے کا حکم تحریر تھا، چنانچہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات تک صنعاء کے گورنر رہے۔[3] الجند پر سیدنا عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ گورنر تھے۔ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پورے دور خلافت میں وہاں کے گورنر رہے۔[4] بعض واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یمن کے باقی شہروں پر بھی عامل مقرر تھے لیکن

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 170/1. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 170/1. [3] تاريخ الطبري: 442/5. [4] تاريخ خليفة بن خياط، ص: 179.

معروف مصادر (کتب) میں زیادہ تر انھی دو گورنروں کا تذکرہ ہے۔ تاریخ عہد عثمان میں یمن کے تفصیلی حالات کے بارے میں خاموش ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی جانب سے مقرر کردہ یمن کے گورنروں کے مابین خط کتابت کا ذکر بھی بہت کم ملتا ہے سوائے ان احکام کے جو آپ نے تمام گورنروں کو دیے۔[1]

لیکن یہ بات معروف ہے کہ اہل یمن خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے دوران اپنے گورنروں کے فرماں بردار تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ثقفی آدمی سے، جسے آپ نے یمن کی طرف (عامل بنا کر) بھیجا تھا، اہل یمن کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا: ''وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے جو بھی مانگا جائے ادا کرتے ہیں، چاہے جائز مطالبہ ہو یا ناجائز۔''[2]

تاریخ آگاہ کرتی ہے کہ خلافت فاروقی میں ہونے والی فتوحات کے دوران بہت سے یمنی قبائل نے عراق، مصر اور شام کے نو آباد اسلامی شہروں کی طرف ہجرت کی۔ یوں یمن اور اہل یمن کے ان شہروں سے مسلسل رابطے رہے، انفرادی طور پر یمن سے دوسرے شہروں کی طرف ہجرت کا سلسلہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی جاری رہا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں اٹھنے والے فتنوں میں یمن کے یہودیوں نے نہایت شرمناک کردار ادا کیا انھی فتنوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ فتنہ برپا کرنے والے اس گروہ کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یمن کے کئی عامل حجاز واپس آ کر ان فتنوں میں شامل ہو گئے جو شہادت عثمان کے بعد شروع ہوئے تھے۔ ان میں یعلیٰ بن امیہ اور عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔[3]

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 171/1. [2] تاريخ اليمن السياسي في العصر الإسلامي لحسن سليمان، ص: 79. [3] تاريخ الطبري: 442/5.

شام

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالی تو شام کے اکثر حصے کے گورنر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ان کے عہدے پر برقرار رکھا۔[1] آپ نے مصر، یمن اور بحرین وغیرہ کے گورنروں کو بھی ان کے عہدوں پر بحال رکھا۔ حالات کے تغیر وتبدل کے ساتھ ساتھ دیگر کئی علاقے بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت آ گئے اور وہ بلاشرکت غیرے پورے شام کے گورنر بن گئے بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مضبوط اور مؤثر ترین گورنر شمار ہونے لگے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت میں شام کے علاقے میں دیگر گورنر بھی تھے، جیسے عمیر بن سعد انصاری حمص کے گورنر تھے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا ہمسر بننے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر ایک ایسی بیماری سے دوچار ہوگئے جس نے انھیں ولایت کی ذمہ داری نبھانے سے معذور کردیا۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ ذمہ داری نبھانے کے قابل نہیں رہے، لہٰذا یہ ذمہ داری کسی اور کو دے دی جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا استعفیٰ منظور کر لیا اور حمص کی ولایت بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی۔ اس طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختیارات میں توسع پیدا ہوا اور حمص تک ان کا اثر و رسوخ بڑھ گیا۔ اس حمص سے مراد وہ حمص ہے جہاں ان سے پہلے عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید گورنر رہ چکے تھے۔[2]

فلسطین کے گورنر سیدنا علقمہ بن محرز فوت ہوئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ خطہ بھی سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے سپرد کردیا، اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال بعد ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پورے شام کے گورنر بن گئے۔ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پوری مدت تک بلاشرکت غیرے شام کے گورنر رہے۔[3]

[1] تاريخ خليفة بن خياط : 155. [2] تاريخ الطبري: 442/5. [3] تاريخ الطبري: 443/5.

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا شام کی گورنری کا زمانہ سانحات سے پُر ہے، شام نہایت اہم جہادی خطہ تھا، باوجود اس کے کہ داخلی حالات نہایت مستحکم تھے، اسلام چھایا ہوا تھا، فتنوں کو ہوا دینے اور اضطراب پیدا کرنے کی رومی کوششیں بھی ناکام ہوگئی تھیں بلکہ شام رومیوں کے لیے مشکلات پیدا کرنے والا صوبہ بن گیا تھا، اس کے ساتھ ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ان علاقوں میں جہاد کرنے کا میدان کھلا تھا۔ جس کی تفصیل ہم شام کی فتوحات میں بیان کر آئے ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیاسی اثر ورسوخ بہت بڑھ گیا۔ فتنے اٹھنے شروع ہوئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام گورنروں کو مشورے کے لیے طلب فرمایا، ان میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ انھوں نے اس اجتماع میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خصوصی مشورے دیے۔ ان کا تذکرہ اللہ کی توفیق سے آئندہ آئے گا۔[1]

آرمینیہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پہلی بار اسلامی لشکروں نے آرمینیا کا رخ کیا۔ سب سے پہلے بلاد شام کی اسلامی فوج نے ان خطوں کی طرف پیش قدمی کی۔ شام تمام اسلامی ریاستوں کے مقابلے میں آرمینیا کے قریب تر تھا۔ اس کم وبیش آٹھ ہزار افراد پر مشتمل لشکر کی قیادت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ نے کی۔ انھوں نے آرمینیا کے کئی علاقے فتح کیے مگر جب رومیوں کا لشکر مسلمانوں کے خلاف آرمینیا کے باشندوں کی مدد کے لیے جمع ہوا تو حبیب رضی اللہ عنہ کو خطرہ محسوس ہوا۔ انھوں نے خلیفہ سے مدد کی درخواست کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے تقریباً چھ ہزار کا لشکر، جس کی قیادت سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، روانہ کرنے کا حکم دیا،[2] لیکن حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف پیدا ہوگیا جو مخاصمت کی صورت اختیار کر گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

[1] الولایة علی البلدان: 176/1. [2] الطبقات لابن سعد: 131/6.

کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے قوم کے نام ایک خط ارسال کر کے یہ مسئلہ حل کر دیا۔[1]

تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکروں کی قیادت سنبھالی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں آرمینیا کا امیر مقرر کیا۔[2]

پھر سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ آرمینیا میں گھستے ہی چلے گئے یہاں تک کہ فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑتے ہوئے خزر[3] تک جا پہنچے۔ خزر کے بادشاہ سے آمنا سامنا ہوا۔ اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ جبکہ دشمن کے تین لاکھ جنگجو تھے۔ معرکۂ کارزار گرم ہوا۔ زبردست لڑائی ہوئی۔ سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اپنے پورے لشکر سمیت شہید ہو گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ دوبارہ آرمینیا پر لشکر کشی کریں۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے کئی علاقے فتح کیے۔ آرمینیا میں مسلمانوں کے قدم دوبارہ مضبوطی سے جم گئے۔ اور انھوں نے اہل آرمینیا سے کئی معاہدے کیے۔[4]

پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے تجربے اور صلاحیت کے پیشِ نظر انھیں جزیرہ کی سرحد کی طرف بھیجنا مناسب سمجھا اور آرمینیا پر ان کی جگہ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو گورنر مقرر کیا۔ ساتھ ہی آذربائیجان بھی ان کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے آرمینیا سے بلاد خزر کی جانب کئی حملے کیے۔[5]

تقریباً ایک سال کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر دیا اور ان کی جگہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو آرمینیا کا گورنر مقرر کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات تک وہی آرمینیا اور آذربائیجان کے گورنر رہے۔[6]

آرمینیا مملکت اسلامیہ میں اضافے کے طور پر شامل ہونے والی وہ سلطنت تھی جو سیدنا

[1] الخراج وصناعة الكتابة لقدامة بن جعفر، ص: 326. [2] الفتوح لا بن أعثم: 112/2. [3] بلاد ترک جو وسطی روس میں تھے اور اب یہ روس کے جنوب میں ہے۔ [4] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 177/1. [5] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 177/1. [6] تاريخ اليعقوبي: 168/2، و الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 177/1.

عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتح ہوئی۔ اس سے پہلے وہ فتح نہیں ہوئی تھی، مزید برآں مسلمانوں کو اس کی فتح اور انتظام و انصرام میں بھی خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔[1]

مصر

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مصر کے گورنر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت انھیں اس عہدے پر کام کرتے ہوئے تقریباً چار سال گزر چکے تھے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت وہی مصر کے گورنر تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابتدائے خلافت میں کچھ وقت کے لیے انھیں برقرار رکھا۔ مصر کے بعض علاقوں میں ان کے کام میں سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ بھی معاونت کرتے تھے۔ فلسطین کی فتح کے ایام میں بھی عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور ان کا شمار سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے کمانڈروں میں ہوتا تھا۔ وہ مصر کی فتوحات میں بھی ان کے ساتھ رہے۔[3] سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مصر کی فتح کے بعد اس کے بعض علاقوں پر امیر مقرر کیا۔[4]

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص اور سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہما کے مابین بعض معاملات میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے بعد ان سے درخواست کی کہ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ مطالبہ رد کر دیا۔ فرمایا کہ انھیں خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا۔ اب معزول کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري:177/1. [2] النجوم الزاهرة لأبي المحاسن جمال الدين:77/1. [3] سير أعلام النبلاء:33/1. [4] ولاة مصر للكندي، ص: 33، وفتوح مصر و أخبارها لابن عبد الحكم، ص: 173.

ہے۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔ بالآخر جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا اصرار بڑھا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ مناسب سمجھا کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو پورے مصر کا گورنر مقرر کر دیا جائے۔ اور پھر واقعی ایسا ہی ہوا، سیدنا عبد اللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی جگہ گورنر مقرر کر دیا گیا۔[1]

انھی حالات میں رومیوں نے اسکندریہ پر دوبارہ حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور وہاں موجود تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی فوج کا کمانڈر مقرر کرنا مناسب سمجھا تاکہ اسکندریہ کو از سرنو فتح کیا جا سکے اور رومی فوج کو سبق سکھایا جائے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو دوبارہ فوج کا سربراہ بنا دیا جائے اور سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو خراج کا نگران مقرر کر دیا جائے لیکن سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تاریخ کے اوراق میں عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی گورنری کا تذکرہ بڑا محدود ہے۔ اس میں ان کی طرف سے رومیوں کو روکنے اور اسکندریہ سے نکالنے کی کارروائی، نیز مصر کے مختلف خطوں میں امن قائم کرنے یا ان کے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین خراج کے بارے میں اختلاف کے سوا کوئی اور واقعہ شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔[3]

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ دوسری دفعہ مصر یا راجح قول کے مطابق اسکندریہ سے معزول ہوئے۔ انھوں نے فوج کا سربراہ بننے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پیش کش قبول نہیں کی۔ نہ انھوں نے ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے خراج کا نگران بنانے کی تجویز قبول کی۔ یہ

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبدالعزيز العمري: 178/1۔ [2] الولاية على البلدان: 179,178/1۔
[3] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 178/1، و فتوح البلدان للبلاذري: 217/1۔

صورتِ حال دیکھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو دوسری دفعہ مصر کے گورنر کے عہدے پر بحال رکھا۔ وہی مصر کے باضابطہ گورنر رہے اور خراج، فوج اور دیگر تمام امور انھی کے سپرد رہے۔①

ابتدا میں مصر کی ریاست نہایت پرسکون اور مستحکم تھی، پھر عبداللہ بن سبا جیسے فتنہ گردوں نے وہاں اپنے قدم مضبوط کر لیے اور لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ ان کا اور ان کی ہمنوائی کرنے والوں کا شہادت عثمان رضی اللہ عنہ میں بہت گھناؤنا کردار ہے۔②

بصرہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کی طرف سے بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ اس دور میں بصرہ کے معاشرتی ڈھانچے میں کئی بنیادی تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ کیونکہ ان دنوں بصرہ سب سے بڑی اسلامی فوجی چھاؤنی بن چکا تھا۔ کئی قبائل ہجرت کر کے بصرہ میں آباد ہو چکے تھے۔ بصرہ کی فوج نے بہت سے علاقے فتح کیے تھے، لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آغاز تک بصرہ کو زبردست اہمیت حاصل ہو چکی تھی۔③

لوگ جہاد کے امور عامہ کے ساتھ ساتھ اپنے ذاتی کاموں میں بھی مشغول ہو چکے تھے، لہٰذا ایسے دور افتادہ خطوں اور اُن کے ماتحت صوبوں پر حکومت کرنا نہایت مشکل اور اہم کام تھا۔ اس کے لیے اچھی خاصی سوجھ بوجھ، انتظامی تجربے اور مہارت کی بڑی ضرورت تھی۔ شاید سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ مہارت سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی میں محسوس کرتے تھے کہ وہ اس ریاست کا انتظام بخوبی چلا سکتے ہیں، اسی لیے آپ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کی کہ میری وفات کے چار سال بعد تک ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ

① الولاية على البلدان للدكتو[ر عبد] العزيز العمري: 179/1. ② الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 186/1. ③ التنظيمات الاجتماعية والاقتصادية في البصرة لصالح العلي، ص: 141.

کی امارت سے معزول نہ کیا جائے۔[1]

بصرہ پر سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی امارت کا دور جہاد کا دور ہے۔ اس میں اہل بصرہ کا کردار واضح ہوا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایران کے کئی شہروں کے فاتح کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ اسی طرح انھوں نے سابقہ مفتوحہ علاقوں میں مسلمانوں کو مضبوط کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جنھوں نے بغاوت کی کوشش کی انھیں دبا کر ان علاقوں میں اسلام کا پرچم لہرایا۔

جہادی کارناموں کے ساتھ ساتھ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں فلاح عامہ کے لیے بھی بڑی خدمات انجام دیں۔ انھوں نے بصرہ میں مثالی نظام آبپاشی منظّم کیا، نہریں کھدوائیں۔ نالے بنوائے۔ پینے کے پانی کے لیے ایک مخصوص نالہ کھدوایا جس سے عرصۂ دراز تک لوگ فائدہ اٹھاتے رہے اور انھیں پانی کے مزید ذخیرے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ انھوں نے مزید نالے کھدوانے کے کئی منصوبے شروع کیے تھے مگر ان کی تکمیل سے پہلے ہی انھیں معزول کر دیا گیا۔ پھر ان کی تکمیل نئے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کی۔[2]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ زیادہ لمبی مدت تک بصرہ کے گورنر نہیں رہے بلکہ جلد ہی 29ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ان کے عہدے سے سبکدوش کر دیا، جیسا کہ اکثر تاریخی روایات میں ہے۔ ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو بصرے کا گورنر مقرر کیا گیا۔[3]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بارے میں مؤرخین نے کئی روایات بیان کی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور بصرہ کی فوج کے مابین بوجوہ

(1) الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 186/1، وسير أعلام النبلاء: 391/2. (2) الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 187/1. (3) تاريخ الطبري: 264/5.

اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ بصرہ کا ایک گروہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ کیا اور کہا: ''ہم نہیں چاہتے کہ جو کچھ ہمیں معلوم ہے اس کے متعلق آپ ہم سے پوچھیں۔ بس آپ ان کی جگہ کسی اور کو گورنر مقرر کر دیجیے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تم کسے پسند کرتے ہو کہ وہ تمھارا گورنر ہو؟'' انھوں نے کہا: ''ہر شخص ان سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے کسی بھی قریشی شخص کو ہمارا گورنر مقرر کر دیجیے۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا۔ ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔ یہاں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی دانائی، وسعت قلبی اور خلیفہ کے حکم کی اطاعت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ بات بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ وہ امارت کے قطعاً حریص نہ تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے۔ جب انھیں اپنی معزولی اور سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے تقرر کی خبر پہنچی تو وہ منبر پر چڑھے اور سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی کی، حالانکہ وہ کم سن نوجوان تھے، ان کی عمر صرف پچیس (25) سال تھی۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان جملوں کے ذریعے ان کی تعریف کی، فرمایا: ''تم پر ایک نجیب الطرفین نوجوان امیر مقرر ہوا ہے جس کی پھوپھیاں، خالائیں اور دادیاں قریش میں نہایت معزز اور سخی ہیں۔ وہ تم پر بے حساب مال خرچ کرے گا۔''[2]

بصرہ کی ریاست جن مشکل حالات سے دوچار تھی، ان حالات میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک ایسا گورنر مقرر کرنے میں کامیاب ہو گئے جسے فوج نے بخوشی قبول کر لیا، اور ان کی صفیں دشمن کے خلاف متحد ہو گئیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نہایت عزت اور تکریم کے ساتھ اپنے عہدے سے الگ ہو گئے۔ بعض لوگ جو باغیوں اور پروپیگنڈہ کرنے والوں سے متاثر تھے وہ اپنے دل میں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف نفرت رکھتے

[1] تاريخ الطبري: 264/5. [2] تاريخ الطبري: 266/5، وسير أعلام النبلاء: 19/3.

تھے۔ انھیں بدنام کرنے اور ان پر زبان درازی کی جسارت کرتے تھے، سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان کے توہین آمیز رویے سے بھی محفوظ رہے۔ انھیں ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ آپ سے کوئی بات کریں۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ گورنر بنے تو ان دنوں بصرہ کی ریاست نہایت مشکل سے دو چار تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے بنیادی سیاسی ڈھانچے میں تبدیلی کر دی تھی۔ انھوں نے بحرین اور عمان کی فوج بھی بصرہ میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ماتحت کر دی تاکہ وہ مستحکم ہوں اور پیش آمدہ ان چیلنجوں کا مقابلہ کر سکیں جو اس بحران میں پیدا ہو چکے تھے۔ اس سے ابن عامر رضی اللہ عنہ کی قوت میں اضافہ ہوا۔ شخصی اثر و رسوخ بڑھ گیا، دوسری طرف خود بصرہ پر بھی اس کے بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے اور وہ اسلامی ریاست کا ایک مضبوط مستقل اسلامی صوبہ بن گیا اور پہلے کی نسبت زیادہ قبائل اس کی جانب ہجرت کر کے آنے لگے۔[2]

اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست پر بوجھ بڑھ گیا۔ فوج کی تنخواہوں میں افراد کے بڑھنے سے اضافہ ہوا۔ مختلف انتظامی مالی امور اور امنِ عامہ کی صورت حال کو کنٹرول کرنے کے لیے ریاست کی ذمہ داریاں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئیں۔ بصرہ کی ریاست، فوج اور ابن عامر رضی اللہ عنہ نے بہت سے علاقے فتح کیے۔ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے گورنر کا عہدہ سنبھالنے کے فوراً بعد فتوحات کی منصوبہ بندی اور تگ و دو شروع کر دی تھی۔ اور یہ سلسلہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تھوڑا عرصہ پہلے تک جاری رہا۔[3]

اس کی تفصیل عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی فتوحات کے باب میں گزر چکی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ گورنری میں بصرہ اسلامی ریاستوں میں زبردست

---

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 189/1. [2] التنظيمات الاجتماعية والاقتصادية في البصرة لصالح العلي، ص: 141. [3] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 189/1.

اہمیت حاصل کر گیا۔ بصرہ نے فتوحات اور دیگر میدانوں میں ترقی کی بنا پر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خاص توجہ حاصل کر لی اور وہ ایسا انتظامی مرکز بن گیا جس کی طرف ہر وقت نظریں لگی رہتی تھیں۔[1]

بہت سے اسلامی شہروں کا انتظام بصرہ کے سپرد تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عامر رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصی ذمہ داری سونپی کہ بصرہ کے ماتحت شہروں میں امراء متعین کریں جبکہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کی ذمہ داریاں پہلے بھی خاصی گراں بار تھیں۔

ابن عامر رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی امارت سنبھالتے ہی بصرہ کے ماتحت مختلف شہروں پر بعض کمانڈروں اور امراء کو امیر مقرر کیا۔ ان میں سے عمان، بحرین، سجستان، خراسان، ایران، اہواز اور ان علاقوں کے مختلف شہر اور دور دراز خطے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[2]

بغرضِ مصلحت ان امراء کے وقتاً فوقتاً تبادلے بھی ہوتے رہتے تھے۔ بصرہ اپنے بیت المال کی وجہ سے بھی معروف تھا، بالخصوص ابن عامر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کی آمدن اور اخراجات میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت المال کے نگران سیدنا زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے۔ وہ نہریں کھدوانے کے چند منصوبوں کے بھی ذمہ دار تھے۔[3]

سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ کے دور گورنری میں ان کی ریاست کے ماتحت علاقے اطراف فارس میں بطور کرنسی درہم جاری کیے گئے۔ ان پر عربی الفاظ کندہ تھے۔ یہ درہم 30 سے 35ھ تک کار آمد رہے۔[4]

سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ بصرہ کے امیر مقرر ہونے سے پہلے ہی ہر دلعزیز تھے، لوگ انھیں بہت پسند کرتے تھے۔ اس کے باوجود یہ زہریلا پروپیگنڈہ کیا گیا کہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سیدنا

① الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 189/1. ② نهاية الأرب للنويري: 433/19.
③ الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 194/1. ④ الدراهم الإسلامية لوداد علي القزاز، ص: 14.

عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار ہیں، اسی لیے انھوں نے انھیں گورنر مقرر کیا ہے، اہل بصرہ ان کی اطاعت پر کار بند رہے۔[1]

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دو آدمی، سیدنا ابوموسیٰ اشعری اور سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے بصرہ کے گورنر رہے۔ اور دونوں ہی نے بصرہ اور اس کے ماتحت علاقوں کا انتظام نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی سے چلایا۔[2]

کوفہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے، انھیں یہ عہدہ سنبھالے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کردیا۔ ان کی جگہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ ان کی معزولی کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے آخری ایام میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کیا۔ اور ان کے بارے میں فرمایا: ''میں نے انھیں ان کی کسی برائی یا خیانت کے وجہ سے معزول نہیں کیا۔ میں اپنے سے بعد والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ انھیں کسی علاقے کا عامل مقرر کریں۔''[4]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے عامل مقرر ہوئے تو ان کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ان کے عہدے میں شریک تھے۔ تقسیم کاریوں تھی کہ سعد رضی اللہ عنہ فوج کی سربراہی کریں گے اور نماز پڑھائیں گے جبکہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیت المال کے نگران ہوں گے۔[5]

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 194/1. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 195/1. [3] تاريخ الطبري: 239/5. [4] تاريخ الطبري: 239/5. [5] تاريخ الطبري: 250/5، و الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 196/1.

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی ولایت کا تجربہ تھا۔ وہ وہاں کی بودوباش، معاملات، باشندوں، سرحدوں اور فوج کے امور سے بخوبی واقف تھے کیونکہ وہی کوفہ کے بانی تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں انھوں نے اس کی بنیاد رکھی تھی اور پھر کئی سال تک اس کے گورنر بھی رہ چکے تھے، اس لیے وہ وہاں کے حالات سے دیگر لوگوں کی نسبت زیادہ واقف تھے۔[1]

عہد عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ گورنری میں جو کام کیے وہ یہ تھے کہ کوفہ کے ماتحت کئی سرحدوں، مثلاً: رَیّ وغیرہ میں قیام پذیر رہے اور 25 ھ میں وہاں کا نظم ونسق مستحکم کر دیا۔[2]

انھوں نے ہمدان اور اس کے گردونواح میں کئی نئے عامل مقرر کیے۔ ابھی وہ کوفہ کے گورنر ہی تھے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے مابین اختلاف پیدا ہوگیا۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیت المال کے نگران تھے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے کچھ مدت کے لیے قرض لیا۔ واپسی کی تاریخ آ گئی لیکن معینہ مدت تک قرض واپس نہ کر سکے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے قرض ادا کرنے کا مطالبہ کیا تو دونوں میں تلخ کلامی ہوگئی اور لوگ وہاں اکٹھے ہوگئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو انھوں نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا۔ امام طبری کے بقول سعد رضی اللہ عنہ کی سزا یہ تھی کہ انھیں معزول کر دیا گیا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جزا ملی کہ انھیں اپنی ذمہ داری نبھانے کا حکم دیا گیا، یعنی برقرار رکھا گیا۔[3]

یہ قصہ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما کے زہد و ورع پر دلالت کرتا ہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو مال کی ضرورت تھی۔ یعنی ان کے پاس اتنا بھی مال نہیں تھا کہ ان کی ضرورت پوری ہو سکے، اس

[1] عثمان بن عفان لصادق عرجون، ص: 105، والولاية على البلدان للدكتور عبدالعزيز العمري: 196/1. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 197/1. [3] تاريخ الطبري: 251/5.

لیے انھیں بیت المال سے قرض لینے کی ضرورت پیش آئی، اِدھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر حزم و احتیاط سے مسلمانوں کے مال کی حفاظت کرتے تھے۔ اور کوفہ کے گورنر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے بیت المال کا قرض واپس لینے کے لیے کس قدر مصر تھے اور کتنے زور سے ادائے قرض کا مطالبہ کر رہے تھے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ (خلافت عثمان میں) ایک سال ایک ماہ کوفہ کے گورنر رہے۔ [1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کرنے کے بعد ان کی جگہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ اس سے پہلے وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک لشکر کے کمانڈر کی حیثیت سے اردن میں کام کر چکے تھے۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے جزیرہ نمائے عرب میں بھی کام کرتے رہے تھے۔ [2]

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آخری ایام خلافت اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی ایام خلافت میں کوفہ میں ایک کمانڈر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ انھوں نے لشکر کی کمان کرتے ہوئے کئی علاقوں میں جہاد کیا۔ کوفہ کا گورنر مقرر ہونے سے پہلے وہ کوفہ کے بارے میں خاصی معلومات رکھتے تھے۔ وہاں کی فوج، سرحدوں، محل وقوع اور دیگر معاملات کے بارے میں انھیں خاصا تجربہ تھا۔ خلفائے راشدین کا طریقۂ کار یہ تھا کہ جب وہ کسی علاقے میں نیا گورنر مقرر کرتے تھے تو ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اس علاقے سے واقف اور تجربہ کار شخص کو گورنر مقرر کیا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو ان کے تجربے کی وجہ سے کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ بہت سے قدیم و جدید مؤرخین نے کوشش کی ہے کہ اس تعیناتی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو موردِ الزام ٹھہرائیں۔ وہ کہتے ہیں:

"سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ پر اپنے اخیافی بھائی ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا۔" [3]

[1] تاریخ الطبري: 250/5. [2] تاریخ الطبري: 251/5. [3] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 198/1.

اس میں بالواسطہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن ہے۔[1]

شروع میں ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ان کے عہدے میں شریک تھے کیونکہ وہ بیت المال کے نگران تھے، پھر ان کے مابین ریاست کی آمدنی کے بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا اور تصفیہ کے لیے معاملہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ انھوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ ریاست کا اختیار ایک شخص کے سپرد کیا جائے، لہٰذا بیت المال کے عہدے کو دوسرے عہدے میں ضم کر کے اختیارات ولید رضی اللہ عنہ کو دے دیے گئے۔ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو معزول کردیا گیا کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ دونوں عہدے یکجا کردیے جائیں تو اس اقدام سے عام لوگوں کو سہولت ہوگی۔[2]

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے ہردلعزیز لیڈر بن گئے۔ ان کے گھر کے دروازے عوام کے لیے ہر وقت کھلے رہتے تھے،[3] لوگ بے دھڑک اپنے مسائل بیان کرتے اور وہ ان کے مسائل حل کرتے، پھر کچھ کینہ پرور اور حاسدوں کی سازش سے ایسے واقعات پیش آئے جن سے ان کی ساکھ متاثر ہوئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ابن حیسمان خزاعی کو کوفہ کے چند نوجوانوں نے مل کر قتل کردیا۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان ظالم نوجوانوں کو قصاص میں قتل کرا دیا۔ یہ بات ان مجرموں کے عزیز و اقارب پر گراں گزری۔ انھوں نے اسی دن سے ولید رضی اللہ عنہ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کردیا اور گھات لگا کر بیٹھ گئے کہ ان کی کوئی کمزوری پکڑیں۔ بالآخر یہ لوگ ولید رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک جھوٹا الزام لگانے میں کامیاب ہوگئے۔ انھوں نے دعویٰ کیا کہ ولید رضی اللہ عنہ نے شراب پی ہے۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو دربار خلافت میں بلایا گیا۔ ان پر شراب کی حد قائم کی گئی اور ان کے عہدے سے معزول کردیا گیا۔ یہی کچھ سازشی ٹولہ چاہتا تھا۔[4]

[1] الفتنة الكبرىٰ لطٰه حسين: 94/1. [2] عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لصادق عرجون، ص: 108. [3] تاريخ الطبري: 251/5. [4] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 201/1.

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو درج ذیل خط لکھا:

امیر المومنین عثمان کی طرف سے اہل کوفہ کے نام!

''السلام علیکم! میں نے تم پر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا حتی کہ انھیں عزت و قوت حاصل ہوگئی۔ ان کے پاؤں مضبوط ہوگئے۔ وہ نیک طینت انسان تھے۔ میں نے انھیں تمھارے بارے میں وصیت کی لیکن ان کے بارے میں تمھیں کوئی وصیت نہیں کی تھی۔ انھوں نے اپنی خیر سے تمھیں مستفید کیا اور شر سے محفوظ رکھا۔ تمھیں ان کے ظاہر میں کوئی رخنہ نظر نہ آیا تو تم نے ان کے باطن کو داغدار کر دیا۔ تمھارا اور ان کا معاملہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ اب میں تم پر سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر بھیج رہا ہوں۔'' [1]

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے خلاف شکایات اور انھیں معزول کرنے کا مطالبہ اہل کوفہ کی اپنے امراء کے ساتھ بُرائی کی پُرانی عادت ہی کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ [2]

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی معزولی پر اہل کوفہ کی بھاری اکثریت نے شدید برہمی کا اظہار کیا۔ 30 ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ سعید رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ میں مقیم تھے۔ انھوں نے کوفہ کا رخ کیا تو ان کے ساتھ اہل کوفہ کا وہ وفد بھی شریک سفر ہوگیا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ولید کی معزولی کا مطالبہ کرنے آیا تھا۔ ان میں اشتر نخعی وغیرہ بھی شامل تھے۔ [3]

سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ پہنچتے ہی لوگوں سے خطاب کیا، منبر پر چڑھے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں بادل نخواستہ زبردستی یہاں آیا ہوں۔ میں مجبور تھا کہ حکم کی تعمیل کروں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ و فساد نے اپنی جڑیں مضبوط کر

[1] تاریخ الطبري: 280/5. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 206/1. [3] تاريخ الطبري: 280/5.

لی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس کا خاتمہ کر کے رہوں گا یا اپنی عاجزی کا اعلان کر دوں گا۔ میں آج ہی سے یہ کام شروع کر رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ منبر سے اتر آئے۔ [1]

اس خطبے سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ یہاں ان کے تقرر سے پہلے ہی فتنہ سر اٹھا چکا ہے۔ یہی محسوس کرتے ہوئے انھوں نے فتنہ پروروں کو دھمکی دی اور اس فتنے کو کچلنے کا فیصلہ کر لیا جسے وہ پھیلتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ [2]

سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے بڑے سلیقے اور کامیابی سے ریاست کے معاملات کو منظّم کیا۔ کوفہ کے ماتحت کئی علاقوں میں امراء مقرر کر کے وہاں کے معاملات کنٹرول کیے۔ [3] انھوں نے کئی کامیاب جنگیں لڑیں۔ لیکن 33 ہجری میں فتنہ دوبارہ سر اٹھانے لگا۔

اب اشتر نخعی نے سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش شروع کر دی۔ کوفہ کے بعض لوگ بھی اس کے دھوکے میں آ گئے اور اس کے قوت بازو بنے۔ پھر انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سعید رضی اللہ عنہ کی جگہ کوئی دوسرا گورنر مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔ سعید رضی اللہ عنہ کی معزولی کا یہ حادثہ پہلا حادثہ نہ تھا بلکہ اہل کوفہ نے گورنروں کے ساتھ ہمیشہ یہی سلوک کیا تھا۔ پہلے وہ سعد بن ابی وقاص اور ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہما کی معزولی کا مطالبہ بھی تسلیم کرا چکے تھے لیکن اس دفعہ انھوں نے ایک اور چال چلی۔ انھوں نے مسلح ہوکر شور وغل برپا کیا۔ یہ کوفہ بلکہ پوری مملکت اسلامیہ کی تاریخ میں پہلا نہایت خطرناک اقدام تھا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ یہ سارا ڈرامہ بے بنیاد تھا۔ اصل سبب وہ حالات تھے جو فتنہ پردازوں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کرنے والوں کے تاثر سے پیدا ہو رہے تھے۔ اور ان کا پروپیگنڈہ لوگوں کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے مطالبے پر سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی معزولی اور

[1] تاريخ الطبري:280/5. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري:207/1. [3] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري:208/1.

ان کی جگہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے تقرر کا حکم صادر فرمایا۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے سامنے اپنی گورنری کا اعلان کیا اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! غلط حرکت سے باز رہو۔ دوبارہ اس طرح بغاوت کی جرأت نہ کرنا۔ جماعت کو لازم پکڑو۔ سمع وطاعت کا رویہ اختیار کرو۔ جلد بازی سے ہر ممکن بچو۔ صبر کرو۔ اب تمھارے ساتھ تمھارا امیر موجود ہے۔ اگر تم سمع وطاعت کا رویہ اختیار کرنے والے ہو تو اس کی اطاعت کرو۔'' (ان کا اشارہ اپنی طرف تھا) لوگوں نے کہا: ''تب آپ ہمیں نماز پڑھائیں۔'' سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں! پہلے اس بات کا وعدہ کرو کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سمع وطاعت کرو گے۔'' انھوں نے کہا: ''ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے نام درج ذیل نامۂ گرامی لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! امابعد! میں نے تم پر تمھاری پسند کا گورنر مقرر کر دیا ہے۔ سعید رضی اللہ عنہ کو تم سے الگ کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! میں تمھارے لیے اپنی عزت قربان کروں گا۔ تمھارے لیے صبر کروں گا اور مقدور بھر تمھاری بھلائی چاہوں گا۔ تم ہر ایسی بات کا مطالبہ کر سکتے ہو جس میں اللہ کی نافرمانی نہ کی جائے اور جو بات تمھیں پسند نہ ہو اس سے تمھیں مستثنیٰ رکھا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس سے اللہ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔ میں نے تمھاری پسند کو پیش نظر رکھا ہے تاکہ تم میرے خلاف کوئی حجت نہ لا سکو۔''[2]

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کوفہ کے گورنر رہے۔ اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوفہ میں مختلف اوقات میں پانچ آدمی گورنر رہے۔ پہلے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور آخری سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ پانچوں گورنروں کا دور نہایت پر آشوب حادثات سے بھرپور ہے۔ تمام حوادث میں کوفہ کے حوادث بہت نمایاں ہیں۔ ان فتنوں نے مملکت اسلامیہ کو براہ راست متاثر کیا۔ ان فتنوں نے کوفہ میں اس قدر زور

[1] تاریخ الطبري: 339/5. [2] تاریخ الطبري: 343/5.

پکڑا کہ اہل کوفہ کے بارے میں معروف ہوگیا کہ وہ اپنے گورنروں پر حاوی ہیں۔ انھوں نے کئی بار اپنے حاکموں کو ہٹا دیا، حالانکہ انھوں نے انھیں راضی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اہل کوفہ نے دربارِ خلافت میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے خلاف شکایات پیش کیں۔ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک چلائی۔ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو نکال دیا۔ ہمیں یہاں ان لوگوں کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تبصرہ یاد آ گیا۔ جب اہل کوفہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے انھیں تھکایا تو انھوں نے ان کے بارے میں کہا: ''کون ہے جو اہل کوفہ کے بارے میں میرا عذر سنے اور انھیں سزا دینے پر مجھے ملامت نہ کرے؟''

بعض اہل کوفہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں نہ صرف براہِ راست شریک تھے بلکہ انھوں نے آپ کے قتل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ کوفہ کے ماتحت کئی ریاستیں تھیں، جیسے طبرستان، آذربائیجان اور بلاد فارس کے شمالی علاقے۔ ان تمام علاقوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنروں ہی نے فتح کیا تھا اور کوفہ کے ساتھ ملحق کر دیا تھا۔ وہ لوگ گاہے گاہے یہاں کے باشندوں کو بغاوت کرنے پر اُکساتے رہتے تھے۔ ان ماتحت اور ملحق ریاستوں نے بڑی حد تک ان فتنوں میں اہل کوفہ کا ساتھ دیا اور شہادت عثمان رضی اللہ عنہ میں اپنا سفاکانہ کردار ادا کیا۔[1]

عہد عثمان رضی اللہ عنہ کی اسلامی ریاستوں کے سابقہ تذکرے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کئی ریاستیں پورے عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں نہایت مستحکم رہیں اور وہاں امن و امان رہا۔ ان میں سے کچھ ریاستیں وہ تھیں جو عرب میں واقع تھیں، جیسے بحرین، یمن، مکہ اور طائف وغیرہ۔ شام میں بھی پوری خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے دوران حالات معمول پر رہے۔ جہاں تک اہل بصرہ کا تعلق ہے تو وہ اپنے امیر سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد میں مشغول رہے۔ مصر اور کوفہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں انتشار و اضطراب پیدا ہوا، یہیں

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 213/1.

سے فتنوں نے جنم لیا اور یہاں کے باشندوں نے، اسلام کے دشمنوں پر حملہ کرنے کی بجائے، مدینہ پر چڑھائی کی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔[1]

گورنروں کے بارے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ 24 ہجری میں خلیفہ مقرر ہوئے۔ مملکت اسلامیہ کے اطراف و اکناف میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنر پھیلے ہوئے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک سال تک برقرار رکھا۔ ایک سال بعد انھوں نے ملکی ضرورت اور عوام الناس کی مصلحت کی خاطر پرانے گورنروں کی جگہ نئے گورنر مقرر کیے۔ اس بارے میں شاید سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل کیا۔ انھوں نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد آنے والا خلیفہ میرے مقرر کردہ گورنروں کو ایک سال سے زیادہ برقرار نہ رکھے، ہاں! ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو چار سال تک ان کے عہدے پر بحال رکھا جائے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی گورنروں کے بارے میں پالیسی یہ تھی کہ وہ انھیں تبدیل کرنے کے لیے اکثر و بیشتر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر کئی ریاستوں کو آپس میں ضم کر دیا۔ گورنروں کی حدود کا تعین کر دیا، مثلاً: بحرین کو بصرہ کے ساتھ ملحق کر دیا۔ اسی طرح شام کی کئی ریاستوں کو بعض گورنروں کی وفات یا استعفوں کی وجہ سے یکجا کر دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے وزراء کو عوام الناس کے درمیان عدل کرنے اور ان کے ساتھ رحمت و شفقت سے پیش آنے کی نصیحت کرتے تھے۔ انھوں نے خلیفۃ المسلمین مقرر ہونے کے بعد سب سے پہلے اپنے گورنروں کو لکھا:

''اللہ تعالیٰ نے امراء کو حکم دیا ہے کہ وہ رعایا کے محافظ بنیں، صرف ٹیکس وصول کرنے والے نہ بنیں۔ اس امت کے متقدمین، یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے رفقاء قوم کے محافظ تھے، محض ٹیکس وصول کرنے والے نہ تھے، عنقریب کچھ ایسے حکام ہوں گے جو ٹیکس تو

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 214/1. [2] سير أعلام النبلاء: 391/2.

وصول کریں گے مگر عوام کی حفاظت نہیں کریں گے۔ جب یہ حالت ہو جائے گی تو وہاں سے حیا، دیانتداری اور وفاداری کا جذبہ اٹھ جائے گا۔ سب سے عمدہ اخلاق یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے حقوق و فرائض کا خیال رکھو، ان کا مالی حق ادا کرو اور ان سے واجبات وصول کرو، پھر تمھارے دشمن سے معاملات ہیں، تم ان پر وفا کے ساتھ مدد طلب کرو، یعنی ان کے معاہدے پورے کرو۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کے لیے ایک پالیسی وضع کردی تھی جس پر چلنا ان کے لیے ضروری تھا۔ وہ پالیسی یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے حقوق ادا کریں اور ان سے ان کے واجبات کا مطالبہ کریں۔ ذمیوں کے حقوق ادا کریں اور انھیں واجبات ادا کرنے کا پابند بنائیں۔ ان سے کیے گئے معاہدوں کی پاسداری کریں، حتی کہ دشمنوں کے معاہدوں کا بھی لحاظ رکھیں اور ان تمام معاملات میں عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑیں۔ اس بات کی خاص طور پر تاکید کی کہ ان کا مقصد صرف مال اکٹھا کرنا نہیں ہونا چاہیے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے حکام کو عام احکام کے ساتھ ساتھ نئے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں خصوصی ہدایات دیتے تھے جو ان کی سرکاری ذمہ داریوں سے متعلق ہوتی تھیں۔ سب لوگ خصوصی ہدایات کے مطابق جاری احکام کی پابندی کرتے تھے۔ جیسا کہ تمام ریاستوں میں مدینہ منورہ کے تیار کردہ مصحف کا التزام کرایا گیا جسے صحابہ کی ایک جماعت نے تیار کیا تھا۔ آپ نے اس کی نقلیں کرانے کے بعد کوفہ، بصرہ، مکہ مکرمہ، مصر، شام، بحرین، یمن اور جزیرہ بھیج دیں[3] ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ اس کے علاوہ تمام مصاحف کو جمع کر کے جلا دیا جائے۔ اور یہ سارا کام مدینہ منورہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اتفاقِ رائے کے بعد ہوا جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔[4]

[1] تاريخ الطبري:244/5. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري:215/1. [3] تاريخ المدينة لابن شبة:997/3. [4] تاريخ المدينة لابن شبة:996,995/3.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خواہش مند رہتے تھے کہ ان کے مقرر کردہ حکام جہاد کرنے اور نئے شہر فتح کرنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں۔ اسی ضمن میں انھوں نے بصرہ کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور کوفہ کے گورنر سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تم میں سے جس نے خراسان فتح کر لیا وہی اس کا امیر ہوگا۔ اس مہمیز کی بنا پر ابن عامر رضی اللہ عنہ نے خراسان اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے طبرستان فتح کر لیا۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بسا اوقات اپنے حکام پر کچھ شرطیں بھی عائد کر دیتے تھے تاکہ یہ اس بات کی ضمانت ہو کہ ان کا تصرف مسلمانوں کی اصلاح کے لیے ہوگا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کی اور کہا کہ اگرچہ سفر سمندری ہے لیکن کوئی خطرہ نہیں ہے، لہٰذا آپ مجھے اجازت مرحمت فرما دیں۔ اس کے جواب میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھا: ''اگر تم اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے کر جاؤ تو پھر اجازت ہے بصورت دیگر نہیں۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب قبرص پر حملہ کیا تو ان کی اہلیہ ان کے ساتھ تھی۔[2]

حکام کی نگرانی: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے حکام اور سپہ سالاروں کی نگرانی اور ان کی صورت حال سے آگاہ رہنے کے لیے کئی طریقے اختیار کیے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

❋ **حج کے لیے جانا:** سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بذات خود حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور مختلف علاقوں سے آئے ہوئے حجاج کرام سے ملتے تھے۔ ان کی گورنروں کے متعلق شکایات سنتے اور ان کی زیادتیوں کے متعلق دریافت کرتے۔ اسی طرح آپ نے اپنے حکام کو بھی یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ ہر سال حج کے لیے حاضر ہوں۔ انھوں نے مختلف

[1] تاريخ اليعقوبي: 166/2. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 216/1، نقلًا عن تاريخ الطبري.

شہروں میں یہ احکام جاری کیے ہوئے تھے کہ تمام حکام ہر سال حج کے لیے ضرور آئیں اور جنھیں کوئی شکایت ہو وہ بھی حاضر ہوں۔ خلیفہ، حکام اور رعایا کی سالانہ میٹنگ کا یہ سلسلہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے چلا آ رہا تھا۔[1]

❁ **مختلف شہروں سے آنے والوں سے پوچھ گچھ:** حکام سے متعلق معلومات کا یہ آسان ترین طریقہ تھا۔ اس کے لیے خلفاء کو زیادہ تکلف نہیں کرنا پڑتا تھا بلکہ اکثر و بیشتر بغیر کسی پیشگی انتظام و تدبیر کے باتیں پہنچ جاتی تھیں۔ معلومات اکٹھی کرنے کے لیے یہ معروف طریقہ تھا جو خلفائے راشدین نے اختیار فرما رکھا تھا۔ پہلے تین خلفاء کے عہد میں ان کا مدینہ منورہ میں قیام بھی ان کے لیے مدد و معاون ثابت ہوتا تھا کیونکہ بہت سے لوگ زیارت کی غرض سے مدینہ منورہ آتے تھے۔ ان سے مطلوبہ معلومات مل جاتی تھیں۔ خصوصاً حج کے ایام میں لوگ بکثرت آتے تھے۔[2]

❁ **خلیفہ کے نام خطوط:** سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مختلف علاقوں کے عوام کی طرف سے حکام وغیرہ کے خلاف شکایات بذریعہ ڈاک بھی موصول ہوتی تھیں۔ آپ کو اہل کوفہ کا خط موصول ہوا، اہل مصر کا خط بھی ملا۔ شام کے لوگوں کے لکھے ہوئے خطوط بھی آپ کو موصول ہوئے۔ آپ بہ نفسِ نفیس تمام خطوط پڑھتے تھے اور ان میں مذکور شکایات کا ازالہ فرماتے تھے۔[3]

تحقیقاتی ٹیموں کے ملک گیر دورے: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کئی ریاستوں میں وہاں کے گورنروں کے بارے میں افواہوں اور رعایا پر ظلم کرنے کی اطلاعات کی تحقیق کے لیے تفتیشی ٹیمیں بھی روانہ کیں جنھوں نے آپ کو وہاں کی مکمل صورت حال سے آگاہ کیا اور حکام کی کارگزاریوں کے بارے میں مکمل بریفنگ دی۔[4]

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبدالعزيز العمري: 216/1. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 122/2. [3] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 217/1. [4] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 217/1.

براہِ راست معلومات لینا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حج کے موسم میں مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے، وہاں کے حالات کا خود جائزہ لیتے اور مختلف شہروں سے آئے ہوئے گورنروں اور عام لوگوں سے بھی براہ راست ملاقات کرتے اور ان سے ان کے شہروں کے حالات دریافت فرماتے تھے۔

ریاستوں سے وفود کی طلبی: خلفائے راشدین اکثر و بیشتر مختلف ریاستوں کے گورنروں کو حکم جاری کرتے رہتے کہ وہ ان کے پاس وہاں کے لوگوں کا کوئی وفد بھیجیں تاکہ وہ ان سے وہاں کے حالات دریافت کر سکیں۔ سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم نے بار ہا اسی طرح وفود طلب فرمائے۔ جہاں تک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو انھیں اس کی فرصت ہی نہیں ملی۔ وہ ہمہ تن جہادی امور ہی میں مصروف رہے۔ ان کا زمانۂ خلافت بھی نہایت محدود تھا، اس لیے ان کے عہد میں ایسے حالات کم ہی پیش آئے۔[1]

گورنروں کی دارالخلافہ طلبی: مختلف معاملات پر تبادلۂ خیال کرنے کے لیے خلیفہ اور گورنروں کے مابین مسلسل رابطہ رہتا تھا۔ خلفائے راشدین جب بھی ضروری سمجھتے تھے، مختلف صوبوں کے گورنروں کو دارالخلافہ حاضر ہونے کا حکم جاری فرما دیتے تھے۔ گورنروں کی سب سے اہم کانفرنس وہ تھی جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں طلب فرمائی۔ انھوں نے بصرہ، کوفہ، شام اور مصر وغیرہ کے تمام گورنروں کو طلب کرنے کے علاوہ کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اکٹھا کیا اور ان کے ساتھ میٹنگ کی اور درپیش فتنے کے محرکات پر تبادلۂ خیال کیا۔ تمام حکام سے فتنے کے بارے میں معلومات اور اس سے نبٹنے کا مشورہ لیا۔ ہر ایک نے اپنی عقل اور فہم کے مطابق اس یورش کو دبانے کے مشورے دیے۔[2]

گورنروں سے خط کتابت: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں سے خط کتابت کرتے تھے

(1) الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 122/2. (2) الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 223/2.

اور ان سے رعایا کے معاملات اور ملکی حالات کے بارے میں رپورٹ طلب کرتے تھے۔ چاروں خلفائے راشدین کے عہد میں معلومات حاصل کرنے کا یہی طریقہ مروج تھا، بالخصوص سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں معلومات کے حصول کا یہ نہایت اہم ذریعہ بن گیا تھا۔ [1]

یہی مذکورہ بالا چند قابل ذکر ذرائع تھے جنھیں بروئے کار لا کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حکام کے طرز عمل کی معلومات حاصل کرتے تھے اور ان پر نگرانی کی نگاہ رکھتے تھے۔ آپ کی بھرپور کوشش ہوتی تھی کہ حکام اپنے فرائض صحیح طور پر ادا کرتے رہیں۔ اگر آپ کے علم میں ان کی غلطی یا کوتاہی آتی تو فوراً سرزنش کرتے اور ان کی اصلاح فرماتے تھے۔ کسی کا جرم ثابت ہوجاتا تو اسے سزا دیتے تھے۔ حسن ظن رکھتے ہوئے چھوڑتے نہیں تھے، جیسا کہ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو سزا کی شرائط مکمل ہوجانے کے بعد شراب کی حد لگائی۔ قطع نظر اس کے کہ اس کے خلاف گواہی دینے والے لوگ سچے تھے یا جھوٹے! [2]

پھر حد لگانے کے بعد انھیں کوفہ کی گورنری سے بھی معزول کردیا۔ [3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب کسی علاقے کے لیے نیا امیر مقرر کرتے تو وہاں کے باشندوں کو امیر کے بارے میں وصیت کرتے اور امیر کو اہلِ علاقہ کے لیے فلاحی خدمات انجام دینے کی وصیت فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی اکثر و بیشتر عوام الناس کو دور افتادہ شہروں میں نصیحت آموز خطوط لکھتے رہتے تھے تاکہ حکام کو رعایا کے امور چلانے میں آسانی ہو۔ ان خطوط میں سے ایک خط درج ذیل ہے:

''امابعد! میں حکام کو ہر سال حج کے لیے بلاتا ہوں۔ ان سے باز پرس کرتا ہوں۔

جس روز سے میں مسند خلافت پر بیٹھا ہوں میں نے امت کو امر بالمعروف اور نہی

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 122/2. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 126/2. [3] الولاية على البلدان: 217/2.

عن المنکر کی کھلی اجازت دے رکھی ہے بلکہ اس عظیم کام کے لیے ان کی ذمہ داری کا احساس دلاتا ہوں۔ اگر ان کا مجھ پر یا میرے کسی وزیر پر حق بنتا ہے تو میں وہ دے دیتا ہوں۔ اور رعایا پر میرا یا میرے اہل و عیال کا جو حق ہے، یعنی اگر مجھے کسی سے کچھ لینا ہے تو میں وہ معاف کرتا ہوں۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص خفیہ سب وشتم کرتا ہے تو اسے اپنے رویے پر غور کرنا چاہیے۔ جسے کچھ لینے کا دعویٰ ہو وہ حج کے موسم میں آ کر مجھ سے اور میرے وزراء سے وصول کر سکتا ہے یا پھر صدقہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو بہتر بدلہ دیتا ہے۔‘‘

جب مختلف شہروں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ خط پڑھا گیا تو لوگ بہت روئے اور انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعائیں کیں۔[1]

حکام اور گورنروں کے حقوق

خلفائے راشدین کے دورِ زریں میں گورنروں کے حقوق متعین تھے۔ ان میں سے بعض کا تعلق عوام الناس سے تھا اور بعض خلیفہ سے متعلق تھے۔ کچھ حقوق بیت المال سے متعلق تھے۔ ان سارے مالی اور اخلاقی حقوق کا اولین مقصد یہ تھا کہ یہ حضرات صحیح طور پر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں اور خلقِ خدا کی بہتر سے بہتر خدمت ہو۔ ان میں سے چند اہم حقوق درج ذیل تھے:

امورِ خیر میں اطاعت: حکام کے حقوق میں پہلی بات یہ تھی کہ ان کی اس وقت تک اطاعت کی جائے جب تک وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ۝﴾

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري:5/349.

''اے ایمان والو! تم اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔''[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب اس مذکورہ آیت سے پہلی آیت میں حُکّام کا ذکر کیا تو آغاز انھی سے کیا۔ انھیں امانتیں ادا کرنے اور لوگوں کے مابین عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کا حکم دیا۔ اس آیت کے آغاز میں رعایا کو سب سے پہلے اللہ جل شانہٗ کی اطاعت کا حکم دیا گیا یعنی اللہ کے اوامر و احکام کی تعمیل کی جائے اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کیا جائے، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کا حکم دیں وہ کریں اور جس سے منع کریں اس سے باز رہیں، تیسرے نمبر پر امراء اور حکام کی اطاعت ہے۔ سیدنا ابوہریرہ، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء نے اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔''[2] (پہلے اور دوسرے درجے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور تیسرے درجہ میں امراء کی اطاعت ہے۔ یہاں یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مستقل ہے جبکہ امراء کی اطاعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔)

خلفائے راشدین کے دور میں بالخصوص اور اسلامی معاشرے میں بالعموم شریعت کی حکمرانی تھی، قانون کی نظر میں حاکم اور محکوم برابر حیثیت رکھتے تھے۔ خلیفہ کا حکم سب کو ماننا پڑتا تھا، اسی لیے حکام اور امراء کی اطاعت کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«لَا طَاعَةَ فِي الْمَعْصِيَةِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

[1] النسآء4:59. [2] تفسير القرطبي:259/5.

’’معصیت کے کاموں میں (امیر کی) اطاعت (جائز) نہیں۔ اطاعت صرف نیکی، یعنی جائز امور میں ہے۔‘‘ [1]

حکام کی خیر خواہی: قرآن و سنت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق بعض آیات اور احادیث عموم پر دلالت کرتی ہیں، یعنی ہر کس و ناکس کو اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا نہایت ضروری ہے۔ کچھ آیات و احادیث حکام کے ساتھ خاص ہیں۔ کئی احادیث میں حکام کی خیر خواہی کا حکم ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے حکام کو خط کتابت کے ذریعے مسلسل نصیحت کرتے رہتے تھے۔ اس بارے میں وارد دلائل بے شمار ہیں۔ ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ [2]

حاکم تک صحیح خبریں پہنچانے کی ترغیب: عوام کے لیے ضروری ہے کہ وہ حاکم تک اپنے شہر کی صحیح خبریں پہنچائیں۔ ان میں کسی قسم کا جھوٹ نہ ہو۔ وہ خبریں عوام الناس سے متعلق ہوں یا دشمن کے بارے میں یا حاکم کے ملازمین و اعیان سے متعلق بہر حال سچائی پر مبنی ہونی چاہییں۔ بالخصوص جنگی معاملات، دشمن کے حالات اور ذمہ دار حکام کی خیانت جیسے معاملات کی اطلاع دینے میں کسی صورت تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ عوام الناس کی مصلحت کا خیال رکھنے میں تمام لوگ حاکم کی مسئولیت میں شریک ہیں، یعنی ان پر بھی اسی طرح ذمہ داری ہے جس طرح حاکم ذمہ دار ہے۔ [3]

حاکم کے موقف کی تائید و حمایت: جب فتنہ زور پکڑ گیا اور فتنہ پردازوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بعض گورنروں کو معزول کرنے کا مطالبہ کیا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا مطالبہ مسترد کر دیا کیونکہ اسی میں مملکت اسلامیہ کا استحکام تھا اور ایسا ہی کرنا اضطراب کو روکنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ عوام الناس کی

[1] صحیح البخاري، حدیث: 7257. [2] الولایة علی البلدان للدکتور عبد العزیز العمري: 56/2.
[3] الولایة علی البلدان للدکتور عبد العزیز العمري: 57/2.

شکایات کو قابل التفات نہیں سمجھتے تھے اور بغیر تحقیق حکام کی سپورٹ کرتے تھے بلکہ خلفاء کی طرف سے یہ انکار اور اصرار تحقیق اور ان سے متعلقہ شکایات کا جائزہ لینے کے بعد ہوتا تھا۔ وہ نہایت باریک بینی سے محاسبہ کرنے کے بعد فیصلہ کرتے تھے، بسا اوقات ان معاملات کی تحقیق کے لیے باقاعدہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کمیٹی تشکیل دی جاتی تھی جو موقع پر جا کر معاملات کی تحقیق کرتی تھی۔ جس طرح خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گورنروں اور وزراء کی مدد کرے، بعینہٖ رعایا کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گورنروں اور وزراء کی مدد کرے۔ لوگوں کا فرض ہے کہ حکام کی عزت کریں۔[1]

اگرچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض گورنروں کو معزول کیا لیکن اس معاملے میں عوام الناس کی مصلحت ہی پیش نظر تھی۔

معزولی کے بعد احترام: رعایا اور خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ معزول حکام کا احترام کریں۔ خلفائے راشدین کے دور میں ایسا ہی تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے بعد بھی ان کا نہایت احترام کرتے تھے بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے بعد ان سے وفاقی حکومت کے معاملات میں مشورے لیتے تھے۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی نہایت تعظیم و تکریم کی علامت ہے۔

گورنروں کی تنخواہ: حکام کا حق ہے کہ انھیں گزر بسر کے لیے (بیت المال سے) مشاہرہ دیا جائے۔ یہ خلفائے راشدین کے مابین متفق علیہ مسئلہ تھا جس میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارک کی پیروی کرتے تھے۔ اگرچہ روایات میں صرف بعض حکام کی تنخواہوں کا ذکر ملتا ہے لیکن اس سے یہ بات اُجاگر ہو جاتی ہے کہ خلفائے راشدین کے عہد میں تمام حکام کا مشاہرہ مقرر تھا۔ اکثر روایات جن میں مشاہرے کی بحث ملتی ہے ان

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 58/2.

میں اس موضوع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ جلی الفاظ میں ملتا ہے۔ کیونکہ انھی کے دور میں بعض حکام کی تنخواہوں کے باقاعدہ تعین کا ذکر ملتا ہے۔

سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما حکام کی تنخواہوں کے معاملے میں شیخین ہی کے نقش قدم پر چلتے تھے، ہاں! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مشرق، آرمینیا اور افریقیہ کی فتوحات کی وجہ سے آمدنی بڑھنے پر عوام الناس کے عطیات اور حکام کے وظائف میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حکام پر خصوصی نوازشات بھی کرتے تھے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو شمالی افریقیہ کی فتح کے انعام کے طور پر غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ عطا کیا۔ آپ نے ان سے کہا: ''اگر اللہ نے آپ کو افریقیہ پر فتح دی تو جو مال غنیمت حاصل ہوگا، اس کے خمس کا پانچواں حصہ آپ کو بطور انعام ملے گا۔'' (یاد رہے کہ پھر بعض وجوہ کی بنا پر آپ نے ان سے یہ عطیہ واپس لے لیا تھا۔)[1]

بہر حال عمال اور حکام کی ضروریات پوری کرکے انھیں لوگوں سے بے نیاز کرنا اسلامی ضابطہ تھا جسے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لاگو کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء نے بھی اسی پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے حکام کو لوگوں کے مال سے بے نیاز کردیا اور وہ سلطنت کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لیے وقف ہوگئے۔[2]

گورنروں کے فرائض

دینی امور کا نفاذ: دینی امور کے نفاذ کے بارے میں چند نمایاں باتیں درج ذیل ہیں:

❁ دین اسلام کی نشر و اشاعت: خلفائے راشدین کے دور میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے گورنر اور حکام اس بات کے پابند تھے کہ وہ نئے مفتوحہ علاقوں میں ساتھ موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی معاونت سے اسلام کی نشر و اشاعت کا فریضہ انجام دیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی فتوحات کے شروع شروع میں گورنر انتظامی امور کے

[1] تاریخ الطبري: 252/5. [2] الولایة علی البلدان للدکتور عبد العزیز العمري: 64/2.

ساتھ ساتھ یہ ذمہ داری بھی نبھاتے رہے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور نئے شہر آباد ہوئے تو اس کام کے لیے باقاعدہ معلمین اور فقہاء بھیجے گئے جنھوں نے لوگوں میں دینِ اسلام پھیلایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخر میں اور سیدنا عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے پورے دورِ خلافت میں معلمین کا ادارہ نہایت مستحکم صورت اختیار کر گیا کیونکہ شہری آبادیاں بڑھ گئی تھیں، حصولِ علم کے خواہشمند زیادہ ہوگئے تھے اور گورنر مختلف انتظامی امور میں مصروف تھے، پھر ایک ہی ریاست کے ماتحت کئی شہر آگئے جنھیں ایک گورنر کے لیے سنبھالنا مشکل تھا یوں وہ عوام کی بیک وقت دینی اور دنیاوی ضرورتیں پوری کرنے سے قاصر تھا، اس لیے فقہاء اور معلمین کی ضرورت میں بہت اضافہ ہوگیا۔[1]

❁ **نظامِ صلاۃ کا قیام اور امانت کی ذمہ داری:** خلفائے راشدین کے عہد میں خلیفہ جس شہر میں مقیم ہوتا خود ہی امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتا تھا۔ جمعہ، عیدین اور دیگر مناسبات میں بھی خلیفہ ہی خطبہ دیتا تھا۔ اسی طرح دیگر شہروں میں خلیفہ کے نائب یہ ذمہ داری نبھاتے تھے۔ خلفائے راشدین کے پورے عہد میں گورنر ہی لوگوں کی امامت کرتے اور خطبۂ جمعہ دیتے تھے۔[2]

❁ **دین اور شریعت کے اصولوں کی حفاظت:** رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے راشدین کو اس بھاری ذمہ داری کی نزاکت کا شدید احساس تھا کہ دینِ اسلام کو تغیر وتبدل سے محفوظ رکھا جائے اور صحیح اصولوں کی بنیاد پر اس کی حفاظت کی جائے۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنے اور بدعت کو ختم کرنے کی انتھک کوششیں کرتے تھے۔ اللہ کے دین کی حرمت وعظمت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام لوگوں میں جاگزیں کرتے تھے اور دین کو داغدار کرنے والوں کی چالوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے جیسا کہ

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 66/2. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 67/2.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف کی از سر نو کتابت کرا کر اس کی نقلیں مختلف شہروں میں ارسال کیں اور اپنے گورنروں کو دیگر تمام مصاحف جو مختلف قراءتوں پر مبنی تھے، جلانے کا حکم دیا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ دین کی نہایت اہم بنیاد قرآن مجید کی حفاظت ہو جائے اور اس میں اختلاف پیدا نہ ہو۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں نے اسلام پر سبائیوں کے رکیک حملوں کا سد باب کیا۔ ان پر زمین تنگ کر دی اور ان کی عجیب وغریب آراء کی روک تھام کی۔[2]

بنیادی طور پر گورنروں کے فرائض میں اہم ترین فرض دین کی حفاظت کرنا اور اس کی حرمت کی پاسبانی کرنا تھا۔[3]

❁مساجد کی تعمیر اور لائحۂ عمل: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے وقت قباء پہنچ کر پہلی اسلامی مسجد تعمیر کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو وہاں بھی سب سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس صحابی کو گورنر بنا کر کسی علاقے میں بھیجتے وہ بھی وہاں مساجد تعمیر کرتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ سلسلہ خلفائے راشدین کے دور میں بھی جاری رہا ہے اور مفتوحہ علاقوں میں مساجد تعمیر ہوتی رہیں۔ گو تمام مساجد کی بنیاد گورنروں نے نہیں رکھی، تاہم ان کے ماتحت اکثر شہروں میں مرکزی مساجد کی تعمیر میں ان کا کردار قابل قدر ہے، خصوصاً جامع مسجدوں کی تعمیر میں انھوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔[4]

❁حجاج کرام کے لیے سہولتیں: آغاز اسلام میں گورنر اس بات کے مسئول ہوتے تھے کہ وہ اپنی اپنی ریاستوں میں حج کے لیے آسانیاں فراہم کریں اور اپنی اپنی ریاستوں سے گزرنے والے حجاج کرام کو امن کی ضمانت دیں۔ گورنر قافلۂ حج کے امیر مقرر کرتے تھے اور ان کے لیے اوقات سفر کا پروگرام بناتے تھے۔ حجاج کرام کسی شہر کے گورنر کی

[1] تاریخ المدینة لابن شبة:3/996-999. [2] عبداللّٰہ بن سبأ وأثره في أحداث الفتنة للدكتور سلمان العودة، ص:214. [3] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري:2/69. [4] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري:2/69.

اجازت کے بغیر وہاں سے کوچ نہیں کر سکتے تھے۔ بعض حکام نے نہ صرف درج بالا امور کی پابندی کی بلکہ ہمیں ایسے گورنروں کا ذکر بھی ملتا ہے جنھوں نے اپنی ریاست میں حاجیوں کے راستے پر پانی کا بھی بندوبست کیا۔ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے تو انھوں نے بصرہ کے عازمین حج کے لیے بصرہ سے مکہ کے راستے پر پانی کا بندوبست کیا۔[1]

اس کے بعد فقہاء نے بھی تاکید کی کہ حجاج کے لیے سفری سہولتوں کا انتظام کرنا گورنروں کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ امام ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حاجیوں کو اپنے علاقے سے روانہ کرنا اور ان کی سفری سہولتوں کا بندوبست کرنا ہر گورنر کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔''[2]

❁ **شرعی حدود کا قیام:** اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی مخالفت کرنے والوں پر حد قائم کرنا حکام کا دینی فریضہ ہے۔ یہ ان کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ترین ذمہ داری ہے۔ یہ حد مسلمانوں کے منافع میں حائل ہونے والے شخص پر ہو یا مسلمانوں کی معاون قوم کو نقصان پہنچانے والے پر، ہر دو صورتوں میں حکام کی ذمہ داری ہے کہ ان کا نفاذ کریں۔[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے مقرر کردہ گورنر اپنے اپنے دور میں شرعی حدود کا نفاذ کرتے رہے۔

امن و امان کا قیام: امن و امان قائم کرنا کسی بھی حاکم کی اہم ترین ذمہ داری ہوتی ہے۔ اسے قائم کرنے کے لیے اسے کئی امور سرانجام دینے پڑتے ہیں۔ ان میں سے اہم ترین امر یہ ہے کہ وہ فاسق اور نافرمان لوگوں پر حدود اللہ کا نفاذ کرے۔[4]

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 192/1. [2] الأحكام السلطانية للماوردي، ص: 33. [3] السياسة الشرعية لابن تيمية، ص: 66. [4] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 71/2.

حدود اللہ کے نفاذ کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے جرائم کم ہو جائیں گے اور لوگوں اور ان کی جائیداد کو پیش آمدہ خطرات میں کمی آجائے گی، امن و امان کو سبوتاژ کرنے والے حوادث، مثلاً: قتل، چوری اور راہزنی وغیرہ میں کمی آجائے گی۔ حاکم کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ زبان کے ذریعے سے دوسرے لوگوں کو اذیت پہنچانے والے افراد پر بھی حدود کا نفاذ کرے، جیسے تہمت لگانے والے اور دیگر شریر افراد۔ اس سے اخلاقی اور سماجی بُرائیوں پر کنٹرول ہوگا اور لوگوں کی عزت و حرمت محفوظ ہوگی، اسلامی مملکت کے حکام عوام کے لیے امن و امان کے کس قدر مؤثر انتظامات کرتے تھے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حکام لوگوں کو صرف شریروں اور سماج دشمنوں ہی کے حربوں سے محفوظ نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ ازخود خلفاء کے حکم سے لوگوں کو حشرات الارض، مثلاً: سانپ اور بچھوؤں وغیرہ تک سے محفوظ رکھنے کا بندوبست کرتے تھے۔

بلاذری کا قول ہے: ''نصیبین کے تحصیلدار اور عامل نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو، جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام اور جزیرہ کے گورنر تھے، لکھا کہ یہاں بچھوؤں کی کثرت ہے۔ اِس وجہ سے بہت سے مسلمان متاثر ہوئے ہیں۔ بچھوؤں نے کئی مسلمانوں کو ڈنک مارا ہے، لہٰذا اس کا کوئی علاج کیا جائے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ شہر میں اعلان کرا دو کہ جو شخص ایک رات میں اتنی اتنی تعداد میں بچھو پکڑ کر لائے گا اسے انعام دیا جائے گا۔ انھوں نے ایسے ہی کیا۔ لوگ بچھو پکڑ کر لاتے، تحصیلدار انھیں مارنے کا حکم دے دیتے۔ اور پکڑ کر لانے والے کو انعام دیا جاتا۔ اس طرح سارے بچھو ختم ہو گئے۔[1]

جہاد فی سبیل اللہ: خلفائے راشدین کے دور میں عموماً یہی طریقہ رائج تھا کہ گورنر ہی اپنے ماتحت شہروں کی جہادی مہموں کی قیادت کرتا تھا، جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے گورنروں کا فتوحات میں بہت بڑا کردار ہے۔ ان میں سے سیدنا

[1] فتوح البلدان للبلاذري، ص: 183.

عبداللہ بن عامر بن کریز، سیدنا مغیرہ بن شعبہ اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے مشرق میں فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے شمالی افریقیہ میں فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی آرمینیا کے گردونواح اور بلادِ روم میں کی گئی فتوحات قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے عہد میں حکام انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آس پاس کے دشمنوں سے جہاد بھی کرتے تھے اور یہ چیز ان کی ذمہ داریوں میں حارج نہیں ہوتی تھی۔ بلاشبہ ان جہادی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ ایسے اقدامات بھی کیے جاتے جن سے جہاد کو تقویت ملتی۔ ان امراء کی طرف سے جو اقدامات کیے جاتے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

❁ رضا کاروں کو میدانِ جہاد میں بھیجنا: سیدنا ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں یمن، بحرین، مکہ اور عمان وغیرہ کے گورنر لوگوں کو جہاد کے لیے بھیجتے تھے۔[1]

شام کے گورنر خلفائے راشدین کے عہد میں رومیوں کی جارحیت سے سلطنت اسلامیہ کا دفاع کرتے رہے۔ یہی صورت حال عراق کی تھی۔ وہاں کے گورنر بھی اہل فارس کے خلاف برسر پیکار رہے اور مملکت کا دفاع کرتے رہے یہاں تک کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فارس کا آخری بادشاہ بھی قتل کر دیا گیا۔

❁ شہروں کا تحفظ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ساحل سمندر کو تحفظ فراہم کرنے اور ساحلوں کو آباد کرنے کا حکم دیتے تھے۔ آپ نے یہ اعلان کر رکھا تھا کہ جو مسلمان وہاں آباد ہوگا اسے وہاں زمین الاٹ کی جائے گی، اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے ساتھ تعاون کیا جائے تاکہ لوگ ساحلوں پر خوب آباد ہوں۔[2]

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 72/2. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 72/2.

❁ دشمن کی جاسوسی: مسلمان گورنر دشمن کی جاسوسی کا بھی معقول انتظام کرتے تھے اور گاہے گاہے ان پر کاری ضربیں لگاتے رہتے تھے۔ وہ دشمن کی صفوں کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ان میں اپنے جاسوس چھوڑنے کی کامیاب کوشش کرتے رہے۔

❁ جہادی گھوڑوں کی فراہمی: جہاد میں گھوڑوں کی بڑی اہمیت ہے۔ مسلمانوں نے گھوڑے پالنے اور ان کی تربیت کرنے کا اہتمام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہی میں شروع کر دیا۔ وہ اس پر خاص توجہ دیتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف اسلامی شہروں میں حسب ضرورت جہاد کے لیے گھوڑے پالنے اور ان کی تربیت کرنے کی پالیسی وضع کی۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گھوڑے پالنے کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ والی سابقہ سکیم جاری رکھی، یہ گھوڑے کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں مملکت اسلامیہ کے دفاع کے لیے تیار رہتے تھے۔

❁ بچوں کی تعلیم اور جہادی مشق: خلفائے راشدین نے بچوں کی اخلاقی اور جہادی تربیت کا خاص اہتمام کیا تاکہ وہ بڑے ہو کر اچھے مجاہد اور معاشرے کے مفید افراد ثابت ہوں۔

❁ فوج کا ریکارڈ: فوج کا باقاعدہ ریکارڈ تیار کرنے، مجاہدین کی تعداد اور ان سے متعلقہ ضروری کوائف کے اندراج کا آغاز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کیا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس پالیسی کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اسے ترقی بھی دی۔ انھوں نے (مرکز کے علاوہ) دیگر شہروں کے دیوان خاص طور پر تیار کرائے۔ ان کے نزدیک یہ کام بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ خصوصاً وہ شہر جو دشمنوں کی سرحدوں کے قریب تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وہاں کے حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان شہروں میں ہر وقت فوج کی ضرورت رہتی تھی۔ مختلف شہروں پر مقرر گورنر براہ راست اس شعبے کے مسئول تھے۔ بعض دیگر ملازمین بھی دیوان تیار کرنے پر مامور تھے۔ امیر جنگ گورنر ہی ہوتے تھے، ماتحت شہروں میں دیوان تیار کرانے کے متعلق ان کی حیثیت و مسئولیت خلیفہ کی سی

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 72/2.

ہوتی تھی کیونکہ وہ خلیفہ کے نائب ہوتے تھے۔ (1)

❁ **معاہدوں کا نفاذ:** خلفائے راشدین کے عہد میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ دشمن کے ساتھ خط کتابت، معاہدوں اور عہد و پیمان کا سلسلہ بھی بڑھ گیا۔ مسلمانوں اور مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کے مابین کئی معاہدے ہوئے۔ مختلف شہروں کے گورنر فوج کی کمانڈ کرنے کے ساتھ ساتھ ان مفتوحہ علاقوں کے انتظام اور طے پانے والے معاہدوں کو نافذ کرنے کے براہِ راست مسئول تھے۔ (2)

لوگوں کو معاشی تحفظ فراہم کرنے کے اقدامات: خلفائے راشدین نے اوائلِ خلافت ہی سے بیت المال کے مختلف ذرائع آمدنی میں سے مسلمانوں میں عطیات تقسیم کرنے کے جدید طریقے اختیار کیے۔ شروع میں یہ عطیات بغیر کسی وقت معینہ کے دیے جاتے تھے۔ یعنی جب بھی کوئی ضرورت مند آتا تھا اُس کی ضرورت پوری کر دی جاتی تھی۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب مختلف شہروں کے دیوان یعنی رجسٹر تیار ہوگئے تو پھر عطیات کے نظام میں قدرے تبدیلی آئی اور انھیں منظّم طریقے سے سالانہ یا ماہانہ بنیادوں پر تقسیم کیا جانے لگا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی یہی پالیسی اپنائی۔ خلفائے راشدین اور ان کے گورنروں نے معاشی تحفظ اور مارکیٹ پر کنٹرول کے ساتھ ساتھ عوام کے لیے رہائش کا بھی بندوبست کیا۔ ریاستوں کے گورنروں کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ بے گھر لوگوں کے لیے رہائش کا بندوبست کریں۔ اسی طرح فوج کے کمانڈر مفتوحہ علاقوں میں اپنی نگرانی میں لوگوں کے لیے رہائش کا بندوبست کرتے تھے۔ (3)

عمّال اور جُملہ ملازمین کا تقرر: ریاست کے تابع علاقوں میں مختلف ذمہ داریوں کے لیے اکثر اوقات ملازمین اور عمال کا تقرر بھی گورنر ہی کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ اس طرح

(1) الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 75/2. (2) الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 77/2. (3) الولاية على البلدان: 79/2.

کہ ریاست بہت سے شہروں اور اضلاع پر مشتمل ہوتی تھی اور ایک مرکزی شہر ریاست کا صدر مقام ہوتا تھا، جہاں گورنر قیام پذیر ہوتا اور اسی شہر سے ماتحت شہروں اور اضلاع کے انتظامات کنٹرول کیے جاتے تھے۔ گورنر اپنی طرف سے ان علاقوں میں اپنے کارندے بھیج دیتے جو ان کے نائب کے طور پر کام کرتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور پورے پورے اضلاع ریاستوں کے ساتھ مل گئے تو وہ محدود ریاستیں پھیل کر بڑی کشادہ ہوگئیں جیسے کوفہ، بصرہ اور شام وغیرہ۔ ان حالات میں گورنر کے ماتحت عامل بھی بہت بڑے علاقے کا ذمہ دار ہوتا تھا، لہٰذا عمال کا تقرر اور ان کے نظم ونسق کو کنٹرول کرنا بھی گورنروں کی اہم ترین ذمہ داریوں میں شامل ہونے لگا۔

ذمیوں کا خیال رکھنا: ذمیوں کا خیال رکھنا، ان کے شرعی حقوق ادا کرنا، ان کے ذمے مسلمانوں کے حقوق پورے کرانا، ان کی خبر گیری کرنا اور اگر کوئی شخص ان پر ظلم کرے تو شرعی قوانین کی رو سے انصاف فراہم کرنا بھی گورنر کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ ①

ریاست کے بارے میں اہل حلّ وعقد سے مشورہ: اہل رائے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے میں خلفائے راشدین نے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج کی پیروی کی۔ وہ کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی میٹنگ بلاتے اور مختلف امور میں ان سے تبادلۂ خیال کرکے ضروری فیصلے کرتے تھے۔ ②

اسی طرح وہ اپنے ماتحت گورنروں کو بھی حکم دیتے تھے کہ اپنے اپنے شہروں میں اہل بصیرت اور دانشور حضرات سے مشورے لیتے رہیں۔ خود گورنر حضرات بھی ایسی مجالس کا انعقاد کرتے جہاں وہ اہلِ علم سے مختلف مسائل کے بارے میں مشاورت کرتے تھے۔ ③

ریاست کی تعمیراتی ضرورتوں کا خیال: خلفائے راشدین اور ان کے گورنر عوام کی

① الولایة علی البلدان للدکتور عبد العزیز العمري: 80/2. ② الولایة علی البلدان للدکتور عبد العزیز العمري: 80/2. ③ الولایة علی البلدان للدکتور عبد العزیز العمري: 80/2.

تعمیراتی اور زرعی ضرورتوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بصرہ کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بصرہ اور دیگر کئی شہروں میں کنویں کھدوائے۔ یہ ایک عملِ جاریہ تھا جس کا سلسلہ دور دراز کے مقامات تک پھیلا ہوا تھا۔ شہروں اور مضافات میں پانی کی بہم رسانی کے لیے چشموں اور کنووں کا جال بچھا دیا گیا تھا۔[1]

شہریوں کے معاشرتی احوال کی دیکھ بھال: اسلام کی ہمہ گیر اور وسیع تر تعلیمات کے ضابطے اور قانون کے پیش نظر اور خلفائے راشدین کی طرف سے توجہ دلانے کے باعث گورنر اس جانب خصوصی توجہ دیتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے ایسے معاشرتی کارنامے سرانجام دیے جو ان کے منصب پر فائز کوئی دوسرا شخص انجام نہیں دے سکتا۔ اسی طرح خلفائے راشدین انھیں ترغیب دیتے تھے کہ وہ لوگوں سے ان کے مقام و مرتبے کے مطابق میل جول رکھیں اور اہل شرف اور سابقین فی الاسلام لوگوں کا خاص طور پر احترام کریں۔ اسی ضمن میں ایک موقع پر کوفہ کے گورنر نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے شکوہ کرتے ہوئے لکھا کہ جن لوگوں کی اسلام کے لیے قربانیاں ہیں اور وہ اہل شرف سابقین فی الاسلام ہیں، ان پر اعرابی اور متاخرین فی الاسلام غالب آ گئے ہیں۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا: ''سابقون اولون جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے ان شہروں کو فتح کرایا، انھیں فضیلت دو اور جنھیں ان کے سبب شرف و عزت نصیب ہوا، انھیں ان کے تابع رکھو۔ ہاں اگر قدیم الاسلام لوگ دینی احکام کی بجا آوری میں سستی کا مظاہرہ کریں اور نئے اسلام لانے والے اسلام پر زیادہ مستعدی سے عامل ہوں تو پھر اور بات ہے۔ لوگوں کی حفاظت کرو، سب کے مقام و مرتبے کو پہچانو۔ ہر ایک کو اس قدر دو جتنا وہ حق (اسلام) کا پیرو ہے۔ اس معیار سے لوگوں کو پہچاننا حصول عدل کے زیادہ

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبدالعزيز العمري: 80/2. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبدالعزيز العمري: 82/2، و تاريخ الطبري: 280/5.

قریب ہے۔"[1]

گورنر کے اوقاتِ کار: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقرر کردہ کوفہ کے گورنر سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں معروف ہے کہ ان کے دروازے پر کوئی چوکیدار نہیں ہوتا تھا۔ جب بھی لوگ آتے وہ ان سے ملاقات کرتے اور ان کے مسائل سنتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ زیرِ ضرورت اپنے امیر سے کسی بھی وقت بے تکلفی سے رابطہ کر سکتے تھے۔[2]

نیز گورنر کے لیے گھر کی رہائش سے ملحقہ ایک کمرہ یا چھوٹی سی عمارت ہوتی تھی جو زائرین کے لیے ہر وقت کھلی رہتی تھی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر

اکثر مؤرخین کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے اعزہ و اقرباء کی طرف داری کرتے تھے اور وہی ان کے عہد حکومت میں کلیدی عہدوں پر فائز تھے، حتی کہ وہی لوگ دوسروں کو آپ کے خلاف صف آراء کرنے کا باعث بنے۔ اور لوگوں نے ان کی زیادتیوں اور مملکت میں بے جا تصرفات کو روکنے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہنگامہ آرائی کی۔[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے جن اقارب کو سرکاری عہدوں پر فائز کیا ان کے نام یہ ہیں:

1. معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
2. عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ
3. ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ
4. سعید بن العاص رضی اللہ عنہ
5. عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ

اپنے اقرباء میں سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان مذکورہ بالا پانچ افراد کو سرکاری عہدے

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 82/2. [2] الولاية على البلدان للدكتور عبدالعزيز العمري: 82/2. [3] الدولة الأموية المفترىٰ عليها للدكتور حمدي شاهين، ص: 159.

دیے۔ تنقید کرنے والے حضرات کے خیال کے مطابق یہی قابلِ طعن بات ہے۔ سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ کن کن حضرات کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنر مقرر کیا۔ ان کے مقرر کردہ گورنروں کے نام یہ ہیں:

① ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

② قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ

③ جابر مزنی رضی اللہ عنہ

④ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ

⑤ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما

⑥ ابوالاعور سلمی رضی اللہ عنہ

⑦ حکیم بن سلامہ رضی اللہ عنہ

⑧ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ

⑨ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ

⑩ عیینہ بن نہاس رضی اللہ عنہ

⑪ مالک بن حبیب رضی اللہ عنہ

⑫ نسیر عجلی رضی اللہ عنہ

⑬ سائب بن اقرع رضی اللہ عنہ

⑭ سعید بن قیس رضی اللہ عنہ

⑮ سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ

⑯ خنیس بن حبیش رضی اللہ عنہ

⑰ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ

⑱ عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ

⑲ یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ

⑳ عبداللہ بن عمرو حضرمی رضی اللہ عنہ

㉑ علی بن ربیعہ بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ

یہ حضرات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں گورنر رہے۔ گورنروں کی مجموعی تعداد چھبیس (26) بنتی ہے۔ کیا اتنے گورنروں کی فہرست میں بنی امیہ کے صرف پانچ افراد کی شمولیت بھی غلط بات ہے؟ بالخصوص جب ہمیں اس بات کا بھی بخوبی علم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کی نسبت زیادہ تر بنو امیہ کے افراد کو سرکاری عہدوں پر فائز کرتے تھے، پھر یہ بات بھی ہے کہ بنو امیہ کے یہ افراد ایک ہی وقت میں گورنر نہیں رہے بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا اور انھیں معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا پھر تھوڑے عرصے بعد سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو بھی معزول کر دیا۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اس وقت بنو امیہ کے صرف تین افراد سیدنا معاویہ، سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور سیدنا عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہم گورنر تھے۔ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے معزول کیا اور وہ بھی کہاں؟ کوفہ سے، جہاں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر جرنیل کو معزول کیا تھا۔ اہل کوفہ کسی گورنر سے کبھی خوش نہیں ہوئے، وہاں سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا انھیں معزول کرنا، ان گورنروں کے لیے کوئی قابل طعن بات نہ تھی بلکہ انھیں معزول کیا جانا خود اس شہر کے باشندوں کے لیے قابل جرح اور باعث تنقید ہے۔[1]

بنو امیہ کے لوگوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں عامل مقرر فرماتے رہے۔ بعد ازاں شیخین سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی انھیں سرکاری عہدوں پر فائز کیا، حالانکہ ان پر تو قرابت داری کا الزام لگانا بھی ممکن نہیں، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر عامل بنو عبد شمس

[1] حقبة من التاريخ لعثمان الخميس، ص: 75.

سے مقرر کیے اتنے کسی اور قبیلے سے نہیں کیے کیونکہ ان کی تعداد سب سے زیادہ تھی اور شرف وسرداری بھی اس قبیلے میں تھی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو مکہ پر اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو نجران پر نگران مقرر کیا۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو بنی مذحج کے صدقات کی وصولی پر مامور فرمایا۔ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کو بحرین کی جانب بھیجے گئے بعض سرایا کا امیر مقرر کیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی ایسے شخص یا قبیلے کو عہدے نہیں دیے جنھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دیے ہوں۔ انھوں نے اسی خاندان اور قبیلے کے افراد کو گورنر بنایا جن کے قبیلے اور خاندان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ عہدے دے چکے تھے یا پھر ان لوگوں کو مقرر کیا جنھیں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما مقرر کر چکے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو شام کی فتوحات پر امیر مقرر کیا۔ ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں بحال رکھا اور ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔ [1]

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی ان کی یہ صلاحیت اور اہلیت برقرار تھی کہ انھیں گورنر مقرر کیا جاتا؟ ذیل میں ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ اقرباء کی اہلیت اور لیاقت کے متعلق اہل علم کی آراء درج کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مقتدیٰ بہ خلیفۂ راشد تھے اور آپ کے افعال بھی امت کے لیے دستورِ حیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد والوں کے لیے یہ طریقہ جاری کیا کہ اقرباء کو معاملات حکومت سے قریب کرنے سے احتیاط و اجتناب کیا جائے اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ جاری کیا کہ اگر رشتہ دار اہلیت و لیاقت والے ہوں تو انھیں کاروبارِ حکومت میں شریک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور جو بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرے گا اسے یہ یقین ہو جائے گا کہ

[1] منهاج السنة لابن تيمية: 3/175,176.

ان کے مقرر کردہ گورنر واقعی انتظامی اہلیت رکھتے تھے۔ اور جن امور کی بنا پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا گیا وہ امور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے مباح تھے۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے جن عزیزوں کو گورنر مقرر کیا وہ واقعی اس عہدے کے اہل تھے اور سلطنت کے امور چلانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کئی شہر فتح کرائے اور وہ رعایا کے ساتھ عدل و احسان کے ساتھ رہے۔ ان میں سے کئی تو وہ تھے جو اس سے قبل صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی گورنر رہ چکے تھے۔[2]

اب بالترتیب ان کے بارے میں اہل علم کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں:

معاویہ بن ابی سفیان بن حرب اموی رضی اللہ عنہما

اس عالی ظرف اور معزز صحابی رسول کے حالات قلمبند کرنے والوں نے آپ کے بہت سے فضائل و مناقب کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

❁ **قرآن کریم کی روشنی میں:** سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے اور حنین میں شریک لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

''پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی اور اس نے ایسے لشکر اتارے جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور جن لوگوں نے کفر کیا انھیں عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔''[3]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان جملہ مومنین میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے، بشمول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی سکینت نازل فرمائی۔[4]

[1] الأساس في السنة للدكتور سعيد: 4/1675. [2] تحقيق مواقف الصحابة من الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 1/417. [3] التوبة 9:26. [4] مرويات خلافة معاوية لخالد الغيث، ص: 23.

❁ **سنت کے آئینے میں:** رسول اکرم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا: «اَللّٰھُمَّ! اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَّاهْدِ بِهِ»

''اے اللہ! اسے (معاویہ کو) رہبر اور ہدایت یافتہ بنا دے اور لوگوں کو اس کے ذریعے سے ہدایت دے۔''[1]

آپ ﷺ نے یہ دعا بھی فرمائی:

«اَللّٰھُمَّ! عَلِّمْ مُّعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ، وَقِهِ الْعَذَابَ»

''اے اللہ! معاویہ کو کتاب اللہ اور فرائض کا علم سکھا اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔''[2]

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا»

''میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو سمندری سفر کر کے جہاد کے لیے جائے گا اس نے (اپنے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت) واجب کر لی۔'' ام حرام کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی؟'' آپ نے فرمایا: «أَنْتِ فِيهِمْ» ''تم بھی ان کے ساتھ ہوگی۔'' پھر نبی ﷺ نے فرمایا: «أَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَّهُمْ» ''میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو قیصر کے شہر، یعنی قسطنطنیہ پر چڑھائی کرے گا اس کی مغفرت ہوگی۔'' ام حرام کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی؟'' آپ نے فرمایا: «لَا» ''نہیں۔''[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں مہلب بن احمد اندلسی کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت ثابت ہوتی ہے کیونکہ وہی ہیں جنھوں نے سب سے پہلے بحری جنگ لڑی۔''[4]

[1] جامع الترمذي، حديث:3842. [2] مواردالظمآن:249/7، وإسناده حسن. [3] صحيح البخاري، حديث:2924. [4] فتح الباري: 120/6.

❁ **امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نظر میں:** سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ آپ کو خبر ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صرف ایک وتر پڑھتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا:

''وہ یقیناً فقیہ آدمی ہیں۔''[1]

مناسب ہے کہ یہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے چند فقہی اجتہادات کا تذکرہ کیا جائے۔

چند مسائل درج ذیل ہیں:

❁ آپ سے (ہمیشہ) ایک رکعت وتر پڑھنا منقول ہے۔

❁ آپ کا موقف تھا کہ بارش کے لیے نیک شخص سے دعا کرائی جائے۔[2]

❁ آپ کا موقف تھا کہ آدھا صاع گندم صدقۂ فطر میں کفایت کرتی ہے۔[3]

❁ آپ کا موقف تھا کہ احرام باندھنے والے آدمی کے لیے احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگانا مستحب ہے۔[4]

❁ آپ مکہ مکرمہ کے گھروں کی خرید و فروخت کو جائز سمجھتے تھے۔[5]

❁ مرد اگر وظیفۂ زوجیت پورا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو میاں بیوی کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی۔[6]

❁ نشئی کی طلاق ہو جائے گی۔

❁ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

❁ اگر مقتول کا وارث صرف بیٹا ہو اور وہ کم سن ہو تو اس کے بالغ ہونے تک قاتل کو قید رکھا جائے گا۔[7]

[1] فتح الباري: 130/7. [2] المغني لابن قدامة: 346/3. [3] زادالمعاد: 19/2، یہ مرفوعاً بھی ثابت ہے، دیکھیے: سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 1157. [4] المغني لابن قدامة: 77/5. [5] المغني لابن قدامة: 366/6. [6] مرويات خلافة معاوية لخالد الغيث، ص: 28. [7] مرويات خلافة معاوية لخالد الغيث، ص: 29.

❁ **عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی نظر میں:** عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہمارے نزدیک معیار اور کسوٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں جو انھیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ درحقیقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض وعناد رکھتا ہے۔''[1]

❁ **امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے تاثرات:** امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی نہیں مانتا اور وہ کہتا ہے کہ میں نہیں مانتا کہ وہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں کیونکہ انھوں نے تلوار کے زور پر حکومت پر قبضہ کیا تھا۔[2] امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا: ''یہ نہایت گھٹیا اور ردی قول ہے۔ ان لوگوں سے دور رہو۔ ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔ ہم ان کا معاملہ لوگوں پر واضح کریں گے۔''[3]

❁ **قاضی ابن العربی رحمہ اللہ کا اظہارِ خیال:** قاضی ابن العربی نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''انھوں نے مسلمانوں کے ملک کا دفاع کیا، سرحدوں کو محفوظ کیا، فوج کی اصلاح کی، دشمن پر غلبہ پایا۔ وہ مخلوق کے لیے تدبیر وانتظام کرنے والے تھے۔''[4]

محبّ الدین الخطیب نے اس نص کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پختہ عزم وہمت کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ صفین کے مقام پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ میں الجھے ہوئے تھے تو انھیں خبر ملی کہ روم کا حاکم بہت بڑا لشکر لے کر اسلامی حکومت کی سرحدوں کے قریب پہنچ چکا ہے۔[5]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم کے حاکم کو خوف زدہ اور ذلیل ورسوا کرکے دور تک دھکیل دیا اور اس کی فوج پر اسلامی فوج کی دھاک بٹھا دی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ

[1] مرويات خلافة معاوية لخالد الغيث، ص:29. [2] مرويات خلافة معاوية لخالد الغيث، ص:28.
[3] السنة للخلال:434/2، تحقيق عطية الزهراني. [4] العواصم من القواصم للقاضي أبوبكر ابن العربي، ص:211,210. [5] مرويات خلافة معاوية لخالد الغيث، ص:31.

جنگ میں الجھ گئے ہیں تو وہ بہت بڑا لشکر لے کر اسلامی سرحدوں کے قریب پہنچ گیا اور حملہ کرنے کا عندیہ ظاہر کیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا: ''اے لعین! اللہ کی قسم! اگر تو اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنے علاقے کی طرف واپس نہ گیا تو میں نہ صرف تیرے خلاف اپنے چچا زاد (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) سے صلح کر لوں گا بلکہ تجھے تیرے وطن سے بھی نکال باہر کروں گا۔ زمین کے وسیع ہونے کے باوجود اسے تجھ پر تنگ کر دوں گا۔'' یہ سن کر حاکم روم پر خوف طاری ہو گیا اور اس نے صلح کی درخواست کی۔'' [1]

❁ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ: امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تواتر کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ خود ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں امیر مقرر کیا جس طرح دیگر کئی صحابہ کو مختلف علاقوں کا عامل مقرر کیا۔ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک امین اور قابل اعتماد تھے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی انھیں کتابت وحی میں متہم قرار نہیں دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں گورنر مقرر کیا جو عام آدمی کی نسبت لوگوں کے حالات سے زیادہ آگاہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب و لسان پر حق جاری کر دیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی گورنری میں متہم قرار نہیں دیا۔'' [2]

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی نظر میں: امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''خلق خدا نے 41ھ میں ان کی بیعت کی۔ وہ وفات تک مسلسل خلیفہ رہے۔ دشمن سے جہاد کرتے رہے۔ اللہ کا کلمہ ان کے دور حکومت میں بلند رہا۔ زمین کے اطراف و اکناف سے غنیمتیں سمٹ سمٹ کر آتی رہیں۔ مسلمان مطمئن تھے۔ انھیں عدل و انصاف میسر تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت درگزر کرنے والے اور معاف کرنے والے تھے۔''

[1] البداية والنهاية: 119/8. [2] الفتاوٰى لابن تيمية: 472/4، والبداية والنهاية: 122/8، وسير أعلام النبلاء: 129/3.

نیز فرماتے ہیں: ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت بردبار، سنجیدہ و باوقار، لوگوں کے سردار، سخی، عادل اور خوددار انسان تھے۔''[1]

انھی سے مروی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ ہمیشہ عفو و درگزر کا معاملہ کرتے تھے۔ لوگوں کی پردہ پوشی کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔[2]

❁ **سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور روایتِ حدیث:** سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جنھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ فتح مکہ کے بعد مسلسل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی اور کاتب وحی تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک سو تریسٹھ (163) احادیث مروی ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم چار احادیث پر متفق ہیں۔ چار احادیث صحیح بخاری میں اور پانچ صحیح مسلم میں منقول ہیں۔[3] (باقی احادیث دیگر کتب حدیث میں ہیں)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحیثیت گورنر اپنے عوام کے ساتھ نہایت کریمانہ سلوک کیا جس نے انھیں ہر دل عزیز بنا دیا۔ وہ لوگوں کے منظور نظر تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

«خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَ يُحِبُّونَكُمْ وَ تُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَ يُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ، وَ شِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَ يُبْغِضُونَكُمْ وَ تَلْعَنُونَهُمْ وَ يَلْعَنُونَكُمْ»

''تمھارے سب سے بہترین ائمہ اور حکام وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہوں، تم ان کے لیے دعائیں کرتے ہو اور وہ تمھارے لیے دعا گو رہتے ہوں۔ اور تمھارے سب سے بدترین ائمہ اور حکام وہ ہیں جن سے تم

[1] البداية والنهاية : 118/8. [2] البداية والنهاية: 126/8. [3] مرويات خلافة معاوية لخالد الغيث، ص : 33.

بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہیں۔ تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر لعن طعن کرتے ہیں۔''[1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں قاضی ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں: ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں گورنر بنایا اور شام کے سارے علاقے ان کے زیرِ نگیں کر دیے۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ان کے منصب پر برقرار رکھا بلکہ اس سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں شام کا گورنر مقرر کیا تھا۔ وہ اس طرح کہ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی یزید کو شام کا گورنر مقرر کیا اور انھیں یزید کا نائب بنایا۔ یہ معاملہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے برقرار رکھا کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں انھیں نائب بنایا تھا، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں اس لیے برقرار رکھا کہ انھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا۔ اے کوتاہ نظر نقاد! دیکھ یہ سلسلہ کس قدر مستحکم ہے۔''[2]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مملکت اسلامیہ کی ترقی و استحکام کے لیے بڑی ذمہ داری اور بہترین کارکردگی کا ثبوت دیا۔ آپ اعلیٰ لیاقتوں اور بہترین صلاحیتوں کا مجموعہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کاتب وحی مقرر کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا نائب مقرر کیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عہدے پر برقرار رکھا، یزید بن ابوسفیان کی وفات کے بعد آپ کو گورنر بنایا گیا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تاحیات اس عہدے پر برقرار رکھا۔ آپ سے پہلے کوئی شخص اس مرتبے کو نہیں پہنچا۔ بعد میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے آپ سے مصالحت کر کے آپ کی خلافت کو تسلیم کیا اور رہتی دنیا تک مخالفین کا ناطقہ بند کر دیا۔[3]

عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ

آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: ''عبداللہ بن عامر بن کریز بن ربیعہ بن عبد شمس بن

[1] صحیح مسلم، الإمارة، باب خیار الأئمة وشرارهم، حدیث: 1855. [2] العواصم من القواصم للقاضي أبوبكر ابن العربي، ص: 82. [3] المدینة المنورة لمحمد حسن شرّاب: 216/2.

عبدمناف بن قصی قرشی عبشمی۔[1] آپ 4 ھ میں عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا ہوئے۔[2] جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ہجری میں عمرۂ قضا ادا کیا اور مکہ میں داخل ہوئے تو سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو وہ مسکرائے اور جماہی لی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں لعاب ڈالا اور فرمایا: «هٰذَا ابْنُ السُّلَمِيَّةِ؟» ''یہ سُلمیہ کا بیٹا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''جی ہاں!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «هٰذَا أَشْبَهُنَا» ''یہ ہم سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔'' پھر ان کے منہ میں لعاب ڈالتے رہے اور انھیں اللہ کی پناہ میں دیتے رہے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب نگلتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّهُ لَمُسْقِيٌّ» ''یہ پیاسا ہے یا اس کے پیٹ میں پانی جمع ہے۔'' پھر ابن عامر بڑے ہونے پر جس زمین سے بھی پانی نکالنے کی کوشش کرتے وہاں سے پانی نکل آتا تھا۔''[3]

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ (29 ھ/649ء) میں بصرہ کے والی مقرر ہوئے۔ اس سے پہلے انھیں کسی فوجی یا انتظامی ذمہ داری کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ انھوں نے پہلی دفعہ سرکاری منصب سنبھالا تھا۔ آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ماموں زاد تھے کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ تھیں۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا تعلق بنوسلیم سے تھا۔[4]

جب آپ بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے تو اس وقت آپ کی عمر چوبیس یا پچیس سال تھی۔[5] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک بصرہ کے گورنر رہے۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ جو بھی مال ودولت تھا، ساتھ لیا، مکہ کا رخ کیا اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ مکہ سے پھر بصرہ لوٹے۔ جنگ جمل میں شریک ہوئے۔ جنگ صفین میں شامل نہیں ہوئے۔ اگرچہ علامہ قلقشندی نے لکھا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جنگ صفین

[1] البداية والنهاية : 91/8. [2] تهذيب التهذيب : 272/5. [3] سير أعلام النبلاء : 19/3، وتهذيب التهذيب : 273/5، وأسد الغابة : 293/3. [4] الطبقات لابن سعد : 31/5، وتهذيب التهذيب : 272/5. [5] البداية والنهاية : 91/8.

میں تحکیم کے موقع پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ [1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تین سال تک بصرہ کے گورنر رہے۔ انھیں معزول کر دیا گیا تو انھوں نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں 57ھ میں وفات پائی۔ [2] ابن قتیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ وہ 59ھ میں مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے اور انھیں عرفات میں دفن کیا گیا۔ [3]

سیدنا عبد اللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے ان کی یوں تعریف کی ہے: ''عبداللہ رضی اللہ عنہ نہایت شریف النفس، جود و سخا کے پیکر، مالدار، کثیر الاولاد اور شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرنے والے تھے۔'' [4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے: ''آپ نہایت سخی، وسیع الظرف، بے ضرر، قابل اعتماد اور بہادر تھے۔ [5] آپ کا شمار اہل بصرہ کے فیاض ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ [6] آپ اہل اسلام کے سب سے زیادہ سخی انسان تھے۔ [7]

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا فتوحات اسلامیہ میں نہایت قابل ستائش کردار ہے۔ انھوں نے اہل فارس کی اسلام کے خلاف سازشوں کو خاک میں ملا دیا اور ان پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ ان کی قدیم خواہشات کی آخری رمق بھی دم توڑ گئی۔ وہ اس طرح کہ اہل فارس کے آخری بادشاہ یزدگرد بن شہر یار بن کسریٰ اور رستم کے بھائی خرزاد مہر پر، جو مسلمانوں سے ٹکرانے کا خواب دیکھتے تھے، انھوں نے ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے اسفل السافلین میں سے ہو گئے۔ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ انتظامی اور فوجی مہارت کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات سے بھی شغف رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں

[1] مجلة المؤرخ العربي، رقم :21، ص :128. [2] سير أعلام النبلاء : 21/3. [3] المعارف لابن قتيبة، ص :321. [4] مجلة المؤرخ العربي، رقم :21، ص :129. [5] تهذيب التهذيب:272/5. [6] العقد الفريد لأبي عمر أحمد بن محمد:294,293/1. [7] صبح الأعشىٰ للقلقشندي: 451,450/1.

نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے۔

ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔ اگرچہ ان کی روایت کتب ستہ میں موجود نہیں۔ [1]

جو حدیث نبوی انھوں نے بیان کی ہے اسے ابن قانع اور ابن مندہ نے مصعب الزبیری کے واسطے سے یوں بیان کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے میرے دادا مصعب بن ثابت کے واسطے سے بیان کیا، وہ حنظلہ بن قیس سے اور وہ سیدنا عبداللہ بن زبیر اور سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ»

''جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے۔'' [2]

عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بصرہ میں معاشی اصلاحات: بصرہ کی کئی معاشی اصلاحات عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے نام سے موسوم ہیں۔ ان کی اہمیت مجوسیوں کے خلاف کامیاب اور مثالی کارناموں سے کسی طرح کم نہیں۔ یہ کارنامے اسی طرح اہمیت کے حامل ہیں جس طرح ان کا یزدگرد کے عزائم کو خاک میں ملانے اور اسے ناکوں چنے چبوانے کا کارنامہ ہے۔ بصرہ کے بازار اور منڈی کا قیام معاشی اصلاحات کا مثالی کارنامہ ہے۔ انھوں نے یہ بازار اپنے ذاتی مال سے خرید کر وہاں کے باشندوں کو ہبہ کر دیا۔ [3] یہ بازار بصرہ کے وسط میں تھا۔ خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ یہ بازار اس دریا (شط العرب) کے کنارے پر تھا جو بصرہ کے درمیان سے گزرتا تھا۔ یہ ان کا نہایت اچھا انتخاب تھا کیونکہ شہر کے وسط میں ہونے کی وجہ سے بازار نہایت اہم مرکز بن جاتا ہے۔ ابن عامر رضی اللہ عنہ کے بصرہ میں نمایاں ترین اصلاحی کارناموں میں رَے کے میدان والا کارنامہ بڑا اہم تھا۔ ابن عامر رضی اللہ عنہ

[1] المعارف لابن قتيبة، ص :321. [2] المستدرك للحاكم :639/3، إسناده ضعيف وله مايقويه في الباب، وصحيح البخاري، حديث:2480، وصحيح مسلم، حديث:141. [3] الطبقات لابن سعد :73/5.

نے اس مسئلے میں بہت اہتمام کیا۔ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں دو نہریں کھدوائیں۔ ایک بصرہ کے مشرق میں ہے اور دوسری جو ان کی والدہ ام عبداللہ کے نام سے مشہور ہے۔ (1)

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابی سفیان کو نہر ''ابلہ'' کھودنے کا حکم دیا۔ زیاد عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی جانب سے دیوان اور بیت المال کے نگران تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ فتوحات کے لیے نکلتے تھے تو انھیں اپنا نائب مقرر کر کے جاتے تھے۔ (2)

خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ زیاد بن ابی سفیان نے نہر ''ابلہ'' اپنی نگرانی میں کھدوائی یہاں تک کہ اسے پہاڑ تک لے گئے۔ اور زیاد کی طرف سے جس نے نہر کھدوانے کی ذمہ داری قبول کی وہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر تھے۔ (3) جب عبدالرحمٰن نے نہر میں پانی کھولا تو اس کے ساتھ ساتھ اپنا گھوڑا دوڑایا۔ پانی کا بہاؤ اس قدر تیز تھا کہ قریب تھا کہ وہ گھوڑے سے آگے نکل جاتا۔ (4)

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک تالاب کھدوایا جو ان کی والدہ کی طرف منسوب ہوا۔ وہ بصرہ میں حوض ام عبداللہ کے نام سے معروف تھا۔ (5)

بلاذری کا بیان ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک نہر کھدوائی اور اس کے کھدوانے کی ذمہ داری اپنے آزاد کردہ غلام نافذ کے سپرد کی تو یہ نہر اسی کے نام سے معروف ہوگئی۔ (6)

اسی طرح ابن عامر رضی اللہ عنہ نے ''نہر مُرہ'' کھدوائی۔ اس کے کھدوانے کا کام سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام مُرہ بن ابوعثمان کے سپرد کیا تو یہ نہر انھی کے نام سے معروف

(1) مجلة المؤرخ العربي، رقم: 21، ص: 134. (2) فتوح البلدان للبلاذري، ص: 351. (3) تاريخ خليفة بن خياط: 142/1. (4) فتوح البلدان للبلاذري، ص: 351. (5) مجلة المؤرخ العربي، رقم: 21، ص: 134. (6) مجلة المؤرخ العربي، رقم: 21، ص: 135، وفتوح البلدان للبلاذري، ص: 354.

ہوگئی۔ ① اسی طرح نہر اساورہ بھی سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ ہی نے کھدوائی۔ ②

بلاذری بصرہ کے قرہ نامی پل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پل قرہ کی نسبت قرہ بن حیان باہلی کی طرف ہے۔ وہاں ایک قدیم نہر تھی، اسے ام عبداللہ نے خریدا اور اہل بصرہ کی معاونت کے لیے صدقہ کر دیا۔ ③

گزشتہ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے زراعت کی ترقی کے لیے نہریں کھدوانے کا خاص اہتمام کیا کیونکہ زراعت معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کرتی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ بصرہ کے جغرافیائی وقوع کو تجارتی لحاظ سے بھی خاص اہمیت حاصل تھی اور دفاعی نقطۂ نظر سے مشرقی فتوحات کے لیے اسے چھاؤنی کی حیثیت حاصل تھی۔

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اصلاحات کے کس قدر آرزو مند تھے؟ اس کا اندازہ ان کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے: ''اگر مجھے مزید موقع مل جاتا تو میں بصرہ کو ایسا بنا دیتا کہ اگر ایک خاتون اپنی ضرورت کے لیے سواری پر نکلتی تو وہ مکہ پہنچنے تک روزانہ پانی اور بازار ہی کو سامنے پاتی۔'' ④ یعنی اس قدر کثرت سے نہریں کھدوا دیتا اور منڈیاں بنا دیتا کہ ہر جگہ دور دور تک چہل پہل نظر آتی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کی بصرہ میں اصلاحات کی اہمیت مشرق میں ان کی فتوحات کی اہمیت سے کسی طرح کم نہیں۔ بصرہ مرکز کے علاوہ مشرق کی فتوحات کے لیے فوجی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا۔ دکتور صالح علی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اسلام کی وسیع تر فتوحات میں بصرہ کے عسکری کردار اور معاشی خوشحالی بہت اہم عوامل ہیں۔ اس سے تاجروں کے حوصلے بڑھے اور پیشہ ور لوگوں کا رخ بصرہ کی جانب ہو گیا۔ اس طرح بصرہ میں شہری تہذیب نے بڑی تیزی سے پنپنا شروع کر دیا۔ ⑤

① مجلة المؤرخ العربي، رقم:21، ص: 136، وفتوح البلدان للبلاذري، ص: 354. ② مجلة المؤرخ العربي، رقم:21، ص: 136. ③ فتوح البلدان للبلاذري، ص:354,353. ④ المعارف لابن قتيبة، ص:321. ⑤ التنظيمات الاجتماعية والاقتصادية لصالح العلي، ص: 31,30.

مشرق میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے کی وجہ سے بصرہ کی مالی حالت بہت اچھی تھی اور بصرہ میں اقتصادی اور تجارتی سرگرمیوں میں تیزی بھی اس کی اہم وجہ تھی، نیز پر امن ماحول بھی اس کا اہم سبب تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نہایت متواضع انسان تھے۔ ان کا دروازہ لوگوں کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ انھوں نے چوکیدار کو نصیحت کر رکھی تھی کہ دن ہو یا رات دروازہ کسی بھی وقت بند نہیں ہونا چاہیے۔[1]

فی الواقع بصرہ میں سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ لوگ یہی کہتے تھے: ''ابن عامر نے یہ کہا، ابن عامر نے یہ کیا۔''[2]

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فلاحی کاموں اور قابل تعریف سیرت و کردار کی بنا پر اہلِ بصرہ کے دل جیت لیے تھے۔[3] وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک بصرہ کے گورنر رہے۔[4]

ابن عامر رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ان گورنروں میں سے تھے جنھوں نے بصرہ کی نہر کھدوائی اور وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے عرفات کے میدان میں تالاب بنوا کر چشموں کا رخ تالاب کی جانب موڑا۔[5] ان کے لوگوں پر احسانات تھے اور لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے ایسی محبت تھی کہ جس کا انکار ممکن نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان کے لیے ایسے ہی خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔[6]

امام ذہبی رحمہ اللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ان کا شمار عرب کے کبار رؤساء میں ہوتا ہے، وہ نہایت بہادر اور فیاض تھے، نرمی اور حلم و بردباری ان کا وصفِ لاینفک تھا۔''[7]

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ

ان کا نسب نامہ یوں ہے: ولید بن عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس

[1] مجلة المؤرخ العربي، رقم: 21، ص: 138. [2] الطبقات لابن سعد: 33/5. [3] مجلة المؤرخ العربي، رقم: 21، ص: 138. [4] البداية والنهاية: 91/8. [5] البداية و النهاية: 91/8. [6] منهاج السنة لابن تيمية: 189/3-199. [7] سير أعلام النبلاء: 21/3.

بن عبد مناف۔ امیر ابو وہب اموی کی کنیت سے معروف تھے۔ انھیں شرف صحابیت حاصل ہے گو تھوڑا ہی عرصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔[1] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی تھے۔

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت ہی سے مملکت اسلامیہ کی ذمہ دار شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سرکاری عہدوں کے لیے اہلیت رکھنے والے امانت دار لوگوں ہی کو منتخب کرتے تھے۔ آپ کے عہد زریں میں اسلام کے تیزی کے ساتھ روئے زمین پر پھیلنے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ قابل اور اہل لوگوں ہی کو ذمہ دار مقرر کرتے تھے۔ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ دونوں خلفاء کے معتمد علیہ شخص تھے۔ انھوں نے انھیں اہل اور سچا ایمان دار شخص سمجھتے ہوئے ہی بڑی بڑی نہایت اہم ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں۔[2]

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایرانیوں کے خلاف 12 ھ میں معرکۂ مذار ہوا۔ اس کی کمان سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کی۔ جنگی صورت حال کے متعلق خفیہ طور پر خطوط پہنچانے کی ذمہ داری سیدنا ولید رضی اللہ عنہ نے نبھائی۔ یقیناً یہ کام ایک بااعتماد شخص ہی کرسکتا ہے۔[3] پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے قائد عیاض بن غنم فہری کی امداد کے لیے بھیجا۔[4]

13 ھ میں ولید رضی اللہ عنہ بنو قضاعہ کے صدقات کی وصولی پر مامور ہوئے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب شام کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ جہادی دستوں کی قیادت کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس طرح سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ باصلاحیت اور بااعتماد تھے بعینہ وہی درجہ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسلام کا جھنڈا لے کر فلسطین کی طرف روانہ ہوئے تو سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے بحیثیت کمانڈر شرق اردن کا رخ کیا۔[5]

[1] سير أعلام النبلاء: 3/412، 413. [2] فصل الخطاب في مواقف الأصحاب لمحمد صالح الغرسي، ص: 78. [3] تاريخ الطبري: 4/168. [4] تاريخ الطبري: 4/194. [5] فصل الخطاب في مواقف الأصحاب لمحمد صالح الغرسي، ص: 78.

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں 15 ھ میں بلاد بنو تغلب اور جزیرۂ عرب کا امیر مقرر کیا۔[1] اپنی اس امارت کے دوران میں وہ شام کے علاقے میں برسر پیکار مجاہدین کا دفاع کرتے تھے تاکہ پچھلی جانب سے ان پر کوئی حملہ نہ کر سکے۔ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اس امارت سے فائدہ اٹھایا اور عیسائیوں کی اکثریت کے اس علاقے میں جہادی سرگرمیوں اور منصبی اختیارات کے ذریعے سے بڑے حکیمانہ اسلوب اور ناصحانہ پندو نصائح کی تاثیر سے ایاد اور تغلب کے عیسائیوں کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔[2]

اسی تابناک ماضی اور اعلیٰ عسکری اور انتظامی خدمات کی بنا پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفے کا گورنر بنایا۔ ان کا شمار نہایت نرم دل، عادل اور احسان کرنے والے لوگوں میں ہوتا تھا۔ ان کے دور گورنری میں اسلامی فوجیں مشرق کی آخری سرحدوں تک کامیاب اور فتح مند ہو کر واپس آئیں۔ اس کی گواہی ان کی عدم موجودگی میں اپنے عہد کے معروف تابعی، چیف جسٹس، علم و عمل کے پیکر امام شعبی رحمہ اللہ نے دی ہے۔[3]

ان کے سامنے جب مسلمہ بن عبدالملک کی فتوحات اور بہادری کا تذکرہ کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''اگر تم ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی فتوحات اور امارت کو دیکھ لیتے تو مسلمہ بن عبدالملک کی فتوحات بھول جاتے۔ وہ جب جنگ کرتے تھے تو بڑھتے ہی چلے جاتے تھے۔ ان کی بیعت کسی نے توڑی نہ کسی نے کوئی عیب لگایا حتی کہ انھیں ان کے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔''[4]

سیدنا ولید رضی اللہ عنہ ہر دل عزیز اور لوگوں کے ساتھ نہایت نرمی برتنے والے گورنر تھے۔ انھوں نے پانچ سالہ دور گورنر کی حیثیت سے گزارا لیکن ان کے دروازے پر کبھی کوئی دربان مقرر نہیں ہوا۔[5]

---

[1] تاریخ الطبري:5/28,29. [2] فصل الخطاب في مواقف الأصحاب لمحمد صالح الغرسي، ص:78. [3] فصل الخطاب في مواقف الأصحاب لمحمد صالح الغرسي، ص:78. [4] التمهيد والبيان لمحمد بن يحيٰى الأندلسي، ص:40. [5] تاريخ الطبري:5/251.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے ولید رضی اللہ عنہ کو اس لیے گورنر مقرر نہیں کیا کہ وہ میرے بھائی ہیں بلکہ اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کی جڑواں بہن ام حکیم البیضاء کے بیٹے ہیں۔ اور ولایت (کسی کو مقرر یا معزول کرنا) اجتہاد ہے جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ (بہتر سمجھتے ہوئے) ان سے کم درجے کے آدمی کو مقرر کیا۔[1]

اس جلیل القدر صحابی رسول اور عظیم اسلامی کمانڈر، جو خلفائے ثلاثہ کا منظور نظر تھا، کی سیرت و کردار پر تحقیق کرنے والا بلا ریب یہ کہہ اٹھتا ہے کہ وہ واقعی گورنری کے اہل تھے لیکن اگلے ہی لمحے اس پر شکوک سوار ہو جاتے ہیں جب وہ یہ سنتا ہے کہ قرآن نے انھیں فاسق کہا ہے اور وہ شراب کے رسیا تھے۔ یہ بات قابل تحقیق ہے کہ کیا واقعی معاملہ ایسا ہی ہے؟ آئیے ذیل میں ہم دونوں باتوں کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں:

❁ کیا یہ ثابت ہے کہ قرآن مجید کی آیت: ﴿إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ﴾ ... سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا۟ أَن تُصِيبُوا۟ قَوْمًۢا بِجَهَٰلَةٍ فَتُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَٰدِمِينَ ۝﴾

''اے ایمان والو! اگر کوئی نافرمان تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔''[2]

اس بارے میں مؤرخین ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بنو مصطلق کے صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا تو انھوں نے واپس آ کر

[1] العواصم من القواصم للقاضي أبوبكر ابن العربي، ص: 86. [2] الحجرات 6:49.

بتایا کہ وہ مرتد ہوگئے ہیں اور انھوں نے صدقہ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کا سبب یہ بنا کہ جب سیدنا ولید رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور لوگ آپ کی طرف بڑھے تو آپ خوف زدہ ہوگئے اور یہ نہ جان سکے کہ ان کے پاس کیا ہے، لہٰذا وہیں سے واپس آ گئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ وہ مرتد ہوگئے ہیں، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ پہلے اچھی طرح تحقیق و تصدیق کر لینا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انھوں نے بتایا کہ ہم اسلام پر قائم ہیں۔ اسی ضمن میں مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔[1]

اس کے بارے میں بہت سی روایات ہیں لیکن ایک بھی متصل صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔[2]

مذکورہ بالا قصے کی سند کم از کم ضعیف ہے۔ اور ضعیف سند کو زیادہ سے زیادہ (متساہلین) فضائل اعمال میں قبول کرتے ہیں جس میں کسی حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام نہ کہا گیا ہو۔ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہم ضعیف سند کو بھی قبول نہیں کریں گے کیونکہ اس میں حرام کو حلال کیا گیا ہے، وہ اس طرح کہ ایک صحابی رسول کو فاسق کہا گیا ہے۔ ہم اس ضعیف سند والے قصے کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں، حالانکہ آیت میں خبر واحد کی چھان بین کرنے کا حکم ہے مزید برآں اس آیت مبارکہ میں علم روایت کا ایک قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔[3]

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قصے کے بارے میں سند اور متن کے لحاظ سے صرف وہی روایات قبول کی جائیں گی جو بالکل صحیح ہوں گی۔ ان روایات میں ایک صحابی رسول کو فاسق ٹھہرایا گیا ہے اور یہ ایسا الزام ہے کہ جسے قبول کرنے میں کسی لچک کی کوئی گنجائش نہیں۔ پندرہ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی کسی شخص کے بارے میں ایسی بات قبول

[1] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 176/2. [2] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 176/2. [3] المدينة المنورة فجر الإسلام: 176/2.

کرنے میں تساہل اور نرمی سے کام نہیں لیا جاتا چہ جائے کہ عہد نبوی کے ایک ایسے فرد کے بارے میں، جسے شرف صحابیت کے ساتھ ساتھ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں بڑی بڑی ذمہ داریوں کو نبھانے کا اعزاز بھی ملا ہو، تساہل سے کام لیا جائے؟

مزید برآں یہ قصہ اسلام کی اولین دور کی تاریخ کا ایک حصہ ہے اور اس کے بعض اجزاء اسلامی عقیدے سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا تاریخ اسلامی کی ایسی خبروں کے قبول کرنے میں تساہل کسی صورت جائز نہیں کیونکہ اس کی حیثیت عام معاشرتی تاریخ سے مختلف ہے۔

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر طعن کا ایک دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ وہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے تھے۔ بعض مؤرخین نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے والوں کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے دل و جان سے اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ مجبوراً اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ایمان ان کے دلوں میں نہیں اترا تھا۔ یہ تصور اور خیال باطل ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ [1]

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اخبار نقل کرنے میں بعض مؤرخین نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور اس میں مذہبی اور سیاسی تعصب اور خواہشات پرستی کا بھی کافی عمل دخل ہے، پھر اس میں بہت سی من گھڑت باتیں بھی داخل ہوگئی ہیں، نیز اس دور میں من گھڑت قصہ گو لوگوں کو اپنی جھوٹی ادبی عبقریت کا سکہ بٹھانے اور طبع آزمائی کرنے کے لیے ایک میدان بھی میسر آ گیا تھا۔ [2]

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بنی مصطلق کے صدقات کی وصولی پر مقرر کرنے والا واقعہ اس لیے بھی مشکوک اور محل نظر ہے کہ یہ ایک متصل سند سے مروی روایت، جس کے راوی ثقہ ہیں، سے بھی معارض ہے۔

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو اہل مکہ

(1) المدینة المنورة لمحمد حسن شراب: 173/2. (2) المدینة المنورة لمحمدحسن شرّاب: 173/2.

اپنے بچوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے لیے دعا کرتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ مجھے بھی آپ کے پاس لایا گیا۔ میں نے خلوق بطور خوشبو لگایا ہوا تھا، آپ نے میرے سر پر ہاتھ نہ پھیرا لیکن خلوق سے منع بھی نہیں کیا۔ صرف میری ماں کے خلوق لگانے کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا۔[1]

بنو مصطلق کے اس قصے کے پیچھے مذہبی تعصب اور خواہشات پرستی کا بڑا عمل دخل ہے کیونکہ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اموی تھے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی تھے۔ اور جس شخص نے مذکورہ بالا آیت کی شان نزول میں سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا نام چسپاں کر دیا ہے وہ محمد بن سائب کلبی پکا شیعہ اور رافضی تھا۔ اس کے بارے میں ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کا شمار اہل کوفہ کے شیعوں میں ہوتا ہے۔'' ابن حجر رحمہ اللہ ہی کا قول ہے: ''کوفہ میں دو کذاب ہیں ایک کلبی اور دوسرا سدی۔''[2]

کلبی ہی نے سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کا نام اس آیت کی شان نزول میں شامل کیا ہے۔ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بنو قضاعہ کے صدقات کی وصولی پر مامور تھے، اس لیے شانِ نزول والے واقعے کا تعلق بھی صدقات سے جوڑا گیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور زریں میں بھی سیدنا ولید رضی اللہ عنہ جزیرہ میں بنو تغلب کے صدقات وصول کرتے تھے۔ شیعہ کتب میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے اس قصے کے باعث مطعون ٹھہرایا گیا ہے۔[3]

ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ یہ آیت قبیلہ بنو مصطلق ہی کے بارے میں نازل ہوئی لیکن یہ کہنا صریحاً خلافِ حقیقت ہے کہ اس میں سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو فاسق قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ آیت کا منطوق نکرہ ہے، یعنی ﴿ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ ... ﴾ میں لفظ فاسق بطور نکرہ استعمال ہوا ہے۔ اور نکرہ جس طرح نفی کے سیاق میں آئے تو عموم پر دلالت

[1] مسند أحمد: 32/4، إسناده ضعيف۔ [2] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 179/2.
[3] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 180/2.

کرتا ہے، بعینہ جب وہ شرط کے تحت آئے تب بھی عموم پر دلالت کرتا ہے۔ (اور اس سے کسی ایک شخص کو خاص کرنے کے لیے واضح دلیل کی ضرورت ہے جو مفقود ہے۔)[1]

شراب پینے پر سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر حد جاری کرنا: جہاں تک سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر شراب کی حد جاری کرنے کا مسئلہ ہے تو وہ صحیحین سے ثابت ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف گواہی پوری ہونے کے بعد حد جاری کی اور اس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کا کوئی جواز نہیں بلکہ یہ بات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب میں شامل ہے کہ انھوں نے سیدنا ولید رضی اللہ عنہ پر حد جاری کی اور انھیں کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ واقعہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب ہی میں بیان کیا ہے۔[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ”تم جس وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ہو اس معاملے میں تمھاری حالت ایسی ہے جیسے کوئی اپنے ہمسفر پر حملہ کر کے اسے مار ڈالے۔[3] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اس شخص کے بارے میں کیا قصور ہے جسے انھوں نے اس کے جرم کی وجہ سے حد لگائی اور اس کے عہدے سے معزول کر دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام ہمارے مشورے سے کیا۔ اس میں ان کا کیا جرم ہے؟“[4]

پھر یہ حادثہ صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں پیش نہیں آیا بلکہ اس سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی پیش آچکا تھا کہ قدامہ بن مظعون جنھیں شرف صحابیت بھی حاصل تھا، انھوں نے شراب پی لی اور وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے بحرین کے گورنر تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر حد لگائی اور انھیں ان کے عہدے سے معزول کر دیا۔[5]

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر شراب پینے کا جھوٹا الزام لگایا گیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”بیان کیا جاتا ہے کہ بعض اہل کوفہ نے تعصب کی

(1) المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 180/2. (2) صحيح البخاري، حديث: 3696. (3) تاريخ الطبري: 278/5. (4) تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 421/1. (5) العواصم من القواصم للقاضي ابن العربي، ص: 93.

بنا پر آپ کے خلاف شراب پینے کی جھوٹی گواہی دی تھی۔"[1]

ابن خلدون نے بھی اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عُمّال کے خلاف مخالفین کی جانب سے بے بنیاد افواہیں پھیلتی چلی گئیں اور یہ سلسلہ اس قدر زور پکڑ گیا کہ کوفہ کے گورنر سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر بھی شراب نوشی کا الزام عائد کر دیا گیا اور ان کے خلاف کوفہ کے چند باشندوں نے گواہی بھی دے دی جس کی بنا پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان پر حد جاری کی اور انھیں کوفہ کی ولایت سے معزول کر دیا۔[2]

ابن جریر طبری نے اس واقعے کی قدرے تفصیل یوں بیان کی ہے: ابوزینب، ابومورع اور جندب بن زبیر کے بیٹوں نے ابن الحیسمان کے گھر ڈاکا ڈالا اور اسے قتل کر دیا۔ ان کے خلاف صحابی رسول سیدنا ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے نے گواہی دی کیونکہ وہ ابن الحیسمان کے پڑوسی تھے۔ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے ان سے قصاص لیا تو ان کے والدین نے سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کی۔ وہ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں جاسوسی اور ان کی حرکات وسکنات کی کڑی نگرانی کرنے لگے۔ ابو زبید الشاعر سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے ہاں مہمان ٹھہرا، یہ عیسائی تھا اور سیدنا ولید کے ننھیال بنوتغلب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا، اس پر الزام تھا کہ یہ شراب پیتا ہے۔ ابو زبید کو اپنے ہاں مہمان ٹھہرانے کی وجہ سے بعض بے وقوفوں نے یہ خبر اڑا دی کہ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ بھی شراب نوشی کرتے ہیں۔ ابو زینب اور ابومورع نے اس موقع کو غنیمت سمجھا وہ سیدھے مدینہ پہنچے۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ ولید شراب پیتا ہے۔ اور الزام کی نوعیت یہ بتائی کہ ہم نے اسے شراب کی قے کرتے دیکھا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جو پیتا ہے وہی قے کرتا ہے۔" (اور پھر ولید رضی اللہ عنہ کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔) سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کوفہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

[1] الإصابة: 638/3. [2] تاريخ ابن خلدون: 473/2، وفصل الخطاب في مواقف الأصحاب لمحمد صالح الغرسي، ص: 81.

پہنچے۔ تو انھوں نے قسم اٹھا کر انکار کیا اور ان لوگوں کی اصل صورت حال سے آگاہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم حدود اللہ کا نفاذ کریں گے اور جھوٹی گواہی دینے والا اپنے جرم کی پاداش میں جہنم رسید ہوگا، لہٰذا اے میرے بھائی! آپ صبر کریں۔''[1]

محبّ الدین خطیب کا بیان ہے کہ مسلم کی روایت میں جو اضافہ ہے کہ ولید رضی اللہ عنہ کو لایا گیا اور انھوں نے لوگوں کو صبح کی دو رکعت نماز پڑھائی اور پھر کہا: میں تمھیں مزید رکعات پڑھاؤں گا۔ مسند احمد کے بعض طرق میں ہے کہ انھوں نے چار رکعتیں پڑھائیں، یہ ثابت نہیں ہے۔ یہ اس قصے کے راوی حضین کا قول ہے۔ لیکن حضین خود وہاں موجود ہی نہ تھا کیونکہ اس نے خود کہا ہے کہ میں اس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں تھے جبکہ یہ واقعہ کوفہ کا ہے تو اس راوی کو کیسے معلوم ہو گیا کہ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ نے دو رکعات پڑھا کر کہا کہ میں مزید پڑھاؤں گا یا انھوں نے چار رکعات پڑھائیں، ظاہر ہے سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں میں سے کسی نے یہ بات کی ہوگی جو حضین نے آگے بیان کر دی اور بیان کرنے والے کا نام نہیں بتایا اور نہ ہی کسی معروف راوی سے بیان کیا ہے، لہٰذا اس کے کلام کے اس حصے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔[2]

یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنر کوفہ، فاتح مجاہد، عادل اور امت کے لیے بہترین فلاحی کام کرنے والے مظلوم سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا مختصر تذکرہ تھا۔ اس الزام کے بعد سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کو خوب اندازہ ہوگیا کہ باطل پرست لوگ کس طرح صالحین پر الزام تراشی کرتے ہیں۔ اور کسی طرح ان کا دجل بھی لوگ تسلیم کر لیتے ہیں، بعد ازاں وہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ کے بعد معاشرے کے شور و غل سے الگ تھلگ ہوگئے اور اپنی زرعی زمین پر خاموشی سے زندگی بسر کرنے لگے۔ یہ جزیرہ کے علاقے میں ''رقہ'' سے پندرہ میل دور وہی سرزمین تھی جہاں خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ جہاد کرتے تھے اور

[1] تاریخ الطبري: 277/5. [2] العواصم من القواصم للقاضي ابن العربي، ص: 97,96.

لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے تھے۔[1]

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ہونے والی تمام جنگوں سے الگ تھلگ رہے اور اپنی اسی جاگیر میں 61 ھ میں وفات پا گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں فوت ہوئے۔[2]

سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

آپ کا نسب نامہ یوں ہے: ''سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی۔''[3]

ابو حاتم کا بیان ہے کہ آپ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کوفہ کے گورنر بنے۔ آپ قریش کے نہایت فصیح اللسان شخص تھے، اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کتابت قرآن کے لیے انھیں بھی نامزد کیا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:...... '' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص رضی اللہ عنہم اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کو حکم دیا تو انھوں نے مصحفِ صدیقی سے قرآن مجید کے نسخے تیار کیے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کے تینوں افراد کو حکم دیا کہ اگر تمھارا قرآن کے کسی لفظ کے بارے میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا۔''[4]

قرآن مجید کے جن کلمات کے لہجے میں اختلاف پایا جاتا تھا انھیں سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے لہجے کے مطابق ٹھیک کیا گیا کیونکہ ان کا لہجہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ سے زیادہ مشابہ تھا۔ انھوں نے نبوت کے نو سال دیکھے۔ ان کا باپ بدر کے روز بحیثیت مشرک مارا گیا۔ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔[5]

[1] العواصم من القواصم للقاضي ابن العربي، ص: 94. [2] البداية والنهاية: 216/8. [3] البداية والنهاية: 87/8. [4] صحيح البخاري، حديث: 4987. [5] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 211/2.

آپ کی ایمانی قوت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں نے تمھارے باپ کو قتل نہیں کیا بلکہ میں نے تو اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا تھا۔'' سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر آپ نے اسے قتل کیا بھی ہے تو آپ حق پر تھے اور وہ باطل پر تھا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کا جواب بہت پسند آیا۔ آپ نے کوفہ پر گورنری کے ایام میں طبرستان پر فوج کشی کی۔ اسے فتح کر لیا پھر جرجان وغیرہ پر بھی حملہ کیا۔ آپ کے لشکر میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی ایک صحابہ شامل تھے۔[1]

آپ بہت فیاض تھے۔ لوگوں سے حسن سلوک میں معروف تھے۔ حتی کہ کسی سائل کو دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو اسے تحریر لکھ دیتے کہ جب میرے پاس وہ چیز آئے گی تو تمھیں اس تحریر کے مطابق دے دی جائے گی۔[2]

سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نہایت امن پسند اور مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کے زبردست حامی تھے۔ فتنہ اور تفرقہ بازی سے دور بھاگتے تھے۔ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کوفہ کے گورنر بنے۔ اس دوران آپ ایک مرتبہ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ جب کوفہ واپس گئے تو شرپسندوں نے آپ کا راستہ روک لیا اور کوفہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ آپ وہیں سے واپس آ گئے۔ پھر مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ جن لوگوں نے آپ کو دوبارہ کوفہ میں داخل ہونے سے روکا تھا اور آپ کے خلاف بغاوت کی تھی، انھی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل بھی تھے۔ آپ جنگ جمل اور صفین میں غیر جانبدار رہے بلکہ جمل والوں کو جنگ سے باز رہنے کی ترغیب دی اور خروج نہ کرنے کا مشورہ دیا۔[3]

آپ کی سیرت کے یہ چند شہ پارے ہیں کہ سخاوت و فیاضی، بہادری، نیکی اور مجاہدانہ زندگی آپ کے نمایاں وصف تھے۔ فصاحت و بلاغت اور زبان و بیان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 211/2. [2] الإصابة: 108/3. [3] الطبقات لابن سعد: 34/5.

کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ جس مصحف کی آپ آج تلاوت کرتے ہیں یہ انھوں نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو املا کرایا تھا۔ غور کیجیے! یہ وہ مناقب ہیں جو صحیح روایات سے ثابت ہیں۔ اب ان صحیح روایات کا ان بے سند روایات کے ساتھ موازنہ کیجیے جن میں سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کے عیوب و نقائص بیان کیے گئے ہیں تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ ان کے بارے میں پھیلائی گئی افواہیں یکسر من گھڑت اور بے اصل ہیں کیونکہ ان کو صحیح تسلیم کرنے سے اجتماع نقیضین لازم آئے گا کہ ایک ہی شخص فیاض بھی ہے اور بخیل بھی، نیکوکار بھی ہے اور فحش گو بھی، صاحب فہم و فراست بھی ہے اور جاہل بھی، مجاہد بھی ہے اور میدان جہاد سے بھاگنے والا بھی۔ ان صفات کا ایک آدمی میں یکجا ہونا عقلاً محال ہے۔[1]

بعض راویوں کا بے سند بیان ہے کہ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بعد جب سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو کسی موالی (غیر عربی آباد کار، یعنی غلام) نے یہ اشعار پڑھے:

يَا وَيْلَنَا قَدْ عُزِلَ الْوَلِيدُ وَجَاءَنَا مُجَوِّعًا سَعِيدُ
يَنْقُصُ فِي الصَّاعِ وَلَا يَزِيدُ

”ہائے افسوس! ولید کو معزول کر دیا گیا اور فاقوں میں مبتلا کرنے والے سعید ہم پر امیر بن کر آگئے۔ وہ صاع میں کمی کریں گے۔ بڑھائیں گے نہیں، یعنی دیتے ہوئے بخل سے کام لیں گے۔“[2]

یہ اشعار من گھڑت ہیں اور بلاشک و شبہ یہ قصہ بے بنیاد ہے۔[3] کیونکہ 30 ھ کا زمانہ ابتدائے فتوحات کا زمانہ تھا اور غلام اچھی طرح عربی بھی نہیں جانتے تھے چہ جائیکہ وہ اشعار اور رجز کہیں، پھر اس لیے بھی یہ اشعار لغو معلوم ہوتے ہیں کیونکہ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ

[1] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 212/2. [2] تاريخ الطبري: 279/5. [3] المدينة المنورة لمحمد حسن شُراب: 212/2.

جود وکرم اور نیکی میں معروف تھے۔ اگر لوگوں نے سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کی سخاوت کی بنا پر مدح سرائی کی ہے اور شعراء نے ان کی مدح میں شعر کہے ہیں تو بلاشبہ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کی سخاوت ضرب المثل تھی۔[1] انھیں شہد کا مشکیزہ کہا جاتا تھا۔ فرزدق نے ان کی فیاضی کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

تَرَى الْغُرَّ الْجَحَاجِحَ مِنْ قُرَيْشٍ   إِذَا مَا الْأَمْرُ فِي الْحِدْثَانِ عَالَا

قِيَامًا يَنْظُرُونَ إِلٰى سَعِيدٍ   كَأَنَّهُمْ يَرَوْنَ بِهِ هِلَالًا

”تو قریش کے معزز سخی سرداروں کو دیکھے گا کہ جب معاملہ ابتدا میں سنگین ہوتا ہے تو وہ سب اس طرح نظر اٹھا کر سعید کی طرف دیکھتے ہیں جیسے وہ پہلی کا چاند دیکھ رہے ہوں، یعنی ایسے حالات میں سب کی نظریں سعید پر لگ جاتی ہیں۔“[2]

اور جب سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کی مذمت میں یہ اشعار غلاموں نے ان کی کوفہ آمد پر کہے تو انھیں کیسے معلوم ہوا کہ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کی پالیسی یہ ہے؟ انھیں کیا خبر کہ وہ بھوکا رکھنے والے ہیں یا عطا کرنے والے ہیں؟ پھر مزے کی بات یہ ہے کہ اس قصے میں بجائے خود تضاد اور تناقض پایا جاتا ہے اور غور کیا جائے تو اس کا ایک حصہ دوسرے کی تردید کرتا ہے، کیونکہ بعض راویوں کا بیان ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو انھوں نے نہایت عدل و انصاف سے نظامِ حکومت چلایا۔ بعض غلام کہنے لگے......، پھر مذکورہ اشعار ذکر کیے۔[3]

یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص کو سیرت کے لحاظ سے عادل بھی کہا جائے اور پھر یہ کہا جائے کہ وہ غلاموں کو بھوکا مارنے والے تھے؟

یہ بات یقینی ہے کہ خیر اکثر و بیشتر سب کو اپنے دامن میں لے لیتی ہے اور اس کا فیض

(1) المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 212/2. (2) البداية والنهاية: 88/8. (3) تاريخ الطبري: 279/5.

سب تک پہنچتا ہے اور جب انصاف عادتاً ہو تو اس خیر کا فیضان اور بھی عام ہو جاتا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ قدیم مؤرخین پر رحم فرمائے، وہ اپنے پڑھنے والوں سے نہایت حسن ظن رکھتے تھے، اس لیے انھوں نے اپنی کتابوں میں باہم متناقض روایات بھی ذکر کر دیں، اس گمان کے ساتھ کہ ہر دور میں کھوٹے اور کھرے کی تمیز کرنے والے لوگ موجود رہیں گے۔ ان کی مجبوری یہ تھی کہ انھیں جو کچھ غلط یا صحیح اپنے دور میں معلوم ہوا انھوں نے نقل کر دیا (کیونکہ وہ اپنے زمانے کے لوگوں کے بارے میں یہ حسن ظن رکھتے تھے کہ وہ صحیح کو ضعیف سے الگ کر سکتے ہیں۔) انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ آئندہ صدیوں میں رات کو لکڑیاں اکٹھی کرنے والے بھی آئیں گے (جو سانپ کو بھی لکڑی سمجھ کر اٹھالیں گے، یعنی صحیح اور ضعیف میں نہ صرف یہ کہ تمیز نہیں کریں گے بلکہ ضعیف ہی پر اکتفا کر لیں گے۔)[2]

ابن سعد نے سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی میں بلا سند یہ نقل کیا ہے کہ جب سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر بن کر آئے تو وہ عیش و عشرت کے پروردہ اور مغرور نوجوان تھے۔ انھیں اس سے پہلے امارت کا تجربہ نہیں تھا، چنانچہ انھوں نے (آتے ہی) کہا: ''میں اس وقت تک منبر پر نہیں چڑھوں گا جب تک اسے اچھی طرح پاک نہ کیا جائے۔'' پھر ان کے حکم سے منبر کو دھویا گیا، تب انھوں نے منبر پر چڑھ کر کہا: ''یہ آبادی تو قریش کے چند نوجوانوں کا ایک باغ ہے۔'' اہل کوفہ نے اس بات کی شکایت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کی۔[3]

مذکورہ بالا واقعہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ غیر مستند ہے۔ اور اس لیے بھی کہ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ سے، جنھوں نے جہادی لشکروں کی قیادت کر کے کئی علاقے فتح کیے، ایسا گھٹیا کلام ممکن نہیں ہے، پھر دوسری قابل اعتراض بات یہ ہے کہ ابن سعد نے یہ واقعہ اشتر مالک بن حارث کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اور اشتر نے یہ بات سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کی

[1] المدینة المنورة لمحمد حسن شراب: 213/2. [2] المدینة المنورة لمحمد حسن شراب: 213/2. [3] المدینة المنورة لمحمد حسن شراب: 213/2، والطبقات لابن سعد: 32/5.

امارت کے کئی سال گزرنے کے بعد جب انھیں کوفہ میں داخل ہونے سے روکا تھا، اس وقت کہی تھی۔ اس نے کہا: ''یہ سعید بن عاص تمھارے پاس آیا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ یہ زمین قریش کے چند نوجوانوں کا باغیچہ ہے، حالانکہ یہ تمھاری جنم بھومی ہے تمھارا ٹھکانا ہے۔ تمھارا اور تمھارے آباؤ اجداد کا مال فے ہے۔''①

مالک بن حارث جو اشتر کے لقب سے معروف تھا، نہایت فتنہ پرور انسان تھا۔ یہ ان خارجیوں کا سرغنہ تھا جنھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر کے انھیں شہید کیا۔ ایسے لوگوں سے یہ بعید نہیں کہ وہ لوگوں کو متنفر کرنے کے لیے اس طرح کے واقعات گھڑیں۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ بات کہی گئی ہے تو اس کے قائلین وہی خارجی ہیں جنھوں نے خلافت سے بغاوت کی۔ اور ان کی اس گھٹیا سوچ کا سبب شاید عراق، بالخصوص کوفہ پر پے در پے قریش کے امراء کا مقرر ہونا ہے۔ کیونکہ اس جملے سے قبائلی عصبیت جھلک رہی ہے۔②

امام ذہبی رحمہ اللہ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: آپ نہایت نیک سیرت، فیاض، ممدوح، بردبار، باوقار، صاحب بصیرت اور پختہ عزم کے مالک گورنر تھے۔ اور واقعی اس عہدے کے اہل تھے۔''③

جہاں تک مخالفین اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے لوگوں کی اس بات کا تعلق ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کوفے کا عامل مقرر کر دیا، حالانکہ وہ اس کے اہل نہیں تھے اور ان کی نااہلی اس وقت سامنے آ گئی جب اہل کوفہ نے انھیں وہاں سے نکال دیا④ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کوفہ کا کسی آدمی پر عدم اعتماد کا اظہار کرنے سے آدمی نااہل نہیں ہو جاتا کیونکہ جو شخص اہل کوفہ کی تاریخ سے واقف ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ عمال پر نکتہ چینی کرنا ا[illegible] ستانا روز اول ہی سے اہل کوفہ کا وتیرہ رہا ہے۔ اور وہ

① المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 214/2. ② المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 214/2. ③ سير أعلام النبلاء: 447/3. ④ تاريخ الطبري: 279/5.

بغیر کسی شرعی جواز اور معقول سبب کے ہمیشہ اپنے امراء کے بارے میں شکوہ کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے انسان بھی ان کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آ گئے اور فرمایا: ''اہل کوفہ نے مجھے بے بس کر دیا ہے۔ وہ کسی امیر سے خوش نہیں ہوتے۔ نہ کوئی ان پر امیر بننے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ وہ اپنی اصلاح کا نام نہیں لیتے اور کوئی شخص ان کے لیے مناسب نہیں رہتا۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں اہل کوفہ سے تنگ آ گیا ہوں۔ اگر ان پر کوئی نرم دل گورنر مقرر کرتا ہوں تو وہ اس کے قابو میں نہیں آتے اور اگر کوئی سخت گورنر بناتا ہوں تو آئے روز اس کی شکایت کرتے رہتے ہیں۔'' [2] ایک موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تنگ آ کر ان کے لیے بددعا کی: ''اے اللہ! انھوں نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے تو انھیں کسی مصیبت میں مبتلا کر دے۔'' [3]

سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نہایت دانا انسان تھے۔ کہتے ہیں کہ میرے مصاحب کے مجھ پر تین حق ہیں: ''جب وہ میرے قریب آئے تو اسے خوش آمدید کہوں، جب بیٹھ جائے تو اس کے لیے جگہ کشادہ کردوں اور جب وہ بات کرے تو اس کی گفتگو توجہ سے سنوں۔'' انھوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اے بیٹے! اگر کوئی سوال نہ بھی کرے تب بھی اللہ کی رضا کی خاطر نیکی کر۔ جب تیرے پاس کوئی آدمی سوال کی غرض سے آئے اس کے چہرے کا رنگ شرم وحیا کی وجہ سے بدل رہا ہو اور اسے خدشہ ہو کہ تو اسے دے گا یا نہیں تو اللہ کی قسم! تو اسے اپنا سارا مال بھی دے دے، پھر بھی کم ہے۔''

نیز فرمایا: ''کسی شریف النفس انسان کا مذاق نہ اڑاؤ ورنہ اس کے دل میں تمھارے خلاف کینہ پیدا ہو جائے گا اور گھٹیا انسان کے ساتھ اس لیے مذاق نہ کرو کہ تم اس کے نزدیک اپنی قدر کھو بیٹھو گے۔''

[1] المعرفة والتاريخ للفسوي :754/2. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:423/1. [3] منهاج السنة لابن تيمية :188/3.

جب آپ کوفہ کے گورنر تھے، ایک روز ایک عبادت گزار خاتون آپ کے پاس آئی، آپ نے اس کی عزت و توقیر کی۔ اس نے دعا دیتے ہوئے کہا: ''اللہ کرے آپ کسی کمینے کے کبھی محتاج نہ ہوں۔ اللہ کرے سرداریاں ہمیشہ کریم لوگوں کے پاس رہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کریم آدمی سے نعمت چھین لے تو آپ کو واپس کرنے کا سبب بنا دے۔''

سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا: ''میرے ساتھی بس میرا چہرہ ہی غائب پائیں، تم ان کے ساتھ اسی طرح صلہ رحمی کرتے رہنا جس طرح میں کرتا تھا۔ جو کچھ میں انھیں دیتا تھا تم بھی دیتے رہنا۔ ان کی ضروریات پوری کرتے رہنا۔ جب کوئی ضرورت مند سوال کرتا ہے تو اس کی ٹانگیں لڑکھڑا جاتی ہیں اور ٹھکرائے جانے کے ڈر سے اس کے شانوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ اللہ کی قسم! جو شخص اپنے بستر پر بے قرار پڑا یہ سمجھتا ہے کہ تم اس کی ضرورت پوری کرو گے در حقیقت اس کا تم پر اس سے زیادہ احسان ہے جو تم اسے دیتے ہو۔'' پھر انھیں بہت سی وصیتیں کیں۔ آپ کی وفات باختلاف روایات 57ھ یا 58ھ یا 59ھ میں ہوئی۔[1]

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ

مؤرخین اکثر و بیشتر سیدنا عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی مصر کی امارت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا گورنر بنا دیا۔''[2]

درج بالا عبارت ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے رضاعی بھائی کو گورنر مقرر کیا۔'' بعض مؤرخین کی طرف سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اس اتہام کا اشارہ کرتی ہے کہ انھوں نے رضاعی بھائی ہونے کے ناتے انھیں مصر کا گورنر بنایا۔ مؤرخین کی یہ سوچ اور نظریہ بالکل غلط ہے۔

[1] البداية والنهاية :90/8. [2] الكامل لابن الأثير :88/3.

ہم ان کے مؤقف کی تردید اور ان کی گھٹیا سوچ کی اصلاح کے لیے ذیل میں بنو عامر بن لؤی کے شہسوار سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی مساعیِ جمیلہ کا تذکرہ کرتے ہیں:[1]

سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ مصر اور اس کے گردونواح کے احوال کا خوب تجربہ اور مکمل معلومات رکھتے تھے کیونکہ اس سے قبل مصر کی فتح میں آپ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک رہے تھے، نیز اس لیے بھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ مصر کے گردونواح میں بعض علاقوں کے ذمہ دار حاکم رہ چکے تھے۔ آپ صحرائے مصر کے امیر بھی رہے۔[2]

اور یہ عہدہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کے آغاز تک آپ کے پاس رہا، اس لیے آپ پوری طرح اہل تھے کہ مصر کے بلا شرکت غیرے گورنر بنا دیے جائیں۔ مذکورہ بالا تجربات کی وجہ سے آپ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بعد مصر کی گورنری کے لیے سب سے زیادہ موزوں شخصیت تھے۔

تاریخ سے ہمیں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے مصر کے خراج پر بھی مکمل کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ حتی کہ اس کی آمدن سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی جمع کردہ رقم سے دوگنی ہوگئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے اخراجات کے بارے میں سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ سے ہٹ کر نئی پالیسی اختیار کی تھی جس کے نتیجے میں مصر کے خراج کی آمدنی پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی تھی۔[3]

سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے گورنری کے زمانے میں کئی جنگی محاذوں پر جہاد کیا۔ کئی عظیم فتوحات کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ ان غزوات میں سے 27 ھ میں ہونے والا غزوۂ افریقیہ اور اس کی فتوحات قابل ذکر ہیں۔ افریقیہ کے بادشاہ جرجیر کو قتل کرنا بھی آپ کا اہم کارنامہ تھا۔ آپ کے ساتھ ان غزوات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد بھی

[1] فصل الخطاب في مواقف الأصحاب لمحمد صالح الغرسي، ص: 77. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون، ص: 418. [3] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 180/1.

شامل تھی جن میں سیدنا عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس غزوے کا اختتام افریقیہ کے لاٹ پادری سے صلح، یعنی مسلمانوں کو جزیہ ادا کرتے رہنے کی شرط پر ہوا۔ ①

33ھ میں ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ دوبارہ افریقیہ گئے اور وہاں اسلامی نظام کو بہت مستحکم طریقے سے نافذ کیا۔ ②

سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے نمایاں کارناموں میں سے بلاد نوبہ کی فتوحات بھی ہیں جسے بعض مؤرخین غزوۂ اساودہ اور غزوۂ حبشہ بھی کہتے ہیں۔ یہ غزوہ 31ھ میں ہوا۔ مسلمانوں اور اہل نوبہ کے درمیان شدید لڑائی ہوئی اور اہل نوبہ کی زوردار تیراندازی سے بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ اس غزوے کا اختتام بھی اس شرط پر ہوا کہ اہل نوبہ سالانہ متعین جزیہ ادا کیا کریں گے۔ ③

سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان کمانڈر ہیں جو اہل نوبہ سے اس طرح نبرد آزما ہوئے کہ انھیں جزیہ دینے پر مجبور کر دیا۔ جب تک آپ مصر کے گورنر رہے اہل نوبہ اور مسلمانوں کے مابین ادائے جزیہ کا معاہدہ قائم رہا۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اہم جہادی کارناموں میں سے غزوۂ ''ذات الصواری'' بھی ہے جس میں مسلمانوں کو رومیوں پر عظیم الشان فتح نصیب ہوئی۔ مجموعی طور پر آپ کی امارت اہل مصر کے لیے قابل تعریف تھی۔ وہ خوش تھے۔ اور ان سے آپ کے بارے میں ناپسندیدگی کا ایک بھی واقعہ مروی نہیں۔ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں مقریزی کا بیان ہے: ''آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں مصر کے گورنر رہے۔ آپ اپنی

① فتوح مصر وأخبارها لابن عبد الحكم، ص: 183، والولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 180/1. ② النجوم الزاهرة لأبي المحاسن جمال الدين: 80/1. ③ الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 181/1، وفتوح مصر و أخبارها لابن عبدالحكم، ص: 188.

سلطنت میں بڑے قابل تعریف تھے۔''[1]

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ نے کبھی کوئی زیادتی نہیں کی نہ ایسا کوئی کام کیا جو قابل ملامت ہو۔ آپ صاحبِ عقل و بصیرت تھے اور آپ کا شمار سخی لوگوں میں ہوتا تھا۔''[2]

شروع شروع میں مصر کی سلطنت نہایت پر امن اور مستحکم تھی، پھر عبداللہ بن سبا جیسے فتنہ پرور لوگ وہاں پہنچے۔ جب ان کا اثر ورسوخ بڑھا تو انھوں نے لوگوں کو بغاوت پر اُکسایا۔ انھی سبائیوں اور ان سے متاثر لوگوں کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں نہایت گھناؤنا کردار ہے۔ اسی طرح مصر کے قانونی گورنر کو نکالنے اور دوسرے لوگوں کے غیر قانونی طریقے سے تمام امور پر تسلط پا لینے کے بعد وہاں کے اندرونی حالات بھی دگرگوں ہو گئے۔ اس دوران انھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف غلط افواہیں پھیلانے اور لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے کا خوب موقع ہاتھ آیا۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازشیں کرتے ہوئے جھوٹے اور من گھڑت واقعات لوگوں میں پھیلا دیے۔[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا تو سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے ملکی معاملات سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی اور عسقلان یا فلسطین کے شہر رملہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔

امام بغوی نے یزید بن ابی حبیب سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: سیدنا ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ فلسطین کے شہر رملہ کی طرف چلے گئے۔ جب صبح کی نماز کا وقت ہوا تو انھوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی: ''اے اللہ! میرا آخری عمل صبح کی نماز بنانا'' پھر وضو کیا اور نماز پڑھنے لگے۔ نماز ختم کی۔ دائیں طرف سلام پھیرا پھر جب بائیں جانب سلام پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کر لی۔''[4]

[1] الخطط للمقریزی: 299/1. [2] سیر أعلام النبلاء: 34/3. [3] الولایة علی البلدان للدکتور عبد العزیز العمري: 186/1. [4] الإصابة: 110/4، وسیر أعلام النبلاء: 35/3.

مروان اور اس کا والد حکم رحمہ اللہ

مروان بن حکم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نہایت قریبی عزیزوں میں سے تھے۔ ان کا مرکز خلافت سے نہایت گہرا تعلق تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے حوادث کی زیادہ تر کڑیاں انھی سے جا ملتی ہیں۔ ان کی حیثیت مملکت کے سیکرٹری یا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نائب کی سی تھی۔[1] لیکن یہ صورت حال نہیں تھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یک قلم چھوڑ کر صرف مروان ہی مدارالمہام بنا لیے گئے ہوں بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ چھوٹے بڑے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے باقاعدہ مشورہ لیتے تھے۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ مروان کی حیثیت اسلامی معاشرے میں عضو معطل کی سی تھی اور ان کا شمار اصحاب الرائے میں ہوتا ہی نہ تھا۔ مروان کی حیثیت کسی ایسے وزیر مملکت والی بھی نہیں تھی کہ جو سیاہ وسفید کا مالک ہو اور پوری سلطنت اس کے تابع ہو، وہ صرف خلیفہ کے سیکرٹری تھے اور اس عہدے کی اہمیت خلیفہ کی اجازت اور مہر پر منحصر ہے۔

جہاں تک اس دعوے کا تعلق ہے کہ مروان نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو الجھن میں ڈالا اور لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا تاکہ خلافت ان کے بعد بنو امیہ کی طرف منتقل ہو جائے تو یہ محض ایک بے بنیاد مفروضہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ خلافت بڑے خوفناک مراحل سے گزرنے کے بعد بنو امیہ کی طرف منتقل ہوئی۔ اس میں مروان کا کوئی قابل ذکر کردار نہیں تھا، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت اس قدر کمزور نہ تھی کہ ایک سیکرٹری اس حد تک ان کے اختیارات پر چھا جاتا جس طرح کہ بعض مؤرخین نے ظاہر کیا ہے۔[2]

اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ مروان نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے مگر رسالت

[1] عثمان بن عفان لصادق عرجون، ص: 117. [2] الدولة الأموية المفترى عليها للدكتور حمدی شاهين، ص: 160.

آپ ﷺ کے عہد مبارک میں وہ سمجھداری کی عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ ان کی عمر رسول اکرم ﷺ کی وفات کے وقت زیادہ سے زیادہ دس سال تھی۔ اسی لیے بعض نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن راجح بات یہ ہے کہ وہ تابعی تھے۔ قرآن پاک پڑھتے تھے اور دین میں سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ فتنے کے زمانے سے پہلے لوگوں کے سامنے ان کی کوئی قابل اعتراض عادت بھی سامنے نہیں آئی، اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا انھیں اپنا سیکرٹری بنا لینا کوئی جرم نہیں تھا۔ جہاں تک فتنے کا تعلق ہے تو اس کا شکار تو مروان سے افضل اور اعلیٰ شخصیات بھی ہو گئی تھیں۔ [1]

ایک واقعہ یہ بھی معروف ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے والد حکم کو جلاوطن کر دیا تھا۔ لیکن یہ واقعہ سنداً اور متناً ہر لحاظ سے ضعیف ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کا تعاقب کیا ہے اور اس کے ضعیف اور بے ہنگم ہونے کی وضاحت بھی کی ہے۔ [2]

مروان بن حکم کا علم، فقہ اور عدالت معروف تھی۔ ان کا شمار قریش کے ان نوجوان سرداروں میں ہوتا ہے جنھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں شہرت ملی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے ان کی فقاہت کی گواہی دی ہے اور ان کے فیصلوں اور فتاوی کو اپنی کتاب ''موطأ'' میں بطور حجت پیش کیا ہے۔ اسی طرح احادیث کی دوسری متداول کتابوں میں بھی ان کے قضایا وفتاوی مذکور ہیں جن پر امت عمل پیرا ہے۔ [3]

امام احمد رحمہ اللہ کا فرمان ہے: ''کہا جاتا ہے کہ مروان کے پاس مقدمے آتے تھے اور وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کی روشنی میں فیصلے کرتے تھے۔'' [4]

مروان بن حکم قرآن مجید کے بہت بڑے قاری تھے۔ وہ مشہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث بھی نقل کرتے ہیں۔ کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان سے بھی روایات بیان کرتے ہیں۔

[1] منهاج السنة لابن تيمية: 197/3. [2] منهاج السنة: 196,195/3. [3] الدولة الأموية المفترى عليها للدكتور حمدى شاهين، ص: 169. [4] البداية والنهاية: 260/8.

اسی طرح تابعین کی ایک جماعت نے بھی ان سے احادیث نقل کی ہیں۔[1]

آپ سنت کے متلاشی اور عامل تھے۔ مصر کے فقیہ لیث بن سعد اپنی سند سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مروان رحمہ اللہ نے ایک جنازے میں شرکت کی اور میت کو دفنائے جانے سے پہلے ہی واپس چلے گئے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''انھوں نے ایک قیراط حاصل کیا اور ایک قیراط سے محروم ہوگئے، یعنی ایک قیراط ثواب سے محروم ہوگئے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔[2] مروان رحمہ اللہ کو اس بات کی اطلاع دی گئی تو وہ دوڑتے ہوئے آئے اور اجازت ملنے تک وہیں بیٹھے رہے۔[3]

فتح الباری کے مقدمے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عم زاد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں شرف صحابیت حاصل تھا۔ اگر یہ ثابت ہوجائے تو پھر ان پر تنقید کرنے والوں کو تنقید کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔''[4]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علماء کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک وہ صحابی رسول ہیں کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے۔''[5]

مروان سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی جانب سے مدینہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ وہ فسق و فجور کرنے والوں کے سخت خلاف تھے۔ عیش پرستی اور عورتوں والے انداز کلام سے نفرت کرتے تھے۔[6]

رشتہ داری یا کسی بیرونی دباؤ سے قطع نظر رعایا سے عدل کرنے والے تھے۔ جب وہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے تو ان کے بھائی عبدالرحمن بن حکم نے اہل مدینہ کے ایک مولیٰ کو، جو گندم کے بیوپاری تھے، تھپڑ مار دیا۔ بیوپاری نے مروان سے شکایت کی۔ انھوں نے

(1) البداية والنهاية: 260/8. (2) البداية والنهاية: 260/8، و مسند أحمد: 430/2. (3) الدولة الأموية المفترى عليها للدكتور حمدي شاهين، ص: 200، والبداية والنهاية: 260/8. (4) فتح الباري: 164/2، وأباطيل يجب أن تمحى من التاريخ لإبراهيم شعوط، ص: 254. (5) البداية والنهاية: 259/8. (6) الدولة الأموية المفترى عليها للدكتور حمدي شاهين، ص: 200.

اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو بلوایا۔ بیوپاری کے سامنے بٹھایا اور اس سے کہا: تم اسے تھپڑ مار کر اپنا بدلہ لے لو۔ بیوپاری نے کہا: ''اللہ کی قسم! میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا۔ میں تو اسے اتنا بتانا چاہتا تھا کہ اس سے اوپر بھی کوئی ہے جو میری مدد کرسکتا ہے۔ میں یہ اختیار آپ کو دیتا ہوں۔'' مروان نے کہا: ''میں یہ قبول نہیں کرتا۔ تم اپنا حق خود لو۔'' اس نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں ہرگز تھپڑ نہیں ماروں گا۔ اس کا اختیار میں آپ کو دیتا ہوں۔'' مروان نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ ہاں! اگر تو اختیار دینا (معاف کرنا) چاہتا ہے تو اسے دے جس نے تجھے مارا ہے یا اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردے کہ وہ اس سے نبٹ لے۔'' اس نے کہا: ''میں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔'' عبدالرحمٰن نے اس بات کی وجہ سے طیش میں آکر اپنے بھائی مروان کی ہجو میں شعر کہے۔[1]

یہ مروان کے عدل، دینداری اور فقاہت کی ایک روشن مثال تھی اور یہ اس غلط بیانی سے یکسر مختلف ہے جسے عام مؤرخین پیش کرتے ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ مروان کی سیرت مسخ کر کے پیش کی جائے۔ انھوں نے ان کی وفات کو بھی اس انداز میں پیش کیا کہ ان کی شخصیت بدنام ہو۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کی بیوی ام خالد بن یزید بن معاویہ نے تکیے سے ان کا گلا دبا کر انھیں مار ڈالا تھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کی بیوی نے انھیں زہر دے دیا تھا۔ کیونکہ انھوں نے اس کے بیٹے خالد کو بھرے مجمع میں بُرا بھلا کہا تھا۔ یہ قصہ اپنے تمام تر مضامین اور مندرجات کے باعث اس قدر متضاد ہے کہ فوراً یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوتاہ نظر لوگوں کے من گھڑت تصورات ہیں جنھیں زبان کا لبادہ اوڑھا دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یا تو صرف خود غرضی کی تسکین کے لیے بکواس کرنا ہے یا اس معزز قبیلے کے بلند مرتبے کو حسد کی وجہ سے گھٹانا ہے۔[2]

(1) الدولة الأموية المفترى عليها للدكتور حمدي شاهين، ص: 200. (2) عبدالملك بن مروان للدكتور ضياء الدين الريس، ص: 12.

مروان طبعی موت فوت ہوئے؟ طاعون کا شکار ہوئے یا ان کی بیوی نے ان کا گلا گھونٹ دیا؟ روایات کا باہمی تعارض اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حقیقت حال غیر واضح ہے۔ جہاں تک بیوی کے قتل کرنے یا بعض لونڈیوں کے ذریعے قتل کرانے کی بات ہے تو وہ عقلاً اور نقلاً غلط ہے کیونکہ یہ خاتون نہایت شریف تھیں۔ ان کا تعلق نہایت اعلیٰ خاندان بنوعبد شمس سے تھا، اس پر مستزاد یہ کہ یہ مروان کی رشتہ دار تھیں۔ ایک خلیفہ (عبدالملک) کی بیوی اور ایک خلیفہ (معاویہ بن یزید بن معاویہ) کی ماں سے ایسی نازیبا حرکت ممکن نہیں۔ عموماً ایسے واقعات سے خاندان میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اگر یہ واقعی قتل تھا تو ان کے خاندان میں اختلاف پیدا کیوں نہیں ہوا؟ اور کسی نے بدلہ لینے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؟ پھر جس بات کو بنیاد بنایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مروان نے خالد کو مارا پیٹا تھا، اس لیے خالد کی ماں نے اسے قتل کر دیا، یہ بات انتہائی نامعقول ہے کیونکہ اتنی سی بات پر قتل جیسے جرم عظیم کا ارتکاب سمجھ سے بالاتر ہے پھر خالد بھی عبدالملک ہی کے پاس رہا۔[1]

بعض اہل علم سے منقول ہے کہ مروان کے آخری کلمات یہ تھے: ''جو آگ سے ڈر گیا اس کے لیے جنت واجب کر دی گئی۔'' اس کی انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ تھے: «اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ» ''عزت صرف اللہ کے لیے ہے۔'' بعض نے کہا ہے کہ درج ذیل الفاظ نقش تھے: «آمَنْتُ بِالْعَزِيزِ الرَّحِيمِ» ''میں اللہ غالب، رحم کرنے والا پر ایمان لایا۔''[2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ولید اور مروان کی مذمت پر مشتمل تمام روایات جھوٹ کا پلندہ ہیں۔''[3]

کیا عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کا مال اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرتے تھے؟

اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے مال سے اپنے کسی عزیز کو نوازتے تو اپنے زیر سایہ

[1] الدولة الأموية المفترى عليها للدكتور حمدي شاهين، ص :201. [2] البداية والنهاية :262/8.
[3] المنار المنيف، ص : 117، و فصل الخطاب في مواقف الأصحاب لمحمد صالح الغرسي، ص: 77.

پرورش پانے والے محمد بن ابی حذیفہ رحمہ اللہ کو نوازتے جو اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ لیکن آپ نے اسے ہر وہ چیز دینے سے انکار کر دیا جس کے وہ اہل نہیں تھے۔ ایک موقع پر آپ نے صاف صاف فرمایا: ''بیٹا! اگر تم عامل بننے کے اہل ہوتے تو میں تمھیں عامل بنا دیتا لیکن تم اس منصب کے اہل نہیں ہو۔''[1]

ایسا اس وجہ سے نہیں تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ انھیں چاہتے نہیں تھے یا ان سے نفرت کرتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو جب انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مصر جانے کی اجازت طلب کی تو آپ ان کو خود اپنی جیب سے زادِ راہ اور سواری مہیا نہ کرتے۔ آپ نے انھیں خود اپنے خرچے پر مصر روانہ کیا۔[2]

جہاں تک معرکوں کے کمانڈر مقرر کرنے کا تعلق ہے تو اس معاملے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے آخری ایامِ مبارک میں رومیوں پر فوج کشی کے لیے ایک لشکر تیار کیا جس کا امیر سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا۔[3]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ لشکر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ ہی کی قیادت میں روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر مشورہ دیا کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی جگہ کوئی تجربہ کار کمانڈر مقرر کیا جائے۔ لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ وہ اس بارے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بات کریں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے نہایت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''عمر! اسامہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمانڈر مقرر کیا ہے اور تم انھیں معزول کرنے کا مشورہ دیتے ہو!''[4]

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:247/1. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:447/1، وتاريخ الطبري :416/5. [3] تاريخ الطبري:416/5، وتحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:247/1 [4] تاريخ الطبري :46/5.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر جب نو عمر عمال مقرر کرنے پر اعتراض ہوا تو انھوں نے بھرے مجمع میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے سامنے کہا: ''میں نے حلیم، بردبار، بھرپور، قابل اور پسندیدہ نوجوانوں کو عامل مقرر کیا ہے۔ آپ وہاں کے ذمہ داروں سے ان کے بارے میں پوچھ سکتے ہیں۔ اور وہاں کی رعایا سے ان کے متعلق دریافت کر سکتے ہیں۔ میرے پیش روؤں نے ان سے بھی کم عمر نوجوانوں کو عامل مقرر کیا۔ جو اعتراض مجھ پر ہوا ہے، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس وقت ہوا تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو کمانڈر مقرر کیا تھا۔ کیا اب بھی یہی معاملہ نہیں ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''ہاں! بے شک بعض لوگ ایسے اعتراضات کرتے ہیں جنھیں وہ ثابت نہیں کر سکتے۔''[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھرپور نوجوانوں اور عادل افراد ہی کو عامل مقرر کیا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا عامل مقرر کیا تو ان کی عمر صرف بیس سال تھی۔''[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شہروں کے گورنر احکام شرعی سے بے خبر نہیں تھے نہ وہ دینی امور میں کوتاہی کرنے والے تھے۔ اگر ان کے گناہ تھے تو ان کی نیکیاں بھی بہت زیادہ تھیں، باوجود اس کے کہ ان کی نیکیوں اور گناہوں کا تعلق خود ان کی ذات سے ہے۔ مسلم معاشرے پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا۔ ہم نے ان کے گورنروں کی گورنری کے ایام کا جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ ان سے اسلام اور مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ لاکھوں لوگ ان کی کاوشوں سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور ان کی فتوحات کے نتیجے میں مملکت اسلامیہ کی سرحدیں دور تک پھیل گئیں اور بہت سے نئے علاقے مملکت اسلامیہ کا حصہ بنے۔ اگر ان میں دینداری اور بہادری نہ ہوتی تو وہ دشمن سے جہاد نہ کرتے اور جان جوکھوں میں ڈال کر خود میدان کارزار میں مجاہدوں کی قیادت کرتے نظر نہ آتے، میدانِ جہاد میں مال و متاع اور سکون وراحت کی قربانی لازمی بات ہے۔ ہم نے ان گورنروں کی

[1] تاریخ الطبري :355/5. [2] البدایة والنهایة : 178/7.

سیرت کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا تو ہمیں یہی معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر ایک نہایت اعلیٰ صفات و کردار اور عمدہ صلاحیتوں کا مالک تھا اور اس نے اپنی ریاست کے نواحات میں فتوحات کا دائرہ وسیع کیا۔[1]

یقیناً جو آدمی رطب و یابس سے پاک صحیح تاریخی واقعات کی طرف رجوع کرتا ہے اور ان لوگوں کی سیرت و کردار کا مطالعہ کرتا ہے جن سے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے امور مملکت چلانے میں معاونت لی، نیز اسلامی دعوت کی تاریخ میں ان کے جہادی کارناموں کے اثر جمیل اور حسن انتظام کے نتیجے میں امت کی سعادت کو دیکھتا ہے تو وہ ان کے اس سنہرے دور کو داد دیے اور فخر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ جب بھی تاریخ اسلامی کے ان ادوار کا گہرائی سے مطالعہ کرتا ہے تو مختلف قسم کے عظیم کارنامے دیکھ کر اس کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنر مسلسل دشمن کا مقابلہ کرنے، مملکت کا دفاع کرنے، ان سے جہاد کرنے اور انھیں سرحدوں سے دور رکھنے میں مشغول رہے لیکن یہ مصروفیت مملکت کی سرحدیں وسیع کرنے اور نئے علاقے فتح کرنے میں ان کے آڑے نہ آئی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں پیدا ہونے والے فتنوں کا براہ راست الزام ان کے گورنروں پر لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے فتنے بپا ہونے میں مرکزی کردار ادا کیا، انھوں نے لوگوں پر ظلم کیے جن کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مداوا نہیں کیا۔ لیکن اگر حقائق کو مدنظر رکھا جائے تو نام نہاد ظلم و زیادتی کے پھیلائے ہوئے واقعات میں سے ایک واقعہ بھی پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتا۔ ان خود ساختہ قصوں کی وہی حیثیت ہے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اقرباء پروری کے الزامات کی ہے اور اس جھوٹ کا ہم گزشتہ صفحات میں قلع قمع کر آئے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کی خیر خواہی اور ولایت کے اہل امراء مقرر کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے باوجود خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنر اس دور کے فتنہ پردازوں

[1] المدینۃ المنورۃ لمحمد حسن شُراب: 211/2. [2] حاشیۃ المنتقیٰ من منہاج الاعتدال، ص: 390.

کے الزامات سے نہ بچ سکے۔ اسی طرح تحقیق سے نابلد اور انصاف سے خالی تذکرہ نگاروں کے زہریلے قلم بھی اپنی کتابوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی روح کو مجروح کرتے رہے اور تا حال کر رہے ہیں۔ خصوصاً دور جدید کے مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے بغیر کسی قید کے آزادانہ فیصلے کیے ہیں جن کا دارومدار کسی تحقیق پر نہیں ہے۔ اگر انھوں نے معتبر مصادر پر اعتماد کیا بھی ہے تو مخصوص احوال و واقعات کو اپنے استدلال کی بنیاد بنایا ہے۔ ان میں سے بہت سے ایسے تذکرہ نگار ہیں جو ضعیف اور رافضیوں کی خود ساختہ روایات کی دلدل میں پھنس گئے ہیں اور انھوں نے خلیفۂ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں باطل اور مبنی بر ظلم فیصلے کیے ہیں، جیسے طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب الفتنة الکبریٰ میں، راضی عبدالرحیم نے اپنی کتاب النظام الإداري والحربي میں، صبحی صالح نے اپنی کتاب النظم الإسلامية میں، مولوی حسین نے اپنی کتاب الإدارة العربية میں، صبحی محمصانی نے اپنی کتاب تراث الخلفاء الراشدين في الفقه والقضاء میں، توفیق یوزبکی نے اپنی کتاب دراسات في النظم العربية والإسلامية میں، محمد ملحم نے اپنی کتاب تاريخ البحرين في القرن الأول الهجري میں، بدوی عبداللطیف نے اپنی کتاب الأحزاب السياسية في فجر الإسلام میں، انور رفاعی نے اپنی کتاب النظم الإسلامية میں، محمد الریس نے اپنی کتاب النظريات السياسية میں، علی حسنی خربوطلی نے اپنی کتاب الإسلام والخلافة میں، ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں اور سید قطب نے اپنی کتاب العدالة الاجتماعية میں اپنے پراگندہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اسی طرح دیگر کئی تذکرہ نگار اِسی گمراہی کے راستے پر چلے ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ واقعی ایسے مظلوم برحق خلیفہ ہیں جن پر ان کے ہم عصر حریفوں نے بھی جھوٹ باندھے اور متاخرین نے بھی آپ سے انصاف نہیں کیا۔[1]

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 1/222-232.

سیدنا عثمان اور سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کے باہمی تعلقات

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والے آپ پر اس لیے طعن و تشنیع کرتے ہیں کہ آپ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ عبداللہ بن سبا نے شام میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور انھیں زہد و قناعت کا سبق دیا۔ فقراء سے ہمدردی اور ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کے وجوب کا احساس اُجاگر کیا تو وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عیب جوئی کرنے لگے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ انھیں پکڑ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور ان سے کہا: ''اللہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو آپ کے پاس بھیجا ہے۔ تب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو شام سے نکال دیا۔ [1]

احمد امین نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے موقف اور مزدک فارسی کے موقف کے درمیان مشابہت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور مشابہت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ابن سبا یمن میں تھا۔ اس نے پورے عراق کا دورہ کیا۔ دعوت اسلام سے قبل عراق اور یمن میں فارسیوں ہی کی حکومت تھی، لہٰذا یہ بات قرین قیاس ہے کہ ابن سبا نے یہ (زہد و قناعت کا) فلسفہ عراق کے مزدکیوں سے اخذ کیا ہو اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے فہم کے مطابق نیک نیتی کی بنا پر اپنا لیا ہو۔ [2]

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے قصے میں جو کچھ کہا گیا ہے، جس کی بنا پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے، وہ باطل ہے۔ اس کی بنیاد صحیح روایات پر نہیں ہے اور جو کچھ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اور ابن سبا کے باہمی تعلقات کے بارے میں کہا گیا ہے، وہ بھی یقیناً باطل ہے۔ [3]

[1] المدينة المنورة لمحمد حسن شُراب: 217,216/2. [2] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب، ص: 110. [3] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 217/2.

صحیح بات یہ ہے کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے ربذہ میں اپنی مرضی سے سکونت اختیار کی تھی۔ اور جہاں تک ان کے موقف کا تعلق ہے تو وہ ان کے اجتہاد کی بنا پر تھا۔ انھوں نے قرآن مجید کی آیت سمجھنے میں باقی صحابہ سے ہٹ کر موقف اختیار کیا۔ مزید یہ کہ وہ اپنی رائے پر مصر بھی تھے۔ لیکن جب کسی بھی صحابی نے اس موقف پر ان کی موافقت نہ کی تو انھوں نے عراق اور مکہ کے درمیان جگہ ربذہ میں قیام پذیر ہونے کی اجازت طلب کی جہاں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جاتے رہتے تھے۔ ان کا وہاں قیام زبردستی جلا وطنی کی بنا پر نہ تھا۔ نہ انھیں وہاں رہنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ نہ خلیفہ نے انھیں اپنے موقف سے رجوع کرنے پر مجبور کیا کیونکہ ان کی رائے کسی حد تک معقول تھی لیکن مسلمانوں کے لیے ضروری نہیں تھا کہ ان کی رائے کی پیروی کریں۔ [1]

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کے قصے میں صحیح ترین بات وہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں زید بن وہب کے حوالے سے بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''میں ربذہ سے گزرا۔ وہاں سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نظر آئے۔ میں نے ان سے دریافت کیا: ''آپ یہاں کیسے؟'' انھوں نے فرمایا: ''میں شام میں تھا۔ میرے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اس آیت کے فہم میں اختلاف ہوگیا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴾

''اے ایمان والو! بے شک اکثر علماء اور درویش لوگوں کا مال ناحق ہی کھاتے ہیں اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو آپ انھیں درد ناک عذاب کی خبر سنا دیں۔'' [2]

[1] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 2/217. [2] التوبة 9:34.

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔'' اور میں یہ کہتا تھا: ''یہ ہمارے اور ان کے دونوں کے بارے میں نازل ہوئی۔'' اس اختلاف کے نتیجے میں میرے اور ان کے درمیان کچھ تلخی پیدا ہوگئی۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے میری شکایت کردی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے لکھا کہ تم مدینہ آجاؤ، چنانچہ میں وہاں چلا گیا۔ وہاں اس قدر لوگ میرے پاس آئے جیسے انھوں نے مجھے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔ جب میں نے لوگوں کے اس طرح اپنی طرف آنے کے بارے میں عثمان رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا تو انھوں نے فرمایا: ''اگر آپ بہتر سمجھیں تو مدینہ کے قریب کہیں باہر چلے جائیں۔'' اس وجہ سے میں یہاں قیام پذیر ہوگیا ہوں۔ اگر وہ مجھ پر کسی حبشی کو بھی امیر مقرر کردیں تو میں ضرور سمع و طاعت کروں گا۔''[1]

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے درج ذیل نہایت اہم باتوں کا اشارہ ملتا ہے:

- زید بن وہب رحمہ اللہ نے معاندین عثمان رضی اللہ عنہ کے پھیلائے ہوئے واقعات کی تحقیق کرنے کے لیے خود سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں آنے کی وجہ دریافت کی کہ آپ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جلاوطن کیا ہے یا آپ از خود یہاں آئے ہیں؟ سیاق کلام دلالت کرتا ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ جب شام سے مدینہ آئے تو بہت زیادہ لوگ شام سے مدینہ آنے کا سبب دریافت کرنے لگے چنانچہ انھوں نے وہاں سے چلے جانا مناسب سمجھا۔ اس میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ربذہ جانے کا حکم دیا ہو بلکہ انھوں نے خود ہی وہاں رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی تائید عبداللہ بن صامت کے اس اثر سے بھی ہوتی ہے جسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اور میں دونوں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ تو سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے سر سے کپڑا ہٹاتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! میرا ان (خوارج) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم نے تو

[1] صحيح البخاري، حديث: 1406.

آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ مدینہ میں رہیں۔'' سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں یہاں نہیں رہنا چاہتا، آپ مجھے ربذہ میں قیام پذیر ہونے کی اجازت مرحمت فرما دیں۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ٹھیک ہے۔''[1]

❊ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ ''میں شام میں تھا'' اس کی وضاحت کی بابت مسند ابو یعلی میں سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا: ''جب (مدینہ کی) آبادی سلع پہاڑ تک پہنچ جائے تو تم شام چلے جانا۔'' لہٰذا جب اس کی آبادی سلع تک پہنچ گئی تو میں شام آ گیا اور یہاں رہنا شروع کر دیا۔[2]

ام ذر رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے، وہ فرماتی ہیں: ''اللہ کی قسم! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ کی طرف جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا:

«إِذَا بَلَغَ الْبِنَاءُ سَلْعًا، فَاخْرُجْ مِنْهَا»

''جب (مدینہ کی) آبادی سلع تک پہنچ جائے تو یہاں (مدینہ) سے چلے جانا۔''[3]

❊ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کا مال جمع کرنے کے متعلق جو واقعہ ہے (کہ وہ اسے ناجائز سمجھتے تھے) تو یہ ان کے اجتہاد کی بنا پر تھا۔ انھیں قرآن مجید کی اس آیت کے فہم میں اجتہادی غلطی لگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْأَحْبَارِ وَٱلرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۗ وَٱلَّذِينَ يَكْنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِى نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُواْ مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝﴾

[1] فتح الباري:3/274. [2] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب:2/219. [3] سير أعلام النبلاء: 2/72، صحيح الإسناد.

”اے ایمان والو! بے شک اکثر علماء اور درویش لوگوں کا مال ناحق ہی کھاتے ہیں اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو آپ انھیں درد ناک عذاب کی خبر سنا دیں جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا:) یہ وہ (مال) ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا، لہٰذا (اب اس کا مزہ) چکھو جو تم جمع کرتے رہے تھے۔“[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اس آیت: يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا ... کی وعید سے لوگوں کو ڈراتے تھے۔

احنف بن قیس کہتے ہیں کہ میں قریش کے ایک گروہ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا تھا کہ اس دوران ایک پراگندہ بالوں اور کھردرے کپڑوں والا نہایت سادہ شخص آیا۔ وہ اہل مجلس کے پاس آ کر رک گیا، انھیں سلام کیا اور کہا: ”خزانہ جمع کرنے والوں کو گرم پتھروں کی بشارت ہو جنھیں آگ میں تپایا جائے گا اور پھر ان میں سے کسی ایک کے پستان کے سرے پر رکھا جائے گا تو وہ کندھے کی پتلی ہڈی کے دوسری جانب نکل جائے گا۔ اسی طرح اس کے کندھے کی باریک ہڈی پر رکھا جائے گا تو پستان کے سرے سے نکل آئے گا اور اسی طرح حرکت کرتا رہے گا۔“ یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا اور ایک ستون کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ میں اس کے پیچھے گیا اور اس کے پاس جا بیٹھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے، لہٰذا میں نے اس سے کہا: ”لوگوں نے آپ کی بات پسند نہیں کی۔“ اس نے کہا: ”دراصل وہ شعور نہیں رکھتے۔“[2] اور سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے استدلال کیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] التوبة 9:34،35. [2] صحيح البخاري، حديث: 1407.

«مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، أُنْفِقُهُ كُلَّهُ، إِلَّا ثَلَاثَةَ دَنَا[illegible]

''میں نہیں چاہتا کہ میرے پاس احد پہاڑ برابر سونا ہو تو سوائے تین دینار کے کچھ اپنے پاس رکھوں۔ بلکہ سارے کا سارا خرچ کر کے (چین حاصل کروں۔)''[1]

❁ جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کے اس موقف کی مخالفت کی ہے اور اس وعید کو مانعین زکاۃ پر محمول کیا ہے۔ انھوں نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَ[illegible]قَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ [illegible] صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ [illegible] سُقٍ صَدَقَةٌ»

''پانچ اوقیہ (چاندی) سے کم میں زکاۃ نہیں اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکاۃ نہیں، نیز پانچ وسق سے کم غلے میں بھی زکاۃ نہیں ہے۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ چیزیں اگر پانچ یا اس سے بڑھ جائیں تو اس میں زکاۃ ہے۔ یہ بات تقاضا کرتی ہے کہ جس مال کی زکاۃ ادا کر دی جائے تو پھر صاحب مال پر کوئی وعید نہیں۔ اور زکاۃ ادا کرنے کے بعد باقی مال کو کنز (خزانہ) نہیں کہا جائے گا۔''[3]

ابن رشد کہتے ہیں: ''جو پانچ سے کم ہو اس میں بلاشبہ زکاۃ نہیں ہے۔ اس میں جو اللہ تعالیٰ کا حق تھا وہ معاف کر دیا گیا، لہٰذا وہ تو قطعاً کنز (خزانہ) نہیں ہے۔ اور جہاں تک اس سے زائد مال کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے زکاۃ ادا کرنے والے کی تعریف کی ہے۔ اور جس مال پر واجب حق ادا کرنے پر تعریف کی گئی ہے اس کا مالک یقیناً مذموم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس مال ہی کی وجہ سے تو اس کی تعریف کی گئی ہے۔''[4]

[1] صحيح البخاري، حديث: 1408. [2] صحيح البخاري، حديث: 1405. [3] فتح الباري: 272/3. [4] فتنة مقتل عثمان رضي الله عنه للدكتور محمد عبد الله الغبان: 107/1.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک زکاۃ واجب نہ ہو وہ مال کنز نہیں ہے کیونکہ اتنا مال رکھنا جائز ہے۔ اور جب زیادہ مال کی زکاۃ ادا کر دی جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ جب اس کی زکاۃ ادا کر دی گئی تو اس کا رکھنا بھی جائز ہوا اور جب زکاۃ ادا ہو گئی تو وہ کنز (خزانے) کے حکم سے خارج ہو گیا۔''[1]

ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ مال جمع کرنا اس وقت مذموم ہے جب اس کی زکاۃ ادا نہ کی جائے۔ اس موقف کی دلیل سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی درج ذیل مرفوع حدیث بھی ہے:

«إِذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ، فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ»

''جب تم نے اپنے مال کی زکاۃ ادا کر دی تو یقیناً تم نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔''

زاہدوں کے ایک طبقے مثلاً سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے علاوہ کسی نے اس موقف کی مخالفت نہیں کی۔[2]

❊ انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت درج ذیل اثر سے ہوتی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدت پر مبنی روایت سنتے تو اپنی قوم کی طرف چلے جاتے۔ انھیں سلام کرتے اور شاید ان پر سختی کرتے، پھر کچھ عرصہ بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے میں رخصت دے دیتے جسے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے نہ سنا ہوتا تو وہ اپنے سختی والے موقف ہی پر کاربند رہتے۔''[3]

❊ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ ''اگر آپ مناسب سمجھیں تو مدینہ کے کسی قریبی علاقے میں چلے جائیں۔'' دلالت کرتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نہایت نرمی اور محبت سے گزارش کی

[1] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبدالله الغبان: 107/1. [2] فتح الباري: 273/3. [3] مسند أحمد: 125/5.

کہ اگر صورتحال ایسی ہے تو پھر آپ یہاں سے کسی اور جگہ چلے جائیں۔ اجباری حکم نہیں دیا نہ کسی معین مقام پر قیام کرنے پر مجبور کیا۔ اگر سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ انکار کر دیتے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کسی صورت بھی انھیں زبردستی نہ نکالتے۔ لیکن سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ خلیفہ کے مطیع تھے۔ کیونکہ انھوں نے اپنی گفتگو کے آخر میں کہا تھا: ''اگر وہ مجھ پر کسی حبشی کو بھی امیر مقرر کر دیں تو پھر بھی میں سمع و طاعت میں کوتاہی نہیں کروں گا۔''[1]

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فتنہ و فساد اور خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت کے سخت مخالف تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ان دنوں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ ربذہ میں مقیم تھے، انھوں نے کہا: ''اس آدمی، یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ یہ یہ سلوک کیا ہے۔ کیا آپ ان کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے؟'' انھوں نے فرمایا: ''ہرگز نہیں! اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجھے مشرق سے مغرب میں بھی بھیج دیں تب بھی میں ان کی سمع و طاعت سے سرتابی نہیں کروں گا۔''[2]

* سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے مدینہ منورہ سے ربذہ جانے یا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے انھیں وہاں منتقل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ دوسرے صوبوں میں فتنوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین طرح طرح کی جھوٹی افواہیں پھیلا رہے تھے۔ وہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے مال جمع کرنے کے عدم جواز والے موقف سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے تھے کیونکہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے والے انسان نہیں تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مفادات کے حصول کی بجائے مفاسد سے بچنا مناسب سمجھا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے مدینہ منورہ میں رہنے کا فائدہ یہ تھا کہ بہت سے تشنگان علم ان سے مستفید ہوتے تھے۔ لیکن مال کے معاملے میں ان کے مبنی بر شدت موقف کے پھیلنے کے مفاسد زیادہ تھے، اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ربذہ میں ٹھہرانا مناسب سمجھا۔

[1] صحیح البخاري، حدیث: 1406. [2] الطبقات لابن سعد: 227/4.

❊ ابوبکر ابن العربی کہتے ہیں: ''سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ زاہد انسان تھے، وہ دیکھتے کہ لوگ میسر آنے پر سواریوں اور لباس میں فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ تو وہ ان پر تنقید کرتے اور چاہتے تھے کہ لوگ ان آسائشوں سے کلی طور پر الگ ہو جائیں، حالانکہ یہ ضروری نہیں تھا۔ اسی وجہ سے شام میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کے مابین تلخی ہوگئی تو وہ وہاں سے مدینہ چلے آئے۔ یہاں لوگوں نے ان کے ہاں آنا جانا شروع کر دیا۔ اور وہ اپنے موقف کی ترویج کرنے لگے۔ یہ صورتحال دیکھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ علیحدگی اختیار کر لیں تو بہتر ہے، یعنی آپ کا جو موقف ہے اس پر رہتے ہوئے لوگوں کا آپ کے ساتھ میل جول مناسب نہیں۔ جس کا موقف سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ والا ہو اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ تنہا رہے۔ اگر وہ لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہو تو اپنے موقف کو لوگوں پر مسلط نہ کرے بلکہ ہر شخص کو اس چیز کے بارے میں جسے شریعت نے حرام قرار نہیں دیا، اس کے حال پر چھوڑ دے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو کے بعد باکمال زاہد سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے گئے جبکہ کئی جلیل القدر فضلاء وہیں رہے۔ اور ہر ایک خیر و برکت اور فضیلت پر کار بند تھا۔ تاہم سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کا معاملہ ان سے بہتر تھا۔ لیکن ان کی طرح ان کے موقف کے مطابق عمل کرنا تمام لوگوں کے لیے ممکن نہیں تھا کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے تو ہلاک ہو جاتے، لہٰذا پاک ہے ذات باری تعالیٰ جس نے لوگوں کے یہ مراتب بنائے۔''[1]

ابن العربی مزید لکھتے ہیں: ''سیدنا معاویہ اور سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہما کے مابین تلخ کلامی ہوئی کیونکہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بھی زاہد اور صاحب فضیلت انسان تھے اور شام میں عہدۂ قضا پر فائز تھے۔ جب انھوں نے تنفیذ حق میں شدت سے کام لیا اور ایک غیر متحمل قوم میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ والی روش اختیار کی، یعنی سختی کی تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر دیا۔ وہ وہاں سے مدینہ منورہ آ گئے۔ یہ سارے کام مصلحت کے تحت کیے گئے۔ اس سے کسی کے

[1] العواصم من القواصم للقاضي أبوبكر ابن العربي، ص: 77.

دین پر انگشت نمائی کرنا یا کسی مسلمان کا درجہ گھٹانا قطعاً مناسب نہیں۔ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ میں کوئی خامی نہیں تھی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو ان سے بھی بڑھ کر خامیوں اور نقائص سے مبرا تھے، لہٰذا جس نے یہ روایت کیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں جلاوطن کر دیا تھا اور اس کے اسباب بھی بیان کیے ہیں تو یہ سارا قصہ ہی جھوٹ کا پلندا ہے۔''[1]

کسی صحابی نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ ان کا موقف غلط ہے کیونکہ جو ایسا کرنے کی طاقت رکھتا ہے اس کے لیے یہ کام قابل تعریف ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو اپنا موقف چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔ انھوں نے صرف اتنا کہا کہ آپ حلال مال کے استعمال میں لوگوں پر تنقید نہ کریں۔ اور جس نے یہ بیان کیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو مطلق فتویٰ دینے سے روک دیا تھا تو یہ روایت صحت کے درجے تک نہیں پہنچتی۔[2]

صحیح بات وہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلٰى هٰذِهِ۔ وَ أَشَارَ إِلٰى قَفَاهُ۔ ثُمَّ ظَنَنْتُ أَنِّي أُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَبْلَ أَنْ تُجِيزُوا عَلَيَّ؛ لَأَنْفَذْتُهَا»

''اگر تم تلوار یہاں رکھ دو۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا اور کہا: پھر میں سمجھوں کہ میری گردن مارے جانے سے پہلے میں نبی اکرم ﷺ سے سنی ہوئی ایک بات سنا سکتا ہوں تو وہ بات میں ضرور سنا کر رہوں گا۔''[3]

صحیح بخاری میں یہ منقول نہیں ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو فتویٰ دینے

[1] العواصم من القواصم للقاضي أبوبكر ابن العربي، ص: 79. [2] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب: 223/2. [3] صحيح البخاري، قبل الحديث: 68.

سے منع کیا تھا کیونکہ کسی صحابی کو مطلق طور پر فتویٰ دینے سے منع کر دینا ایسی بات نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے مخفی رہے۔[1]

❊ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں مطلق طور پر فتویٰ دینے سے روکا ہوتا تو انھیں کسی ایسی جگہ بھیجتے جہاں کوئی آدمی انھیں نہ دیکھ سکتا یا مدینہ میں نظر بند کر دیتے یا پھر مدینہ منورہ میں داخل ہی نہ ہونے دیتے۔ لیکن آپ نے انھیں ایسی جگہ ٹھہرایا جہاں لوگوں کا بکثرت گزر ہوتا تھا۔ کیونکہ ربذہ عراق سے آنے والے حجاج کرام کے ٹھہرنے کی جگہ تھی اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے بہت لگاؤ تھا، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز ادا کرتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے بس یہی کہا: ''مناسب سمجھیں تو قریب کسی جگہ چلے جائیں۔'' ربذہ[2] مدینہ منورہ سے دور نہیں تھا۔ یہ مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تھی جہاں صدقے کے اونٹ چرتے تھے۔ اسی لیے بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو صدقے کے اونٹوں میں سے کچھ اونٹ اور دو غلام بھی عنایت کر دیے، نیز ان کا ماہوار خرچ بھی مقرر کیا تھا۔ اور ربذہ مدینہ منورہ سے مکہ کے راستے میں ٹھہرنے کی نہایت اچھی جگہ تھی۔[3]

امام طبری رحمہ اللہ نے ایسے واقعات نقل کرنے کے بعد، جن سے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے ازخود وہاں سے چلے جانے کا پتا چلتا ہے، لکھا ہے: جہاں تک دوسرے لوگوں کا تعلق ہے تو انھوں نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے ربذہ چلے جانے کے بے شمار اسباب اور شرمناک امور بیان کیے ہیں، میں ان کا تذکرہ کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔[4]

تاریخی حقائق ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو جلاوطن نہیں

[1] المدینة المنورة لمحمد حسن شراب: 224/2. [2] ربذہ: مدینہ سے تقریباً پونے دوسو کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔ آج کل مدینہ ریاض شاہراہ پر مقام حناکیہ سے ربذہ کی طرف راستہ نکلتا ہے۔

[3] تاریخ الطبري: 286/5. [4] تاریخ الطبري: 288/5.

کیا تھا بلکہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجازت طلب کرنے پر انھیں ربذہ منتقل ہونے کی اجازت دی تھی۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دشمن جلاوطنی کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں، اسی لیے جب غالب القطان نے حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا تھا: ''اللہ کی پناہ! ہرگز نہیں۔''[1]

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے جلاوطن ہونے کے بارے میں جتنی بھی روایات مروی ہیں ان کی نہ صرف اسناد ضعیف ہیں بلکہ ان کا متن بھی منکر ہے کیونکہ یہ ضعیف روایات ان صحیح اور حسن روایات کی مخالف ہیں جن میں اس بات کی صراحت ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجازت طلب کرنے پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ربذہ جانے کی اجازت دی تھی۔[2] بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے پاس رکھنے کے لیے شام سے بلایا تھا۔ جب وہ شام سے مدینہ آئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''ہم نے بہت بڑی خیر کے لیے آپ کو یہاں بلایا ہے تاکہ مدینہ میں آپ ہمارے ساتھ رہیں۔''[3] اور یہ بھی فرمایا: ''آپ میرے پاس رہیں صبح و شام آپ کی دودھ سے تواضع کی جائے گی۔''[4] بھلا جو شخص اتنی محبت نچھاور کر رہا ہے وہ انھیں جلاوطن کیسے کر سکتا ہے؟[5]

جلاوطن کرنے کے بارے میں نص صرف وہ روایت ہے جسے ابن سعد نے بیان کیا ہے۔ اور اس میں بریدہ بن سفیان راوی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وہ قوی نہیں ہے اور اس میں رافضیت کے عناصر بھی ہیں۔'' کیا کسی رافضی کی روایت قبول کی جا سکتی ہے جبکہ وہ صحیح اور حسن روایات سے ٹکراتی بھی ہو؟[6]

رافضیوں نے اس واقعے کو بہت ہی غلط رنگ دے دیا اور یہ مشہور کیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

[1] تاریخ المدینة لابن شبة، ص: 1037، وإسناده صحیح. [2] فتنة مقتل عثمان للدکتور محمد عبد اللّٰه الغبان: 110/1. [3] تاریخ المدینة لابن شبة، ص:1037,1036، وإسناده حسن. [4] الطبقات لابن سعد :227,226/4. [5] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد اللّٰه الغبان: 111/1.
[6] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد اللّٰه الغبان : 111/1.

نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ کی طرف جلاوطن کیا تھا۔ اور خارجیوں کی طرف سے بھی آپ پر یہی اعتراض تھا جسے بہانہ بنا کر انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی۔[1]

اسی اعتراض کی بنا پر ابن المطہر الحلی رافضی (متوفی 726ھ) نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مطعون ٹھہرایا بلکہ یہاں تک کذب بیانی سے کام لیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو بُری طرح پیٹا تھا۔[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بڑے زوردار طریقے سے اس کا جامع مانع رد کیا ہے۔[3]

اس امت کے سلف صالحین اس واقعے کی حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے، اسی لیے جب حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کیا تھا؟ تو انھوں فرمایا: ''اللہ کی پناہ! ایسا ہرگز نہیں ہوا۔''[4]

امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے سامنے جب یہ کہا جاتا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کیا تھا تو یہ انھیں ناگوار گزرتا اور وہ فرماتے: ''وہ ازخود گئے تھے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں نہیں نکالا تھا۔''[5]

جیسا کہ اس سے قبل صحیح الاسناد روایات میں گزر چکا ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب محسوس کیا کہ لوگوں کے کثرت کے ساتھ ان کے پاس آنے کی وجہ سے کوئی فتنہ کھڑا ہوسکتا ہے تو انھوں نے اس کا تذکرہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا گویا کہ وہ وہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کی اجازت طلب کررہے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ''اگر آپ مناسب سمجھیں تو قریب کسی علاقے میں منتقل ہوجائیں۔''[6]

[1] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 111/1. [2] منهاج السنة لابن تيمية: 183/6. [3] منهاج السنة: 271/6و355. [4] تاريخ المدينة لابن شبة، ص: 1037، وإسناده صحيح. [5] تاريخ المدينة لابن شبة، ص: 1037، وإسناده صحيح. [6] صحيح البخاري، حديث: 1406.

کیا سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن سبا سے متاثر تھے؟

سعید افغانی نے اپنی کتاب عائشة والسياسة میں ابن سبا کے حالات لکھے اور فتنوں کے پس منظر میں ابن سبا کے کردار کی نہایت کرخت شکل پیش کی ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین ہونے والی تمام جنگوں، فتنوں اور سازشوں کا اسی کو محرک قرار دیا ہے۔ اس کا خیال یہ ہے کہ اس زبردست مضبوط اور منظّم سازش کی نگرانی نہایت باخبر، ابلیس صفت انسانوں نے کی ہے۔ انھوں نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے اپنے خفیہ معاملات کو ابن سبا کے ذریعے ایک نہج پر چلائے رکھا۔ یہاں تک کہ مملکت اسلامیہ کے تمام خطوں میں اس کے نتائج ظاہر ہوئے، اسی لیے اس نے یہ عنوان قائم کیا ہے:

«ابن سبأ البطل الخفي المُخِيف» ''ابن سبا چھپا ہوا خوفناک رستم۔''[1]

افغانی جب ابن سبا کا تذکرہ کرتا ہے تو اسے نہایت ذہین، فہم و فراست والا، دوراندیش، سازشی اور اکثریت کو متاثر کرنے والا شمار کرتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے نزدیک کوئی مافوق الفطرت شخصیت تھی۔ اس کے نزدیک وہ قطعی طور پر خفیہ صہیونی تحریک کا سورما تھا جس کا مقصد سلطنت اسلامیہ کو توڑنا تھا۔[2]

اس کا میلان اس طرف بھی ہے کہ ابن سبا مملکت روم کے مفاد کے لیے کام کرتا تھا جس کے دو کونے مصر اور شام ماضی قریب ہی میں مسلمانوں نے رومیوں سے چھینے تھے۔ اور ان دو صوبوں کے علاوہ بحر متوسط کے کئی شہر مسلمانوں نے اپنے قبضے میں لے رکھے تھے۔ وہ ابن سبا کی مذہبی، سیاسی اور جنگی سرگرمیوں کو بھی بڑے تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔[3]

اس کا موقف یہ ہے کہ ابن سبا سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے اپنی ملاقات میں نمایاں طور پر

[1] عائشة والسياسة لسعيد أفغاني، ص: 60. [2] عائشة والسياسة لسعيد أفغاني، ص: 60.
[3] عائشة والسياسة لسعيد أفغاني، ص: 60.

کامیاب رہا اور اس نے زہد کا فلسفہ مکمل طور پر سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ پر مسلط کر دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ماہر نفسیات تھا اور اس کا نظام جاسوسی نہایت مستحکم اور منظّم تھا۔ [1]

یہ گمان کہ عبداللہ بن سبا نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو متأثر کر کے ان پر زہد کا فلسفہ مسلط کیا، کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ گمان درج ذیل وجوہ کی بنا پر مردود ہے:

❁ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی شکایت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کی اس میں عبداللہ بن سبا سے متأثر ہونے کا اشارہ تک نہیں ہے۔ انھوں نے صرف اتنی بات لکھی ہے: یقیناً سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے اور ان کا معاملہ اس اس طرح ہے۔" [2]

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (البدایہ والنہایہ) میں کئی مقامات پر سیدنا معاویہ اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہما کے اختلافات کا تذکرہ کیا ہے لیکن کسی ایک جگہ بھی ابن سبا کا ذکر نہیں کیا۔ [3]

❁ صحیح بخاری میں سیدنا ابوذر اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کی اصل وجوہ کی طرف اشارہ کرنے والی روایت موجود ہے مگر اس میں دور و نزدیک کہیں بھی عبداللہ بن سبا سے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے متأثر ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

❁ مشہور کتب کے تراجم جن میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی درج ہیں، ان میں سیدنا معاویہ اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلافات کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اسی طرح سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے ربذہ میں قیام کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ لیکن ان کے عبداللہ بن سبا سے متأثر ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ [4]

❁ عبداللہ بن سبا سے ملاقات کا واقعہ: طبری میں بایں الفاظ مروی ہے: "جو لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے مدینہ بھیجنے میں بری الذمہ قرار دیتے ہیں وہ اس قصے میں ابن سبا کے شام سے آنے اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے کا ذکر کرتے

[1] عائشة والسياسة لسعيد أفغاني، ص: 60. [2] تاريخ الطبري :285/5. [3] البداية والنهاية : 180-170/7. [4] عبدالله بن سبأ وأثره في أحداث الفتنة للدكتور سلمان العودة، ص: 51.

ہیں۔''[1] حالانکہ امام طبری نے جو یہ واقعہ ذکر کیا ہے وہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ تاریخی حقائق سے اس کی قلعی کھل جاتی ہے۔ ذیل میں اس کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

(1) مؤرخین لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمان ہوا۔ یہ یمن کا رہنے والا یہودی تھا۔ اس نے اپنی تخریبی سرگرمیوں کا آغاز حجاز میں کیا لیکن ان مؤرخین نے کسی سے اس کی ملاقات کا تذکرہ نہیں کیا۔ نہ حجاز میں کسی نے اس سے ملاقات کی۔

(2) تاریخی طور پر یہ بات بھی مسلم ہے کہ سب سے پہلے اس کا ظہور بصرہ میں اس وقت ہوا جب سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر بنے تین سال گزر چکے تھے۔ اور سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بعد 29ھ میں گورنر بن کر بصرہ آئے تھے۔ اس طرح گویا عبداللہ بن سبا 32ھ کے لگ بھگ بصرہ پہنچا۔ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اسے عرفہ کے روز وہاں سے نکال دیا تھا۔

(3) مؤرخین کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ کوفہ گیا۔ وہاں اس نے بال و پر نکالے، یعنی اپنی جماعت کو متحرک کیا اور لوگوں کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکانا شروع کردیا۔ ظاہر ہے وہ کچھ عرصہ شام میں رہا ہوگا تاکہ لوگوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرلے۔ اسے اپنی سازش پھیلانے کے لیے ماحول بنانے میں بھی کچھ وقت لگا ہوگا۔ بالفرض اگر ہم یہ مان لیں کہ اس نے 33ھ کے آخر میں اپنی تحریک متعارف کرائی تھی تب بھی یہ بات صحیح نہیں کہ اس نے زہد کا فلسفہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو القا کیا تھا۔ کیونکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ سیدنا معاویہ اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہما کی تلخ کلامی 30ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ آگئے اور 31 یا 32ھ میں ربذہ میں وفات پاگئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بصرہ میں جب عبداللہ بن سبا ظاہر ہوا تو اس وقت سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فوت ہوچکے تھے، پھر سیدنا

[1] تاریخ الطبري: 285/5.

ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات کہاں اور کیسے ہوئی؟[1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ دور و نزدیک کسی بھی طرح عبداللہ بن سبا یہودی سے متاثر نہیں تھے۔ وہ ربذہ میں قیام پذیر ہوئے اور وہیں وفات پائی، وہ فتنوں میں پیدا ہونے والے کسی بھی حادثے میں شامل نہیں ہوئے، پھر وہ فتنوں میں پڑنے کی ممانعت والی ایک حدیث کے راوی بھی ہیں۔[2]

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات اور اہل وعیال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں

غزوۂ تبوک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: ابوذر رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ انھیں ان کے اونٹ نے دیر کرا دی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو اگر اس میں خیر ہوئی تو اللہ تعالیٰ اسے تمھارے ساتھ ملا دے گا۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو پھر بھی اللہ کا فیصلہ معلوم ہو جائے گا۔'' سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ پر کچھ دیر سوار رہے لیکن جب اونٹ مستقل طور پر پیچھے ہی رہنے لگا تو انھوں نے اونٹ کو چھوڑ دیا اور سامان اٹھا کر پیدل ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ پڑاؤ ڈالا، کسی مسلمان نے دور سے ایک سایہ آتا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور دعا فرمایا: كُنْ أَبَاذَرٍّ ''اللہ کرے یہ ابوذر ہو۔'' لوگوں نے جب اسے غور سے دیکھا تو کہا: ''اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! وہ ابوذر ہی ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «رَحِمَ اللّٰهُ أَبَاذَرٍّ! يَمْشِي وَحْدَهُ، وَيَمُوتُ وَحْدَهُ، وَيُبْعَثُ وَحْدَهُ»

''اللہ ابوذر پر رحم فرمائے! وہ اکیلا چلتا آ رہا ہے، تنہا فوت ہوگا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔''[3]

[1] المدينة المنورة لمحمد حسن شراب:225/2. [2] أحداث و أحاديث الفتنة الأولى للدكتور عبدالعزيز دخان، ص:174. [3] السيرة النبوية لابن هشام:178/4.

عرصۂ دراز گزر گیا۔ سیدنا عثمان ؓ کی خلافت کا دور آیا۔ سیدنا ابوذر ؓ ربذہ میں مقیم ہوگئے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنی بیوی اور غلام کو وصیت کی: ''جب میں فوت ہوجاؤں تو مجھے غسل دینا اور کفن پہنا کر میری میت کو کھلی شاہراہ پر رکھ دینا۔ تمھارے پاس سے جو سب سے پہلا قافلہ گزرے اسے کہنا: ''یہ ابوذر ہیں۔'' جب وہ فوت ہوگئے تو انھوں نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔ اس دوران ایک قافلہ نمودار ہوا۔ وہ بے خبری میں ان کی چار پائی کے قریب آ پہنچا، قریب تھا کہ ان کی سواریاں میت کو روند ڈالتیں۔ یہ قافلہ کوفہ کے ایک گروہ کے ساتھ سیدنا ابن مسعود ؓ پر مشتمل تھا۔ انھوں نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' انھیں بتایا گیا کہ سیدنا ابوذر ؓ کا جسد خاکی ہے۔ ان کی آہ نکل گئی، وہ روتے ہوئے بولے رسول اکرم ﷺ نے سچ فرمایا تھا:

«رَحِمَ اللّٰهُ أَبَاذَرٍّ! يَمْشِي وَحْدَهُ، وَ يَمُوتُ وَحْدَهُ، وَ يُبْعَثُ وَحْدَهُ»

''اللہ ابوذر پر رحم فرمائے! وہ اکیلا چلتا آ رہا ہے، تنہا فوت ہوگا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔''[1]

انھوں نے ان کی نماز جنازہ ادا کی اور انھیں دفن کردیا۔ چنانچہ جب انھوں نے جانے کا ارادہ کیا تو ان کی بیٹی نے ان سے کہا: ''ابوذر ؓ آپ کو سلام کہتے تھے۔ وہ آپ کو قسم دے کر گئے ہیں کہ کھانا کھائے بغیر نہ جائیں۔'' انھوں نے ایسے ہی کیا، پھر ان کے اہل و عیال کو اپنے ساتھ سوار کیا اور مکہ لے آئے انھوں نے عثمان ؓ کو اس کی اطلاع دی تو سیدنا عثمان ؓ نے ان کی بیٹی کو اپنے بچوں میں شامل کرلیا۔[2]

ایک روایت میں ہے: ''جب ہم ان کی تدفین سے فارغ ہوئے تو ان کی بیٹی نے ہمیں کھانے کی دعوت دی۔ ... ارادہ کیا کہ اسے ساتھ لے جائیں۔ سیدنا ابن مسعود ؓ

① السيرة النبوية لابن هشام : 4/178. ② التمهيد والبيان لمحمد بن يحيٰى الأندلسي، ص : 87، 88

فرمانے لگے: ''امیر المومنین قریب ہی ہیں، ان سے مشورہ کر لیتے ہیں۔'' ہم مکہ آئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کی موت کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا: ''اللہ ابوذر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اور ربذہ میں قیام کو ان کی بخشش کا ذریعہ بنائے۔'' پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ربذہ گئے۔ ان کے اہل خانہ کو اپنے اہل خانہ کے ساتھ ملا لیا۔ وہ مدینہ آ گئے اور ہم عراق کی طرف چلے گئے۔''[1]

[1] تاريخ الطبري: 314/5.

باب

6

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے اسباب

شہادتِ عثمان کے واقعات اور اس کے اثرات یعنی جنگِ جمل اور صفین پر تحقیق کی اہمیت

سلف صالحین اور علمائے کرام کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین ہونے والے تنازعات کی تفصیلی بحث سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ان سے راضی رہنا چاہیے۔ ان کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا چاہیے کہ وہ مجتہد تھے اور ان شاء اللہ، اللہ کے ہاں ماجور ہوں گے۔ انھیں طعن کرنے اور ان کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہنے سے بچنا چاہیے کیونکہ ایسا کرنا درحقیقت شریعت اسلامیہ پر طعن کرنے کے مترادف ہے، اس لیے کہ وہی اس شریعت کے حامل اور ہم تک پہنچانے والے تھے۔ اسی بارے میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ان سے اہل صفین کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''وہ نہایت قیمتی جانیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ ان کے خون سے پاک رکھے، لہٰذا میں اپنی زبان کو ان کے خون سے آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔''[1]

سلف میں سے کسی سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی مناقشات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے اللہ کے اس فرمان کی تلاوت کی:

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ

[1] حلية الأولياء للأصفهاني: 114/9، وعون المعبود: 274/12.

’’وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی۔ اسی کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور تمھارے لیے ہے جو تم نے کمایا، اور جو عمل وہ کرتے تھے تم سے ان کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔‘‘ [1]

اس نہی کی ایک وجہ ہے، وہ یہ کہ ان کے باہمی اختلافات پر بحث و تمحیص کرتے کرتے کہیں کوئی ان کی ذات پر طعن نہ کر بیٹھے جو اللہ کی ناراضی اور غضب کا باعث ہے۔ اگر اس بات کا خدشہ نہ ہو تو پھر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی حرج نہیں، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی مشاجرات کی بحث و تمحیص سے مقصود ان میں سے کسی کو مطعون ٹھہرانا نہ ہو تو پھر ان کے مشاجرات کی تحقیق، جائزہ، اسباب میں غور و خوض، تفصیلات، نتائج و اثرات اور محرکات جاننے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح یہ معلوم کرنا کہ بعد والوں پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے، اس کی تفصیل جاننے میں بھی کوئی حرج نہیں، جیسا کہ بعض علماء نے فتنوں کے متعلق کتابیں لکھی ہیں، مثلاً: حافظ ابن کثیر اور امام طبری رحمہ اللہ نے تاریخ اسلام کے مشکل ترین مرحلے کے دوران ہونے والے حادثات کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اور ان حادثات سے متعلقہ واقعات میں فیصلہ کن بات بھی کی ہے۔ اور بعض واقعات میں ایک فریق یا دونوں فریقوں کی لغزش کی طرف اشارہ بھی کیا۔ اس بارے میں انھوں نے بنیاد ان واقعات میں وارد ہونے والی کثیر روایات اور نصوص کو بنایا ہے جن میں صحیح اور ضعیف روایات مخلوط ہو گئی ہیں۔ [2]

یہاں بہت سے اسباب ہیں جو علمائے اہل سنت اور طلباء سے تقاضا کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے ابتدائی دور میں پیدا ہونے والے فتنوں اور جنگ و قتال کے محرکات کا غور سے جائزہ لیں اور وہ اسباب تلاش کریں جو اس فتنے کا باعث بنے۔ ان اسباب میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

[1] البقرۃ 2:134. [2] أحداث و أحاديث فتنة الهرج للدكتور عبدالعزيز دخان، ص: 79.

① ہم دیکھتے ہیں کہ عصر حاضر کی تالیفات، جن میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے مشاجرات کا ذکر ہے، تین قسم کی ہیں:

٭ کچھ تالیفات کے مؤلفین مغربی فکر، جو اسلامی تاریخ کے بارے میں کینہ رکھتی ہے یا پھر تاریخ اسلامی سے بے خبر ہے، کے پروردہ ہیں، لہٰذا انھیں اسلامی تاریخ میں کوئی اچھی چیز نظر نہیں آتی۔ انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کو اس طرح مطعون ٹھہرایا کہ اس سے ان اسلام دشمن عناصر کے اہداف کو تقویت ملی، جنھوں نے ان ہنگاموں میں رونما ہونے والے واقعات کی ایسی من مانی تحقیقات اور وضاحتیں کیں جس سے تمام کے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نفوس قدسیہ مطعون ٹھہرے۔ اس طرح اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کی مذموم سعی کی گئی، پھر انھوں نے ہنگاموں کو یہ رنگ دیا کہ، نعوذ باللہ، یہ کرسی اور عہدوں کے حصول کے لیے سیاسی ٹکراؤ تھا۔ جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایمان، تقویٰ اور اللہ کے لیے اخلاص اور سچائی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ انھیں دنیا کی ہوس نے اندھا کر دیا تھا۔ وہ لیڈر شپ کے دلدادہ ہوگئے تھے، انھیں اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ خون بہ رہا ہے، جانیں ضائع ہو رہی ہیں، مال چھینا جا رہا ہے اور حرمتیں پامال ہو رہی ہیں۔ انھیں بس یہ فکر تھی کہ کسی طرح سے اقتدار اور مملکت ہمارے ہاتھ آ جائے۔ (نعوذ باللہ)

اس جھوٹ اور بہتان کا سرخیل طٰہٰ حسین ہے جس نے اپنی کتاب الفتنة الكبرىٰ میں یہ زہر اگلا ہے۔ یہ درحقیقت امت مسلمہ کے علم سے بے بہرہ نوجوانوں کے لیے بہت بڑا فتنہ ہے۔ اس میں طٰہٰ حسین نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کی ہے، ان کی نیتوں پر رکیک حملے کیے ہیں۔ اور ان پر ایسے بے بنیاد الزامات لگائے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے مقاصد واہداف میں مدد و معاون ہیں۔ [1]

عوام کی ایک خاص تعداد اس کے منہج سے متاثر ہے۔ واضح رہے کہ ایسے مؤلفین نے

[1] أحداث و أحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 80.

ان تاریخی روایات بشمول رطب و یابس، سچ اور جھوٹ پر اعتماد کیا ہے جنھیں امام طبری اور ابن عساکر وغیرہ مؤرخین نے بغیر تحقیق کے اکٹھا کر دیا ہے۔ لیکن ان ناقلین نے امام طبری اور ابن عساکر وغیرہ کے اس منہج کو سامنے نہیں رکھا جو انھوں نے اپنی تصنیفات میں اپنایا ہے۔ یہ بہت بڑی بددیانتی اور واضح غلطی ہے۔[1]

یہ تمام تالیفات رافضیوں کے نظریات اور اسلامی تاریخ کے متعلق شیعہ رافضیوں کی تصنیفات سے متأثر ہو کر لکھی گئی ہیں۔[2] روافض نے اسلامی تاریخ کے متعلق جو تصنیفات مرتب کیں ان میں جان بوجھ کر یہ گندگی داخل کی جیسا کہ کلبی،[3] ابو مخنف[4] اور نصر بن مزاحم منقری[5] کی روایات ہیں۔ اس طرح کی روایات طبری میں بھی ہیں۔ لیکن امام طبری ان کی اسناد ذکر کر دیتے ہیں جس سے اہل علم ان کی فنی حیثیت جان لیتے ہیں۔[6] اسی طرح مسعودی کی مروج الذهب اور یعقوبی کی تاریخ میں بھی ایسی روایات موجود ہیں۔ پروفیسر محبّ الدین نے العواصم من القواصم کے حاشیہ میں اشارہ کیا ہے کہ تاریخ اسلامی کی تدوین کا آغاز بنو امیہ کی حکومت ختم ہو جانے کے بعد ہوا اور باطنیوں اور شعوبیوں نے شیعیت کا لبادہ اوڑھ کر تاریخ اسلام کے روشن ابواب کو سیاہ بنا کر پیش کیا، اسی

[1] أحداث و أحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 81. [2] أحداث و أحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 81. [3] اس سے مراد محمد بن سائب کلبی ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں: ''یہ سبائی تھا اور یہ اس گروہ میں سے تھا جو کہتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فوت نہیں ہوئے بلکہ دوبارہ دنیا میں آگئے ہیں۔'' یہ 146ھ کو فوت ہوا۔ (ميزان الاعتدال: 558/3، والجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 271,270/7) [4] اس سے لوط بن یحییٰ بن سعید بن مخنف ازدی مراد ہے۔ یہ کوفی تھا۔ ابن عدی فرماتے ہیں: ''وہ غالی شیعہ تھا اور شیعہ مؤرخ تھا۔'' 157ھ میں فوت ہوا۔ اس کی بہت سی کتابیں ہیں، مثلاً: الردہ، الجمل اور صفین وغیرہ۔ [5] اس سے نصر بن مزاحم بن سیار منقری کوفی مراد ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ''وہ پکا رافضی تھا۔ محدثین اس سے روایت نہیں لیتے تھے۔'' 212ھ میں فوت ہوا۔ اس کی درج ذیل کتابیں ہیں: ''واقعہ صفین'' ''الجمل'' اور ''مقتل حسین۔'' (ميزان الاعتدال: 253/4) [6] أصول مذهب الشيعة الإمامية لناصر الغفاري: 1457/3.

یوں اس دور کی تمام اچھائیوں کو مٹا دیا۔[1]

جو شخص ابن العربی رحمہ اللہ کی کتاب العواصم من القواصم اور اس پر علامہ محبّ الدین الخطیب کے مفید حاشیے پر غور وفکر کرلے تو اس پر اس چال بازی کی قلعی کھل جائے گی۔

رافضیوں کے علماء نے انسانیت کے سب سے افضل دور کے اصحاب کو گالیاں دینے کے لیے ہزاروں صفحات کالے کیے اور مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اپنے اوقات برباد کیے۔[2]

رافضیت کا کشیدہ یہ زہریلا مواد جابجا رافضیوں کی تاریخ کی کتابوں میں ملے گا یا جن روایات میں وہ شریک ہوئے ان میں اسے داخل کرنے کی انھوں نے کوشش کی۔ تاریخی کتب کے علاوہ یہ موشگافیاں ان کی حدیث کی کتابوں، مثلاً: ''الکافی'' اور ''بحار الانوار'' میں بھی ملتی ہیں، نیز ان کے شیوخ کی قدیم کتب، جیسے: احقاق الحق اور جدید کتب، جیسے: ''موسوعۃ الغدیر'' وغیرہ بھی ایسے ہی قابل نفرت، گھٹیا اور سیاہ مواد سے بھری پڑی ہیں۔ اسلام دشمن مستشرقین وغیرہ کے یہی مراجع ہیں۔

جو لوگ نظریاتی طور پر شکست خوردہ اور مرعوب ہیں، مغرب کو اپنے لیے نمونہ سمجھتے ہیں اور اجنبی لوگ ان کے آئیڈیل ہیں وہ مستشرقین کی تحریروں کو ہاتھوں ہاتھ قبول کرتے ہیں اور انھی کی کتابوں پر اپنے عقائد و نظریات کی عمارت تعمیر کرتے ہیں اور پھر مسلمان معاشرے میں شبہات پھیلاتے ہیں جس کا مسلمانوں کے افکار اور ان کی ثقافت پر نہایت منفی اثر پڑتا ہے۔ اس سارے فساد کی بنیاد رافضیت ہے۔ مستشرقین کی آراء اور شیعیت سے ان کے اتصال کا جائزہ نہایت اہم موضوع ہے جس پر تحقیق کی اشد ضرورت ہے۔

رافضیوں کے اکاذیب، اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پھیلائے گئے شبہات اور عائد

[1] أصول مذهب الشيعة الإمامية لناصر الغفاري: 1458/3. [2] أصول مذهب الشيعة الإمامية لناصر الغفاري: 1459/3.

کردہ الزامات سے دشمنوں نے امام ابن حزم (متوفی 456ھ) کے عہد سے استفادہ شروع کیا ہے۔[1]

❋ کچھ تالیفات ہم مسلمان عصر علماء کی ہیں جو اجمالاً تو مفید ہیں لیکن ان واقعات کو پیش کرنے کا انداز اور بعض صحابہ اور تابعین کے اقدامات کی تفصیل بیان کرنے کا طریقۂ کار غیر منصفانہ ہے۔ ان میں سے مولانا مودودی کی ''خلافت و ملوکیت'' الشیخ محمد ابوزہرہ کی ''تاریخ الامم الاسلامیہ ''اور''الامام زید بن علی'' قابل ذکر ہیں۔ ان کتابوں میں جابجا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے ناانصافی کا رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ بنو امیہ کے خلفاء کو مطعون ٹھہرایا گیا ہے، ان کی تنقیص کی گئی ہے اور انھیں کسی بھی قابل تعریف خوبی اور اچھے عمل سے بیگانہ دکھایا گیا ہے۔[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے علماء نے بھی تاریخی روایات کی تحقیق نہیں کی اور رافضیوں اور شیعوں کی بیان کردہ روایات کی دلدل میں پھنس گئے۔ اور اپنے تجربوں اور اخذ کردہ نتائج کا دارومدار انھی روایات کو بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی غلطیاں معاف فرمائے!

❋ تیسری قسم کی کچھ کتابیں ایسی ہیں جن کے مؤلفین نے تاریخی روایات کی جانچ پڑتال اور نقد و نظر میں علمائے جرح و تعدیل کا منہج اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ سند اور متن کے صحیح اور ضعیف کو جاننے کے لیے محدثین کے اصولوں کو سامنے رکھا ہے۔ یہ نہایت اچھی اور قابل قدر کوشش ہے۔ اس سے رافضیوں کی کذب بیانی اور جعل سازی کی صحیح صورت حال سامنے آجاتی ہے۔ اور ان حادثات کی صحیح توجیہ، جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت، ایمان اور ان کی کوششوں کے متعارض نہ ہو، معلوم ہوجاتی ہے۔[3]

[1] أصول مذهب الشيعة الإمامية لناصر الغفاري: 1459/3. [2] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 81. [3] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 81.

یہ کتابیں جو نہایت مفید اور عمدہ ہیں درج ذیل ہیں:

1۔ تاريخ الدولة الأموية للدكتور يوسف العش

2۔ تعليق على العواصم من القواصم لمحب الدين الخطيب

3۔ عثمان بن عفان صادق عرجون

4۔ عبدالله بن سبأ وأثره في أحداث الفتنة في صدر الإسلام للدكتور سلمان بن حمد العودة

5۔ تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة لمحمد أمحزون

6۔ الخلافة الراشدة للدكتور أكرم ضياء العمري

7۔ المدينة النبوية فجر الإسلام والعصر الراشدي للدكتور محمد حسن شُرَّاب

ان کتابوں کے علاوہ علامہ محبّ الدین الخطیب کی تحقیقات جو مختلف رسائل اور منتقٰی وغیرہ کے حواشی میں ہیں۔ اسی طرح دیگر وہ کتابیں جو مذکورہ منہج کی روشنی میں تالیف کی گئی ہیں۔ یقیناً قابلِ مطالعہ ہیں۔

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ ایسی تصنیفات اور تالیفات کی اشد ضرورت ہے جو رافضیوں کی افتراء پردازیوں اور غلطیوں کا رد پیش کریں۔ تاریخ اسلام کو جھوٹ کا لبادہ اوڑھانے والوں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو گھٹانے والوں کا رد تبھی ممکن ہے کہ ان واقعات کی تنقیح کی جائے اور رطب ویابس کو جرح و تعدیل کی لیبارٹری میں پرکھ کر فاسد جراثیم کی نشاندہی کی جائے، یعنی صحیح اور ضعیف کو نمایاں کیا جائے۔ [1]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے منقول ہے ''...... جب کوئی بدعتی سر اٹھائے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع کرنا ضروری ہے اور بدعتی کے اعتراض کو علم اور عدل کے ذریعے سے باطل قرار دینا لازمی ہے۔'' [2]

[1] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 83. [2] منهاج السنة لابن تيمية: 192/3.

امام ذہبی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ جن کتابوں میں کذب بیانی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص کی گئی ہے انھیں جلا دینا چاہیے۔ وہ مزید فرماتے ہیں: ''جیسے یہ بات طے شدہ ہے کہ مشاجرات صحابہ میں توقف کیا جائے۔ یاد رہے کہ اکثر و بیشتر تاریخ کی کتابوں اور رسائل اور اشعار کی صورت میں مشاجرات صحابہ کے بارے میں جو مواد ہماری نظر سے گزرتا رہتا ہے، وہ منقطع اور ضعیف ہے بلکہ کچھ تو سراسر جھوٹ ہے، لہٰذا اس قسم کا جو مواد ہمارے اور ہمارے علماء کے پاس ہے، اسے لپیٹ کر چھپا دینا چاہیے بلکہ اسے ضائع کر دینا چاہیے تاکہ دل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں صاف ہو کر ان کی محبت سے سرشار ہو جائیں۔''[1]

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنے کلام میں یہ بڑی مفید بات بتائی ہے کہ اکثر و بیشتر اشعار اور تاریخی کتب میں اس طرح کا جو مواد ہے وہ جھوٹ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر افترا پردازی کے سوا کچھ نہیں۔ جہاں تک امام ذہبی رحمہ اللہ کے اس قول کا تعلق ہے کہ ایسی کتابیں جلا دینی چاہییں تو یہ ناممکنات میں سے ہے۔ کیونکہ یہ کتابیں اطراف عالم میں پھیل چکی ہیں اور ان کی طباعت نہایت وسیع پیمانے پر ہو چکی ہے۔ اور کئی بدطینت لوگ ان کی سرپرستی کر رہے ہیں، لہٰذا اب ایک ہی صورت ممکن ہے کہ ان کی تحقیق کر کے سچ اور جھوٹ کو واضح کیا جائے تاکہ آئندہ نسلیں عقیدے اور منہج کے انحراف سے محفوظ ہو سکیں۔[2]

② شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ اور اس کے نتیجہ میں پیش آنے والے حادثات کی تحقیق کی اہمیت اسی وقت ظاہر ہو سکتی ہے جب اس فتنے اور سانحہ کے حقیقی اسباب اور محرکات کا علم ہو۔ قطع نظر اس کے کہ وہ اسباب داخلی ہوں یا خارجی، پھر ان اسباب میں سے کس سبب کا ان حادثات میں کتنا عمل دخل ہے، اس کی پہچان بھی ضروری ہے۔ اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کیا اس راستے میں ایسے اسباب بھی ہیں جنھیں کالعدم قرار دیا جا سکے؟ جو شخص ان

[1] سیر أعلام النبلاء: 92/10. [2] أحداث وأحادیث فتنة الھرج للدکتور عبد العزیز دخان، ص: 84.

فتنوں کے متعلق لکھے ہوئے مواد کے کچھ حصے کو پڑھ لے تو وہ ازخود محسوس کرے گا کہ اس کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی ہے اور مجوسیوں، عیسائیوں، یہودیوں اور منافقین نے اسے عملی جامہ پہنانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ دشمنوں کی سازشوں کا سامنا کرتے رہے ہیں۔[1]

یہ سازشیں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوتیں جب تک داخلی طور پر ایسے کمزور عوامل موجود نہ ہوں جو ان سازشوں کو کامیاب کریں۔ کیا امت مسلمہ کے ضعف کے اسباب جاننے اور جن پوشیدہ عوامل کی وجہ سے امت کی یہ صورت حال ہوئی انہیں معلوم کرنے اور ان کی نشاندہی کرنے کے لیے عہد صحابہ اور عصر حاضر کا مطالعہ کرنا دوسرے فرائض کی طرح فرضِ لازم کی حیثیت نہیں رکھتا؟ تاکہ امت کی اصلاح ہو اور وہ آئندہ ایسی ہلاکتوں سے محفوظ رہے؟ کیا اس امت کے حق میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ یہ ہمیشہ اندرونی خلفشار اور بیرونی مکروفریب کے بوجھ تلے دبی رہے؟[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ہولناک حادثات کی نہایت گہرائی اور غور و فکر کے ساتھ تحقیق کی ضرورت ہے تاکہ ہم اس تاریخی دور سے مواعظ اور عبرتوں کا استخراج کر کے عصر حاضر میں انھیں مشعل راہ بنائیں اور منہج نبوی کے مطابق خلافت کے قیام کے لیے کی جانے والی کوششوں میں ان سے رہنمائی لیں تاکہ انسانیت دوبارہ اللہ کے دین اور شریعت کی برکتوں سے مالا مال ہو کر سعادت کے راستے پر گامزن ہو سکے۔ اور شریعت اسلامیہ سے دوری کی وجہ سے انسانیت جس بدنصیبی، ہلاکت اور تنگی کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے اس سے چھٹکارا پا سکے۔

نبی ﷺ نے فتنوں سے آگاہ فرما دیا تھا

نبی ﷺ نے بہت سی احادیث میں اس بات کی خبر دی ہے کہ یہ امت باہم اختلاف

[1] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 83. [2] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 85.

کرے گی اور ان کے مابین جنگ وقتال بھی ہوگا۔ متعدد احادیث میں اس کا اجمالی طور پر یا تفصیلی ذکر بھی موجود ہے۔ اس کے لیے مختلف انداز اختیار کیے گئے ہیں۔ کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کے اسباب بیان فرما دیے، کبھی نتائج کا تذکرہ کر دیا، کبھی بعض حادثات اور واقعات کی طرف اشارہ کر دیا اور کبھی فتنہ برپا کرنے والوں کا ذکر کر دیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی کئی طریقوں سے ان کی نشاندہی کی۔ اس میں سے بہت سا حصہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ان سوالوں کے جواب کی صورت میں ہے جو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اخوت، بھائی چارے اور اتحاد کی اس نعمت عظمیٰ سے، جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا کی تھی، فیض یاب ہو رہے تھے۔ وہ پوچھتے رہتے تھے کہ اتحاد کی یہ نعمت دائمی ہے یا زائل ہو جائے گی۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے سے معلوم تھا کہ یہ نعمت ہمیشہ اسی طرح نہیں رہے گی، اس لیے آپ ان کی ایسی تربیت فرماتے رہتے تھے کہ وہ ان مشکلات اور فتنوں کے لیے تیار رہیں تاکہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے یہ فتنے رونما ہوں تو وہ اچھے طرز عمل کا مظاہرہ کریں اور انھیں فوری طور پر حل کرنے کی کوشش کریں۔

اس موضوع کی جملہ روایات پر غور کیا جائے تو درج ذیل حکمتیں سامنے آتی ہیں:[1]

- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فتنوں کا ذکر امت کی تربیت کے نقطۂ نظر سے فرمایا تاکہ امت کو قبل از وقت ان کی اطلاع ہو اور وہ ذہنی طور پر ان مسائل سے نبٹنے کے لیے تیار رہے تاکہ فتنوں کے وقوع کے وقت مسلمانوں کا طرز عمل صحیح ہو اور وہ اسے ختم کرنے کی کوشش کر سکیں۔
- ان احادیث میں سے کچھ ایسی بھی ہیں جن میں فتنہ پردازوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کون لوگ ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشاندہی کر دی کہ بسا اوقات فتنہ برپا کرنے والے

[1] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 68.

لوگ ظاہری طور پر بڑے متشدد ایمان دار ہوں گے لیکن ان کی عقلیں منحرف ہوں گی اور ان کے دل ٹیڑھے ہوں گے اور وہ مجموعی طور پر ادراک سے عاجز اور سوجھ بوجھ سے خالی ہوں گے۔[1]

❊ ان احادیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ فتنے منافقین کو بے نقاب کر دیں گے اور مومنوں کے دلوں کے لیے پالش کا کام دیں گے۔ مومنوں کا ایمان بڑھے گا اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے آمادہ ہوں گے۔ یہ ایک طرح کی آزمائش ہوگی جس کے ذریعے سے ان کے دل چمکیں گے اور وہ مجاہدے کے عادی ہوں گے۔ خیر کو پہچان کر اس کا دوسروں کو بھی حکم دیں گے اور شر کی پہچان کر کے لوگوں کو بھی اس سے باز رکھیں گے۔[2]

❊ ان فتنوں سے آگاہ کرنے کا ایک مقصد انتباہ اور ڈراوا بھی ہے۔ وہ اس طرح کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا دیگر مسلمان جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتنوں کے بارے میں یہ پیش گوئیاں سنیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگوں سے قتل سرزد ہوگا۔'' اور ''میری امت کے کچھ لوگ دنیا میں الجھ جائیں گے۔'' اور ''میری امت کے کچھ لوگ جہاد کرنا چھوڑ دیں گے۔'' وغیرہ وغیرہ...... تو وہ ہر وقت ہوشیار رہیں گے اور ان فتنوں کو ذہن نشین رکھتے ہوئے ہر شخص ان سے بچنے کی کوشش کرے گا اور ہر وقت خوف زدہ رہے گا کہ کہیں غفلت میں وہ ان ہلاکتوں میں نہ پڑ جائے کیونکہ اس باب میں ڈرتے رہنا ہی نجات کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔[3]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ امت مسلمہ کے جھگڑوں اور اختلافات کے وقوع پذیر ہونے کی بابت متعدد مرفوع احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''ایسی احادیث رسول

[1] الوحدة الإسلامية لمحمد أبوزهرة، ص: 137. [2] الوحدة الإسلامية لمحمد أبوزهرة، ص: 137,136. [3] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 69.

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرق سے محفوظ ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے کہ یہ امت لازمی طور پر گروہ بندیوں اور اختلاف و انتشار کا شکار ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو اس سے ڈراتے رہے تاکہ جس کے مقدر میں اللہ تعالیٰ نے نجات رکھی ہے وہ بچ جائے۔''[1]

❁ یقیناً ان فتنوں سے آگاہ کرنا، نجات کے طریقوں کی حد بندی کا لطیف انداز ہے۔ آپ کسی انسان کو کسی خطرے سے چاہے کتنا ہی ڈرائیں، جب تک آپ اس کی حد بندی نہیں کریں گے یا اس میں واقع ہونے والی کیفیت کا ذکر نہیں کریں گے، اس وقت تک اس شخص کے لیے اس سے بچنا انتہائی مشکل ہے۔ بسا اوقات خطرے اور فتنے کی ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور بعض اوقات جن مشکل حالات سے اس کا واسطہ پڑتا ہے وہ اس کی حقیقت سے بے خبر ہوتا ہے۔ بعض اوقات لاعلمی کے باعث وہ قابل احتراز فعل کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، حالانکہ اسی فعل سے ڈرایا گیا ہوتا ہے۔[2]

❁ ان فتنوں سے آگاہ کرنے والی بعض روایات میں ان کے اسباب بھی بیان کیے گئے ہیں یا پھر ان کے نتائج بتائے گئے ہیں یا یہ بتایا گیا ہے کہ ان سے محفوظ رہنے کا طریقہ کیا ہے۔ اس سے مسلمانوں بلکہ پوری امت کو فائدہ ہوگا کہ وہ فتنوں کے اسباب کو دور کر سکیں یا نتائج کو دیکھ کر معین واقعات پر حکم لگا سکیں یا کم از کم ابتدائی طور پر اس کے بارے میں درست موقف اختیار کر سکیں۔

❁ یہ احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صداقت کی بین دلیل بھی ہیں۔ جن کے سننے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان زیادہ ہوا، پھر جب احادیث نے تھوڑی مدت بعد ہی حقیقت کا جامہ پہنا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اس کی حقیقت پوری طرح اجاگر ہوگئی۔

[1] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 70، واقتفاء الصراط: 127/1.

[2] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 70.

اس کے بعد یہ احادیث ہر دور میں اہل ایمان کے ایمان میں اضافے کا باعث بنیں اور آج بھی بن رہی ہیں۔ اور وہ ان فتنوں اور اختلافات سے آگاہ ہوتے ہیں جن کے واقع ہونے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔[1]

دکتور عبدالعزیز صغیر دخان نے اپنی کتاب ''أحداث و أحاديث فتنة الهرج'' میں فتنوں سے متعلقہ روایات کو جمع کیا، ان کی تحقیق کی اور روایات پر صحت وضعف کا حکم بھی لگایا ہے، نیز صحیح احادیث کے مفاہیم کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ان مفاہیم میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

❁ تمام امتوں میں فتنوں کا ظہور اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے۔ اس امت میں بھی فتنے قیامت تک رہیں گے۔ یہ فتنے تاریک رات کی طرح ہوں گے۔ اندھے، بہرے اور گونگے ہوں گے، یعنی ان فتنوں کے ایام میں نہ تو حق بات سننے کو ملے گی نہ کوئی حق کے بارے میں گفتگو کرے گا۔ نہ حق وباطل کے درمیان فرق کیا جائے گا۔ جس نے ان میں حصہ لیا وہ دنیا و آخرت میں تباہ ہوگیا۔ جو ان میں شریک ہونے سے باز رہے گا وہ نجات پا جائے گا۔ ان فتنوں میں وہی شخص راہ نجات پاسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم وتقویٰ سے مالا مال کیا ہو اور جسے اپنے فضل سے اختلافی امور میں صحیح راستے کی ہدایت دی ہو۔

❁ ان احادیث میں ہے کہ اس امت کے مابین قتال کا فتنہ ضرور برپا ہوگا۔ صحابۂ کرام اور تابعین کے دور میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا اسے ابتدائی طور پر یا اس کے تاحال جاری و ساری رہنے کو بعید سمجھنا یا اس کا انکار کرنا ممکن نہیں۔ لیکن اس کی تلافی کے لیے فتنۂ قتال کے اسباب کو جاننا ضروری ہے تاکہ جب کبھی ان فتنوں کے شعلے بھڑکیں تو انھیں بجھانے کی کوشش کی جائے یا کم از کم ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان فتنوں سے دور رہے اور ان سے لاتعلقی کا اظہار کرے۔

[1] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 70.

❁ اللہ تعالیٰ کی اس امت پر یہ خاص رحمت ہے کہ وہ دنیا ہی میں اس کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، اس لیے قتال، بپا ہونے والے فتنے اور زلزلے جن کی زد میں یہ امت آئی ہے، یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

❁ بعض احادیث میں بڑی صراحت سے یہ اشارے موجود ہیں کہ ان فتنوں کا مرکز مشرق ہے۔ اور فی الواقع ایسا ہی ہوا۔ سب سے پہلے فتنے کی ابتدائی تحریک کوفہ اور بصرہ سے اٹھی۔ جنگ جمل کا فتنہ بھی وہیں سے پیدا ہوا۔

❁ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فتنوں میں کچھ لوگ معمولی دنیاوی فائدے کی خاطر اپنا دین فروخت کر دیں گے۔ ان پر شہوات اور شبہات کا غلبہ ہو جائے گا۔ صحیح اسلام پر کاربند لوگ خال خال ہوں گے اور وہ اپنے سلوک، طرز عمل اور معاملات میں اجنبی ہوں گے۔ دین پر ثابت قدم رہنا ہاتھ میں انگارہ لینے یا کانٹوں پر چلنے کے مترادف ہوگا۔ انھیں دین کے راستے میں اور حق پر قائم رہنے کی پاداش میں جو اذیتیں اور تکلیفیں پہنچیں گی وہ انھیں صبر کے ساتھ ثواب کی نیت سے برداشت کریں گے۔

❁ فتنوں کے دور میں اللہ تعالیٰ ایک گروہ کی حفاظت فرمائے گا۔ ان کا دامن فتنوں سے آلودہ نہیں ہوگا اور وہ اپنے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے نہیں رنگیں گے۔ وہ لوگوں کے مابین اصلاح کی کوشش کریں گے اور صحیح اسلام کی مبادیات، یعنی باہمی مودت و رحمت کی طرف بلائیں گے۔ بلاشبہ عنقریب ان کا یہ طرز عمل لوگوں کے متلاطم ہجوم اور منہ زور خواہشات کے نرغے میں غیر مانوس محسوس ہوگا۔[1]

❁ فتنوں کے زمانے میں زبان تلوار سے زیادہ نقصان کرے گی۔ اکثر فتنوں اور مصائب کی بنیاد زبان ہی ہوگی۔ مشاہدے کی بات ہے کہ بسا اوقات ایک زہریلا کلمہ زبان سے نکلتا ہے اور دلوں میں آگ لگا دیتا ہے۔ اور دلوں میں دبی دبائی باتوں کو ابھار دیتا ہے۔ اس

[1] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص:345-348.

طرح جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور یہ زبان بڑے بڑے ضرر رساں فتنوں کا باعث بنتی ہے۔

☼ فتنوں کے زمانے میں علم اٹھ جائے گا، علماء کے فوت ہونے کی وجہ سے یا ان کے سکوت کی وجہ سے یا سلامتی کو ترجیح دیتے ہوئے ان کے الگ ہوجانے کی وجہ سے یا لوگوں کے بعض وجوہ کی بنا پر ان سے دور ہوجانے کی وجہ سے۔ اس وقت جاہل سردار بن جائیں گے اور لوگ اپنا سربراہ جاہلوں کو بنالیں گے۔ وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ گھٹیا لوگ اعلیٰ مناصب پر فائز ہوجائیں گے اور کم عقل لوگوں کا غلبہ ہوجائے گا۔

☼ فتنے کے بارے میں احادیث میں یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ضمانت دی ہے کہ وہ اس امت کو قحط سالی اور بھوک سے ہلاک نہیں کرے گا، نہ ان کے کسی دشمن کو ہمیشہ کے لیے ان پر مسلط کرے گا، چاہے دشمن کتنا ہی مضبوط ہو اور اس کے پاس قابو پانے کے لیے کتنی ہی طاقت اور غلبہ پانے کے امکانات ہوں۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کو اس بات کی ضمانت نہیں دی گئی کہ آپ کی امت باہم اختلاف نہیں کرے گی۔ اور ہوسکتا ہے اس کے اختلاف ہی کی وجہ سے اس پر باہر سے دشمن وار کرے۔ جب امت کے افراد باہم اختلاف کا شکار ہوں گے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے تو ان کی قوت کمزور پڑ جائے گی، دشمن ان پر قابو پالے گا۔ ان کے تمام وسائل بیکار ہو جائیں گے۔ اور اس ذلت سے نکلنا اس وقت تک ممکن نہیں ہوگا جب تک وحدت، اتفاق و اتحاد اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کو قائم نہ کرلیا جائے۔

☼ ان احادیث میں یہ بھی ہے کہ فتنوں کے دور میں، بالخصوص ان کے طول پکڑنے پر کچھ لوگ اسلام سے منحرف ہوجائیں گے اور اہل باطل ان پر قابو پا کر غالب آجائیں گے۔

☼ فتنوں کے دور میں لوگوں کے اخلاق بگڑ جائیں گے۔ رویے تبدیل ہوجائیں گے۔ لوگ نیک اعمال سے بے اعتنائی برتیں گے اور خیر و بھلائی کے کاموں سے دور بھاگیں

گے۔ دشمنی، حسد اور کینے کی بیماری عام ہو جائے گی اور یہ ناسور رگ و ریشے میں سرایت کر جائے گا۔ لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا کہ وہ کیا کریں۔

٭ بعض احادیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فتنوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ہر طرف امن و استحکام ہوگا، معیشت کی صورت حال تسلی بخش ہوگی یہاں تک کہ ایک سوار مکہ سے عراق تک کا تنہا سفر کرے گا اور اسے راستہ بھولنے کے سوا کوئی خوف نہ ہوگا۔ ایسا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا کہ ان کے عہد خلافت کے ابتدائی دور میں امن و استحکام مثالی تھا اور مال و دولت کی فراوانی تھی۔ پھر قتل و غارت کا فتنہ بپا ہوا تو اس نے ہر چیز کو سبوتاژ کر کے رکھ دیا یہاں تک کہ امن کی صورت حال خوف میں بدل گئی۔

٭ احادیث میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ فتنوں کے دور میں اچھے، سمجھ دار اور صاحب رائے لوگ قتل ہو جائیں گے۔ بچے کھچے گھٹیا اور نابلد لوگ ہی باقی رہ جائیں گے جو نیکی اور بدی کی پہچان سے بھی بے خبر ہوں گے۔[1]

یہ فتنوں کے بارے میں احادیث میں بیان کی گئی باتوں کا خلاصہ ہے۔

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے اسباب

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بارہ سال امیر المومنین رہے۔ ابتدائی چھ برسوں میں کسی شخص نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ آپ قریش کے نزدیک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ مقبول شخصیت تھے۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان پر سختی کرتے تھے جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے نرمی کی اور انھیں اپنے ساتھ ملایا۔ اس کے بعد فتنہ بپا ہوا۔ مسلمان مؤرخین نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے دوسرے نصف، یعنی 30ھ سے 35ھ میں ہونے والے حادثات کو ''فتن'' کا نام دیا ہے اور بتایا ہے کہ یہی فتنے سیدنا

[1] أحداث و أحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص:345-348.

عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث بنے۔[1]

سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی چھ برسوں میں مسلمان باہم متحد تھے، ان کے مابین کوئی تنازعہ نہیں تھا، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخر میں ایسے حالات پیدا ہوئے جن سے کئی طرح کے اختلافات نے جنم لیا یہاں تک کہ فتنہ پرور لوگوں کا ایک گروہ اٹھا اور انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ آپ کی شہادت کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ اور مسلمان گروہ بندیوں میں بٹ گئے۔[2]

سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ماہ و سال میں اسلامی معاشرے کی صورت حال یہ تھی:

❊ عمومی طور پر مسلمان معاشرہ اسلام کی کامل عملی تصویر تھا۔ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر پختہ ایمان تھا۔ اسلامی تعلیمات کو نہایت تاکید و سنجیدگی اور پورے التزام کے ساتھ تطبیق و نفاذ کرنے والا معاشرہ تھا۔ تاریخ کے کسی بھی دور کے کسی بھی معاشرے کے مقابلے میں گناہ نہ ہونے کے برابر تھے۔ دین کو زندگی کی حیثیت حاصل تھی۔ دین ضمنی چیز تصور نہیں کیا جاتا تھا کہ لوگ گاہے گاہے اس کی طرف رخ کریں بلکہ دینی تعلیمات ہی لوگوں کی زندگی کی نبیاد اور روحِ رواں تھیں۔ دین صرف اس چیز کا نام نہیں تھا کہ جو عبادت کے طریقے وہ اپناتے تھے اسے ہی صحیح انداز سے بروئے کار لاتے رہیں اور بس بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ان کے عمدہ اخلاق و کردار، تصورات، ترجیحات، اقدار، معاشرتی تعلقات، خاندانی روابط، ہمسائیگی کے رشتے، خرید و فروخت اور لین دین، رزق کی تلاش اور باہمی معاملات میں راست بازی، الغرض ہر چیز میں اسلام کی تعلیمات کارفرما نظر آتی تھیں۔

[1] الطبقات لابن سعد: 1/39-47، والبداية والنهاية: 7/144-149، والخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 112. [2] مجموعة الفتاوى لابن تيمية: 13/20.

صاحب ثروت لوگ نادار لوگوں کی کفالت کرتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بخوبی انجام دیا جاتا تھا۔ گورنروں اور دوسرے عہدیداروں کی کارگزاری کی مکمل نگرانی ہوتی تھی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ طبعی طور پر معاشرے کا ہر فرد ہی ان اوصاف سے مزین تھا۔ دنیا کی زندگی میں ایسا ممکن نہیں۔ نہ انسانوں کے کسی معاشرے میں ایسا ہوسکتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشرے میں، جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے، منافق بھی تھے جو ظاہراً اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اندرون خانہ دشمنی رکھتے تھے۔ کمزور ایمان والے بھی تھے، معذور بھی تھے۔ کاہل، سست اور خائن بھی تھے۔ لیکن ان سب کی معاشرے میں کوئی حیثیت تھی نہ ان میں حالات کا رخ بدلنے کی ہمت تھی، کیونکہ غلبہ اللہ کے راستے میں اپنی جان و مال سے جہاد کرنے والے سچے مومنوں کا تھا جو دین اسلام پر کاربند تھے۔[1]

❁ وہ ایسا معاشرہ تھا جس میں امت کے حقیقی معنی مجسم جیتے جاگتے نظر آتے تھے۔ وہ امت ان معنوں میں امت نہیں تھی کہ محض ایسے افراد کا مجموعہ ہو جنھیں زبان، جغرافیائی صورت حال اور وقت کی مصلحتوں نے اکٹھا کر دیا ہو اور جاہلیت کے روابط کی طرح محض باہمی تعلقات کا نام امت پڑ گیا ہو۔ اس طرح کے گٹھ جوڑ والے لوگوں کو تو امت جاہلی کہا گیا ہے۔ جہاں تک امت ربانی کے افراد کا تعلق ہے تو ان کے تعلقات کی بنیاد ان کا عقیدہ ہوتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ کون کس زبان، جنس اور رنگ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس امت کے ڈھانچے کی تکوین میں جغرافیائی مصلحت کا بھی کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اور ایسا باہمی تعلق امت مسلمہ کے سوا تاریخ میں کسی اور امت کے مابین ثابت نہیں۔

اس بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ امت اسلامیہ علاقائی تعصب، ذات پات، رنگ ونسل اور جغرافیائی مصلحتوں سے بالکل مبرا ہوتی ہے۔ اس کے باہمی ربط کا تعلق صرف ان

[1] كيف نكتب التاريخ الإسلامي للدكتور محمد قطب، ص: 100.

کا وہ عقیدہ ہوتا ہے جو عربی، عجمی، حبشی، رومی اور فارسی سب کو یکجان اور یک قالب کر دیتا ہے۔ یہی عقیدہ فاتح اور مفتوح باشندوں کے مابین تعلقات کو بھی کامل اخوتِ اسلامی کی بنیاد پر استوار کرتا ہے۔ اگرچہ روئے زمین پر سب سے زیادہ لمبے عرصے تک امت کے اس مفہوم کو عملی شکل دینے، بروئے کار لانے اور برقرار رکھنے والی یہی امت ہے، اس کا ابتدائی دور نہایت درخشاں تھا۔ اس میں کامل اسلام کا مفہوم عملاً پایا جاتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ ایسی امت تھی جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ [1]

※ اس معاشرے میں اخلاقی قدریں نہایت مستحکم تھیں۔ ضابطۂ اخلاق دین اسلام کے احکام اور ہدایات کی روشنی میں مقرر تھا۔ یہ ضابطہ صرف دو جنسوں کے تعلقات پر مشتمل نہیں تھا، اگرچہ یہ معاشرے کی سب سے نمایاں جہت تھی۔ تاہم اس کا اثر پورے معاشرے پر تھا، چنانچہ وہ معاشرہ بے پردگی سے پاک تھا، مرد و زن کا اختلاط نہیں تھا۔ کسی ایسے فعل، قول اور اشارے کا وجود تک نہ تھا جو حیا کو مخدوش کرے۔ اس طرح وہ معاشرہ فحاشی سے پاک تھا، سوائے معمولی اخلاقی کمزوریوں کے جس سے کوئی معاشرہ پاک نہیں ہوسکتا۔ لیکن اخلاقی ضابطہ مرد و زن کے تعلقات سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔ یہ سیاست، اقتصادیات، فرد، سماج اجتماع اور فکر و تعبیر پر بھی جلوہ ریز نظر آتا تھا۔ حکومت اور اقتدار اسلام کی اخلاقیات پر قائم تھا۔ لوگوں کے باہمی تعلقات سچائی، امانت، اخلاص اور تعاون و محبت پر قائم تھے۔ لگائی بجھائی، چغل خوری اور بہتان طرازی کا وجود تک نہ تھا۔ [2]

※ وہ محنتی معاشرہ تھا۔ اس معاشرے کے افراد کی کوششیں اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے تھیں۔ وہ گھٹیا کاموں کے پیچھے پڑ کر وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ وہ مجبوری یا ناگواری کے ساتھ مارے باندھے محنت نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے اندر ایک ایسا جذبہ تھا

[1] كيف نكتب التاريخ الإسلامي للدكتور محمد قطب، ص: 101. [2] كيف نكتب التاريخ الإسلامي للدكتور محمد قطب، ص: 102.

جو ان کی ہمت کو جلا بخشتا اور انھیں سرگرم عمل رکھنے کے لیے کشاں کشاں آگے بڑھائے جاتا تھا۔ اس معاشرے کی منصوبہ بندی حقائق، اعلیٰ اقدار اور دور اندیشی پر مبنی تھی۔ اس کی حالت فارغ البال اور سست ردی کا شکار معاشرے کی طرح نہیں تھی جس کے افراد گھروں اور چوراہوں میں گپیں ہانک کر وقت برباد کر دیتے ہیں اور بالکل فارغ ہونے کی وجہ سے وقت کاٹنے کے لیے طرح طرح کے ذریعے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔[1]

❊ وہ معاشرہ سرگرم عمل تھا۔ صرف جہاد فی سبیل اللہ میں نہیں بلکہ ہر میدان میں مجاہدانہ جذبہ کار فرما تھا۔ اگرچہ اس معاشرے کی زندگی کا بیشتر حصہ قتال فی سبیل اللہ کی مشغولیت میں گزرا لیکن انھوں نے تمام میدانوں میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ جس وقت بھی کسی کو جس کام کے لیے بلایا جاتا وہ اسی میدان میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاتا تھا، اس لیے جدا جدا عسکری اور شہری ذہن سازی کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ ہر شخص از خود مضبوط ایمانی قوت کے باعث ہر میدان میں اپنی سرگرمیاں دکھانے کے لیے مستعد رہتا تھا۔[2]

❊ وہ معاشرہ نہایت عبادت گزار تھا۔ جذبۂ عبادت اس کے تمام معاملات پر چھایا ہوا تھا۔ وہ صرف ادائے فرض اور اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے نوافل کی ادائیگی تک محدود نہ تھا بلکہ تمام کام جذبۂ عبادت کے ساتھ تکمیل پاتے تھے۔ حاکم رعایا کی نگرانی عبادت کے جذبے کے ساتھ کرتا۔ معلم قرآن مجید کی تعلیم اور دین کی تفہیم کا کام جذبۂ عبادت کے پیش نظر کرتا تھا۔ تاجر خرید و فروخت کے معاملات میں اللہ کے قوانین ملحوظ رکھتا اور تجارت جذبۂ عبادت کے ساتھ کرتا تھا۔ شوہر گھر کی ذمہ داریاں عبادت سمجھ کر پوری کرتا اور عورت گھر کی پاسداری جذبۂ عبادت کے ساتھ کرتی تھی۔ الغرض ہر کام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہوتا:

[1] كيف نكتب التاريخ الإسلامي للدكتور محمد قطب، ص: 102. [2] كيف نكتب التاريخ الإسلامي للدكتور محمد قطب، ص: 102.

«فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَّ كُلُّكُمْ مَّسْئُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ»

''تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔''[1]

یہ عہد صدیق اور دیگر خلفائے راشدین کے دور کے اہم پہلو تھے۔ جوں جوں ہم عہد نبوت کے قریب ہوتے جائیں یہ پہلو زیادہ مستحکم ہوتا جاتا ہے اور جوں جوں ہم عصر نبوت سے دور جائیں گے یہ پہلو کمزور ہوتا جائے گا۔ ان صفات نے مسلمان معاشرے کو اعلیٰ سطح تک پہنچا دیا تھا۔ انھی صفات نے اس دور کو تاریخ اسلام کا زریں دور بنا دیا تھا۔ انھی خوبیوں کا نتیجہ تھا کہ اسلام اس تیزی سے پھیلا کہ عقلیں دنگ رہ گئیں۔ دنیا کی تاریخ میں اسلامی فتوحات کا دائرہ جس سرعت کے ساتھ پھیلا اس کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ پچاس سال کے نہایت قلیل عرصے میں اس کی سرحدیں بحر اوقیانوس سے جزائر ہند تک پھیل گئیں۔ اسلام خود بھی نمایاں تھا، اور اسے عملاً نمایاں کرنا اور دور دور تک کے ہر انسان تک پہنچانا ہر مسلمان کا اولین فرض تھا۔ اس دور ہمایونی کے ہر مسلمان نے یہ فرض بخیر و خوبی ادا کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مفتوحہ علاقوں کے لوگ بغیر کسی دباؤ اور زبردستی کے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہی وہ خوبیاں تھیں جن پر یہ معاشرہ مشتمل تھا، جو اس کے غلبے کی حقیقی ضامن تھیں۔ جب لوگوں نے اسلام کی یہ حیرت انگیز، روشن اور صاف ستھری تطبیقی صورت دیکھی تو وہ اس کے گرویدہ ہوگئے اور انھوں نے بطیب خاطر پسند کیا کہ وہ بھی اس کے اپنانے والے بن جائیں۔[2]

تاریخ کے اس دور کا مطالعہ یقیناً قاری کے ذہن پر ایک ایسا تأثر چھوڑے گا جسے محو نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تأثر کہ دین اسلام مبنی بر حقیقت ہے جس کی عملی تشکیل واقعاتی طور پر

[1] صحيح البخاري، حديث:2409. [2] كيف نكتب التاريخ الإسلامي للدكتور محمد قطب، ص:103.

ممکن ہے۔ اس کی تمام خوبیوں کی عملی تنفیذ نہایت خوبصورت طریقے سے ممکن ہے۔ یہ خوبیاں محض تصوراتی نہیں کہ فضا میں معلق ہوں اور ان پر صرف نظری طور پر غور کیا جا سکے یا ان کی تمنا کی جا سکے بلکہ اس کی تمام تر خوبیاں حقیقی ہیں اور ان کی عملی تطبیق نہایت آسان ہے بشرطیکہ لوگ اس کے لیے ضروری کوشش کریں اور دل لگا کر محنت سے اس کا حق ادا کریں۔ جو کام یا حادثہ ایک بار ہو سکتا ہے اس کا دوبارہ ہونا بھی ممکن ہے۔ کیونکہ انسان بہرحال انسان ہیں وہ ہمیشہ مقاصد کے حصول کے لیے کوششیں کرتے رہے ہیں۔ اگر انسان مقاصدِ جلیلہ کے حصول کے لیے پختہ عزم کر لے تو وہ بہت جلد کامیابی اور غلبہ حاصل کر لے گا۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

’’جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔‘‘[2]

مسلمانوں کو کھوئے ہوئے وقار اور خلافت راشدہ کی طرف لوٹنے میں جو امور مدد معاون ہو سکتے ہیں، ان میں سرفہرست ان امور اور اسباب سے آگاہی ہے جو اس کے

[1] كيف نكتب التاريخ الإسلامي للدكتور محمد قطب، ص : 103و304. [2] النور 55:24.

زوال کا باعث بنے تاکہ ہم ان امور سے اجتناب کی راہ نکالیں اور ان اسباب کو اختیار کریں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو کامیابی اور شرف و عزت سے نوازا، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ان وجوہ کا تفصیلی تذکرہ کریں جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث بنیں۔ ان میں سے چند اہم اسباب درج ذیل ہیں:

خوشحالی اور معاشرے پر اس کے اثرات. رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تنگ حالی اور فقر کو دیکھتے تھے تو انھیں دلاسا دیتے اور یہ خوش خبری سناتے تھے کہ ان کی یہ تنگی زیادہ طول نہیں پکڑے گی اور بہت جلد ان پر دنیا کے خزانے اور خیر و برکت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی انھیں اس بات سے بھی ڈراتے تھے کہ تم مال و زر میں مشغول ہو کر نیک اعمال اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک نہ کر دینا۔ آپ نے دنیا کی خاطر اور زائل ہونے والے مال و متاع کے لیے ممکنہ باہمی لڑائی سے بھی ڈرایا۔[1]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس تحذیر کو خوب سمجھا تھا۔ اسی لیے ان کی پالیسیوں میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ مسلمانوں کو مال و دولت کے فتنوں کا شکار ہونے اور دنیا کی پر فریب اور دل لبھانے والی چیزوں سے بچائیں، چنانچہ انھوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمان بلادِ عجم میں زیادہ دیر نہ ٹھہریں اور اگر ان کے ان شہروں میں جانے کی دوسری مصلحتیں نہ ہوتیں جن کا تقاضا تھا کہ وہ بلادِ عجم میں جائیں (تاکہ دین اسلام کی ترویج کریں) تو یہ حکم امتناعی برابر قائم رہتا۔ لیکن ان مصلحتوں کے باوجود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار میں سے کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو، جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے، باہر نہیں جانے دیا اور ممانعت کا یہ حکم ان پر آخر دم تک لاگو رہا۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے صاف پتا چلتا ہے کہ آپ کو اس بات کا خدشہ تھا کہ

[1] أحداث و أحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 559. [2] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبدالعزيز دخان، ص: 565.

مسلمان اگر بلادِ عجم میں چلے گئے جہاں دولت کی ریل پیل ہے اور طرح طرح کی نعمتیں موجود ہیں، تو ان کے دلوں پر دنیا کا غلبہ ہو جائے گا اور ان کی آخرت برباد ہو جائے گی۔[1]

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا اور مشرق و مغرب میں ہر طرف مملکت اسلامیہ کی سرحدیں پھیل گئیں۔ بیت المال میں غنیمتوں اور دشمن کے دیگر اموال سے روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ لوگوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو گئی۔[2] یہ بات محتاج وضاحت نہیں کہ نعمتوں، فتوحات کی صورت میں حاصل ہونے والے اموال اور دوسری آمدنیوں کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ معاشرے پر اس کا اثر پڑے، چنانچہ اس سے معاشرے میں خوشحالی آ گئی اور لوگ دنیا کے فتنوں میں پڑ گئے۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ لگ گئی۔ یوں باہمی بغض و عداوت نے جنم لیا، بالخصوص وہ لوگ جن کے دلوں کو ابھی تک ایمان نے پوری طرح چمکایا نہیں تھا اور ان کی بدویت اور جفا کو تقویٰ نے مہذب نہیں بنایا تھا، اس کا شکار ہوئے۔ اسی طرح مفتوحہ علاقوں میں رہنے والے مسلمان اور ناز پروردہ قوموں کے نومسلم دنیا کی دل فریب رونقوں میں کھو گئے۔ اسی کو مقصد حیات بنا کر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی خواہش کرنے لگے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس ظاہری حالت سے یہ بھانپ لیا کہ امت خطرناک ڈگر کی طرف جا رہی ہے۔ رعایا کے نام ایک خط میں انھوں نے امت میں مستقبل میں پیدا ہونے والے تغیر و تبدل سے ڈرایا۔ آپ نے فرمایا: ”جب اس امت میں تین چیزیں جمع ہو جائیں گی تو یہ امت بدعات میں مبتلا ہو جائے گی۔ جب مکمل خوشحالی ہو جائے گی، لونڈیوں سے تمھاری اولاد بلوغت کو پہنچ جائے گی اور اعراب اور غیر عرب قرآن کی تلاوت کرنے لگیں گے۔“[3]

[1] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص:565. [2] أحداث وأحاديث فتنة الهرج، ص:565. [3] تاريخ الطبري:245/5.

جہاں تک آسودہ حالی کا تعلق ہے تو اس کے عینی شاہد حسن بصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان معاشرے میں مال و دولت کی فراوانی تھی۔ لوگ فخر و غرور میں پڑ گئے اور ناشکری کے مرض میں مبتلا ہوگئے۔ وہ فرماتے ہیں: ''مجھے معلوم ہے کہ لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کیوں ناپسند کرنا شروع کیا؟ بات یہ ہے کہ کم ہی کوئی دن خالی گزرتا ورنہ اکثر و بیشتر آپ مال و دولت تقسیم کرتے رہتے تھے۔ ان کے لیے منادی کرائی جاتی کہ مسلمانو! اپنے عطیات وصول کرلو اور وہ وافر مقدار میں اسے حاصل کرتے، پھر انھیں کہا جاتا کہ آؤ بھائی! گھی اور شہد لے لو۔ عطیات کا سلسلہ جاری رہتا، مال و دولت اور کھانے پینے کی چیزوں کی بڑی فراوانی تھی۔ دشمن خوف زدہ تھا۔ باہمی معاملات نہایت احسن طریقے سے سرانجام پا رہے تھے۔ ہر طرف برکات تھیں...... دوسری طرف اہل اسلام کے خلاف تلوار ابھی تک میان میں تھی، پھر انھوں نے اسے خود اپنے اوپر سونت لیا۔ اللہ کی قسم! اس وقت سے لے کر اب تک تلوار مسلمانوں کی گردنوں پر لٹک رہی ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اب یہ تلوار قیامت تک مسلمانوں پر لٹکی رہے گی۔''[1]

جہاں تک مسلمانوں کی اولادوں کا لونڈیوں سے بلوغت کو پہنچنے کی بات ہے تو اس کا اندازہ خوشحالی کے بعد امت کی صورت حال سے لگایا جاسکتا ہے۔ مدینہ منورہ میں جب دنیاوی خوشحالی آئی اور لوگوں کی دولت مندی انتہا کو پہنچی تو وہاں جو سب سے پہلی بُرائی رونما ہوئی وہ کبوتر بازی اور چکنی مٹی کے چھوٹے چھوٹے گولوں کے ذریعے سے نشانہ بازی تھی، اس کے سدباب کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آٹھویں سال قبیلۂ لیث کے ایک شخص کو مقرر کیا۔ اس نے کبوتروں کے پر کاٹ دیے اور غلیلیں توڑ دیں۔[2]

اسی طرح لوگ نبیذ کو نشہ آور بنا کر پینے لگے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو مقرر کیا وہ لاٹھی لے کر گشت کرتا تھا تاکہ لوگوں کو اس سے روکے۔ لیکن جب اس کے استعمال میں

[1] البداية والنهاية: 224/7. [2] تاريخ الطبري: 415/5.

اضافہ ہوگیا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال لوگوں کے سامنے رکھی۔ اس بات پر اتفاق ہوا کہ نشہ آور نبیذ پینے پر بھی کوڑے لگائے جائیں گے، چنانچہ ایسے کچھ افراد کو پکڑ کر کوڑوں کی سزا دی گئی، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جسے دیکھتے کہ وہ شرارت پر اُترا ہوا ہے یا اسلحہ کی نمائش کرتا پھرتا ہے تو اسے مدینے سے نکال دیتے۔ اس فیصلے سے شرپسندوں کے والدین کو بڑی تکلیف ہوئی۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں لوگوں سے خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا:

"مجھے کچھ لوگوں کی طرف سے ہنگامے اور فتنے برپا کرنے کی خبریں موصول ہوئی ہیں۔ میں ان فتنوں کا دروازہ نہیں کھولنا چاہتا۔ نہ یہ پسند کرتا ہوں کہ میں فتنوں کا سبب بنوں۔ میں اپنے آپ پر مکمل کنٹرول رکھوں گا۔ فتنوں میں نہیں پڑوں گا۔ میرے اور تمھارے درمیان ایک عہد و پیمان اور رشتہ ہے جو میری پیروی کرے گا میں سمجھوں گا وہ اس عہد کا پاس کر رہا ہے اور جو میری اتباع نہیں کرے گا، یہ اس کی عہد شکنی اور جفا شمار ہوگی۔ آگاہ رہو کہ روز قیامت ہر شخص کا ایک چلانے والا اور ایک گواہ ہوگا۔ چلانے والا اسے اللہ کے حکم کے مطابق چلائے گا اور گواہ اس کے اعمال کے بارے میں اس کے خلاف گواہی دے گا۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہے اسے خوش ہونا چاہیے اور جو دنیا کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ ناکام ہوگیا۔"[2]

خلیفۂ راشد، صاحب تقویٰ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب اپنے منصبی فرائض ادا کیے تو آپ کے احکام اور تعزیرات کا شکار اکثر و بیشتر ان سرمایہ داروں کے بچے تھے جنھوں نے عیش و عشرت کی زندگی شروع کر دی تھی اور ان کے اخلاق بگڑ گئے تھے، چنانچہ یہ منحرف لوگ ان سے انتقام لینے والوں کی صفوں میں شامل ہوگئے۔

جہاں تک اعرابیوں اور عجمیوں کا قرآن مجید کی تعلیم کے حصول کا معاملہ ہے تو اس کی

[1] تاريخ الطبري: 416/5. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 361/1.

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا جو قرآن مجید کی تعلیم حصولِ ثواب کے لیے حاصل نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا مقصد صرف وہ وظیفہ وصول کرنا تھا جو خلیفہ نے قرآن کی تعلیم کی ترغیب دینے کے لیے طلباء کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔[1]

اس تبدیلی کا اثر پہلے پہل دار الخلافہ سے دور کے علاقوں میں ظاہر ہوا اور آہستہ آہستہ دار الخلافہ کی طرف بڑھتا گیا جس کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے خطبوں میں گاہے گاہے لوگوں کو اس دلرُبا دنیا کے فتنوں سے بچنے کے لیے وعظ و تلقین کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آپ نے دنیا کی رغبت کے نقصانات سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے ایک خطبے میں فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ نے دنیا صرف اس لیے دی ہے کہ تم اس کے ذریعے سے آخرت تلاش کرو، اس لیے نہیں دی کہ تم اس پر فریفتہ ہوجاؤ۔ دنیا فانی ہے آخرت دائمی ہے۔ کہیں یہ فانی دنیا تمھیں غرور میں مبتلا کر کے آخرت سے غافل نہ کردے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو مبادا وہ تمھاری اس روش کی وجہ سے تم پر کوئی دشمن مسلط کردے۔ اپنی وحدت قائم رکھو۔ گروہوں میں مت بٹو۔''[2] پھر درج ذیل آیت تلاوت کی:
>
> ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝﴾
>
> ''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو اور تم اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن

[1] الوثائق السياسية في العهد النبوي والخلافة الراشدة، ص: 392. [2] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 567.

گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچا لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔''[1]

ایسے حالات میں جبکہ مال و دولت کی فراوانی تھی، دنیا کا کثیر مال و دولت مسلمانوں کے پاس آ گیا تھا اور لوگ مختلف علاقوں کو فتح کرنے کے بعد فارغ ہو کر اطمینان سے بیٹھ گئے تھے۔ ان حالات میں لوگوں نے اپنے خلیفہ پر تنقید شروع کر دی۔[2]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فتنے کی تحریک میں آسودہ حالی کا کس قدر عمل دخل تھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ بات بھی سمجھ آ جاتی ہے جو آپ نے دربند کے گورنر صحابی رسول سیدنا عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کو لکھی تھی:

''رعایا میں سے بہت سے لوگوں کو مال و دولت کی کثرت نے مغرور بنا دیا ہے، لہٰذا ان کے عطیات میں کمی کر دو اور مسلمانوں کو خطرے میں نہ ڈالو۔ مجھے خدشہ ہے کہ وہ آزمائش میں پڑ جائیں گے۔''[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے خطبے میں، جبکہ مال و دولت کی ریل پیل تھی وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''خبردار! یہ دنیا فانی ہے۔ یہ تمھیں کسی غرور میں مبتلا نہ کر دے اور تمھیں دائمی آخرت سے غافل نہ کر دے...... زمانے کے حوادث سے بچو۔ جماعت کو لازم پکڑو۔ فرقہ بندی اور گروہوں میں نہ بٹو۔''[4]

عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں معاشرتی تبدیلیوں کا انداز: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سماجی سطح پر نہایت عمیق تبدیلیاں رونما ہوئیں جو بڑی قوت اور خاموشی سے اس طرح اثر

[1] آل عمران 103:3. [2] تحقیق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 362/1.
[3] تحقیق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 362/1. [4] تحقیق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 362/1.

انداز ہوئیں کہ بیشتر لوگ اس سے آگاہ ہی نہیں ہو سکے حتی کہ یہ تبدیلیاں نہایت بھیانک صورت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے نصف کے آغاز میں ظاہر ہوئیں۔ رفتہ رفتہ ان میں ایسی شدت پیدا ہوتی گئی جو بالآخر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث بنی۔[1]

فتوحات کی تحریکوں کے بعد جب مملکت اسلامیہ میں وسعت پیدا ہوئی تو معاشرتی گٹھ جوڑ میں تبدیلی رونما ہوئی اور معاشرے کی ساخت میں بگاڑ پیدا ہوگیا۔ کیونکہ رقبے اور آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس وسیع خطے میں ہر رنگ، نسل، زبان، ثقافت، عادات، افکار و خیالات اور مختلف نظریات کے لوگ مسلمان معاشرے کا حصہ بن گئے۔ ادبی اور تہذیبی تنوع پیدا ہوا۔ کئی طرح کے مناظر سامنے آئے اور معاشرتی وحدت پر طرح طرح کے اضطراب کی لہریں اور بے ہنگم شگاف نظر آنے لگے۔ بڑے بڑے شہر بالخصوص بصرہ، کوفہ، شام، مصر، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ اس سے متأثر ہوئے۔ کیونکہ ان شہروں کو مذہبی اور جغرافیائی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہیں سے مجاہدین جنگوں میں شریک ہوتے۔ جنگوں میں شرکت کے باعث شہادتوں اور موت کی وجہ سے آئے روز ان کی تعداد کم ہوتی گئی اور مفتوحہ علاقوں ایرانی، ترکی، رومی، قبطی، کرد اور بربر[2] کے باشندے ان کی جگہ آکر آباد ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد وہاں کے مقامی باشندوں کی تعداد سے بڑھ گئی۔ ان میں بھی اکثریت ایرانیوں کی، عرب اور دیگر ممالک کے عیسائیوں اور یہودیوں کی تھی۔[3]

ان بڑے شہروں کے اکثر باشندے جنگوں میں شریک ہوئے تو مفتوحہ علاقوں ہی میں آباد ہوتے گئے۔ ان میں سے اکثر آس پاس کے عرب اور وہ لوگ تھے جنھیں شرف صحابیت نصیب نہیں ہوا تھا یا یوں کہہ لیں کہ وہ براہ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت

[1] الدولة الأموية المفترى عليها للدكتور حمدي شاهين، ص: 166. [2] شمالی افریقہ میں تونس، الجزائر، مراکش اور موریتانیہ وغیرہ کے باشندے بربر کہلاتے ہیں۔ [3] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص: 379.

یافتہ نہیں تھے۔ اور فتوحات میں مشغولیت کی وجہ سے انھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی فیض یابی کا موقع نہ مل سکا۔ ویسے بھی اس زمانے میں صحابہ کرام ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ اور ان کی تعداد بھی خاصی کم رہ گئی تھی۔

اس طرح جب دیہی لوگ، مفتوحہ علاقوں کے باشندے، قدیم رہائشی مرتدین اور یہود و نصاریٰ ایک ساتھ اکٹھے ہوئے تو معاشرے کی ساخت میں بڑی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ ساتھ ساتھ معاشرتی تہذیب میں بھی تغیر و تبدل ہوا۔ اس طرح معاشرتی زندگی میں بڑی رنگارنگ وسعت اور طرح طرح کے انحرافات پیدا ہو گئے۔ افواہوں کو قبول کیا جانے لگا جس کی وجہ سے معاشرہ بدامنی کا شکار ہو گیا۔[1]

❁ معاشرے میں رونما ہونے والی تبدیلیاں: یہ معاشرہ کئی طرح کے لوگوں سے تشکیل پایا تھا۔ ایک گروہ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا جو اس معاشرے کی پہلی اینٹ تھے اور دوسرے وہ لوگ تھے جنھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت میں دیر تک رہنے کا شرف حاصل تھا۔ لیکن ان دونوں گروہوں کے افراد بتدریج کم ہوتے گئے۔ ان کی کمی کی دو وجوہ تھیں: مختلف جنگوں میں شرکت کے باعث بہت سے جلیل القدر صحابہ اور تابعین شہید ہوئے۔ فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو وہ مختلف شہروں میں پھیل گئے جس کی وجہ سے ان کی تعداد دوسری آبادی کی نسبت بہت تھوڑی رہ گئی، بالخصوص وہ مفتوحہ علاقوں کے نو آباد شہروں، جیسے بصرہ، کوفہ، شام اور مصر میں جا کر آباد ہو گئے۔ بعض جزیرۂ عرب ہی میں رہے۔ وہ وہیں سے تجارت و جہاد کے لیے نکلتے اور پھر وہیں واپس آ جاتے تھے۔[2]

اس معاشرے کا دوسرا حصہ مفتوحہ علاقوں کے باشندے تھے۔ ان کی تعداد فاتحین سے کہیں زیادہ تھی۔ گو انتظام و [illegible] فاتحین کے ہاتھوں میں تھا۔ اخلاقی، فکری اور لسانی طور

[1] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 380۔ [2] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 380.

پرانی کا اثر ورسوخ تھا لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ اقلیت شمار ہوتے تھے اور ان کی تعداد آئے روز کم ہو رہی تھی۔ مفتوحہ علاقوں کے بیشتر باشندے اگرچہ اپنے ہی شہروں میں آباد تھے جبکہ کچھ لوگ مملکت کے دوسرے شہروں کی طرف بھی نقل مکانی کر گئے تھے۔ بعض لوگ بڑے بڑے شہروں اور دارالخلافہ میں آباد ہو گئے تھے۔ ان میں سے کچھ غلاموں کی حیثیت سے اپنے مالکوں کے تابع ہو کر رہتے تھے اور کچھ تجارتی مقاصد کے لیے وہاں آباد ہوئے یا پھر کسی کی معرفت سے رہنے لگے یا حکومت نے انھیں انتظامی مقاصد کے لیے وہاں آباد کیا۔ اگرچہ ان کی نقلِ مکانی پر ان کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی تھی لیکن انھیں روکنے کے لیے کوئی قانون بھی نہیں تھا۔[1]

مفتوحہ علاقوں سے جو عجمی دارالخلافہ آ کر آباد ہوئے وہ بہت جلد فتنوں کا شکار ہو گئے کیونکہ ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی تھی جو اپنے مقتولین کا بدلہ نہ لے سکے تھے، اس لیے درج ذیل اسباب کی وجہ سے وہ بہت جلد فتنوں میں مبتلا ہو جاتے تھے:

- وہ مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن اسلامی تعلیمات سے ناآشنا تھے اور ان کی اکثریت زمانہ قریب ہی میں کفر کو چھوڑ کر اسلام لائی تھی۔ اسلام کی محبت پختہ نہ ہونے کی وجہ سے انھیں اپنے ملک اور عزت کے چھن جانے کا بڑا دکھ تھا۔
- عربی زبان سے نابلد ہونے کی وجہ سے دین کی زیادہ سوجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے۔
- اہل عرب سے نفرت اور عجمیت کا تعصب تاحال ان میں موجود تھا۔
- ان میں سے ایک طبقہ صرف تلوار کے ڈر اور جزیہ ادا کرنے کے خوف سے ظاہری طور پر مسلمان ہوا تھا جب کہ دلی طور پر وہ مسلمانوں سے بغض و عداوت رکھتا تھا جس کی وجہ سے وہ طبقہ موقع ملتے ہی فتنے میں کود پڑتا تھا۔
- خواہشات پرست لوگ اپنے مفاد کے حصول کے لیے انھیں ان کی مذکورہ کمزوریوں کی

[1] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 380.

وجہ سے اُکساتے رہتے تھے۔[1]

اس معاشرے کا تیسرا طبقہ دیہاتی لوگ تھے۔ ان میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح متقی پرہیز گار، کافر اور منافق سبھی شامل تھے مگر ان میں فطری سختی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس فطری سختی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

”دیہاتی کفر اور منافقت میں زیادہ سخت ہیں اور اس امر کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ ان احکام کو نہ جان پائیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے۔“[2]

یہ اس لیے کہ وہ نہایت سخت دل، اکھڑ مزاج اور تندخو تھے۔ اپنی انھی عادات و خصوصیات کی وجہ سے وہ شرعی احکام اور جہاد وغیرہ سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔[3]

یہ لوگ بھی بہت جلد فتنوں کا شکار ہو جاتے تھے اور ان کے فتنوں میں الجھنے کے درج ذیل اسباب تھے:

- ان میں دین اسلام کے بارے میں سوجھ بوجھ کی کمی تھی۔
- ان میں سے کوئی قرآن مجید کی تھوڑی سی تعلیم حاصل کر کے ہی دھوکے میں پڑ جاتا تھا۔ وہ یہ گمان کر لیتا تھا کہ وہ تھوڑی بہت سمجھ بوجھ حاصل کر کے عالم بن گیا ہے۔
- ان لوگوں کو علماء کی ناقدری کرنے، ان کی اقتدا نہ کرنے اور ان سے رہنمائی نہ لینے کا مرض لاحق تھا۔
- قبائلی تعصب ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا تھا۔

[1] دراسات في الأهواء والفرق والبدع لناصر العقل، ص: 161. [2] التوبة 9:97. [3] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص: 380. نقلًا عن فتح القدير للشوكاني: 2/395-397.

※ شریر النفس اور خواہشات پرست لوگ انھیں دھوکا دیتے اور ان کی سادگی اور جہالت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

※ باہم میل جول اور شہری زندگی انھیں طبعاً ناپسند تھی۔ وہ طبیعت کی تیزی کی وجہ سے ناواقف لوگوں سے بہت جلد بدگمان ہو جاتے تھے۔ یہ صرف اُنھی کی نہیں بلکہ ہر دور اور ہر علاقے کے بدوؤں کی یہی عادات ہوتی ہیں۔

※ دین میں بڑے متشدد تھے اور جہالت کی بنا پر ہٹ دھرمی کا شکار تھے، اس لیے خوارج کی اکثریت بدوؤں ہی پر مشتمل تھی۔[1]

ان بدوؤں کا ایک گروہ قراء کے لقب سے معروف تھا۔ یہ حقیقی معنوں میں قراء نہیں تھے کیونکہ قراء سے مراد وہ لوگ ہیں جو قراءت قرآن کے ماہر اور متخصص ہوں۔ لیکن مذکورہ بالا صورت حال میں قراء کا مطلب حقیقی مفہوم سے مختلف ہے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ کچھ خارجیوں کے منہج پر کاربند تھے اور قرآن مجید کو ایک خاص فکر و نظر کی روشنی میں سمجھتے تھے۔ ان کچھ میں سے زاہد قسم کے لوگ تھے جو قرآن کے مفہوم ہی سے ناآشنا تھے اور معاشرتی مسائل و معاملات سے نبٹنے کی صلاحیت سے بھی محروم تھے۔[2]

یہ جاہل قراء بہت جلد فتنوں میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ اس کے درج ذیل اسباب تھے:

※ ان پر مذہبی جنون سوار تھا۔ سمجھ بوجھ سے خالی تھے۔ اس وجہ سے ان کے اندر علم و بصیرت کے بغیر دینی غیرت کا اندھا جذبہ تھا۔ انجام کار کی فکر کیے بغیر ہی دینی غیرت کے نام پر خواہشات اور جذبات کی رو میں بہ جاتے اور بہت جلد فتنوں کا شکار ہو جاتے تھے۔ شریعت کے قاعدے «درء المفاسد أَولٰی مِنْ جلب المصالح» سے بھی ناواقف تھے۔[3]

[1] دراسات في الأهواء والفرق والبدع لناصر العقل، ص: 161. [2] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص: 381. [3] اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کام میں منفعت بھی ہو اور نقصان بھی تو منفعت کو ترک کر دیا جائے گا اور نقصان سے بچا جائے گا۔

ان کی حالت یہ تھی کہ اگر ان میں سے کسی کو چند آیات اور احادیث کا بھی علم ہو جاتا تو وہ سمجھتا تھا کہ وہ بہت بڑا عالم ہے، حالانکہ اسے آیات و احادیث کے مفہوم کا بھی علم نہ ہوتا تھا ساتھ ہی وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی مصلحت کے لیے جوڑ توڑ کرنے والا بھی شمار کرنے لگتا تھا۔

❁ ان کی ایک خرابی یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو علماء اور ائمہ سے برتر سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ خود اس مرتبے پر پہنچ چکے ہیں کہ انھیں علماء کی فقہ اور علم کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ بھی انسان ہیں اور ہم بھی انسان ہیں۔

❁ انھوں نے علماء اور ائمہ کو چھوڑ کر اپنے میں سے جہلاء ہی کو اپنا سردار مقرر کر لیا تھا۔

❁ خواہشات پرستوں اور فتنہ پرور بدعتیوں کے سرغنے، جن کی اکثریت نہایت عیار تھی، ان قراء کی پناہ میں آتے، پھر ان قراء کو گمراہ کرتے اور دھوکہ دیتے، ان کی دینداری کے اندھے جذبے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی بصیرت سے عاری غیرت کو خوب جگاتے تھے۔

❁ شرعی نصوص سے استدلال کرنے سے عاری تھے اور فتنوں سے متعلق وارد احکام بالکل نہیں جانتے تھے۔[1]

اس معاشرے کا چوتھا طبقہ مرتدین کا بھی تھا۔ ان کا اسلام میں رہنے کا دورانیہ نہایت تھوڑا تھا۔ ان کی اسلام سے نسبت صرف مفاد کی خاطر تھی۔ اس سے انکار نہیں کہ ان میں سے کئی لوگ توبہ کرنے کے بعد نہایت متقی اور پرہیزگار ہو گئے تھے اور ان کا شمار فضلاء میں ہوتا تھا لیکن ان میں سے ایک طبقہ ایسا ضرور تھا جنھوں نے اسلام کی مٹھاس کو چکھا ہی نہیں تھا اور اسلام سے منسوب ہونے کے باوجود یہ لوگ اپنی سابقہ ذہنیت اور طرزِ فکر کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ دعوتِ اسلام سے پہلے کی عصبیت آلود قبائلی نفسیات ابھی تک ان کے ذہنوں پر مسلط تھیں، اسلام ابھی تک ان کے دلوں پر حاوی نہیں ہوا تھا یا انھوں نے گمان

[1] دراسات في الأهواء والفرق والبدع لناصر العقل، ص: 163

کرلیا تھا کہ ان کے قبائلی تعصب پر مبنی ان کا کردار اور اسلام کے بارے جو کچھ انھیں معلوم ہے اس میں کوئی تناقض نہیں ہے، یعنی وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اسلام کے عین مطابق ہے۔[1]

مرتدین کے مختلف گروہوں سے ایسی قوم تیار ہوئی جس نے فتنے کا ماحول پیدا کرنے میں نہایت گھناؤنا کردار ادا کیا۔ مرتدین اگرچہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ادوار میں بھی موجود تھے لیکن ان کے بارے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی سابقہ دونوں خلفاء سے مختلف تھی جس کی وجہ سے یہ حالات پیدا ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو تاکید کر رکھی تھی کہ دشمن سے جہاد کرتے ہوئے کسی مرتد سے ہرگز مدد نہ لینا، بالخصوص سیدنا خالد بن ولید اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہما کو یہ تاکید کی کہ ان سے اجازت لیے بغیر کسی ایسے شخص کو جہاد میں شریک نہ کرنا جو پہلے مرتد ہو چکا ہو، بنا بریں ان کے دور خلافت میں کوئی بھی مرتد، چاہے اس نے توبہ کر لی، کسی غزوے میں شریک نہیں ہوا۔[2]

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات تک کسی مرتد سے کسی غزوے میں کوئی مدد نہیں لی۔''[3]

اس لیے بعض مرتدین، جو بعد میں تائب بھی ہو گئے، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سامنا کرتے ہوئے شرماتے تھے، مثلاً: طلیحہ بن خویلد اسدی مکہ مکرمہ میں عمرہ کی غرض سے جاتا لیکن جب تک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ زندہ رہے وہ ان کے سامنے نہیں آیا۔[4]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس پالیسی میں کچھ نرمی آ گئی۔ انھوں نے ان مرتدین کو، جو توبہ کر چکے تھے، شام اور عراق کے غزوات میں شرکت کی اجازت دے دی۔[5]

جنگ قادسیہ کے لیے جب لشکر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا تو

[1] دراسات فی عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 381. [2] عبدالله بن سبأ وأثره في أحداث الفتنة للدكتور سلمان العودة، ص: 155. [3] البداية والنهاية: 347/6. [4] التاريخ الإسلامي للدكتور عبد العزيز الحميدي: 59/9. [5] عبدالله بن سبأ وأثره في أحداث الفتنة للدكتور سلمان العودة، ص: 155.

قیس بن مکشوح مرادی اور عمرو بن معدیکرب لوگوں کو باطل کے خلاف جوش دلا رہے تھے اوران کے جذبات بھڑکا رہے تھے۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں تھا۔[1]

ہر چند یہ بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پالیسی سے انحراف تھا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بارے میں نہایت محتاط تھے۔ ان کی طرف سے یہ اجازت کئی قواعد وضوابط اور شرائط سے مقید تھی۔ ارتداد کے بعد توبہ کرنے والا کوئی بھی شخص ایک سو یا اس سے زیادہ افراد پر امیر مقرر نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد کو عجمیوں کے تعاقب میں، جو ان پر جنگ کے روز ٹوٹ پڑے تھے، صرف ستر آدمیوں پر امیر مقرر کر کے روانہ کیا۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دور حکومت آیا تو انھوں نے یہ پابندی ساری شرائط سمیت ختم کردی۔ یوں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جاری کردہ حکم امتناعی بھی ختم ہوگیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو شرائط مقرر کی تھیں انھیں بھی ختم کردیا گیا۔ آپ نے یہ سمجھا کہ انھیں اپنے مرتد ہونے کے جرم کی کافی سزا مل چکی ہے اور وہ ارتداد کی دلدل سے نکل چکے ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کی اصلاح کی خاطر انھیں عامل مقرر کرتے لیکن اس سے ان کی اصلاح نہ ہوئی بلکہ ان کی اس خیر خواہی نے انھیں سرکش بنادیا۔ کسی شاعر نے اس کا یوں نقشہ کھینچا ہے:

وكُنتَ وعُمَرا كَا ... كلْبه ... فَتَخدِشُهُ أَنْيابُهُ و ...

”آپ کی اور عمر رضی اللہ عنہ کی مثال تو ایسے شخص جیسی ہے، جو اپنے کتے کو پال کر موٹا کرتا ہے اور وہ موقع ملنے پر اپنے مالک ہی کو کاٹ کھاتا ہے۔“[3]

مرتدین کو کوفہ وغیرہ میں عامل مقرر کرنے کا نقصان یہ ہوا کہ اس کے نتیجے میں اہل کوفہ بدل گئے اور ان کے قائد سیدنا عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ ترکوں سے ایک جنگ کے دوران شہید ہوگئے۔ اس کے برعکس جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ترکوں

[1] عبدالله بن سبأ وأثره في أحداث الفتنة للدكتور سلمان العودة، ص: 156. [2] تاريخ الطبري: 382/4. [3] عبدالله بن سبأ وأثره في أحداث الفتنة للدكتور سلمان العودة، ص: 157.

سے لڑتے تھے تو ترک ان سے اس قدر ڈرتے تھے کہ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے: عبدالرحمٰن ہم پر خواہ مخواہ حملہ نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ یقیناً فرشتے ہوتے ہیں جو اسے موت سے محفوظ رکھتے ہیں۔''[1]

فتنوں کے دور میں ان عوامل کے آثار بالکل کھل کر سامنے آ گئے۔ نتیجتاً سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ جن لوگوں پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا الزام ہے ان کا تعلق انھی مرتد قبائل سے تھا، مثلاً: سودان بن حمران سکونی، قتیرہ بن فلان سکونی اور حکیم بن جبلہ عبدی وغیرہ۔[2]

پانچواں طبقہ یہود و نصاریٰ کا تھا۔ ان کی بہت بڑی تعداد جزیرۃ العرب سے نکل گئی تھی یا انھیں نکال دیا گیا تھا یہ لوگ بڑے شہروں، کوفہ اور بصرہ وغیرہ میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ اپنی طبعی رذالت کی وجہ سے یہ لوگ مفتوحہ علاقوں میں اپنا زہر پھیلانے لگے۔ ان کے سامنے دو مقاصد تھے:

❊ مالی اجارہ داری قائم کرنا، اس کے لیے وہ مختلف ذرائع اختیار کرتے تھے۔

❊ مسلمانوں میں انتشار پھیلانا تاکہ ان کی پالیسیاں کامیاب ہوں۔[3]

یہودیوں کے کردار سے متعلقہ گفتگو آئندہ اوراق میں آئے گی۔

❊ **معاشرے میں تہذیبی تغیرات:** مختلف معاشروں کے بہت سے لوگوں کے ساتھ ایک جگہ رہنے کی وجہ سے مختلف تہذیبوں میں بھی امتزاج پیدا ہوا۔ اسلامی سلطنت میں جہاں بہت سی قومیں اکٹھی ہو گئیں وہاں کئی تہذیبوں کا امتزاج بھی ہوا۔ اختلاط اگر اپنا کمال نہ بھی دکھاتا تب بھی مختلف تہذیبوں کا باہم گھل مل جانا کچھ کم خطرناک نہیں تھا کیونکہ آبادی کی کثرت کے ساتھ ساتھ کئی رنگا رنگ تہذیبوں، جداگانہ افکار و نظریات اور طرح طرح کے عقائد کے حامل افراد کا اسلامی معاشرے میں رہنا زبردست تبدیلی کے خدشات سے

[1] تاريخ الطبري: 146/5. [2] عبدالله بن سبأ وأثره في أحداث الفتنة للدكتور سلمان العودة، ص: 157. [3] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص: 381.

خالی نہ تھا۔ اس سے اسلامی معاشرے پر بہت بڑی ذمہ داری آپڑی تھی۔ مفتوحہ علاقوں میں مسلمانوں کی آبادکاری کی وجہ سے صورت حال اور زیادہ پیچیدہ ہوگئی۔ چونکہ وہ ان کے ساتھ ان کی صفوں میں رہنے لگے۔ ان سے رشتے ناطے جوڑ لیے۔ ان کی زبانیں سیکھ لیں۔ ان کے لباس پہننے شروع کردیے۔ ان کی عادات واطوار کو اپنالیا۔ جبکہ اس کے برعکس مفتوحہ قوموں پر ان فاتحین کے اثرات محدود تھے۔[1]

مفتوحہ علاقوں کے باشندوں نے کوئی خاطر خواہ تربیت حاصل نہیں کی تھی۔ وہ مہاجرین وانصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح جذبۂ اسلام سے سرشار نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح مفتوحہ علاقوں کے لوگوں میں گھل مل جانے والے عرب قبائل بھی مہاجرین وانصار جیسے جذبۂ ایمانی کی تب وتاب سے محروم تھے۔ اگرچہ اسلام اس مختصر عرصے میں انھیں ایک سانچے میں ڈھالنے میں کامیاب ہوگیا، مگر ان کی کثرت تعداد کی وجہ سے ان کی تعلیم وتربیت اس نہج پر نہ ہوسکی تھی جس پر مہاجرین وانصار پروان چڑھے تھے کیونکہ اتنی بڑی تعداد کی اس طرح تربیت ناممکن تھی، اس لیے نئے اسلام لانے والے اور اسلامی سلطنت میں شامل ہونے والے اپنے جاہلی اطوار وعادات کے نرغے سے پوری طرح نہ نکل سکے۔ اس کی وجہ فتوحات کی تحریکوں اور کتاب وسنت کی تعلیم وتربیت کے نظام میں عدم توازن تھا۔ ایک طرف فتوحات بڑی تیزی سے ہورہی تھیں اور سلطنت کی سرحدیں پھیل رہی تھیں لیکن دوسری طرف ان لوگوں کی تعلیم وتربیت کا وسیع پیمانے پر کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں تھا۔

جہادی تحریک کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ علماء اور مبلغین بھی ہوں جو مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو دین سکھائیں تاکہ تربیت کا پہلو تشنہ نہ رہے اور مسلمانوں کی صفوں میں دراڑیں نہ پڑیں اور فاتحین اور مفتوحین کے مابین ایسی اجنبیت کی خلیج پیدا نہ ہونے پائے جو بعد میں مسلمانوں کے سیاسی یا نظریاتی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کا باعث بنے۔[2]

[1] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص: 381. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 358/1.

اسلامی تعلیم و تربیت کے میدان میں بھرپور کوشش کے باوجود بعض منفی رجحانات کو ختم کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ فتوحات کا دائرہ بڑی تیزی سے وسیع ہو رہا تھا، نہایت تھوڑے عرصے میں عراق، اس کے گرد ونواح کا علاقہ اور شام کے علاقے فتح ہوگئے تھے، اس لیے مفتوحہ علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی بھاری اکثریت کے لیے صحیح تعلیم و تربیت انسانی طاقت سے باہر تھی۔[1]

اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، جن سے یہ امید وابستہ تھی کہ وہ اس امانت کو ادا کریں گے، ان کی کثیر تعداد جہاد کے میدانوں میں شہید ہوچکی تھی۔ بہت تھوڑے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے، وہ بھی مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ علم کے متلاشی ان کے اردگرد جمع رہتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہ طبقہ تابعین کے نام سے معروف ہوا۔ ان کی اکثریت بھی مخلص تھی، اس لیے میدان جہاد میں یہ بھی پیش پیش رہے اور ان کی بھی خاصی تعداد میدان جہاد میں شہید ہوگئی۔[2]

محدود وقت کی وجہ سے کئی تابعین کے دلوں میں بھی اسلامی تعلیمات راسخ نہ ہوسکیں یہ صورتحال دوسرے عوامل کے ساتھ مل کر نظریاتی خلیج اور اسلامی منہج پر منفی اثرات مرتب کرنے کا باعث بنی جس کے نتیجے میں سلطنت اسلامیہ عدم استحکام کا شکار ہوگئی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں یہ صورت حال پوری طرح کھل کر سامنے آگئی۔[3]

❁ نئی نسل کا ظہور: معاشرے میں بہت بڑا تغیر اس وقت پیدا ہوا جب لوگوں کی ایک نئی نسل سامنے آئی۔ انھوں نے معاشرے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جگہ لے لی۔ یہ لوگ صحابۂ کرام سے مختلف تھے۔ یہ نسل ایسے زمانے میں پروان چڑھی تھی جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے مختلف تھا اور جو صفات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تھیں، نئی نسل ان صفات سے خالی تھی۔[4]

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 358/1. [2] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص: 334. [3] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 359/1. [4] الدولة الأموية ليوسف العش، ص: 132.

اس نسل میں وہ خوبیاں ان لوگوں کی نسبت بہت کم تھیں جنھوں نے مملکت اسلامیہ کی تاسیس اور ترقی کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا تھا۔ اسلامی عقیدے کو صحیح طریقے سے سمجھنے اور مضبوط ایمان کی وجہ سے اس پہلی مسلمان نسل کے کئی امتیازات تھے، وہ قرآن وسنت میں بیان کردہ نظام اسلام کو قبول کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور تھے اور اس پر عمل کے لیے ہمیشہ بطیب خاطر آمادہ رہتے تھے۔ یہ خوبیاں مفتوحہ علاقوں کے باشندوں میں بدرجہ اتم پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ ان میں خود غرضی پیدا ہوگئی۔ اُن کا خاندانی اور قومی تعصب جاگ اٹھا اور کچھ لوگ تو اپنی بہت سی جاہلانہ عادات کے ساتھ مسلسل چمٹے ہوئے تھے۔ انھی پر کار بند تھے اور صحیح اسلامی عقیدے کی ضیاء پاشیوں سے اس طرح مستفید نہیں ہو پائے تھے جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت حاصل کی تھی۔ اس کی دو وجوہ تھیں:

❁ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

❁ فاتحین جنگوں اور نئی فتوحات میں مشغول ہوگئے اور ان کی طرف پوری توجہ نہ دے سکے۔[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بعد والوں کی نسبت بہت کم فتنوں میں مبتلا ہوئے تھے۔ جوں جوں وقت کی رفتار بڑھتی گئی اور عہد نبوت سے دوری ہوتی گئی اختلاف وانتشار پھیلتا گیا۔[2]

نئی نسل درحقیقت ان خوبیوں سے بڑی حد تک محروم تھی جو پہلی نسل کی پہچان اور امتیاز تھیں۔ ان کی عادات ان سے مختلف تھیں۔ ان کی ذہنیت بدل گئی اور زندگی کا مفہوم بھی ان کے نزدیک صحابہ کے مفہوم سے مختلف تھا۔ خلفائے راشدین کے اولین دور میں جو اندازِ فکر غالب تھا، ان کے نزدیک اس کا مفہوم یکسر بدل چکا تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ وہ پُرانی ذہنیت کو سمجھتے تھے نہ اس کی حکمتوں کو ماننے کے لیے تیار تھے۔ وہ اسے قبول کرنے

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:356/1. [2] ذوالنورين عثمان بن عفان لمحمد مال الله، ص:99.

کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے تھے۔[1] اس لیے نئی نسل کے منحرف لوگ بھی فتنہ پردازوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

❁ **افواہوں کو معتبر سمجھنے کا مرض:** تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مخلوط قوموں سے وجود میں آنے والے معاشرے کی فضا شر پھیلانے اور انتشار پیدا کرنے والوں کے لیے ہموار تھی اور اس میں اس قدر انحطاط پیدا ہو گیا تھا کہ بے پر کی افواہوں اور بے بنیاد خبروں کو بھی صحیح مان لیا جاتا تھا۔[2]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کی بابت وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس لیے فتنے برپا نہیں ہوئے کہ ان کا زمانہ عہد نبوی سے قریب تھا اور لوگوں میں ایمان اور خیر کے جذبات بدرجہ اتم موجود تھے، پھر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کا حکم دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِقْتَدُوا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ»

''میرے بعد آنے والے دونوں (خلفاء) ابوبکر و عمر کی اقتدا کرو۔''[3]

اس کے ساتھ ساتھ ائمہ کرام اور دیگر اور ذمہ دار لوگ اپنے فرائض بخوبی ادا کرتے تھے اور رعایا کے اکثر افراد بھی وہ تھے جنھیں نفوس مطمئنہ کہا گیا، یعنی ایمان و اعتقاد میں نہایت پختہ اور مخلص تھے۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری دور اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ابتدائی دور شروع ہوا تو اکثریت ان لوگوں کی تھی جن کے اچھے اور بُرے ہر طرح کے ملے جلے اعمال تھے۔ ان میں ایمان اور دین کے ساتھ ساتھ خواہشات پرستی اور شبہات کے امراض بھی پیدا ہو گئے۔ یہ کمزوری بعض گورنروں اور رعایا کے کچھ افراد

[1] الدولة الأموية ليوسف العش، ص: 133. [2] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص: 382. [3] جامع الترمذي، حديث: 3662.

میں بھی سر اٹھانے لگی۔ لیکن ان میں خیر باقی تھی اور ان کا نفسِ لوّامہ انھیں ان کی کارستانیوں پر ملامت کرتا رہتا تھا۔ پھر نفسِ لوّامہ سے عاری اچھی بُری صفات کے لوگوں کی بہتات ہوگئی تو نت نئے فتنے پیدا ہونے لگے جس کا سبب طرفین (رعایا اور گورنروں) میں تقوی کی کمی تھی۔ دونوں طرف کچھ لوگ خواہشات پرستی اور معصیت میں مبتلا ہوگئے۔ ہر ایک تاویل کی بنا پر یہی سمجھتا تھا کہ وہ حق پر ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ لیکن اس تاویل کے ساتھ ساتھ خواہشات پرستی کے عناصر بھی تھے۔ بدگمانیاں بھی تھیں اور طبعی میلانات کا عمل دخل بھی تھا اگرچہ دونوں گروہوں میں سے ایک حق کے زیادہ قریب تھا۔“[1]

یہ حقیقت اس مکالمے سے اور زیادہ روشن ہو جاتی ہے جو امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک متبع کے درمیان ہوا۔ اس آدمی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: ”کیا وجہ ہے کہ لوگ آپ سے اختلاف کرتے ہیں جبکہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہیں کرتے تھے؟“ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی رعایا میرے جیسے لوگ تھے اور میری رعایا تمھارے جیسے افراد ہیں۔“[2]

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حالات کی کروٹوں سے بے خبر نہیں تھے۔ انھیں بھی اس تغیر پذیر معاشرتی صورت حال کا بخوبی اندازہ تھا جیسا کہ اس کا اظہار انھوں نے گورنروں کے نام ایک خط میں کیا۔ آپ نے گورنروں کو لکھا:

”رعایا کی صورت حال بگڑ رہی ہے۔ ان میں انتشار پیدا ہونا شروع ہوگیا ہے، وہ شر کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔ اس کا سبب تین چیزیں ہیں: ”دنیا لوگوں کی ترجیح بن چکی ہے۔ خواہشات پرستی کا مرض عام ہوتا جا رہا ہے اور لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کینہ پیدا ہو چکا ہے۔ خدشہ ہے کہ یہ مرض پھیل جائے گا اور

[1] مجموعة الفتاوى لابن تيمية: 149,148/28. [2] مقدمة ابن خلدون، ص: 189.

کوئی خرابی پیدا کردے گا۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بارعب شخصیت کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بننا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طبیعتیں ایک دوسرے سے بہت مختلف تھیں۔ اس وجہ سے دونوں کا رعایا کے معاملات سے نبٹنے کا انداز بھی مختلف تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت مضبوط دل اور اپنے نفس اور ماتحتوں کا بڑا شدید محاسبہ کرنے والے تھے جبکہ اس کے برعکس سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت نرم مزاج اور معاملات میں نہایت نرمی برتنے والے تھے۔ وہ اپنا یا اپنے وزراء کا اس قدر شدید مؤاخذہ نہیں کرتے تھے جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا۔ خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''اللہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے! ان جیسی سختی اور دین پر عمل کی طاقت کون رکھتا ہے؟''[2]

ہر چند لوگ شروع شروع میں آپ کی خلافت سے بہت خوش تھے کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان سے بڑی نرمی اور نوازش سے پیش آتے تھے جبکہ اس کے برعکس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سخت طبیعت کے مالک تھے۔ شروع میں لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئی۔ لیکن بعد میں یہی لوگ آپ پر طعن کرنے لگے۔ اس کی بنیادی وجہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نرمی، منکسر المزاجی اور خوش اخلاقی تھی ۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا ادراک ہوگیا تھا۔ اس کا اندازہ ان کی اس بات سے ہوتا ہے جو انھوں نے چند قیدیوں سے کہی۔ آپ نے فرمایا:

''کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ جرأت تمھیں کیوں ہوئی؟ تم صرف میری بردباری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہو۔''[3]

جب خارجیوں کے جارحانہ عزائم منظر عام پر آئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

[1] التمهيد والبيان لمحمد بن يحيى الأندلسي، ص: 64. [2] تاريخ الطبري: 418/5. [3] تاريخ الطبري: 250/5.

اور دوسرے لوگوں کے سامنے ان کے الزامات کا جواب دیا اور انھیں دلیل دینے کا پابند کیا۔ مسلمان خارجیوں سے لڑائی کرنے پر مصر تھے مگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنے خلقی حلم و بردباری کی وجہ سے اصرار یہ تھا کہ نہیں! ہم عفوو درگزر سے کام لیں گے اور ہر ممکن طریقے سے انھیں سمجھائیں گے۔ کسی سے اس وقت تک دشمنی اور جنگ نہیں کریں گے جب تک وہ حد سے تجاوز نہیں کرتا اور واضح طور پر کفر کا مرتکب نہیں ہوتا۔[1]

مدینہ منورہ سے کبار صحابہ کی دوسرے شہروں میں منتقلی: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قریش کے جلیل القدر مہاجرین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ کسی دوسرے شہر میں منتقل نہ ہوں۔ اگر کوئی کہیں جانا چاہتا تو امیرالمومنین سے باقاعدہ اجازت لیتا اور وہاں اپنے قیام کی مدت کا تعین بھی کرتا۔ کچھ لوگوں نے اس پر چہ میگوئیاں کیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع مل گئی۔ آپ نے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا:

''میرے نزدیک اسلام کے پنپنے کی مثال اونٹ کی طرح ہے جو شروع میں نوعمر، دو دانتا ہوتا ہے، پھر اس سے زیادہ مضبوط اور بھرپُور جوان ہوجاتا ہے بالآخر اس جوانی کے بعد زوال کا زمانہ آجاتا ہے۔ جان لو! اسلام بھرپور جوان ہو چکا ہے۔ خبردار! قریش یہ چاہتے ہیں کہ وہ عبادت کو چھوڑ کر اللہ کے مال کے پیچھے دوڑ پڑیں، ہرگز نہیں! جب تک عمر بن خطاب زندہ ہے ایسا نہیں ہوسکتا۔ میں قریش کو اس ہلاکت سے روکوں گا۔ انھیں روکنے کے لیے حرہ کی گھاٹیوں میں کھڑا ہوجاؤں گا۔ اور گردنوں اور کمر سے پکڑ پکڑ کر انھیں آگ میں گرنے سے بچانے کی کوشش کروں گا۔''[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں خدشہ تھا کہ یہ حضرات مختلف اضلاع اور علاقوں میں پھیل جائیں گے۔ ان کے پاس مال و متاع اور جائیداد کی فراوانی ہوجائے

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 364/1. [2] تاريخ الطبري: 413/5.

گی، اسی خدشے کے پیش نظر آپ نے مہاجرین پر مدینے سے نکلنے پر پابندی لگا رکھی تھی۔ اگر ان میں سے کوئی جہاد میں شریک ہونے کی اجازت طلب کرتا تو آپ اس سے فرماتے: ''تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فلاں غزوے میں شریک ہوئے تھے۔ بس وہی کافی ہے۔ اب تمھارے لیے جہاد میں شریک ہونے سے بہتر ہے کہ تم دنیا کو دیکھو نہ دنیا تمھیں دیکھے۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ برسر اقتدار آئے تو انھوں نے نرمی اختیار فرمائی مہاجرین وانصار کو مدینے سے نقل مکانی کی اجازت دے دی۔ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ برسر اقتدار آئے تو انھوں نے ان مہاجرین کو باہر جانے کی اجازت دے دی، جن پر پابندی تھی۔ وہ مختلف شہروں میں پھیل گئے۔ لوگ ان پر ٹوٹ پڑے، اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ مقبول ہوگئے اور نہایت پسندیدہ شخصیت شمار ہونے لگے۔''[2]

اس حکم امتناعی کو واپس لینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریش کے کئی لوگوں نے مختلف شہروں میں جائیدادیں بنالیں اور لوگ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی وجہ سے) ان کے گرویدہ ہوگئے۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ ترک کردیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح سختی نہ کی، اس لیے جن لوگوں پر مدینہ سے باہر جانے کی پابندی تھی وہ اٹھالی گئی۔ یوں وہ مختلف شہروں میں آباد ہوگئے۔ جب انھوں نے ان شہروں کو دیکھا، دنیا دیکھی اور پھر لوگوں کی آؤ بھگت دیکھی تو جن لوگوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی نہ انھوں نے اسلام کے لیے کوئی کارنامہ انجام دیا تھا، ان میں بھی احساس برتری پیدا ہوگیا۔ اس طرح وہ لوگ مختلف گروہوں کی شکل اختیار کرگئے اور لوگوں نے ان سے بہت سی توقعات وابستہ کرلیں یہاں تک کہ وہ کہنے لگے: ''یہ لوگ بہت سی زمینوں کے مالک ہیں ہمیں ان سے جان پہچان رکھنی چاہیے اور ان

[1] تاريخ الطبري :5/414. [2] تاريخ الطبري :5/414. [3] تاريخ الطبري :5/414.

سے تعلقات مضبوط کرنے چاہییں۔ اس طرح مسلمانوں میں یہ پہلی کمزوری پیدا ہوئی اور یہی بات عوام میں فتنہ وفساد کا باعث بنی۔‘‘[1]

جاہلی عصبیت: ابن خلدون کا بیان ہے: ’’جب فتوحات تکمیل کو پہنچیں اور ملت اسلامیہ کی سلطنت بھی مکمل ہوگئی تو اہل عرب کوفہ، بصرہ، شام اور مصر میں جگہ جگہ قیام پذیر ہوگئے۔ ان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک سے فیض یافتہ اور آپ کے اخلاق و آداب سے آشنا صرف مہاجرین و انصار، قریش، اہل حجاز یا ان کے علاوہ کچھ اور خوش قسمت حضرات تھے۔ جہاں تک بنو بکر بن وائل، عبدالقیس، ربیعہ، ازد، کندہ، تمیم اور قضاعہ وغیرہ سے تعلق رکھنے والے دیگر عربوں کا تعلق ہے تو ان میں سے بہت تھوڑے لوگوں کو شرف صحابیت حاصل تھا۔ لیکن فتوحات میں ان کی خدمات نمایاں تھیں۔ اس بنا پر وہ اس زعم میں مبتلا ہوگئے کہ وہ بلند مرتبے کے حامل ہیں حتی کہ وہ اپنے سرکردہ سابقون اولون کی فضیلت کو بھی زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اور ان کے سبقت اسلام کی وجہ سے ان کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ انھیں دین کے لیے سابقون اولون کی برداشت کی جانے والی پریشانیوں اور اسلام کے لیے جھیلے گئے مصائب کا کوئی اندازہ ہی نہیں تھا۔ جب مشکلات و مصائب کے دن بیت گئے اور حالات قدرے بہتر ہوئے، نیز دشمن خائب و خاسر ہوگیا اور سلطنت اسلامیہ مستحکم ہوگئی تو وہ جاہلی تعصب جو صحابہ کی دین داری سے دب گیا تھا، دوبارہ سر اٹھانے لگا۔ عرب اور دیگر قبائل اپنے اوپر مہاجرین و انصار کی حکومت ناگوار محسوس کرنے لگے اور بغاوت پر آمادہ ہوگئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں ایسے حالات پیدا ہوئے جس سے ان باغیوں کی سوچ کو شہ ملی اور وہ آپ کے مقرر کردہ مختلف شہروں کے گورنروں کی عیب جوئی کرنے لگے۔ انھوں نے ان کی جاسوسی کو اپنا مشغلہ بنا لیا۔ ان کی ہر ہر حرکت نوٹ کرتے۔ انھوں نے اطاعت وفرمانبرداری سے ہاتھ

[1] تاریخ الطبری: 414/5.

کھینچ لیا۔ خود مختاری کے نام پر ان سے خلاصی پانے اور ان کی معزولی کا مطالبہ کرنے لگے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید شروع کر دی۔ یہ خبریں ان کے ہم مشرب لوگوں میں بڑی تیزی سے پھیل گئیں۔ اور انھوں نے بڑی مکاری سے آگے بڑھ کر ہر طرف پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں موجود بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تک بھی یہ خبریں پہنچ گئیں۔ وہ بھی ان سے متاثر ہوئے اور شکوک وشبہات کا شکار ہو کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کی کوشش کرنے لگے اور آپ سے مطالبہ کرنے لگے کہ وہ اپنے مقرر کردہ گورنروں کو معزول کریں۔ آپ نے ان خبروں کی تصدیق اور حالات کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ وہ حالات کا جائزہ لینے کے بعد واپس آئے اور کہا: ''حالات معمول کے مطابق ہیں اور ہمیں کوئی ایسی بات معلوم نہیں جو کوئی قابل اعتراض ہو۔ نہ مسلمان شہریوں اور عوام الناس نے کوئی ایسی بات کہی۔''[1]

فتوحات کا رک جانا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں فطری یا بشری رکاوٹوں کے باعث فتوحات کا سلسلہ آگے نہیں بڑھ سکا، خواہ ان فتوحات کا رخ فارس اور بلاد شام کی طرف تھا یا افریقیہ کی طرف۔ بالآخر فتوحات میں اضافہ نہ ہونے کی وجہ سے مال غنیمت آنا بھی موقوف ہو گیا۔ اب بدوی باہم سوال کرنے لگے کہ سابقہ غنیمتیں کہاں گئیں؟ مفتوحہ علاقوں کی زمینیں کدھر چلی گئیں؟ وہ درحقیقت ان پر اپنا استحقاق سمجھتے تھے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں باطل افواہیں پھیلا کر یہ الزام لگایا گیا کہ انھوں نے مسلمانوں کے لیے وقف زمینوں میں حسبِ منشا تصرف کیا ہے اور اپنے پسندیدہ لوگوں کو زمینیں الاٹ کر دی ہیں۔ اس غلط پروپیگنڈے کا معاشرے پر نہایت بُرا اثر پڑا، بالخصوص بدوی اس سے زیادہ متاثر ہوئے۔ فتوحات کے رک جانے سے ان کی اکثریت فارغ البال ہو گئی۔ وہ اپنا سارا وقت کھانے پینے، نیند اور ملکی سیاست پر تبصرے میں گزارتے تھے

[1] تاریخ ابن خلدون: 477/2. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 344/1.

اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے تصرفات کے بارے میں سبائیوں کی پھیلائی ہوئی باطل افواہوں پر تنقید کرتے ہوئے وقت ضائع کرتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اس صورت حال کو بھانپ گئے۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں اور وزراء کا اجلاس طلب کیا اور بگڑتی ہوئی صورت حال پر تبادلۂ خیال کیا اور ان حالات پر کنٹرول کرنے کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو انھوں نے مشورہ دیا: ''لوگوں کو جہاد کا حکم دیجیے اور غزوات میں اس قدر مشغول کر دیجیے کہ ان کی سوچ سر کی جوؤں اور سواری کی پیٹھ کے زخموں سے آگے نہ بڑھے۔''[1]

ایسے حالات میں ان بدوی لوگوں میں جو غزوات میں مصروف رہے اور دین سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے تھے، ایسی گفتگو کرنا اور سوچ پیدا کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ان سے کسی بھی ہنگامے کی توقع کی جاسکتی تھی۔ انھیں صرف مہمیز لگانے کی ضرورت تھی اور انھیں بھڑکانے کے لیے ایک اشارہ ہی کافی تھا۔ وہ اضطراب و انتشار اور فتنوں کا پہاڑ کھڑا کرسکتے تھے۔ یہ خدشہ صحیح ثابت ہوا۔ جب فتوحات رک گئیں تو وہ فتنے کی مبادیات میں شریک ہوگئے۔ اور اس کے بھڑکانے کے اسباب میں سے ایک سبب بدوی بھی تھے۔[2]

ورع کا غلط مفہوم: ورع شرعاً قابل تعریف چیز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان بعض جائز امور کو بھی محض اس لیے ترک کردے مبادا کسی ناجائز کام کا ارتکاب کر بیٹھے۔ اصل میں ورع کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کی خاطر مباحات کو بھی ترک کر دینا۔'' یہ انفرادی مسئلہ ہے اور انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے آپ پر اس طرح کی پابندی عائد کرے لیکن دوسروں کو اس کا پابند بنانے کا اسے کوئی اختیار نہیں۔ ورع کی بدترین صورت جاہل آدمی کا ورع ہے جو مباح کو حرام یا فرض کا درجہ دے دیتا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے

[1] تاريخ الطبري: 340/2. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون، ص: 353.

آخری دور میں فتنے میں مبتلا افراد بھی اسی مرض کا شکار تھے۔[1]

اسلام دشمن عناصر نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ان کے جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں خوب بھڑکایا حتی کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اجتہاد اور مصالح کی خاطر کیے گئے اقدامات کو غیر شرعی سمجھنے لگے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسلام سے (معاذ اللہ) غداری اور اپنے پیش روؤں کے طریقے کی مخالفت کر رہے ہیں۔ جاہل لوگوں کی نظروں میں یہ مسائل بڑے سنگین تھے، لہٰذا انھوں نے اس آڑ میں خلیفۂ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کو مباح سمجھا یا پھر خون کرنے والوں کی معاونت کی اور قیامت تک کے لیے مسلمانوں پر فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ یہ مبنی بر جہالت ورع آج بھی ہمیں بعض مسلمانوں میں نظر آتا ہے جو اسلام کا نفاذ اپنی خواہش کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک معتبر ان کی پسند اور ناپسند ہے یا پھر وہ اسلام کو اپنی عادات، روایات، رویوں اور رواج ہی میں دیکھنا چاہتے ہیں۔[2]

جاہ و منصب کے خواہش مند لوگوں کی توقعات: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اولادوں میں سے بعض اپنے آپ کو اس لائق سمجھتے تھے کہ وہ نظام حکومت چلانے کے اہل ہیں لہٰذا انھیں جہاں بانی کا موقع ملنا چاہیے۔ لیکن انھیں اقتدار تک پہنچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی بلکہ ان کے لیے راستے بند تھے۔ عموماً جب اقتدار کے خواہش مند لوگوں کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کوئی صورت نظر نہیں آتی تو وہ ہر تخریبی تحریک میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جاہ و منصب کے ان طلب گاروں کی یہ طبع آزمائی بھی نہایت کارگر ثابت ہوئی اور انھوں نے بھی اس فتنے میں بہت بھیانک کردار ادا کیا۔[3]

حاسدوں کی سازشیں: منافق اور مفتوحہ قوموں کے باشندے بھی اسلام میں داخل ہو گئے

[1] الأساس في السنة للدكتور سعيد حوّى: 4/1176. [2] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 517. [3] الأساس في السنة للدكتور سعيد حوّى: 4/1676.

لیکن اسلام کے خلاف نفرت اور کینہ ان کے دلوں میں پرورش پاتا رہا اور وہ نہایت مکاری اور عیاری سے فتنہ برپا کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں رہے۔ اس کے لیے وہ ... نو کے کمزور پہلوؤں کو نوٹ کرتے رہے۔ پھر ان مقاصد کے حصول کے لیے انھیں ، مسرب مل گئے جو انھیں مکمل اطلاعات فراہم کرتے تھے جس کے نتیجے میں فتنے برپا ہوے

یہود و نصاریٰ اور ایرانی مسلم معاشرے کا حصہ بن چکے تھے۔ اور ان کی اسلام مسلمانوں اور مملکت اسلامیہ سے دشمنی اور حسد کی وجوہ بھی بالکل واضح ہیں کہ بعض بنے اقتدار اور سیادت کے کھوجانے کا قلق تھا جو تا حال ان کے دلوں میں آگ کی طرح سلک رہا تھا۔ یہاں ہم ایک اور طبقے کا ذکر کرتے ہیں وہ لوگ تھے جن پر کسی . ارتکاب کی وجہ سے حد نافذ ہوئی تھی یا تعزیر لگائی گئی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یا آپ کے کردہ گورنروں نے بعض شہروں میں جرم کا ارتکاب کرنے والے ان شرپسند عناصر کو سرد تھی، بالخصوص بصرہ، کوفہ، مصر اور مدینہ منورہ میں ایسے افراد موجود تھے۔ کینہ پرو یہودیوں، عیسائیوں، ایرانیوں اور جرائم پیشہ لوگوں نے جن کی اکثریت بدوؤں پر مشتمل تھی اور وہ دینِ اسلام کی حقیقت سے ناآشنا تھے، اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ وہ سب ایک جتھے کی شکل اختیار کر گئے انھیں ''شریروں کا ٹولہ'' کے نام سے شہرت ملی۔ انھیں شہروں کے شرپسند، بادیہ نشین قبائل، خانہ بدوش اور مدینہ کے غلاموں کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا۔[2] یہ لوگ قاتل تھے۔ ڈاکو تھے۔ نہایت گھٹیا تھے۔ باولے تھے۔ پست قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ انتہائی کمینے تھے۔ یہ پاجی لوگ شر پھیلانے کے لیے متحد ہو گئے۔

وہ نہایت بداخلاق وحشی، اکھڑ مزاج اور شور وغل برپا کرنے والے قبائل کے گھٹیا لوگ تھے۔ نہایت سفلی خیالات کے مالک[3] اور شیطان کے آلۂ کار تھے۔[4]

[1] الأساس في السنة للدكتور سعيد حوّى: 1676/4. [2] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص: 392. [3] شرح النووي: 149,148/15. [4] تاريخ الطبري: 327/5.

اپنے بڑوں کا بدلہ نہ لے سکنے والے اِن حاسدوں میں عبداللہ بن سبا صنعانی یہودی کا نام بار بار کتب تاریخ میں آتا ہے۔ وہ یہودی تھا، پھر نام نہاد مسلمان ہوگیا۔ کسی نے اس کے ناپاک ارادوں کی تحقیق ہی نہ کی اور وہ بحیثیت مسلمان اسلامی شہروں میں دندناتا رہا۔[1]

اس کے بارے میں مکمل گفتگو آئندہ اوراق میں آئے گی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام تراشیوں کو پھیلانے کی گھناؤنی سازش: داخلی عوامل اور اسباب کی وجہ سے معاشرے میں افواہوں کو معتبر سمجھنے اور رطب ویابس قبول کرنے کا مرض عام ہو چکا تھا۔ فتنہ پرور لوگوں کے لیے ماحول بالکل سازگار تھا اور معاشرتی ساخت ایسی صورت حال اختیار کر چکی تھی کہ باطل خبروں کو پھیلانا نہایت آسان ہو گیا تھا۔ فتنہ پرور لوگوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آڑ میں امراء پر طعن کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ عوام الناس کے بہت بڑے طبقے کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا۔ طعنہ زنی اور عیب جوئی کے زہریلے تیروں سے مملکت اسلامیہ کے سربراہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی محفوظ نہ رہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جو الزامات تراشے گئے وہ پانچ نوعیت کے تھے:

1۔ منصب خلافت پر فائز ہونے سے پہلے ذاتی طرز عمل، جیسے بعض غزوات میں عدم شرکت۔

2۔ مالی پالیسی، جیسے عطیات کی تقسیم اور چراگاہوں کا معاملہ۔

3۔ مؤثر انتظامی پالیسی، جیسے گورنروں کے انتخاب کا طریقۂ کار اور اقرباء کو عہدوں کی تفویض۔

4۔ ذاتی یا امت کی مصلحت کی خاطر بعض اجتہادات، جیسے منٰی میں پوری نماز پڑھنا، قرآن کو جمع کرنا اور مسجد کی توسیع۔

5۔ بعض صحابۂ کرام، مثلاً: سیدنا عمار، ابوذر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے معاملہ۔[2]

ان تمام معاملات میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ صرف سیدنا

[1] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص: 393.
[2] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص: 394.

عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق گفتگو نہیں ہوئی، اس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ اوراق میں آئے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام تراشی میں نہایت مبالغے سے کام لیا گیا۔ وہ الزامات جو آپ کی زندگی میں آپ پر لگائے گئے اور آپ نے خود ان کے جوابات دیے یا آپ کی وفات کے بعد مؤرخین نے اپنی کتابوں میں آپ پر الزام لگائے، وہ سراسر باطل تھے۔ ان میں سے کوئی الزام اس قدر سنگین نہیں تھا کہ اس کی وجہ سے آپ کو تہہ تیغ کر دیا جاتا۔[1]

سابق الذکر تمام اعتراضات اور طبری وغیرہ کی کتب تاریخ میں منقول اعتراضات مجہول اور ضعیف مؤرخین کے بیان کردہ ہیں۔ بالخصوص تمام خبروں کے راوی رافضی ہیں اور ان کی صحابہ کرام سے دشمنی معروف ہے۔ بہر حال ہر دور میں یہ مسئلہ رہا ہے کہ خلفائے راشدین اور ائمہ کی سیرت کے حقائق کو پردۂ اخفا میں رکھا گیا۔ بالخصوص ان ادوار میں پیش آنے والے فتنوں کے اصل حقائق کو مسخ کر دیے گئے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کا منتشر دور بھی پر آشوب حالات سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ کی درخشاں سیرت کو بھی تحریف کرنے والوں کی سازشوں اور شرانگیزوں اور غالی رافضیوں کی کذب بیانیوں نے داغدار کر دیا۔ اس کے لیے انھوں نے لوگوں کو اکسانے کی خاطر حقائق کو مسخ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی ہی میں اس کا ادراک ہو گیا تھا۔ جس کا اندازہ گورنروں کے نام ان کے ایک خط سے ہوتا ہے۔ انھوں نے لکھا: ''امابعد! رعایا انتشار کے راستے پر چل نکلی ہے اور ان کا رجحان شر کی طرف ہو گیا ہے۔ اس کا باعث تین چیزیں ہیں: لوگوں نے دنیا کو ترجیح دینی شروع کر دی ہے اور خواہشات کے پجاری بنتے جا رہے ہیں، اور کینہ پرور ہو گئے ہیں۔''[2]

ابن العربی ان تمام اعتراضات کی بابت لکھتے ہیں: ''یہ سارا پروپیگنڈہ کذاب راویوں

[1] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص:400. [2] التمهيد والبيان لمحمد بن يحيٰى الأندلسي، ص:64.

کی رغبت کرتے جھوٹی خبروں سے متأثر ہو کر کیا گیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ظلم وستم ڈھائے اور منکرات کو فروغ دیا۔ وغیرہ، وغیرہ۔ ایسے تمام واقعات سند اور متن دونوں لحاظ سے باطل ہیں۔[1]

ثالثاً: امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ معصوم نہیں تھے۔ اصولی موقف یہ ہے کہ ہم اعتقاد رکھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی معصوم عن الخطا نہیں تھا۔ خلفائے راشدین اور دیگر حضرات سے غلطی ممکن ہے۔ کبھی وہ سرزد ہونے والے گناہ سے توبہ کر لیتے تھے اور کبھی ان کی بے شمار نیکیاں ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی تھیں۔ کبھی وہ مصائب کا شکار ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان تکالیف کو ان کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ یوں بھی ان کے گناہ کو معاف فرما دیتا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف جو کچھ منسوب ہے وہ زیادہ سے زیادہ غلطی یا گناہ ہو سکتا ہے۔ جبکہ ان کی مغفرت کے بہت سے اسباب موجود تھے جن میں سبقت اسلام، جہاد اور طاعت وفرمانبرداری کے دوسرے امور بھی شامل ہیں۔ یہ بات صحیح روایات سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ایمان کی گواہی دی بلکہ آپ کو پہنچنے والے مصائب کے عوض جنت کی بشارت بھی دی۔[2]

اس سے یہ بھی ہے کہ آپ نے ان گناہوں سے توبہ بھی کر لی جن کو خارجیوں نے تنقید کا باعث قرار دیا، پھر یہ بات بھی ہے کہ انھیں بہت بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کا کفارہ بنایا اور انھوں نے صبر کیا حتی کہ نہایت مظلومانہ حالت میں شہید ہو گئے۔ یہ گناہوں کے کفارے کا سب سے بڑا سبب ہے۔[3]

لوگوں کو برانگیختہ کرنے کے لیے مختلف وسائل و ذرائع کا استعمال: شر پسند عناصر نے

[1] العواصم من القواصم لابن العربي، ص: 61-63. [2] صحیح مسلم، حدیث: (29)-2403.
[3] ذوالنورين عثمان بن عفان لمحمد مال الله، ص: 63.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے اور اسلامی معاشرے کی ساکھ کو سبوتاژ کرنے کے لیے مختلف انداز اختیار کیے۔ ان میں سے چند قابل ذکر یہ ہیں:

- افواہیں پھیلائی گئیں اور یہ سلسلہ اس قدر وسعت اختیار کر گیا کہ یہی باتیں موضوع سخن بن گئیں۔
- اشتعال پھیلایا گیا۔
- لوگوں کے سامنے بھرے مجمع میں خلیفہ پر تنقید کی گئی اور خلیفہ سے جھگڑا اور مناظرہ کیا گیا۔
- گورنروں پر تنقید کی گئی۔
- جلیل القدر صحابۂ کرام سیدہ عائشہ، سیدنا علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف جھوٹے اقوال اور خطوط منسوب کیے گئے۔
- اس بات کو عام کیا گیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ حقدار تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ان کے حق میں خلافت کی وصیت کی تھی۔
- باغیوں نے بصرہ، کوفہ اور مصر ہر شہر میں چار گروہ تشکیل دیے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے ہی سے طے شدہ سازش تھی۔ اس بات نے اہل مدینہ کو شبہات میں ڈال دیا کہ شاید یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کہنے پر آئے ہیں، پھر ہنگامے شروع ہو گئے یہاں تک کہ معاملہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔[1]

اس کے علاوہ باغیوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بعض نعروں کو آڑ بنایا۔ انھوں نے اللہ کی بڑائی کا نعرہ بلند کیا کہ ہمارا مقصد اللہ کی کبریائی قائم کرنا ہے۔ ان کا نعرہ تھا کہ ہمارا یہ جہاد مظالم کے خلاف ہے۔ وہ کہتے تھے: ''ہم یہ سب کچھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کے لیے کر رہے ہیں۔ جن وسائل کو انھوں نے اپنے مقاصد

[1] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص: 401.

کے حصول کا ذریعہ بنایا ان میں سے یہ بھی تھا کہ گورنروں کو تبدیل کیا جائے اور انھیں معزول کرایا جائے۔ بالآخر انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے خلافت سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کردیا اور اس قدر جرأت مند ہوگئے کہ صرف دستبرداری کے مطالبے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ خلیفہ کو شہید کرنے پر تل گئے، بالخصوص جب انھیں یہ خبریں موصول ہوئیں کہ مختلف شہروں کے باشندے خلیفہ کی نصرت کے لیے مدینہ کا رخ کر چکے ہیں تو وہ اور زیادہ پرجوش ہوگئے اور ہر قیمت پر خلیفہ کو شہید کرنے کی ٹھان لی۔[1]

فتنہ انگیزی میں سبائیوں کا کردار

سبائیت: حقیقت یا افسانہ؟: قدیم مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ عبداللہ بن سبا کی صورت میں سبائیت کا وجود پایا جاتا تھا۔ چند معاصر شیعہ مؤرخین نے اسے ایک افسانہ قرار دیتے ہوئے اس کی حقیقت کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سیف بن عمر تمیمی کا خود ساختہ کردار ہے کیونکہ سیف بن عمر روایت حدیث میں محدثین کے نزدیک مجروح ہے اور ابن سبا کا ذکر بھی یہی کرتا ہے۔ لیکن ان کا یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ سیف بن عمر مؤرخین کے نزدیک قابل اعتبار ہے اور پھر ابن عساکر کی کئی روایات سیف بن عمر کے علاوہ دوسرے طریق سے مروی ہیں، ان میں بھی ابن سبا کا تذکرہ موجود ہے اور ان میں سے بعض روایات کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے سنداً صحیح کہا ہے۔ شیعہ کی حدیث، رجال اور مختلف مذاہب کی کتابوں میں بھی ابن سبا کا تذکرہ ملتا ہے، حالانکہ ان روایات سے سیف بن عمر کا دور سے بھی واسطہ نہیں۔

بعض مؤرخین اور محققین نے ابن سبا کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے اور بغیر کسی دلیل کے اس کے وجود کا انکار کرتے ہوئے اسے ایک رومانوی کردار کہا ہے۔

(1) دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور عبد الرحمٰن الشجاع، ص :402.

ا سبا کی شخصیت کے و د کا سرے سے انکار کرنے والوں میں مستشرقین، بعض عر
مورخین ر کثر شیعہ معاصرین شامل ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ قبل ا
ب ہ پیرو اور رافضیوں کو ابن سبا کی ذات کا سرے سے انکا ہوئے: راشر
ہیں کہ ہ کس قد جہالت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، حالانکہ سا کے حوالے سے
سبا کے وجود پر تمام مؤرخین او محدثین متفق ہیں اور ادیان و مذاہب: طبقات، ر
کتابیں بن سبا کے تذکرہ ں سے بھری پڑی ہیں اور یہ صرف اہلسنت کتابو
ہیں بلکہ شیعہ کی کتابوں میں بھی ابن سبا کو رومانوی نہیں حقیقی شخصیت کیا گیا ہے، ا
لیے کہ فتنوں کی خبریں ر ان میں ابن سبا کے کردار کا تذکرہ صرف طبری پہ محصر نہیں
ا ر نہ س کا دار و مدار صرف سیف بن عمر تمیمی کی روایات پر ہے۔ بلا خبریں مین
کی روایت، اسلامی تاریخ اور مختلف فرقوں اور مذاہب کی اس دور کے ے میں کو
قم کرنے والی کتابوں میں جابجا بکھری پڑی ہیں۔

امام طبری کی تاریخ کی خصوصیت یہ ہے کہ دوسری کتابوں کے مقا میں واقعا
قدرے تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور باقی کتابوں کی نسبت مواد زیاد لیکن ا
نے کوئی زائد چیز ذکر نہیں کی، اس لیے ان واقعات میں شک وشبہ پید بلا دلیل ہے
جس کا مطلب تاریخ اسلام کو کالعدم قرار دینا ہے اور یہ مؤرخین اور علما کرام
اڑانے اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب نصوص
متواتر دلائل کے مقابلے میں تحقیق کا معیار محض عقل ہو اور اسی کی بنیا سائج اخذ کیے
جائیں تو پھر اسی طرح قدیم و جدید بہت سے مصادر کو بھی رد کیا جائے گا جس طرح ن
سبا کو رومانوی کردار بنا کر اس کی حقیقت کو رد کیا گیا ہے،[1] حالانکہ اہل سنت کی کتابوں
میں اس کا ذکر جگہ جگہ ملتا ہے۔ ان میں چند ایک درج ذیل ہیں:

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 70/1.

※اعشی ہمدان[1] (متوفی 83ھ) سبائیوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ مختار بن ابی عبید ثقفی کے دور میں کوفی سبائی کوفہ سے بھاگ کر بصرہ چلے گئے تھے، اس حوالے سے ان کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے:

شَهِدْتُ عَلَيْكُمْ أَنَّكُمْ سَبَئِيَّةٌ　　وَأَنِّي بِكُمْ يَا شُرْطَةَ الْكُفْرِ عَارِفُ

''میں گواہ ہوں کہ تم یقیناً سبائی ہو، اے کفر کے سپاہیو! میں تمھیں اچھی طرح جانتا ہوں۔''[2]

※امام شعبی رحمہ اللہ (متوفی 103ھ/721ء) سے مروی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جھوٹ بولا وہ عبداللہ بن سبا تھا۔[3]

※حبشیوں کی قوم میں سے کسی نے عبداللہ بن سبا کو اہمیت دی تھی۔ ابن حبیب[4] متوفی 245ھ/860ء نے اس ضمن میں ابن سبا کا تذکرہ کیا ہے۔[5]

※اسی طرح ابو عاصم خشیش بن اصرم[6] (متوفی 253ھ) نے اپنی کتاب الاستقامہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حکم پر عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں کو جلانے کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

جاحظ[7] (متوفی 255ھ) بھی ان لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے پہلے پہل عبداللہ بن سبا کا تذکرہ کیا ہے۔[8] لیکن سب سے پہلے جاحظ نے ابن سبا کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ

[1] اعشی ہمدان سے مراد عبدالرحمن بن عبداللہ بن حارث ہمدانی ہیں۔ فارسی شاعر تھے اور ان کا شمار قرا اور فقہاء میں ہوتا ہے۔ یہ شعر اور اس کی حقیقت سے بھی واقف تھے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عتی عبادت گزار اور نیک شخص تھے، انھیں 83ھ میں قتل کیا گیا۔ [2] دیوان أعشی همدان، ص 148
[3] تاریخ دمشق لابن عساکر: 331/9 [4] اس سے مراد محمد بن حبیب بن امیہ ہاشمی ہیں جو نساب لغت، شعر اور تاریخ کے عالم تھے۔ (تاریخ بغداد: 129/9). [5] المحبر لابن حبیب، ص 308
[6] اس سے خشیش بن اصرم بن اسود نسائی مراد ہیں۔ (تذکرة الحفاظ: 551/2). [7] اس سے مراد عمرو بن بحر بن محبوب کنانی ہیں، علم و ادب کے امام تھے۔ (وفیات الأعیان: 470/3) [8] البیان والتبیین للجاحظ: 8/3.

اس سے پہلے امام شعبی وغیرہ ہی نے اس کا تذکرہ کیا ہے، اس لیے دکتور جواد علی کی یہ رائے کہ سب سے پہلے جاحظ نے ابن سبا کا تذکرہ کیا ہے، محل نظر ہے۔[1]

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حکم پر زندیقوں کے ایک گروہ کو جلانے کا واقعہ صحیح روایات سے ثابت ہے جو احادیث کی مختلف کتابوں میں موجود ہے۔[2] زندیق کا لفظ ابن سبا اور اس کے پیروکاروں ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رافضیت کی ابتدا زندیق عبداللہ بن سبا سے ہوئی۔''[3]

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عبداللہ بن سبا نہایت غالی زندیق تھا۔ خود بھی گمراہ تھا اور لوگوں کو بھی گمراہ کرنے والا تھا۔''[4]

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عبداللہ بن سبا نہایت گندہ اور غالی زندیق تھا...... اس کے پیروکاروں کو سبائی کہا جاتا تھا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل تھے۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے دور خلافت میں آگ میں جلا دیا تھا۔''[5]

❁ ابن سبا کا تذکرہ جرح و تعدیل کی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ امام ابن حبان (متوفی 354ھ) فرماتے ہیں: ''معروف مؤرخ محمد بن سائب کلبی سبائی تھا اور عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں میں سے تھا جو کہتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فوت نہیں ہوئے۔ قیامت سے پہلے دنیا میں واپس آ جائیں گے۔ وہ کوئی بادل کا ٹکڑا دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ امیر المومنین اس میں ہیں۔''[6]

❁ انساب کا تذکرہ کرنے والی کتابوں میں بھی سبائیت کی نسبت عبداللہ بن سبا کی طرف

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 290/1، وعبدالله بن سبأ للدكتور سلمان العودة، ص: 53. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 290/1. [3] مجموعة الفتاوٰى لابن تيمية: 483/28. [4] ميزان الاعتدال للذهبي: 426/2. [5] لسان الميزان لابن حجر: 290/3. [6] المجروحين من المحدثين لأبي حاتم التميمي: 253/2.

کی گئی ہے جیسا کہ امام سمعانی[1] (متوفی 562ھ) کی کتاب «الأنساب» ہے۔[2]

❁ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (متوفی 571ھ) نے عبداللہ بن سبا کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''عبداللہ بن سبا جس کی طرف سبائیت کی نسبت کی جاتی ہے، غالی رافضیوں کا سرغنہ تھا، وہ یمنی الاصل یہودی تھا، اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا۔''[3]

عبداللہ بن سبا کے حالات صرف سیف بن عمر نے بیان نہیں کیے۔ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے متعدد روایات ابن سبا کے متعلق نقل کی ہیں۔ ان میں سیف بن عمر کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔[4]

❁ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی 728ھ) بیان کرتے ہیں کہ رافضیت منافقین زنادقہ کی پیداوار ہے جس کا آغاز ابن سبا زندیق نے کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو کیا اور ان کی امامت بلافصل کا دعویٰ کیا اور اس پر دلائل دیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معصوم ہونے کا عقیدہ بھی اسی نے پھیلایا۔[5]

❁ امام شاطبی[6] (متوفی 790ھ) بدعات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''سبائیت کی بدعت اعتقاد سے متعلق تھی۔ انھوں نے اللہ جل شانہٗ کے ساتھ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو) الہ بنالیا۔ یہ بدعت دوسری بدعات سے یکسر مختلف تھی۔''[7]

❁ امام مقریزی (متوفی 845ھ) کہتے ہیں: ''عبداللہ بن سبا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں بدعات کو فروغ دیا اور یہ چرچا شروع کر دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں خلافت کی وصیت کی تھی۔ اس نے دوسرے جنم یعنی دوبارہ دنیا میں

[1] ان کا نام عبدالکریم بن محمد سمعانی ہے۔ (تذکرة الحفاظ : 1316/4). [2] الأنساب للسمعاني: 24/7. [3] تاريخ دمشق لابن عساكر: 329,328/9. [4] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 298/1. [5] مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية: 434/4. [6] آپ کا نام ابراہیم بن موسیٰ، محمد غرناطی ہے۔ [7] الاعتصام للشاطبي: 197/2.

لوٹنے ور تناسخ ارواح یعنی روحوں کے ایک جسم سے دوسرے جسم . منقل ہونے کے عقائد کو رواج دیا۔"[1]

شیعہ کی کتابوں میں بن سبا کا تذکرہ: الکشی نے اپنی سند سے ا . عـ سے . ن کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ا. عبداللہ: امام زین العابدین) کو فرما ہوئے سنا "عبداللہ بن سبا پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، ؛ س نے امیر المومنین سیدنا رضی اللہ عنہ بوبیت کا دعویٰ کیا تھا، حالانکہ امیر المومنین اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے . نے پر جھوٹ بولا وہ ہلاک ہو۔ یقیناً کچھ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں ے ہیں۔ جن ہم عتقا نہیں رکھتے۔ نہ اس سلسلے میں کچھ کہتے ہیں۔ ہم ان سے اللہ کے سا . ر ت کا ظہار کرتے ہیں۔"[2] اس روایت کی سند بھی صحیح ہے۔[3] قمی نے . ر الحصال" میں یک دوسری سند سے موصولاً ذکر کیا ہے۔

ر ضات لجنات کے مصنف نے ابن سبا کا تذکرہ کرتے ہو . لکھا ہے کہ سول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کرامی کی طرف سے منسوب کرکے ا ن سا . بہت سے جھوٹ، ا م او. باطل تاویلات پھیلائیں۔ اس وجہ سے اس پر ـ کی گی ...[4]

دکتور سلماں عودہ نے اپنی کتاب میں بن سبا کی حقیقت کے بار . مواد شیعہ کی . کے حوالے سے جمع کیا ہے جس سے ان کی کتابیں بھری پڑی . بن کے وجود کے رکی یہ دستاویز ان متأخرین شیعہ اور ان کے ہمنوا لوگوں کے . ط نچہ ہے جو یت کمز و ے بنیاد دلائل کی بنا پر اس سبا کو ایک رومانوی کردار . کر ے ہیں۔[5]

صحیح ما یہی ہے کہ ابن سبا کی شخصیت ایک تاریخی حقیقت ہے . ل سنت اور

[1] ا عط لاعتبار للمقریزی 256/2 35. [2] جال الکشي :1/4 [3] عبداللہ بن سبأ لحقیقہ لمجھو لمحمد علی لمعلم ص :30. [4] عبداللہ بن سبأ للد . ر سلمان العودۃ، 2 [5] عبداللہ بن سبا للدکتور سلمان لعودۃ، ص 62.

شیعہ کتب کے قدیم و... یہ مورخین متفق ہیں۔ اسی طرح کئی غالی مستشرقین نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے جیسے جولیس ولہاؤزن،[1] ون فولٹن،[2] لیوی ڈیلاودا،[3] گولڈ زیہر،[4] ریالڈ نکلسن،[5] ا... ڈ... سٹ رونالڈسن نے اسے ایک حقیقی کردار کہا ہے۔[6]

چند ایک مستشرقین نے ابن سبا کے وجود کے متعلق تبہات کا ذکر کیا ہے۔ جیسے کیتانی، برنارڈ لوئس[7] اور فریدلیدر۔[8]

لیکن تاریخ اسلامی کے حوالے سے ان کی معلومات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جو شخص اہل سنت اور شیعہ کے قدیم و جدید مصادر و مراجع دیکھتا ہے اس پر یہ حقیقت آشکار ہوجاتی ہے کہ ابن سبا ایک ... یہی حقیقت ہے جس کی تائید تاریخی روایات کرتی ہیں۔ کتب عقائد میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے، اسی طرح حدیث، رجال، انساب، ادب اور لغت کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک تاریخی حقیقت ہے، رومانوی کردار نہیں۔ کئی جدید محققین اور مؤرخین نے بھی یہ بات ثابت کی ہے۔

تمام کتابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن سبا کی شخصیت کے وجود کے بارے میں سب سے پہلے مستشرقین نے شکوک وشبہات پیدا کیے اور پھر اس فکر کو جدید شیعہ مؤرخین نے مستحکم کیا بلکہ سرے سے اس کے وجود ہی کا انکار کر دیا۔ دور حاضر کے بعض عرب مؤرخین اور جدید شیعہ کتب سے متاثرین نے مستشرقین ... بھی زیادہ عجیب وغریب آرا ذکر کیں لیکن ان سب کے پاس اپنے شک اور انکار کو سہارا دینے کے لیے کوئی دلیل

1. الخوارج والشیعة لیولیوس فلہاوزن، ص: 170. 2. السیادة العربیة والشیعة والإسرائیلیات لفان فولتن، ص: 80. 3. تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة للدکتور محمد أمحزون: 312/2. 4. العقیدة والشریعة الاسلامیة لجولد تسیهر، ص: 229. 5. تاریخ العرب الأدبی فی الجاهلیة وصدر الاسلام لنیکلسن رینولد، ص: 235. 6. عقیدة الشیعة رونالدسن، ص: 58. 7. أصول الإسماعیلیة للویس برنارد، ص: 86. 8. تحقیق موقف الصحابة فی الفتنة للدکتور محمد أمحزون 310/1

نہیں ہے بلکہ ن کا موقف صرف آراء، گمان اور مفروضوں پر مبنی ہے۔[1]

جو اس بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے اور شیعہ، مستشرقین اور اہل سنت کی کتب کے مراجع و مصادر، میں ابن سبا کے تذکرے سے آگاہی صل کرنا چاہتا ہے اسے دکتور محمد امحزون کی کتاب «تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة ور دکتور سلمان بن حمد العودہ کی کتاب «عبد الله بن سبأ و أثرہ في أحدا لفسه في صدر الإسلام» کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

فتنے کی تحریک میں عبداللہ بن سبا کا کردار: تبدیلی کے مذکورہ بالا امل کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں اسلامی معاشرے میں طرح طرح کے فسادات اور ہنگامہ آرائی شروع ہوگئی۔ بعض یہودیوں نے اس سے فائدہ ٹھا ۔ انھوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر تقیہ کرتے ہوئے فتنے کی آگ کو خوب بھڑکایا۔ ان میں عبداللہ بن سبا بھی تھا جو ابن سوداء کے لقب سے ف تھا۔ بعض لوگوں نے فتنے کا سرغنہ ابن سبا کو قرار دیتے ہوئے اسے خطرناک او سے باہر شخصیت کہا ہے۔ یہ یقیناً مبالغہ ہے۔[2]

اسی طرح اس کے وجود ہی کو مشکوک قرار دے دینا اور س وقے میں اس کے کردار کو تسلیم نہ کرنا بھی ناانصافی ہے، اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ فتنے کے امل میں سے وہ بھی ایک عامل تھا لیکن یہ باقیوں کی نسبت زیادہ نمایاں اور خطرناک تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے لیے فتنہ برپا کرنے کے لیے ماحول سازگار تھا۔ اسی طر کی دوسرے عوامل نے بھی اس کی مدد کی۔ اس نے یہودیت سے کشید خود ساختہ عقائد تے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مسلمان ے میں رائج کرنے شروع کیے اسلام دشمنی کی آگ

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون 2/ [2] جیسا کہ سعید افغانی نے اپنی کتاب "عائشة والسياسة" میں ذکر کیا ہے۔

جواس کے ... میں بھڑک رہی تھی اسی صورت ٹھنڈی ہوسکتی تھی کہ وہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ ... اور فتنے کی آگ بھڑکا دے اور اسلامی معاشرے کے افراد میں بغض و عداوت کا بیج ... ے۔ اس نے بالفعل ایسے ہی کیا، چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مسلمانوں کی ... میں انتشار اور گروہ بندی کے اسباب میں سے یہ بھی ایک سبب تھا۔ [1]

اس کے کرد ... خلاصہ یہ ہے کہ اس نے سچائی کا لبادہ اوڑھ کر باطل اور فاسد نظریات سادہ لوح عوا ... غلو کرنے والے لوگوں میں پھیلا دیے۔ اس نے اس کے لیے ایسی چال چلی کہ لوگ ... کے گرویدہ ہوگئے اور حقائق ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔ اس نے قرآن مجید ... باطل نظریات کے مطابق تاویلات کیں۔ اس نے کہا: ''اس شخص پر تعجب ہے جو ... عقیدہ رکھتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائیں گے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ... عقید رکھنے والے کو جھٹلاتا ہے، حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ﴾ ''بلاشبہ وہ (اللہ) جس نے آپ پر قرآن نازل کیا ... وہ آپ کو (اچھے) انجام تک پہنچانے والا ہے۔'' [2]

لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ... علیہ السلام کی نسبت واپس تشریف لانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ [3]

اسی طرح اس ... سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت کے باطل دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کہا: ''ہزاروں ... تھے اور ہر نبی کا وصی تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے......''

پھر کہا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ خاتم الاوصیاء ہیں۔'' [4]

جب یہ باتیں ... کے پیروکاروں کے ذہنوں میں پختہ ہوگئیں اور وہ اس کے گرویدہ ہوگئے تو وہ اپنے ... سدہ ہدف کی طرف پلٹا اور وہ یہ تھا کہ لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کریں ... اس نے بعض لوگوں سے کہا: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو نافذ

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 327/1. [2] القصص 85:28.
[3] تاريخ الطبري: 5، 7، 3. [4] تاريخ الطبري: 347/5.

نہ کرنے والے سے بڑا ظالم کون ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی کے حق پر ڈاکا ڈال کر خود امت کے معاملات سنبھالنے والے سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے؟'' پھر بعد میں کہنے لگا: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کے مستحق نہیں تھے، انھوں نے ناجائز قبضہ کیا ہے۔ اٹھو: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں، انھیں ان کا حق دلانے کے لیے تیار ہوجاؤ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے امراء پر طعن کرو اور شروع کردو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرو اور انھیں اس کی معزولی کی دعوت دو۔''[1]

پھر اس نے اپنے کارندے پھیلا دیے اور مختلف علاقوں کے شرپسند عناصر سے رابطے شروع کردیے اور خفیہ طریقے سے انھیں اپنے عزائم بتائے۔ انھوں نے بھی اس سے خط کتابت کی اور اپنے مقاصد سے آگاہ کیا۔ عوام الناس پر ظاہر کیا کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے مختلف علاقوں میں موجود اپنے ہم مشرب شرپسندوں سے خط وکتابت جاری رکھی اور انھیں گورنروں کے نقائص و عیوب بیان کرتے رہے حتی کہ ہر شہر کے کارندے دوسرے شہر والوں کو اپنی کارروائیوں سے آگاہ رکھتے پھر ہر شہر کے باشندے دوسرے شہر کی رپورٹ اپنے حواریوں کو پڑھ کر سناتے۔ بالآخر وہ یہ تحریک لے کر مدینہ تک پہنچے۔ انھوں نے خود ساختہ باتوں کو خوب ہوا دی۔ وہ ظاہری طور پر اصلاح اور خیر کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے لیکن اندرون خانہ دوسرے مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان کے ظاہر اور باطن میں فرق تھا، جو وہ کہتے تھے مقصد اس کے برعکس ہوتا تھا، مثلاً ایک شہر والے کہتے: ''ہم اس (فتنے) سے عافیت میں ہیں جس میں یہ لوگ مبتلا ہیں'' سوائے اہل مدینہ کے بیشتر صوبوں کے باشندے اس سازش میں شریک تھے۔ اہل مدینہ کے پاس جب تمام شہروں کی طرف سے خطوط آئے تو انھوں نے کہا: ''لوگ جن فتنوں میں مبتلا ہوچکے ہیں اللہ نے ہمیں ان سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔''[2]

[1] تاریخ الطبري: 5/ 348. [2] تاریخ الطبري: 5/ 348.

کو ہ مالا بحث سے ہمیں عبداللہ بن سبا کے طریقۂ واردات کا پتا چلتا ہے۔ س نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دو معزز ترین ہستیوں کے مابین عداوت کا ڈھونگ جا عوام س کو س طرح دھوکا دیا کہ ایک طرف ۔نا علی رضی اللہ عنہ کو مظلوم بنا دیا ری عثمان رضی اللہ عنہ طا طاہر کیا۔ وہ س طرح کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت کے کرم صلی اللہ علیہ وسلم ے ن کے بارے میں وصیت کی تھی لیکن سیدنا عثمان نے سیدنا رضی کا حق چھین کر بزور خلافت پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس کے بعد عبد سبا وف ور عن المنکر کے نام پر لوگوں کو بالخصوص اہل کوفہ کو اس بات پر آمادہ نے ینے مراء کے خلاف علم بغاو ریں۔ اس کی اس شہ کی وجہ سے لوگ مرا چھوٹی چھوٹی باتوں کو ہوا دینے لگے۔ ا ے ینے فکری حملوں کا بدووں کیونکہ کے ذریعے سے ا مقاصد کا حصول آسان نظر آتا ۔ س ن کے قراء کو امر بالمعروف اور نہی المنکر کا چکما دے کر پنا گرویدہ ی طرف سرکاری عہدوں کی تمنا رکھنے کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کرنے پر مختلف الزامات لگانے ۔س کہا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے عزیزو کی اری کرنے میں رنھیں سرکاری بیت المال سے نوازتے ہیں۔ چراگاہ کو نے لیے حاصل کر لیا۔ ان الزامات کے ذریعے سے رلسند ں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا

دوسرا حربہ اس نے یہ اختیار کیا کہ نے ہم مشرب لوگوں کو حکم دیا کہ وہ مختلف یک دوسرے کو ایسے خطوط لکھیں جس میں اپنے شہر کی صورت حال کو نہایت ۔ لوس کن رخطرناک ظاہر کریں تاکہ تمام شہروں کے باشندے یہ سمجھیں کہ پورے ملک میں ت حال بگڑ گئی ہے اور اب مزید مہلت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس صورت حال سے لفسادیوں نے فائدہ اٹھایا کیونکہ لوگوں کی طرف سے اس صورت حال کی تصدیق کے

بعد ان کے لیے اسلامی معاشرے میں فتنے کی آگ بھڑکانا آسان ہو گیا۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس بدلتی ہوئی صورت حال کو محسوس کیے کہ اندرون خانہ کوئی سازش ہو رہی ہے اور امت کسی شر میں مبتلا ہونے والی ہے، چنانچہ انھوں نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! فتنے کی چکی گھومنے والی ہے۔ عثمان کے لیے اچھا ہے کہ اس کی موت ہو جائے اور اس کا شمار اس فتنے کو بھڑکانے والوں میں نہ ہو۔''[2]

ابن سبا مصر میں پروان چڑھا۔ وہیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف منصوبہ بندی کرتا رہا اور لوگوں کو اکساتا رہا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلافت پر زبردستی قابض ہوئے ہیں۔ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حق غصب کیا ہے۔[3]

اس نے لوگوں کو کچھ خطوط دکھا کر دھوکا دیا کہ یہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے آئے ہیں وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے نجات چاہتے ہیں۔ جب یہ لوگ چڑھائی کر کے مدینہ آئے اور ان کبار صحابہ سے ان کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے کسی ایک صحابی کو بھی اس فتنے کے لیے تیار نہ پایا۔ انھوں نے اپنی طرف منسوب تمام خطوط سے لاعلمی اور لاتعلقی کا اظہار کیا جن میں لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا گیا تھا۔[4]

لوگوں نے دیکھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو حقوق کی پاسداری کرنے والے ہیں بلکہ جو باتیں انھوں نے آپ کی طرف منسوب کیں آپ نے بالمشافہ ان کے جوابات دیے۔ ان الزامات کو غلط ثابت کر کے ان کی تردید کی اور اپنی سچائی ثابت کر دی۔ یہاں تک کہ ان بدوؤں میں سے ایک بدو مالک الاشتر نخعی پکار اٹھا: ''لگتا ہے امیر المومنین کے ساتھ اور تمھارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔''[5]

[1] الدولة الأموية ليوسف العش، ص:68، و تحقيق موقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:330/1. [2] تاريخ الطبري: 350/5. [3] تحقيق موقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 330/1، وتاريخ الطبري: 348/5. [4] تحقيق موقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 330/1، وتاريخ الطبري: [illegible]/5. [5] تحقيق موقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 331/1.

مام ذہبی رحمہ اللہ مصر میں فتنے کی آگ بھڑکانے کا ذمہ دار عبداللہ بن سبا کو سمجھتے ہیں۔
.. کہتے ہیں کہ گورنروں کے خلاف اور آخر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف انتقام کی آگ بھڑکانے والا بھی بغض وعداوت کا . را شخص ہے۔[1]

پھر یہ بھی ہے کہ ابن سبا اکیلا نہیں تھا بلکہ شرپسندوں کا ایک ٹولہ تھا جنھوں نے دھوکا دینے کے لیے مکروفریب کے پھندے ڈال رکھے تھے اور بدوؤں اور قرا . وغیرہ کو پھنسانے کے لیے پوری اسکیم تیار کر رکھی تھی۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف متحد ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ابن سبا کا ظہور، اس کا مصر جانا اور لوگوں میں خود ساختہ افواہیں پھیلانا بھی ہے۔ اسی وجہ .. بہت سے مصری باشندے فتنے میں مبتلا ہوئے۔[2]

سلف وخلف کے مشہور علماء . حیں اس بات پر متفق ہیں کہ عبداللہ بن سبا ہی نے مسلمانوں کے درمیان خود ساختہ عقائد وافکار کو رواج دیا اور سبائی ذہنیت پیدا کی تاکہ وہ مسلمانوں کو ان کے دین اور . ہ کی اطاعت سے برگشتہ کر سکے اور ان میں اختلاف و انتشار کی وبا پھیلا سکے۔ اس مقصد کے لیے شرپسند عناصر اس کے ساتھ ہو گئے۔ یوں سبائیوں کا گروہ وجود میں آیا . یہ گروہ دوسرے فتنوں کے ساتھ مل کر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دیگر اسباب میں سے ایک قوی ترین سبب بن گیا۔

سبائیت کے طریقہ وار ات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت منظم تھے۔ پروپیگنڈے کے ماہر تھے، منصوبہ بندی خوب کرتے تھے۔ اپنے افکار ونظریات کو پھیلانے میں بڑے تیز تھے۔ انھوں نے نہایت ہوشیاری سے اپنے منصوبے کو خفیہ رکھا اور بڑی چالاکی سے شرپسندوں اور عوام کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ پھر انھوں نے نہایت مستعدی سے اپنی تنظیم کی شاخیں

[1] تحقیق مواقف الصحابہ في الفتنہ للدکتور محمد أمحزون: 338/1 [2] البدایۃ والنهایۃ: 168/6.

بصر کوفہ رمصر وعیرہ میں بھی پھیلا یں۔ بھو ...کوں کو ہنے ساتھ ملانے کے لیے ن قبائلی عصبیت سے فائدہ اٹھایا ور ندوں ں و مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کے میں چھپے ہوئے غصے کو بھڑکانے میں ... ہوگئے کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔[1]

(1) تحقیق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتو محزون ص 339

باب

7

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

فتنے کی چنگاریاں

اپنی شکست کا بدلہ نہ لے سکنے والے جھوٹے اور کینہ پرور لوگ، سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا نیا فرمانروا مقرر کیا۔ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ پہنچ کر خطبہ دیا۔ منبر پر تشریف لے جانے کے بعد اللہ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا:

''اللہ کی قسم! مجھے تمھاری طرف بھیجا گیا ہے، حالانکہ میں یہاں آنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دے دیا تو مجھے چارو ناچار قبول کرنا پڑا۔ خبردار! تم میں فتنہ پروری اور انتشار کے جراثیم پیدا ہورہے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں ہر صورت انھیں اس طرح ختم کروں گا کہ جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔ یا فتنہ مجھ پر غالب آجائے گا اور میں اپنی عاجزی کا اعلان کردوں گا۔ میں فتنہ پروری ختم کرنے کے لیے آج ہی سے اقدامات شروع کردوں گا۔''[1]

سعید رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے حالات کا جائزہ لیا اور لوگوں کے رجحانات معلوم کیے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ فتنے کی جڑیں نہایت گہری ہوچکی ہیں۔ خارجیوں، کینہ پروروں، شکست کا بدلہ نہ لے سکنے والے منتقموں اور اسلام دشمنوں کا گٹھ جوڑ نہایت مضبوط ہوگیا ہے۔ وہ سازشیں اور فتنہ برپا کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔ ان کا قوم کے سرکردہ، شرپسندوں اور بدوؤں پر مکمل قبضہ ہے اور وہ فکری طور پر انھیں اپنے ساتھ ملا چکے ہیں۔[2]

[1] تاريخ الطبري: 380/5. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 122.

سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ کوفہ میں حالات دگرگوں ہیں۔ اہل کوفہ میں انتشار پیدا ہو چکا ہے۔ یہاں اہل شرف، قدیم الاسلام اور سابقون اولون کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ بعد میں اسلام لانے والے اور اعراب (بدو) معاملات پر حاوی ہیں شرف و عزت اور اسلام کے لیے مصائب جھیلنے والے بے حیثیت ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جوابی خط میں انھیں حکم دیا: ''ان کی تقسیم پرانی ترتیب کے مطابق کر دو۔ ان کی فہرست اسلام میں سبقت کرنے اور جہاد میں شمولیت کی بنیاد پر بناؤ۔ اہل علم، مخلص اور مجاہدین کو دوسروں پر ترجیح دو۔ قدیم الاسلام اور جن کے ہاتھوں یہ شہر فتح ہوئے، انھیں ان لوگوں پر ترجیح دو جو ان کی بدولت یہاں مقیم ہوئے ہیں۔ ان بعد والے لوگوں کو ان کا تابع قرار دو۔ سوائے اس صورت کے کہ فاتحین جہاد اور حق و صداقت کے کام کی انجام دہی میں سستی کا مظاہرہ کریں اور انھیں انجام نہ دیں جب کہ دوسرے لوگ یہ کام انجام دے رہے ہوں۔ ہر ایک کی حیثیت اور مرتبے کا خیال رکھو۔ ہر ایک کو درجہ بدرجہ اس کا حق دو کیونکہ عدل و انصاف مردم شناسی کے ذریعے سے قائم ہوتا ہے۔''[1]

سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے احکام کا نفاذ کیا اور خلیفہ کو ساری کارروائی سے آگاہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جب یہ رپورٹ پہنچی تو انھوں نے مدینہ کے ذمہ داروں کو اکٹھا کیا اور انھیں کوفہ کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں فتنے کی جڑیں نہایت مضبوط ہو چکی ہیں، نیز سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی کارروائی سے بھی آگاہ کیا تو مدینہ کے اصحاب رائے نے کہا کہ آپ نے بالکل درست کیا۔ فتنہ پرور لوگوں کے ساتھ ہرگز ہمدردی کا برتاؤ نہ کریں اور انھیں دوسرے لوگوں پر ترجیح نہ دیں اور نہ انھیں ایسی توقعات دلائیں جن کے وہ اہل نہیں ہیں کیونکہ جب نااہل لوگ کام انجام دینے کی کوشش

[1] تاریخ الطبري: 280/5.

کریں گے تو ۔ کامیاب نہیں ہوسکیں گے ۔ و معاملہ خرچ کر یں کے ۔ سدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ے اہل مدینہ! تیار ہوجاؤ متحد ہو ۔ کیونکہ فتنہ فساد کا آغاز ہوگیا ہے۔ عنقریب میں تمھیں اس کی تفصیلات سے آگاہ کروں گا۔[1]

کم ظرف کینہ پرور ں کی سرگرمیاں

گھٹیا قسم کے لوگ اور اجڈ بدو ان لوگوں سے ملتے جلتے تھے جو اسلام میں سبقت، جہاد میں شرکت، اسلام کے لیے آزمائش اٹھانے ۔ تقوی اور ر ۔ سب میں ملند ۔ تے ۔ وا ۔ ہو چکے تھے او سلطنت کے مو میں ان سے منور ۔ لیا جاتا ۔ ۔ جب گو نر ان صا ۔ فضیلت لوگوں کو بھیج دیتے اور ان گھٹیا اور بد ۔ ں ۔ چھوڑ کر ان سے مشورہ کرتے تو و گورنروں کو مطعون ٹھہراتے اور کہتے کہ یہ نا ۔ ی ہے یہ بے رخی ہے۔ ہمیں د ر رکھا جارہا ہے۔ کینہ پر ۔ اور اپنی شکست کا بدلہ نہ لے سکنے والے ۔گوں نے ان کی اس ذہنیت سے خوب فائدہ اٹھایا اور ان کے دلوں میں خلیفہ ۔ ریاست کے لیے نفرت پید کردی۔ انھو نے ۔ ۔ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے قد ۔ ت کو ٹھکر د ۔ اور ان کے ۔ ے میں لوگوں کے د ۔ ن غلط افواہیں پھیلائیں۔ عوام الناس کی اکثریت نے ان ۔ جیوں کی تیں ماننے سے ۔ صرف انکار کیا بلکہ انھیں رد کر ۔ ا تو ۔ کینہ پرور ۔ تن ہوگئے ۔ و خفیہ طریقے سے طر ۔ ۔ ح کے شبہات پھیلانے لگے ۔ ہ نے عزائم اپنے ہم مشر ۔ ۔ و ں شرپسندوں اور ا ۔ کے جال میں پھنسے ہوئے لوگوں تک مخفی ۔ کھنے لگے۔

اسلام دشمن ۔ ۔ ی، عیسائی، مجوسی اور شکست ۔ بدلہ ۔ لے سکنے ۔ لے لوگ مسلسل اسلام اور مسلما ۔ کے خلاف سازشوں میں مصروف ۔ ہتے تھے ۔ خلیفہ ۔ ر گورنر ں کے متعلق غلط ۔ فو ۔ ۔ پھیلانے ۔ ہے تھے۔ اُن سے ہونے والی معمولی کو ۔ ۔ ں سے ۔ جائز

[1] تاریخ الطبری ۔ ۔ 28. [2] الخلفاء الراشدون للخالد ، ص 24.

فائدہ اٹھا کر عوام کو ان کے خلاف بھڑکاتے تھے اور ان کی معمولی غلطیوں کے ساتھ ساتھ کئی جھوٹی اور بے بنیاد باتیں بھی ان کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ اس سے ان کا مقصد مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا اور فرقہ واریت کی فضا قائم کرنا ہوتا تھا۔ یہ سب وہ اسلام سے دشمنی اور اسلامی سلطنت کو ختم کرنے کے لیے کرتے تھے کیونکہ اسلام ہی کی بدولت ان کے ادیان باطلہ مٹ گئے تھے، ان کی سلطنتیں پاش پاش ہوگئی تھیں اور ان کے لشکر موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے۔

انھوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے شکست خوردہ، کم ظرف، سادہ لوح اور گھٹیا لوگوں کو اکٹھا کیا۔ ان کے ساتھ وہ کمینہ ٹولہ بھی مل گیا جنھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے خلیفہ یا کسی گورنر نے تادیبی سزا دی تھی۔ ان دشمنوں نے ایک گھناؤنی خفیہ تنظیم بنائی۔ اس کے ارکان ان کے ہم مذہب لوگ تھے۔ انھوں نے بڑے شہروں اور کئی صوبوں میں اپنے حواری تلاش کر لیے اور ان کے بیچ رابطے کا نیٹ ورک بنالیا۔[1]

اس ناپاک جماعت کی ہم ساختیں کوفہ، بصرہ اور مصر میں تھیں۔ بعض عناصر مدینہ منورہ اور شام کے علاقے میں بھی موجود تھے۔[2]

شر پسندوں کے سرغنہ عبداللہ بن سبا سودی کے خفیہ کرتوت

فتنہ باز ٹولے کے سرغنہ ابن سبا نے مسلمانوں کے شہروں میں پھیلے ہوئے اپنے پیروکاروں کو ہدایات دیتے ہوئے کہا: ''اپنے اس (فتنہ پروری کے) کام کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ۔ تحریک تیز کر دو۔ ان امراء پر طعن کرنا شروع کرو جنھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت حاصل ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لبادہ اوڑھو تاکہ تم لوگوں کو اپنی طرف مائل کر سکو، اس طرح انھیں اس (بغاوت کے) معاملے کی طرف بلا کر اپنا ہم نوا بناؤ۔''[3]

[1] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 14. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 124. [3] تاريخ الطبري: 348/5.

عبداللہ بن سبا نے اپنے کارندے مختلف شہروں میں پھیلا دیے۔ اور ان سے رابطہ رکھتے ہوئے انھیں مختلف شہروں میں فسادات برپا کرنے اور اپنی تحریک کو زور وشور سے شروع کرنے کا اشارہ دیا۔کارندوں نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنا منافقانہ کردار ادا کیا۔ خفیہ طریقے سے اپنے ہمنوا تلاش کیے، انھوں نے گورنروں کے خلاف بغاوت کرنے اور خلیفہ کے ذریعے اُن کے منصب سے معزول کرانے کی سازش میں ان کی معاونت کی۔ انھوں نے لوگوں کو متأثر کرنے، انھیں اپنی طرف مائل کرنے اور دھوکا دینے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لبادہ اوڑھ لیا۔عبداللہ بن سبا کے پیروکار کہانیاں گھڑتے تھے اور گورنروں اور ذمہ دار احکام کے متعلق جھوٹے الزامات تراش کر ایک دوسرے کی طرف خطوط کے ذریعے ارسال کرتے۔ ہر شہر والے اپنے شہر کے امراء کے متعلق کہانیاں بنا کر دوسرے شہر والوں کو بھیجتے۔ وہ یہ خطوط عوام کو پڑھ کر سناتے۔عوام جھوٹ کے پلندے سنتے تو کہتے: ''اس شہر والے مسلمان کس قدر آزمائش میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا ہوا ہے'' اور جو کچھ وہ سنتے تھے اس کی تصدیق کرتے تھے۔ اسی بنیاد پر سبائیوں نے زمین میں فساد برپا کیا، مسلمانوں میں بگاڑ پیدا کیا، ان کی وحدت کو پارہ پارہ کیا، ان کے بھائی چارے اور اتحاد کی دھجیاں بکھیر دیں اور لوگوں کو امراء اور گورنروں کے خلاف بھڑکایا حتی کہ خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلائیں۔ انھوں نے یہ کام نہایت چالاکی اور مہارت سے انجام دیا۔ یہ لوگ کرتے کچھ تھے اور کہتے کچھ تھے۔ ان کے ظاہر و باطن میں تضاد تھا۔ ان کا ہدف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے معزول کرنا اور مملکت اسلامیہ کو ختم کرنا تھا۔[1]

عبداللہ بن سبا شام بھی گیا تاکہ وہاں کے باشندوں کو بھی بغاوت پر اکسائے اور اپنا ہمنوا بنائے لیکن وہاں وہ اپنے شیطانی منصوبے میں کامیاب نہ ہوا اور خائب و خاسر ہو کر

[1] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 126.

واپس آ گیا کیونکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی۔[1]

پھر وہ بصرہ گیا تاکہ اپنے باغی، کینہ پرور، گھٹیا اور کم عقل پیروکاروں کو منظم کرے۔ ان دنوں بصرہ کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ نہایت دانا، عادل اور نیک سیرت انسان تھے۔ جب ابن سبا بصرہ پہنچا تو وہاں کے نہایت گندے اور خطرناک چور حکیم بن جبلہ کے ہاں ٹھہرا۔[2] سیدنا عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ ایک اجنبی آدمی حکیم بن جبلہ کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے اور حکیم بن جبلہ مشہور چور تھا۔ اس کی عادت یہ تھی کہ اسلامی لشکر جہاد سے بصرہ کی طرف پلٹتے تو ان سے پیچھے رہ جاتا تاکہ ایرانیوں کی زمین میں فساد بپا کرے، ذمیوں پر دھاوا بولے، اور مسلمانوں کی زمین سے اپنی مرضی سے جو چاہے لے۔ اس علاقے کے مسلمان اور ذمی باشندوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی گرفتاری کا حکم دیتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو لکھا: ''آپ حکیم بن جبلہ کو بصرہ میں نظر بند کر دیں جب تک آپ اس میں کوئی بہتری محسوس نہ کریں اسے نہ چھوڑیں۔'' ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اسے اس کے گھر ہی میں نظر بند کر دیا اور اس کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دی۔ اسی دوران جب ابن جبلہ اپنے گھر میں قید تھا، ابن سبا یہودی اس کے گھر پہنچا۔ اس نے ابن جبلہ کی بداخلاقی، انحراف، کینے اور ملامت سے فائدہ اٹھایا اور اسے اپنے مقصد کے لیے تیار کر لیا۔ اس طرح ابن جبلہ بصرہ میں عبداللہ بن سبا کا ایجنٹ بن گیا اور اپنے جیسے منحرف، شکست خوردہ اور رسوائی کا بدلہ نہ لے سکنے والے افراد کو ابن سبا کا ہمنوا بنانے میں اپنا کردار ادا کرنے لگا۔ ابن سبا ان میں اپنے افکار کا بیج بوتا رہا اور انھیں خفیہ تنظیم میں بھرتی کرتا رہا۔ جب ابن عامر رضی اللہ عنہ کو ابن سبا کا علم ہوا تو اسے طلب کیا اور پوچھا: ''تو کون ہے؟'' ابن سبا نے کہا: ''میں اہل کتاب میں سے تھا اب اسلام سے رغبت کی بنا پر مسلمان ہو گیا ہوں۔ آپ کا پڑوس اچھا لگا تو

[1] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 126. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 128.

یہاں رہنا شروع کر دیا۔ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تیرے بارے میں مجھے جو باتیں پہنچی ہیں ان کا تیرے پاس کیا جواب ہے؟ یہاں سے دفع ہو جا۔'' ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اسے بصرہ سے نکال دیا لیکن ابن سبا وہاں اپنے پیروکار اور ایجنٹ چھوڑ گیا۔ اس طرح سبائی تحریک کی ایک شاخ یہاں بھی اپنا کام کرنے لگی۔

پھر ابن سبا کوفہ گیا۔ وہاں کئی منحرف لوگوں نے اس کا استقبال کیا جو پہلے ہی کسی ایسے شخص کے منتظر بیٹھے تھے۔ اس نے انھیں اپنی جماعت اور تنظیم میں شامل کر لیا۔ جب سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اسے کوفہ سے نکال دیا۔ وہ مصر چلا گیا۔ وہاں اس نے بال و پر نکالنے شروع کیے اور لوگوں کو بگاڑنا اور ان میں فساد برپا کرنا شروع کر دیا۔ اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے اس نے وہاں کے گھٹیا، بے عقل، کینہ پرور، شکست کا بدلہ نہ لے سکنے والے، نافرمان اور جرائم پیشہ لوگوں کو ساتھ ملا لیا۔ اس نے مصر سے دوسرے شہروں، مثلاً: مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ اور دیگر شہروں میں مقیم اپنے چیلوں سے مسلسل خفیہ رابطہ رکھا اور اس کے کارکن وہاں متحرک رہے۔[1]

ابن سبا اور اس کی کابینہ کی کوششیں خفیہ طور پر چھ سال تک جاری رہیں۔ 30ھ کو انھوں نے اپنے شیطانی کھیل کا آغاز کیا اور 35ھ کے آخر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گئے، پھر ان کے فسادات کا سلسلہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی جاری رہا۔ سبائیوں نے یہ بھی طے کیا کہ فتنے کا آغاز کوفہ سے کیا جائے۔[2]

فتنہ پرور لوگوں نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی مجلس میں فساد برپا کر دیا

33ھ میں ایک روز سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کھلی کچہری میں لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ لوگ باہم گفت و شنید میں مشغول تھے کہ فتنہ پرور خارجیوں کے چند افراد

[1] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 129. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 130

وہاں آ پہنچے اور ...جو... کرنے اور فتنہ کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ مجلس میں موجود حاضرین میں سے حبیس بن حیثن اسدی اور سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے مابین کسی مسئلے میں تکرار ہو گئی، ... دونوں ... مختلف تھی اور ہر ایک اپنی رائے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے گفتگو ... تھا۔ فتنہ پرور لوگوں میں سے سات ... جو وہاں موجود تھے ان میں سے ایک ... زبیر ... کے بیٹے چوری اور قتل کے جرم میں قصاصاً قتل کر دیا گیا تھا ... اشتر ... مالک ... لکواء اور صعصعہ بن صوحان بھی تھے۔ انھوں نے اس موقع کو غنیمت ... اور بڑھ کر (فتنہ برپا کرنے کے لیے) حنیس اسدی کو مارنا شروع کر دیا ... باپ ... سے بچانے اور اس کی مدد کے لیے اٹھا تو اسے بھی مارا۔ سعید ... نے ... روکا لیکن وہ باز نہ آئے۔ حنیس اور اس کا باپ بے ہوش ہو گئے۔ اس دوران ... ہوا ... کے لوگ اپنے مظلوموں کا بدلہ لینے کے ... گئے۔ قریب تھا کہ ان گروہوں میں لڑائی شروع ہو جاتی لیکن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ معاملے کو سلجھانے میں ... معاملہ رفع دفع کر دیا۔[1]

... عثمان رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ... صورت حال کو حکمت عملی سے کنٹرول کریں اور جس قدر جلدی ممکن ہو فتنے کا ... کریں۔

فتنہ پرور خارجی اس کے بعد اپنے گھروں کو چلے گئے اور سیدنا سعید بن عاص ... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل کوفہ کے خلاف جھوٹی خبریں پھیلانے لگے اور طرح ... بہتان طرازیاں کرنے لگے۔ اہل کوفہ نے ان سے تنگ آ کر سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ انھیں سزا دیں۔ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے روکا ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ انھیں سزا دی جائے تو پھر سیدنا

[1] تاريخ الطبري .323/5.

عثمان رضی اللہ عنہ کو آگاہ کرو۔ اہل کوفہ کے معززین اور شرفاء نے ان لوگوں کے کرتوتوں کے بارے میں امیر المومنین کو ایک خط لکھا اور درخواست کی کہ یہ لوگ یہاں فساد برپا کرتے ہیں۔ شریف شہری ان سے تنگ ہیں، لہٰذا انھیں کوفہ سے نکالنے کا حکم نامہ جاری کیا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کی اس درخواست پر کوفہ کے گورنر سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ انھیں کوفہ سے جلاوطن کردو۔ یہ تقریباً پندرہ بیس افراد تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے انھیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیج دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: ''کوفہ کے چند فتنہ پرور افراد کو آپ کی طرف بھیجا جا رہا ہے، آپ انھیں ڈرا دھمکا کر ادب سکھائیں، نیز ان کی کڑی نگرانی رکھیں، پھر اگر ان میں کوئی بھلائی محسوس کریں تو اسے ان سے قبول کرلیں۔''[1]

جن لوگوں کو شام کی طرف جلاوطن کیا گیا ان کے نام درج ذیل ہیں:

اشتر نخعی، جندب ازدی، صعصعہ بن صوحان، کمیل بن زیاد، عمیر بن ضابی اور ابن الکواء۔[2]

لاتوں کے بھوت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں

جب یہ لوگ شام پہنچے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خوب آؤ بھگت کی۔ انھیں مریم نامی گرجے میں ٹھہرایا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کے عراق والے وظائف بھی جاری کردیے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صبح اور شام کا کھانا ان کے ساتھ کھاتے، اسی دوران ایک دن ان سے کہنے لگے: ''تم لوگ عرب میں سے ایک زبان دراز اور غیبت کرنے والی قوم ہو۔ تم نے اسلام کے ذریعے سے عزت حاصل کی۔ اسی کی بدولت دوسری قوموں پر غالب آئے اور ان کے مراتب و میراث پر قبضہ کیا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم قریش سے نالاں ہو، حالانکہ اگر قریش کا قبیلہ نہ ہوتا تو تم اسی طرح ذلیل و رسوا رہتے جیسا کہ تم پہلے تھے۔''[3]

[1] تاریخ الطبري: 324/5. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 131. [3] تاریخ الطبري: 324/5.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مشکل معاملات سے نپٹنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ فصاحت ملا ... کے ساتھ ساتھ حلیم و صابر بھی ہیں اور فتنوں سے نپٹنے کے بصیرت و ذکاوت بھی ... ہیں۔ اس لیے جب بھی کوئی مشکل معاملہ پیش آتا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسے حل کرنے ... ذمہ داری سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرتے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عملی طور پر انھیں سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔ پہلے ان کی عزت وتکریم کی۔ ان سے کھل مل گئے اور اس دوران ... کے اندرونی معاملات کی خبر گیری رکھی اور ان کے بارے میں جو باتیں سنی تھیں ان ... مطابق فیصلہ کرنے سے پہلے از خود تحقیق کی۔ جب ان کی وحشت زائل ہوگئی اور باہم ... بھی ختم ہو گیا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کی قبائلی عصبیت انھیں مخالفت پر ... دہ ... ہے اور اقتدار اور سلطنت کی ہوس انھیں بے کل کیے رکھتی ہے، لہٰذا انھوں ... طریقوں سے انھیں سمجھانے کی کوشش کی:

- اہل عرب کی عزت میں اسلام کا کردار۔
- اسلام کو پھیلانے اور مشکلات برداشت کرنے میں قریش کا کردار۔

اس کے بعد انھوں نے اہل عرب کی ... کی صورت حال ان کے سامنے رکھی کہ اسلام سے پہلے وہ کس طرح انتشار کی زندگی گزار رہے تھے۔ ایک دوسرے ہی کا خون بہاتے تھے اور قبائلی تعصب کا شکار تھے۔ اسلام نے ... کر انھیں ایک امت بنا دیا۔[1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بات جاری رکھتے ہوئے ان سے کہا: ''تمھارے پیشوا تمھارے لیے آج تک ڈھال بنے ہوئے ہیں، لہٰذا اپنی ڈھال سے الگ ہونے کی کوشش نہ کرو۔ تمھارے پیشوا تو آج تک تمھاری زیادتیوں پر صبر کر رہے ہیں اور تمھاری تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! تم اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ، ورنہ اللہ تم پر ایسے حکمران مسلط کر دے گا جو تم پر ظلم و ستم کریں گے وہ صبر و تحمل سے بے گانہ ہوں گے۔ اس طرح تم اپنی

[1] معاوية بن أبي سفيان للدكتور منير الغضبان، ص: 101.

۔۔ میں ۔۔ مرنے کے بعد دونوں حالتوں میں عو ۔ پر مظالم کرنے مں ں ۔کوں کے سر ۔۔ ر ۔۔ مہ د۔ تصور کیسے جاؤ گے۔"

ا ۔ ۔ ۔ ۔ ک شخص نے کہا: "آپ نے قریش کا ذکر کیا ہے مگر قریش عرب کی ۔یت ۔ ۔ مں ۔ ۔ و۔ جاہلیت میں زیادہ طاقتور تھے کہ آپ ہمیں ان سے خوفز۔ ۔س ۔ و۔ ا۔ ۔ ے ۔ ۔ل کا جو تذکرہ کیا ہے تو جب ڈھال ٹوٹے ۔ ہمارے لیے میدان ۔۔ف ۔۔ ے ۔ ۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ نے فرمایا: "اب مجھے تمھا ۔علم ہو گیا ہے۔ مجھے معلوم ۔ ۔ ۔ ر ۔ ۔قوفی نے تمھیں یہ ۔تیں کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ ۔م اس گر۔ہ کے ۔ئدے ۔ ۔ تم میں عقل نہیں ہے۔ میں تم سے ۔سلام کا ذکر کر ۔ ہا ہوں ا ر۔س کے ۔ ۔ لی ۔ رکی ۔ہمت ۔اضح کر رہا ہوں اور تم جاہلیت کی باتیں کرتے ہو۔ میں ۔ تمھیں نصیحت ۔ ۔ ہے ۔ر۔ ۔ی کم عقلی کی بنا پر ڈھال کے ٹوٹنے کی باتیں کرتے ۔ ۔ حو۔ ۔ ۔ جائے اسے ڈ ۔ل نہیں کہتے ۔ للہ ۔ن لوگوں کو رسوا کرے جنھوں نے تمھا ۔ے معاملے کو ہمیشہ ۔ی ۔ ا ۔ ۔ ۔ ۔ے خلیفہ کے سامنے پیش کیا۔"[1]

۔ ۔معا ۔یہ ۔ ۔ ۔ ۔ کیے ۔ ۔ لاتوں کے بھوت ہیں، باتوں سے ماننے والے نہیں ۔ور انسان ۔ ۔ل ۔ یو ۔ سے بات ۔ھی ۔ ۔ئدہ نہیں دے گی، لہٰذا ضروری ہے کہ قریش کے متعلق بھی تفصیل ۔ ۔ ۔ کیا ۔ ۔ے اور ان کی برتری واضح کی جائے۔ چنانچہ انھوں نے کہا: ۔م ۔ ۔ کو سمجھو ۔ ۔ ۔ نہیں کہ تم سمجھو گے۔ قریش کو دور جاہلیت اور دور اسلام میں صرف اللہ ۔ ۔ ک ۔ بر۔ر کی بدولت عزت حاصل ہوئی ہے۔ بلاشبہ قریش کا قبیلہ اکثریت میں نہیں تھا نہ سب سے زیادہ طاقتور تھا لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ حسب ونسب میں سب سے زیادہ شریف اور عزت والا تھا۔ اس کا مرتبہ سب سے بلند تھا۔ شرف ومروت میں قریشی کامل ترین تھے۔ دورِ جاہلیت میں جبکہ ایک قبیلہ دوسرے کو کھائے جا رہا تھا، وہ اللہ

[1] تاريخ الطبري :5/324.

کی مہربانی کی بدولت اس خانہ جنگی سے محفوظ رہے کیونکہ اللہ جسے عزت بخشے اسے کوئی ذلیل نہیں کرسکتا اور اللہ جسے سر بلند کرے اسے کوئی کمتر نہیں کرسکتا۔ کیا تمھیں یہ بات معلوم نہیں ہے کہ کوئی عرب ہو یا عجم، کالا ہو یا گورا، ہر قوم پر کسی اجنبی ملک نے حملہ ضرور کیا ہے یا اس پر کوئی آفت ضرور آئی ہے جس سے اس کے ملک کی عزت و حرمت کو نقصان پہنچا ہے۔ مگر قریش ان آفات سے محفوظ رہے۔ جس نے انھیں نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا، اللہ نے اسے ذلیل کردیا، پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ جن لوگوں نے اپنے آپ کو گناہوں سے روک لیا اور اس کے دین کی پیروی کی انھیں دنیا کی ذلت اور آخرت کے برے انجام سے بچائے تو اس مقصد کے لیے اس نے اپنی مخلوق میں سے سب سے بہترین شخصیت کا انتخاب کیا، پھر ان (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ساتھیوں کا انتخاب کیا تو ان میں سے معزز ترین افراد قریش میں سے تھے، پھر اس سلطنت کی بنیاد ڈالی تو خلافت بھی قریش کو عطا کی اور یہی اس کے لیے زیادہ موزوں تھے۔ جب اللہ نے انھیں جاہلیت میں دشمنوں کے بادشاہوں سے محفوظ رکھا، تو اب بھی، جبکہ وہ اس کے دین کے پیرو کار ہیں، ضرور ان کی حفاظت فرمائے گا۔ تم پر اور تمھارے ساتھیوں پر افسوس ہے! کاش! تمھارے علاوہ کوئی اور گفتگو کرتا۔ مگر تم ہی نے کلام کا آغاز کیا۔ اے صعصعہ! جہاں تک تمھاری صورت حال ہے۔ تمھاری بستی عرب کی بدترین بستی تھی جس کی پیداوار نہایت بدبودار تھی۔ اس کی وادی سب سے گہری تھی۔ اس کے باشندے شر اور فساد میں مشہور تھے۔ نہایت بُرے اور تکلیف دینے والے پڑوسی تھے۔ انھیں اچھے اور برے کی تمیز نہیں تھی۔ کوئی شریف آدمی وہاں ٹھہرتا یا رذیل قیام کرتا، اس پر گالیوں کی بوچھاڑ ہوتی تھی اور اس پر بدنامی کا داغ لگ جاتا تھا، پھر وہاں کے باشندے عرب کے بدنام ترین لوگ تھے۔ نہایت برے رشتہ دار اور سب لوگوں سے جھگڑنے والے! تم ایرانیوں کی رعایا تھے یہاں تک کہ تمھارے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت آئی۔ تم اس سے دور بھاگ گئے

عمان جا ٹھہرے۔ بحرین میں قیام نہیں کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں ان کے ساتھ شریک ہوتے۔ تم اپنی قوم کے بدترین انسان ہو۔ جب اسلام نے تمھیں شان و شوکت بخشی اور تم مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں پر غالب آ گئے جو تم پر غالب تھے تو تم نے اللہ کے دین میں زیادتی اور کجی اختیار کی اور ذلت و رسوائی کے کاموں کی طرف مائل ہو گئے۔ یاد رکھو! اس طرح قریش کی شان میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ نہ ان کا کوئی نقصان ہوگا۔ کوئی شخص انھیں اپنے فرائض کی ادائیگی سے نہیں روک سکے گا۔ شیطان تم سے غافل نہیں ہے۔ اس نے شر اور فساد پھیلانے کے لیے تمام لوگوں میں سے تمھارا انتخاب کیا ہے اور تمھارے ذریعے سے لوگوں کو دھوکا دے رہا ہے۔ وہ تم پر غالب آ گیا ہے اور اسے بخوبی علم ہے کہ وہ تمھارے ذریعے اللہ کے فیصلے کو رد نہیں کر سکتا اور نہ اللہ کے فیصلے کو ٹال سکتا ہے۔ تمھیں ان شرارتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور نہ تم اپنے مقاصد تک پہنچ سکتے ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اللہ تمھارے ان کرتوتوں کی وجہ سے تمھیں بڑے شر میں مبتلا کر کے رسوا کر دے گا۔" سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یہ کہہ کر اٹھے اور چل دیے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا مگر کچھ نہ کر سکے۔[1]

اس طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں سمجھانے کے لیے فکری، سیاسی اور ثقافتی ہر حربہ استعمال کیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں سب سے پہلے اسلام اور زمانۂ جاہلیت میں قریش کو جو مقام و مرتبہ حاصل تھا اس سے آگاہ کیا، پھر انھیں ان کے اپنے قبائل کی رذالت اور جاہلیت میں ان کی پستی کا احساس دلایا اور انھیں بتایا کہ تم جس علاقے سے تعلق رکھتے ہو قدرتی طور پر وہاں کی آب و ہوا ناخوشگوار اور پیداوار بدبودار ہے، پھر سیاسی طور پر بھی تم ایرانیوں کے محکوم اور ماتحت تھے۔ اللہ نے تمھیں اسلام کے ذریعے عزت بخشی۔ تمھاری ذلت عزت میں بدل گئی اور تم پستی کے بعد بلند ہو گئے۔

[1] تاريخ الطبري: 326/5.

پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قوم کے نمائندے صعصعہ کو جھنجھوڑا کہ اس نے کس طرح پیغام رسالت سے دور بھاگنے کی کوشش، حالانکہ اس کی قوم اسے قبول کر چکی تھی۔ اور پھر آ کر وہ اسلام سے منسلک ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ذلت کے بعد اسے دوبارہ عزت دی (اور اب وہ اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتا ہے۔)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے صعصعہ اور اس کے ساتھیوں کے منصوبوں سے بھی پردہ ہٹایا اور انھیں بتایا کہ وہ کس طرح فتنہ برپا کرتے ہیں اور اللہ کے دین میں زیادتی اور کجی اختیار کرتے ہیں (اسے سب معلوم ہے۔) شیطان ہی اس فتنہ پردازی کا ماسٹر مائنڈ اور شر کی اس تحریک کو بھڑکانے والا ہے۔ اسی لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کا تعلق اللہ سے پھر اسلام اور عقیدے سے جوڑا، پھر اس گروہ کی گمراہی سے پردہ اٹھاتے ہوئے انھیں بتایا کہ بالآخر تم لوگ رسوا ہو جاؤ گے۔ آپ نے ان کے منصوبوں اور جاہلیت کے دعووں کو بھی واضح کیا۔[1]

دوبارہ نصیحت: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس اگلے روز پھر آئے۔ دیر تک ان سے گفتگو کرتے رہے۔ فرمایا: ''اے شرپسندوں کی جماعت! مجھے صحیح جواب دو یا پھر خاموش رہو غور و فکر کرو اور جائزہ لو کہ تمھارے اور تمھارے اہل خانہ کے لیے کیا بہتر ہے؟ تمھارے خاندان، عزیز و اقارب اور مسلمانوں کا فائدہ کس میں ہے؟ اس کے حصول کی کوشش کرو۔ اس طرح تم زندگی بسر کر سکو گے اور ہم بھی تمھارے ساتھ رہ سکیں گے۔ صعصعہ نے جواب دیا: ''آپ اس کے اہل نہیں ہیں اور اللہ کی معصیت کی بات ماننے میں عزت نہیں ہے۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا میں نے تمھیں سب سے پہلے اللہ کے تقوے کا حکم نہیں دیا؟ اس ذات عالی کی اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ترغیب نہیں دی؟ تمھیں اتفاق و اتحاد کا دامن تھامنے اور انتشار و افتراق سے باز رہنے کا حکم نہیں دیا؟'' وہ کہنے لگے:

[1] معاوية بن أبي سفيان للدكتور الغضبان: 111.

''آپ نے تو تفرقہ بازی اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کے خلاف حکم دیا ہے۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر ایسا ہی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کی تعلیمات کے خلاف حکم دیا ہے تو میں اللہ کے حضور توبہ کرتا ہوں اور تمھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں۔ مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنے اور تفرقہ بازی سے اجتناب کا حکم دیتا ہوں۔ تمھیں تاکید کرتا ہوں کہ اپنے امراء اور ائمہ کی عزت کرو۔ اپنی استطاعت کے مطابق ان کی ہر اچھائی کی طرف رہنمائی کرو۔ اگر ان میں کوئی کمزوری ہو تو انھیں احسن انداز سے سمجھاؤ۔'' صعصعہ بولا: ''تب ہم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ اپنے منصب سے الگ ہو جائیں کیونکہ مسلمانوں میں اس منصب کے آپ سے زیادہ مستحق لوگ موجود ہیں۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''وہ کون ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''وہ جس کا والد آپ کے والد سے زیادہ قدیم الاسلام تھا اور اسے اسلام قبول کرنے میں آپ پر سبقت حاصل ہے۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! مجھے اسلام میں سبقت اور فوقیت حاصل ہے اور میرے علاوہ کسی اور کو مجھ سے بھی زیادہ اولیت حاصل ہو سکتی ہے لیکن میرے دور میں مجھ سے زیادہ اس کام کا کوئی اہل نہیں ہے۔ اور یہ رائے میری نہیں بلکہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ہے کیونکہ اگر میرے علاوہ کوئی دوسرا مجھ سے زیادہ اہل ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے مقرر کرتے کیونکہ میرا یا کسی اور کا ان کے ساتھ کوئی عہد و پیمان، تعلق یا رشتہ داری نہیں تھی۔ میں نے کوئی ایسا قابل اعتراض کام بھی نہیں کیا کہ اپنے منصب سے دستبردار ہو جاؤں لیکن اس کے باوجود اگر امیر المومنین اور جمہور مسلمان مجھے معزول کرنا چاہتے اور امیر المومنین مجھے تحریری حکم نامہ جاری کر دیتے تو میں یہ منصب چھوڑ دیتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ ہے تو مجھے امید ہے کہ اس سے بہتر کوئی صورت نکل آئے گی۔ باز آ جاؤ! تمھاری یہ باتیں شیطانی آرزوؤں کے مطابق ہیں۔ وہی ان باتوں کا حکم دیتا ہے۔ اگر تمھارے مشوروں اور تمناؤں کے مطابق احکام جاری ہوتے تو مسلمانوں کے

معاملات کبھی ٹھیک نہ رہتے۔ ایک دن بھی یہ کام نہ چلتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو ان معاملات کو سدھار رہی ہے اور وہی باری تعالیٰ انھیں تکمیل تک پہنچائے گا، اس لیے نیکی کی طرف لوٹ آؤ اور بھلائی کی بات کہو۔'' انھوں نے پھر کہا: ''تم اس کے اہل نہیں ہو۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! اللہ کی گرفت بڑی سخت ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تم اسی طرح شیطان کی پیروی کرتے رہے اور رحمٰن کی نافرمانی کرتے رہے تو دنیا میں بھی اللہ کے غیظ وغضب کا نشانہ بنو گے اور آخرت میں بھی ہمیشہ کی ذلت و رسوائی تمھارا مقدر ہوگی۔''

اس بات پر یہ لوگ بدتمیزی پر اتر آئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر اور داڑھی کو پکڑ لیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''باز آجاؤ! یہ کوفہ نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تمھاری اس حرکت کو اہل شام دیکھ لیتے تو تمھیں قتل کر دیتے اور میں بھی انھیں نہ روک پاتا۔''

مجھے زندگی دینے والے کی قسم! تمھارے کرتوت ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔''

پھر وہ ان کے پاس سے اٹھ گئے اور کہا: ''اللہ کی قسم! اب میں تم سے کبھی نہیں ملوں گا۔''

شاید یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی انھیں راہ راست پر لانے کی آخری کوشش تھی۔ اس بار انھوں نے انھیں سمجھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اپنے علم وحلم اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انھیں فتنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ انھیں اللہ سے ڈرنے، اس کے فرمانبرداری کرنے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ جڑے رہنے کی ترغیب دی۔ گروہ بندی سے نفرت دلانے کی کوشش کی۔ مگر ان کی زبان کھلی تو وہ یہ کہہ کر مخاطب ہوئے:

''تیری اطاعت کے لیے ہم اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔''[1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وسیع الظرفی اور حلم و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوبارہ انھیں نصیحت کی اور فرمایا: ''میں تمھیں صرف اللہ ہی کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں۔ اور تمھارے

[1] تاريخ الطبري:5/330,331.

بقول اگر میں نے اللہ کی نافرمانی کی کوئی بات کی ہے تو میں اس کے حضور توبہ کرتا ہوں اور ایک بار پھر تمھیں اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنے اورامت میں پھوٹ ڈالنے سے دور رہنے کی دعوت دیتا ہوں۔''

اگر ان میں کوئی خیر ہوتی تو یہ لطف وکرم کا معاملہ اور پرتاثیر نصیحت انھیں ضرور فائدہ دیتی لیکن انھوں نے اسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کمزوری خیال کیا اور یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ مرعوب ہوکر یہ انداز اختیار کررہے ہیں، بالخصوص جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ اگر تم حکام کو کوئی نصیحت کرنا چاہتے ہو یا تمھارا کوئی مطالبہ ہے تو بھلے طریقے سے کرو اور خیر خواہانہ انداز اختیار کرو۔

اس پر انھیں دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ وہ دل کی خباثت فوراً زبان پر لاتے ہوئے بولے: ''ہم تمھیں حکم دیتے ہیں کہ اپنے منصب سے دستبردار ہوجاؤ کیونکہ مسلمانوں میں تم سے زیادہ قابل اور اس منصب کے زیادہ مستحق لوگ بھی موجود ہیں۔''
اس وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر منکشف ہوا کہ ان کے دلوں کا روگ کیا ہے۔ انھوں نے اس کی مزید تفصیل جاننا چاہی تاکہ اس سوچ کے اصل محرکات تک رسائی ہوسکے اوران کے ذہن میں پیوست افواہوں کا علم بھی ہوجائے لیکن ان لوگوں نے دل کی بات مخفی رکھی۔ اشارے کنائے سے یہی کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنے سے افضل کی خاطر دستبردار ہوجائیں جس کی خدمات آپ سے زیادہ ہیں اوراس کے باپ کی خدمات بھی آپ کے باپ سے زیادہ تھیں۔ اس ہرزہ سرائی کے باوجود بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے حد درجہ مشفقانہ اورحلیمانہ رویہ اختیار کیا۔ وہ دستبرداری کا مطالبہ کررہے تھے۔ جبکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ انھیں صبر وتحمل سے نصیحت کررہے تھے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امارت، حکمرانی اور قیادت کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں جواب دیتے ہوئے جو

کچھ فرمایا اس سے چھ نہایت اہم اور بنیادی چھ نکات عیاں ہوئے:

❊ مجھے اسلام کی خدمت کے لیے کئی کارنامے انجام دینے کا شرف حاصل ہے اور میں اپنے بھائی سیدنا یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی وفات سے لے کر اب تک شام کی سرحدوں کی حفاظت کر رہا ہوں۔

❊ مجھے اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ اسلام کے لیے مجھ سے زیادہ آزمائشیں جھیلنے اور خدمات انجام دینے والے مجھ سے افضل افراد موجود ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس عظیم اسلامی سرحد کی حفاظت مجھ سے بہتر کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ مجھے یہاں کی سیاست کا تجربہ ہے۔ میں یہاں کے عوام کے نفسیات سے واقف ہوں۔ نیز میرا اس علاقے کی صورت حال پر مکمل کنٹرول ہے۔کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں کر سکتا۔ میں نے یہاں کے عوام کے ساتھ ان کی نفسیات کے مطابق برتاؤ کیا ہے، اس لیے وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔

❊ سب سے کڑا معیار اور حساس میزان جس پر گورنروں کو پرکھا جا سکتا ہے وہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ کسی کی رو رعایت نہیں کرتے تھے۔ نہ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی کوئی پروا کرتے تھے۔ اگر انھیں مجھ میں کوئی ظلم، انحراف یا خامی نظر آتی تو مجھے ضرور معزول کر دیتے اور ایک دن بھی اس منصب پر برقرار نہ رکھتے۔ میں نے ان کے پورے دور خلافت میں اس منصب پر کام کیا ہے۔ اسی طرح ان سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض ذمہ داریاں مجھ پر ڈالی تھیں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحی لکھنے کا فریضہ بھی انجام دیا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی مجھے بطور گورنر مقرر کیے رکھا۔ میری صلاحیت پر کسی کو اعتراض نہ ہوا۔

❊ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''معزولی کی کوئی معقول وجہ ہوتی ہے۔ کیا ان فتنہ پروروں کے پاس کوئی قابل التفات دلیل ہے، جس کی بنا پر وہ مجھے معزول کر سکیں؟''

❊ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے معزول کرنے یا برقرار رکھنے کا اختیار امیر المومنین

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ہے۔ تمھارے مطالبے پر تو میں امارت چھوڑنے سے رہا۔ کسی کو بھی گورنر مقرر کرنے یا معزول کرنے کے مجاز صرف امیر المومنین ہی ہیں۔

❁ اگر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجھے معزول کرنے کا فیصلہ کریں تو مجھے یقین ہے کہ ان کا فیصلہ بھلائی ہی پر مبنی ہوگا۔ اس میں میرے لیے کوئی ذلت یا عیب والی بات بھی نہیں ہوگی۔ ان کا حکم سر آنکھوں پر کیونکہ یہ مسلمانوں کے خلیفہ کا حکم ہوگا۔''[1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان فتنہ پروروں سے جو آخری بیٹھک کی وہ نہایت قابل افسوس اورشدید اذیت ناک تھی۔ آپ نے انھیں اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے ڈرایا، شیطان کی چالوں اور آرزوؤں سے خبردار کیا، مسلمانوں میں تفرقہ بازی اور خلیفہ کی نافرمانی سے باز رہنے کی تاکید کی، نیز خواہشات کا پجاری بننے اور دھوکا کھانے سے روکا۔ مگر انھوں نے اس کا کیا جواب دیا؟ ان پر حملہ آور ہوگئے اوران کا سر پکڑا اور داڑھی کھینچی! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا۔ انھوں نے ان پر سختی کی، انھیں ان کے ارادے سے باز رہنے کا حکم دیا اوران سے سخت کلام کیا جو ضمناً دھمکی بھی تھی۔ انھیں معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ حق قبول کرنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ ان کی حقیقت سے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا جائے اوران کے خطرناک عزائم کا ان پر انکشاف کیا جائے تاکہ وہ ان کے بارے میں کوئی اور رائے قائم کرسکیں۔[2]

کوفہ کے شریروں کے بارے میں امیر المومنین کے نام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! معاویہ بن ابوسفیان کی طرف سے اللہ کے بندے امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف۔ اما بعد: ''امیر المومنین! آپ نے ایسے لوگوں کو میرے پاس بھیجا ہے جو شیاطین کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں

[1] معاوية بن أبي سفيان، للدكتور منير الغضبان، ص: 114-117. [2] معاوية بن أبي سفيان للدكتور منير الغضبان، ص: 118,117.

اور شیاطین ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے پاس آکر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قرآن کی دعوت پیش کرتے ہیں، اس طرح یہ لوگ مسلمانوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں کیونکہ ہر شخص ان کا مقصد نہیں سمجھتا۔ ان کا مقصد تفرقہ بازی اور انتشار پھیلانا ہے۔ وہ فتنے کی فضا پیدا کر رہے ہیں، اسلام انھیں مشکل معلوم ہو رہا ہے۔ وہ اسلام سے بیزار ہیں۔ شیطان کی غلامی ان کے دلوں میں اتر چکی ہے۔ انھوں نے اہل کوفہ کے بہت سے ایسے افراد کو بھی جن کا ان سے کوئی واسطہ نہیں، خراب کر دیا ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ اگر یہ شام میں رہے تو اپنی چالبازیوں اور سحر بیانی کی وجہ سے یہاں کے باشندوں کو بھی خراب کریں گے، اس لیے آپ انھیں ان کے شہر لوٹا دیں تاکہ وہ اسی شہر میں رہیں جہاں سے ان کی منافقت پھوٹی ہے۔''[1]

شرپسندوں کی کوفہ واپسی اور جزیرہ کی طرف جلاوطنی

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے گورنر سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان شرپسندوں کو واپس بلا لو۔ انھوں نے انھیں بلا لیا۔ وہاں پہنچ کر ان کی زبانیں پہلے سے بھی زیادہ کھل گئیں۔ بالآخر سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ ان سے بہت تنگ آگئے ہیں۔ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں جواباً لکھ بھیجا کہ انھیں سیدنا عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج دو۔ وہ حمص کے امیر تھے۔[2] جب وہ حمص پہنچے تو سیدنا عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہما نے انھیں طلب کیا اور ان کی خوب سرزنش کی، انھوں نے کہا: ''اے شیطان کے آلہ کارو! ہم تمھارا خیر مقدم نہیں کرتے۔ نہ تمھاری تعظیم کرتے ہیں۔ شیطان عاجز اور رسوا ہو گیا ہے مگر تم ابھی تک باطل کو پھیلانے کے لیے مستعد اور ہوشیار ہو۔ اگر عبدالرحمٰن نے تمھیں ادب سکھا کر ٹھیک نہ کیا تو اللہ اس کا بھلا نہ کرے۔ وہ

[1] تاریخ الطبري: 331/5. [2] تاریخ الطبري: 331/5.

تمھیں عاجز اور ذلیل کر کے چھوڑے گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں تم سے کس طرح خطاب کروں، تم کون ہو؟ عربی ہو یا عجمی؟ کان کھول کر سن لو! مجھ سے اس طرح گفتگو نہ کرنا جس طرح میری اطلاع کے مطابق تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کیا کرتے تھے۔ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا فرزند ہوں! جسے آزمانے والے آزما چکے ہیں۔ میں ارتداد کی کمر توڑنے والے کا بیٹا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں تمھیں ذلیل اور عاجز کر کے چھوڑوں گا۔'' عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے انھیں مکمل ایک ماہ اپنے پاس رکھا۔ ان پر سختی کی اور ان کی مکمل نگرانی کی۔ سیدنا سعید اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کی طرح ان سے نرمی نہیں برتی۔ وہ جہاں جاتے انھیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ وہ پیدل چلتے تو انھیں بھی پیدل چلاتے اور غزوات میں بھی انھیں ساتھ لے جاتے۔ انھیں ہر موقع پر ذلیل کرتے۔ جب ان کے رئیس صعصعہ بن صوحان سے سامنا ہوتا تو اسے مخاطب کرتے ہوئے کہتے: ''اے ابن خطیۂ! تجھے معلوم ہے کہ جسے نیکی درست نہ کر سکے برائی اسے درست کر دیتی ہے۔ جو نرمی سے نہ سمجھے اسے سختی سیدھا کر دیتی ہے۔ تم اب وہ باتیں کیوں نہیں کرتے جو کوفہ میں سعید رضی اللہ عنہ سے اور شام میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے کرتے تھے۔ جس طرح انھیں جواب دیا کرتے تھے مجھے کیوں نہیں دیتے؟''

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا ان کے ساتھ یہ رویہ بارآور ثابت ہوا۔ ان کی سختی اور حزم و قساوت نے انھیں گونگا کر دیا وہ توبہ اور ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے: ہم اللہ کے حضور توبہ کرتے ہیں اور اس سے معافی مانگتے ہیں۔ آپ ہمیں معاف کر دیں، اللہ آپ کو معاف کرے گا۔ ہم سے درگزر فرمائیں، اللہ آپ سے درگزر فرمائے گا۔'' وہ مسلسل معافی مانگتے رہے۔ بالآخر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے انھی کے ایک ساتھی اشتر نخعی کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ جا کر انھیں اپنی توبہ کی خبر دو اور بتاؤ کہ ہم انسان بن گئے ہیں اور اپنے عزائم سے بھی تائب ہو گئے ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اشتر سے کہا: ''تم جہاں چاہو جا سکتے ہو، میں تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو معاف کرتا ہوں۔'' اشتر نے کہا کہ ہم

عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے پاس ہی رہنا چاہتے ہیں۔ اس نے عبدالرحمٰن کے فضائل و مناقب بھی بیان کیے۔ پھر کچھ عرصہ وہ جزیرہ میں عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہی کے پاس رہے اور اپنی توبہ، استقامت اور ٹھیک ہو جانے کا عملی اظہار کیا۔ [1]

اس صورت حال میں کچھ عرصے کے لیے شرپسند کوفہ میں بھی دب گئے۔ ان پر سکتہ طاری ہوگیا۔ یہ 33 ہجری کی بات ہے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ جب شرپسندوں نے دیکھا کہ ان کے سرغنوں کو پہلے شام اور پھر جزیرہ جلاوطن کر دیا گیا ہے تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ اسی میں مصلحت ہے کہ کچھ دیر کے لیے چپ ہو جائیں۔ [2]

فتنہ گروں کا اشج عبدالقیس پر افترا: اہل فتنہ بصرہ میں حکیم بن جبلہ کی زیر قیادت سرگرم عمل تھے اور ان کا کام اہل فضیلت بزرگوں پر افترا پردازی اور ان کی مخالفت کرنا تھا۔ بصرہ میں سب سے زیادہ صاحب فضیلت اور متقی اشج عبدالقیس تھے۔ ان کا نام عامر بن عبدالقیس تھا۔ وہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے اور آپ سے براہِ راست فیض پایا تھا۔ جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے بایں الفاظ ان کی تعریف کی تھی:

«إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: اَلْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ»

''تم میں دو خوبیاں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں: حلم و بردباری اور عجلت نہ کرنا۔'' [3]

سیدنا عامر بن عبدالقیس رضی اللہ عنہ نے جنگ قادسیہ وغیرہ میں جہادی دستوں کی قیادت بھی کی تھی۔ بصرہ میں مقیم تھے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ خارجیوں نے ان پر الزام تراشی کی اور جھوٹے بہتان لگائے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے

[1] تاریخ الطبري: 327/5. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 134. [3] صحیح مسلم، حدیث: 17-(25).

پاس شام بھیج دیا۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان سے بات ہوئی اور انھیں ساری صورت حال کا علم ہوا تو انھیں ان کی براءت اور سچائی اور خارجیوں کے جھوٹ اور بہتان کا یقین ہوگیا۔ سیدنا عامر بن عبد القیس رضی اللہ عنہ پر بہتان لگانے والا حمران بن ابان تھا۔ وہ نافرمان اور بے دین شخص تھا۔ اس نے کسی خاتون سے دوران عدت شادی رچالی۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے ان کے درمیان جدائی کرادی۔ اسے اس جرم کی سزا دی اور بصرہ جلا وطن کردیا۔ وہاں وہ سبائیوں کے سرغنہ معروف چور حکیم بن جبلہ کے ساتھ جا ملا۔[1]

ابن سبا کی تحریک کے ایجنڈے کی حتمی شکل: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے گیارہویں سال 34ھ میں عبداللہ بن سبا نے اپنی تحریک کو منظم کیا اور اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خاکہ بنایا اور اپنی جماعت کے لیے یہ پروگرام طے کیا کہ اب خلیفہ اور اس کے گورنروں کے خلاف بغاوت شروع کی جائے۔ اس کے لیے اس نے مصر میں رہ کر تمام شہروں، مثلاً: کوفہ، بصرہ اور مدینہ میں موجود اپنے ہم مشرب شیطانوں سے رابطے کیے اور بغاوت کی جزئیات پر تبادلۂ خیال کر کے پورا ایجنڈا متفقہ طور پر طے کیا۔ یہ کام انھوں نے خط کتابت اور پیغام رسانی کے ذریعے کیا۔ جن لوگوں سے ابن سبا نے خط کتابت کی وہ کوفہ کا وہی سبائی گروہ تھا جسے وہاں سے نکال کر شام بھیجا گیا تھا اور پھر وہاں سے بھی انھیں نکال کر جزیرہ جلا وطن کیا گیا تھا۔ ان کے کوفہ سے جلا وطن ہونے کے بعد کینہ پرور کوفی سبائیوں کی قیادت یزید بن قیس کرتا رہا۔

34 ہجری میں شرفائے قوم اور با اثر لوگوں کے جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کی وجہ سے کوفہ خالی ہوگیا۔ صرف گھٹیا اور بازاری قسم کے عام لوگ باقی رہ گئے۔ انھیں سبائی اور منحرف لوگوں نے اپنے پیچھے لگالیا۔ گندے افکار کے ذریعے ان کی ذہن سازی کی اور انھیں کوفہ کے گورنر سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا۔[2]

[1] تاریخ الطبري: 334,333/5. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 135.

فتنہ گروں کی کارستانیوں کے وقت اہلِ کوفہ کے حالات: امام طبری کوفہ کے 34ھ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے گیارہویں سال سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ گئے۔ جانے سے پہلے انھوں نے سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کو آذربائیجان، سعید بن قیس کو ''رَے'' نسیر عجلی کو ہمدان، سائب بن اقرع کو اصبہان، مالک بن حبیب کو ''ماہ''، حکیم بن سلامہ کو موصل، جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو قرقیسیا، سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کو دربند اور عتیبہ بن نہاس کو حلوان کا امیر بنا کر روانہ کیا۔ قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ کو جنگی معاملات کا نگران مقرر کیا اور کوفہ میں اپنا نائب عمرو بن حریث کو مقرر کیا۔ اس طرح کوفہ کمانڈروں اور بااثر لوگوں سے خالی ہوگیا۔ صرف فتنہ پرداز لوگ باقی رہ گئے۔[1] ان حالات میں سبائیوں کے سرغنے یزید بن قیس نے مصر میں موجود اپنے سرغنے ابن سبا کو اعتماد میں لینے کے بعد کوفہ میں بغاوت کردی۔ بغاوت میں ان لوگوں نے یزید بن قیس کا ساتھ دیا جو ابن سبا کی خفیہ انجمن پلیداں میں شامل ہوچکے تھے۔ اس موقع پر بازاری قسم کے وہ لوگ بھی باغیوں کے ساتھ شامل ہوگئے جو ان سے متاثر تھے۔[2]

قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے پہلی سازش کچل دی: یزید بن قیس نے کوفہ میں بغاوت کی اور اس کا عزم یہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کیا جائے۔ وہ کوفہ کی مسجد میں بیٹھ گیا۔ اس کے اردگرد وہ سبائی بھی جمع ہوگئے جن سے عبداللہ بن سبا مصر سے خط کتابت کرتا تھا۔ جب یہ باغی مسجد میں جمع ہوئے تو اس کی خبر سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بھی ہوگئی۔ انھوں نے ان کا گھیراؤ کرکے انھیں اوران کے سرغنے یزید بن قیس کو گرفتار کرلیا۔ یزید نے جب قعقاع رضی اللہ عنہ کی سختی، ان کی روشن دماغی اور بصیرت دیکھی تو اپنے اصل ہدف سے دستبردار ہوگیا۔ اس نے کہا کہ ہمارا مقصد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنا نہیں، ہم

[1] تاريخ الطبري: 337/5. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 135.

تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ کسی اور شخص کو گورنر مقرر کیا جائے۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے یزید کی بات سن کر اس کی درخواست قبول کر لی اور اس کی جماعت کو آزاد کر دیا۔ انھوں نے یزید سے کہا: ''اس مقصد کے لیے مسجد میں مت بیٹھو! نہ اپنے گرد لوگوں کو اکٹھا کرو۔ بلکہ اپنے گھر میں بیٹھو اور جو مسئلہ ہو امیر المومنین کے سامنے پیش کرو۔ تمھاری ضرور شنوائی ہوگی۔''[1]

یزید بن قیس کا جزیرہ میں مقیم شر پسندوں سے رابطہ: سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کی سرزنش کے بعد یزید بن قیس اپنے گھر میں رہ کر فتنہ برپا کرنے اور بغاوت کرنے کا منصوبہ بنانے لگا۔ اس نے ایک شخص اجرت پر لیا اور اسے چند درہم اور سواری دے کر جلاوطن کوفیوں کے پاس بھیجا اور ہدایت کی کہ جلد از جلد ان تک میرا پیغام پہنچاؤ لیکن خیال رکھنا کہ راز فاش نہ ہونے پائے۔ دوسری طرف وہ شر پسند سیدنا عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر توبہ اور آئندہ کوئی سازش نہ کرنے کا عہد کر چکے تھے۔ یزید نے اپنے شیطان صفت دوستوں کو لکھا: تم لوگ یہ خط ملتے ہی فوراً یہاں پہنچ جاؤ۔ ہم نے اپنے ہم مشرب مصریوں سے رابطہ کیا ہے، وہ بھی ہمارے ساتھ بغاوت کے لیے تیار ہیں۔ اور ہم نے بغاوت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' اشتر نے یہ خط پڑھا تو فوراً کوفہ روانہ ہوگیا اور اس کے دوسرے خارجی دوست بھی اُس سے آ ملے۔ عبدالرحمٰن نے انھیں موجود نہ پا کر تلاش کرایا لیکن وہ وہاں نہ ملے۔ انھوں نے فوراً ایک دستہ انھیں پکڑنے کے لیے روانہ کیا لیکن وہ جزیرے سے نکل چکے تھے اس لیے قابو نہ آئے۔

یزید بن قیس نے دوبارہ اپنے لوگوں سے اور انھوں نے عوام میں سے اپنے ہم مشرب لوگوں سے رابطہ کیا۔ وہ سب [illegible] جمع ہوئے۔ اشتر نخعی بھی مسجد میں آ گیا۔ اس نے انھیں بھڑکایا۔ بغاوت پر اُکسایا اور تقریر کرتے ہوئے کہا: ''اے لوگو! میں ابھی امیر المومنین

[1] تاريخ الطبري: 337/5.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے آیا ہوں، تمھارے گورنر سعید بن عاص بھی وہیں موجود تھے۔ وہ دونوں اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ تمھارے عطیات گھٹا دیے جائیں۔ دو سو درہم سے کم کر کے سو درہم فی کس کر دیے جائیں۔''

یہ اس کی سراسر کذب بیانی تھی۔ سیدنا عثمان اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہما نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ یہ عوام کو بھڑکانے کے لیے سبائیوں کی ایک چال تھی جس کے ذریعے اشتر نے مسجد میں موجود لوگوں کو بیوقوف بنایا اور کم عقل لوگوں کو متاثر کر کے انھیں مشتعل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مسجد میں شور برپا ہو گیا۔ دانشور، شرفاء، با اثر اتقیاء و صلحاء، جیسے سیدنا ابوموسیٰ اشعری، سیدنا ابن مسعود اور سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہم اسے روکتے رہے لیکن اس نے ان کی ایک نہ سنی اور اپنا کام جاری رکھا۔ ادھر یزید بن قیس نے اعلان کر دیا کہ میں سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں داخل نہیں ہونے دونگا۔ میں اسے روکنے کے لیے مدینہ کے راستے کی طرف جا رہا ہوں تاکہ اسے کوفہ سے باہر ہی روک دوں، لہٰذا جو شخص سعید کو روکنے کے لیے میرے ساتھ جانا چاہے وہ تیار ہو جائے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہوگا کہ ان کی جگہ کسی اور شخص کو گورنر مقرر کیا جائے۔ سبائیوں اور کم عقل لوگوں نے اس کی پیروی کی اور ہزار کے قریب بیوقوف افراد اس کا دم چھلہ بن کر اس کے ساتھ ہو لیے۔ [1]

فتنہ گروں کے سرغنہ کو قتل کرنے کی تجویز: جب سبائی فتنہ پرور لوگ مسجد سے نکل گئے اور مسجد میں برگزیدہ، نیک اور شریف لوگ رہ گئے تو کوفہ کے نائب گورنر عمرو بن حریث منبر پر چڑھے۔ انھوں نے لوگوں کو اتفاق و اتحاد اور بھائی چارے کا درس دیا۔ انھیں اختلاف وانتشار اور گروہ بندی کے خطرات سے آگاہ کیا اور ان سے اپیل کی کہ سرکش خارجیوں کا ساتھ نہ دیں۔ [2] سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر تم طوفانوں کا رخ موڑ سکتے ہو تو دریائے فرات کی موجوں کو روک کر دکھاؤ۔ یہ بات ناممکن ہے۔ اللہ کی قسم! اب کاٹ

[1] تاريخ الطبري: 5/338. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 139.

ڈالنے والی تلوار ہی ان شرپسندوں کو ٹھنڈا کرے گی اور وہ جلد ہی بے نیام ہو جائے گی، پھر وہ زبردست ہنگامہ بپا کریں گے اور اپنے مقاصد پورے کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ انھیں کامیاب نہ ہونے دے گا۔ آپ صبر کریں۔'' عمرو بن حریث نے فرمایا: ''میں صبر کرتا ہوں۔'' اس کے بعد وہ گھر چلے گئے۔ [1]

فتنہ گروں اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا آمنا سامنا: یزید بن قیس کوفہ سے نکل کر مدینہ کے راستے میں مقام جرعہ پر جا ٹھہرا۔ اشتر نخعی بھی اس کے ساتھ تھا۔ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ مدینہ سے واپسی پر ان کے پڑاؤ کی جگہ پہنچے تو یزید اور اس کے ساتھیوں نے کہا: ''آپ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں، ہمیں آپ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم آپ کو کوفہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بتا دیں کہ ہم آپ کو اپنا گورنر نہیں رکھنا چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ خلیفہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کر دیں۔'' سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم اتنی سی بات کرنے کے لیے اتنی بڑی تعداد میں کیوں آئے ہو؟ تمھارے لیے صرف یہی کافی تھا کہ تم امیر المومنین کے پاس ایک آدمی بھیج دیتے اور ایک شخص مجھے خبر دینے کے لیے روانہ کر دیتے۔ کیا صرف ایک آدمی سے بات کرنے کے لیے ایک ہزار عقل مند نکلتے ہیں؟'' [2]

سیدنا سعید رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ ان سے مقابلہ بازی نہ کی جائے اور فتنے کی آگ نہ بھڑکائی جائے بلکہ کسی طریقے سے اسے بجھانے کی کوشش کی جائے یا کم از کم اسے جلد بھڑکنے سے روکا جائے۔ اور یہی رائے کوفہ میں ابوموسیٰ اشعری، عمرو بن حریث اور قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہم کی تھی۔ [3]

سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس آئے اور امیر المومنین کو خارجیوں کی نئی صورت حال سے آگاہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ''وہ کیا چاہتے ہیں؟ کیا

[1] تاريخ الطبري: 338/5. [2] تاريخ الطبري: 338/5. [3] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 140.

انھوں نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے؟ کیا انھوں نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کر دی ہے؟ کیا انھوں نے خلیفہ کی اطاعت نہ کرنے کا اعلان کیا ہے؟'' سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''نہیں، وہ چاہتے ہیں کہ مجھے بدل کر میری جگہ کسی اور کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا جائے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''وہ کسے اپنا گورنر بنانا چاہتے ہیں؟'' سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی کو ان کا گورنر مقرر کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم انھیں حجت بازی کا موقع نہیں دیں گے تاکہ کسی کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔ ہم صورت حال واضح ہونے تک صبر کریں گے، جیسا کہ ہمیں حکم ہے۔'' پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا جاتا ہے، آپ حالات کو کنٹرول کریں۔ [1]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا تقرر نامہ وصول ہونے سے پہلے کوفہ کی مسجد میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ انھوں نے معاملات کو سدھارنے اور عوام کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے کیونکہ سبائیوں اور حاسدین نے کم عقل لوگوں کو خوب بھڑکا رکھا تھا اور ان کے دماغوں پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ کسی کی بات سننے اور سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔ کوفہ کی مسجد میں جب ہنگامہ بپا ہوا تو اس وقت وہاں دو جلیل القدر صحابہ حذیفہ بن یمان اور ابومسعود عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ ابومسعود اس سرکشی اور ہنگامہ آرائی پر نہایت برہم تھے۔ وہ ان فتنہ پردازوں کے ''جرعہ'' جانے، سعید رضی اللہ عنہ کو معزول کرانے اور ان کی نافرمانی کرنے پر نہایت غضبناک تھے کیونکہ ایسا حادثہ پہلی بار رونما ہوا تھا ابومسعود رضی اللہ عنہ کے برعکس سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نہایت دور اندیش تھے۔ معاملے کی تہہ تک جا کر غور و فکر سے رائے قائم کرتے تھے۔ [2]

سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ''یہ لوگ جرعہ سے بخیر و عافیت واپس

[1] تاريخ الطبري: 339/5. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي: 141.

نہیں آئیں گے۔ امیر المومنین ان کی تادیب کے لیے لشکر روانہ کریں گے اور وہاں بہت کشت وخون ہوگا۔'' سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ایسا نہیں ہوگا۔ اللہ کی قسم! وہ ضرور کوفہ واپس آئیں گے اور وہاں کوئی جنگ یا محاذ آرائی بھی نہیں ہوگی۔ نہ وہاں کشت وخون ہوگا۔ یہ بات میں اپنے تجربے یا علم کی روشنی میں نہیں کررہا بلکہ مجھے ان کا اس وقت سے علم ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقید حیات تھے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں سن رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے ہی ان سے آگاہ کردیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ایک زمانہ آئے گا، ایک شخص صبح مسلمان ہوگا مگر شام کے وقت اس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا، پھر وہ مسلمانوں سے جنگ کرے گا اور مرتد ہوجائے گا۔ اس کا دل کفر کی غلاظتوں سے آلودہ ہوکر ٹیڑھا ہوجائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اسے تباہ کردے گا۔ اور یہ ابھی نہیں بعد میں ہوگا۔[1]

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فتنوں کے بارے میں بڑا فہم و ادراک رکھتے تھے انھوں نے کوفہ وغیرہ میں سبائیوں کے فتنے میں ان سے بڑی سوچ سمجھ کا معاملہ کیا، جس طرح انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور سیکھا تھا، انھیں اس موضوع کی احادیث کا مکمل استحضار تھا اور وہ ان فتنوں میں رونما ہونے والے حالات وحوادث کو بخوبی سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے اس کو انہونی اور انوکھی چیز نہیں سمجھا۔ وہ حتی الوسع اصلاح احوال کی کوشش کرتے رہے۔[2]

فسادیوں کو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف سے اطاعت امیر کی نصیحت: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ہنگامہ آرائی پر کنٹرول کیا اور لوگوں کو سمجھایا کہ وہ آئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں۔ امیر کی نافرمانی نہ کریں۔ انھوں نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''تم ایسی باتوں کے لیے نہ دوڑا کرو۔ آئندہ نافرمانی کا کوئی اقدام مت کرنا۔ اپنی جماعت کا

[1] مسند أحمد: 395,394/5، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ الطبري: 342/5. [2] حذیفة بن الیمان لإبراهیم العلي، ص: 86، والخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 141.

ساتھ دو۔ اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرو۔ جلد بازی سے بچو۔ صبر سے کام لیا کرو۔ یوں سمجھو کہ امیر تمھارے درمیان موجود ہے۔'' لوگوں نے کہا: ''آپ ہمیں نماز پڑھائیں۔'' انھوں نے کہا: ''ہرگز نہیں! ہاں ایک شرط پر نماز پڑھاتا ہوں کہ تم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے احکام سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرو۔'' وہ بولے: ''ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں۔''[1]

انھوں نے زبان سے اقرار کرلیا لیکن دل میں منافقت رکھی اور اپنے ناپاک اہداف و مقاصد ظاہر نہیں کیے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر کے تقرر کا حکم آنے سے پہلے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے۔ پھر اپنی تعیناتی کے بعد وہ مستقل گورنر بن گئے۔ کچھ وقت کے بعد 34 ہجری میں کوفہ کے حالات میں ٹھہراؤ آیا۔ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جہادی دستوں کی قیادت کرنے کے لیے آذربائیجان اور دربند چلے گئے۔ ان کے علاوہ ایران کے سرحدی علاقوں کے جتنے کمانڈر اور مختلف علاقوں کے جو ذمہ دار حکام کوفہ آئے ہوئے تھے، وہ سب واپس چلے گئے۔[2]

کوفہ کے خارجیوں کے نام سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خط: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں بغاوت کرنے والوں کے نام ایک خط لکھا، اس میں انھیں بتایا کہ انھوں نے سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے اور ان کی جگہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کرنے کا مطالبہ کس حکمت عملی کے تحت قبول کیا ہے۔ یہ خط نہایت اہم نکات پر مشتمل ہے۔ اس سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا فتنوں سے نبٹنے اور سامنا کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ انھیں یقین تھا کہ مستقبل میں فتنے برپا ہوں گے، اس کے باوجود انھوں نے بھرپور کوشش کی کہ ان فتنوں کی آگ بھڑکنے میں کسی قدر تاخیر ہوجائے۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ ان فتنوں کو روکنا ان کے لیے ناممکن ہے کیونکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان فتنوں کے بارے میں سب

[1] تاريخ الطبري: 5/339. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 142.

کچھ سن چکے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خط کا متن یہ تھا:

''امابعد! میں نے تم پر تمھاری مرضی کا گورنر مقرر کر دیا ہے۔ سعید رضی اللہ عنہ کو برطرف کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! میں تمھارے لیے اپنی عزت قربان کروں گا، صبر کروں گا اور مقدور بھر تمھاری اصلاح کی کوشش کروں گا۔ تم ہر ایسی بات کا مطالبہ کر سکتے ہو جس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو۔ میں اسے پورا کرنے کی کوشش کروں گا اور جو بات تمھیں پسند نہ ہو اس سے تمھیں مستثنیٰ رکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس سے اللہ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔ میں نے تمھاری پسند کے مطابق کام کیا ہے تاکہ تم میرے خلاف کوئی حجت نہ لا سکو۔''

اس طرح کے خطوط آپ نے دوسرے شہروں میں بھی روانہ کیے۔[1]

اللہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی اور خوش ہو، وہ کس قدر عالی ظرف، خیر خواہ، صلح جو اور کشادہ دل تھے اور سبائی بدبختوں نے آپ پر الزام تراشی کر کے کتنے ظلم ڈھائے۔[2]

فتنوں کے سد باب کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی

تاریخ کے مطالعے اور مصادر و مراجع کی کتابیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فتنوں کے انسداد کے لیے درج ذیل طریقے اختیار کیے:

مختلف علاقوں میں تحقیقاتی ٹیموں کی روانگی

محمد بن مسلمہ اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما وغیرہ نے ابن سبا کی مختلف شہروں میں پھیلائی ہوئی افواہیں سنیں تو وہ نہایت پریشان اور مضطرب ہوئے۔ وہ فوراً امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اے امیر المومنین! ہم تک جو باتیں

① تاريخ الطبري: 5/343. ② الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 143.

پہنچی ہیں کیا آپ کو بھی ان کا علم ہے؟'' انھوں نے کہا: ''نہیں، اللہ کی قسم! میرے علم میں تو یہی ہے کہ ہر طرف سلامتی اور امن ہے۔'' انھوں نے کہا: ''ہمارے پاس اس طرح کی خبریں پہنچی ہیں۔'' پھر مختلف اسلامی شہروں میں فتنوں کے بپا ہونے کی جو افواہیں ان تک پہنچی تھیں، انھوں نے امیر المومنین کے گوش گزار کیں۔ اور ہر جگہ ان کے گورنروں کے خلاف بغاوت کی افواہیں بھی بتائیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم میرے شریک کار ہو اور مسلمانوں کے گواہ ہو، اس لیے مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیے؟'' انھوں نے کہا: ''ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ قابلِ اعتماد افراد کو مختلف شہروں میں بھیجیں تاکہ وہ وہاں کے حالات کی صحیح اطلاعات لے کر آئیں۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز منظور کر لی۔ انھوں نے صحابہ کے ایک ایسے گروہ کا انتخاب فرمایا جن کے زہد و ورع اور صداقت و خیر خواہی میں کسی کو کوئی شک نہیں تھا۔ ایک محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے جن کی تفتیش اور محاسبے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اعتماد کرتے تھے اور ان کو تفتیش کے لیے مختلف صوبوں میں بھیجتے تھے۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور آپ کے محبوب کے بیٹے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا انتخاب فرمایا۔ یہ وہی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ہیں جنھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری ایام میں ایک لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا تھا اور وصیت کی تھی کہ لشکر کو اسامہ ہی کی قیادت میں روانہ کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَنْفِذُوا بَعْثَ أُسَامَةَ» ''لشکر اسامہ کو (جسے میں نے تیار کیا ہے) روانہ کرنا۔''

اسلام میں سبقت کے اعزاز سے متصف، مجاہد عظیم سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا بھی انتخاب کیا، ورع و تقویٰ اور فقہ کے امام سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان میں شامل تھے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بصرہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو مصر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کو شام روانہ کیا گیا۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اور لوگ بھی تھے، یہ ان کے

[1] تاريخ الطبري:348/5.

امراء تھے۔ آپ نے انھیں بڑے شہروں کی طرف بھیجا۔ یہ سب لوگ اس نہایت مشکل، خطرناک اور عظیم مہم کو سر کر کے واپس آ گئے، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما قدرے تاخیر سے واپس پہنچے۔ یہ تحقیقاتی کمیشن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے مشاہدات اور لوگوں سے جو کچھ پوچھا اور سنا تھا، اس سے آگاہ کیا۔ یہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم تمام شہروں سے ایک ہی خبر لائے تھے۔[1] انھوں نے کہا: ''حالات بالکل معمول کے مطابق ہیں۔ ہم نے وہاں کوئی قابل اعتراض بات نہیں دیکھی اور نہ وہاں کے خواص و عوام کو کسی ناخوشگوار معاملے کا علم ہے۔ ان کے حکام ان کے درمیان عدل و انصاف کرتے ہیں اور ان کی خبر گیری میں مصروف رہتے ہیں۔''[2]

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے وہاں جا کر لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اکسایا تو اس بارے میں منقول تمام روایات ضعیف ہیں۔ کوئی روایت کلام سے خالی نہیں ہے۔ اسی طرح ان روایات کے متون بھی منکر ہیں۔[3]

تفتیشی کمیٹی کے ارکان کی رپورٹ سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ وہاں کوئی ایسی صورت حال نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی گورنر کو معزول کرنا ضروری ہو۔ لوگ عافیت سے ہیں۔ راحت اور اطمینان سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ امیر المومنین عدل و انصاف کرتے ہیں، اموال کی تقسیم میں بھی برابری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور رعایا کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ حاسدین نے اندرون خانہ جو افواہیں اور جھوٹی خبریں پھیلا رکھی ہیں، وہ بالکل بے بنیاد ہیں۔ لیکن نیک سیرت عظیم خلیفۂ راشد نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مختلف شہروں کے عوام کے نام خطوط لکھے۔[4]

[1] عثمان بن عفان لعبد الستار الشيخ، ص: 210. [2] تاريخ الطبري: 348/5. [3] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبدالله الغبان: 117/1. [4] تاريخ الطبري: 349/1.

عوام الناس کے نام کھلا خط

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عوام الناس کے نام یہ کھلا خط تحریر فرمایا:

''میں نے حکام کے لیے لازم کردیا ہے کہ وہ ہر سال موسم حج میں مجھ سے ملاقات کریں۔ میں ان کا محاسبہ کرتا ہوں۔ جب سے خلیفہ مقرر کیا گیا ہوں، میں نے ملت اسلامیہ کے لیے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ نیکی کا حکم دیا جائے اور برے کاموں سے روکا جائے، اس لیے میرے یا میرے حکام کے سامنے جو مطالبۂ حق پیش کیا جائے گا وہ پورا کیا جائے گا۔ میں نے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے رعایا پر جو حقوق ہیں وہ معاف کردیے ہیں۔ اہل مدینہ کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ کچھ لوگ گالی دیتے ہیں اور زدوکوب کرتے ہیں۔ پوشیدہ طور پر ملامت کرنا، گالی دینا اور مار پیٹ کرنا بہت برا ہے۔ جو شخص کسی حق کا دعویدار ہو وہ موسم حج میں آئے اور اپنا حق حاصل کرلے مجھ سے یا میرے حکام سے حاصل کرے یا معاف کردے کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو جزائے خیر دے گا۔''

جب یہ خط مختلف شہروں میں پڑھا گیا تو عوام رو پڑے۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کی اور کہنے لگے: ''قومی مصیبت کے آثار نظر آرہے ہیں۔''[1]

کیا دنیا اس سے زیادہ حوصلہ مند، پرعزم اور باہمت شخص کو دیکھنا چاہتی ہے جس کی عمر بیاسی سال سے زیادہ ہو اور وہ اس قدر جذبۂ متابعت سے سرشار ہوکر مظالم کی تفتیش میں اس قدر جرأت اور ہمت کا مظاہرہ کرتا ہو؟ کیا لوگ عدل وانصاف کی اس سے زیادہ اعلیٰ مثال دیکھنا چاہتے ہیں کہ امیر المومنین اپنے ذاتی حقوق بھی رعایا کی خاطر چھوڑ دیتا ہے، بشرطیکہ اللہ کے حقوق کی پاسداری ہو اور اس کی حدود کا خیال رکھا جائے؟ اس کی تنہا مثال

[1] تاريخ الطبري:349/5.

خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی ہیں جنھوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے تفتیشی ٹیمیں بھیج کر بیٹھ گئے، انھوں نے عوام کے نام یہ خط بھی کافی نہ سمجھا کہ جس کا کوئی مطالبہ یا شکایت ہو، وہ حج کے موسم میں آئے اور حجاج کے بھرے مجمع میں کھلے عام مطالبہ کرے۔ انھوں نے ان سارے اقدامات کے ساتھ ساتھ مختلف شہروں کے گورنروں کو بھی لکھا کہ وہ خود حاضر ہوں اور جب لوگ امیر المومنین کے سامنے اپنی شکایات پیش کریں تو وہ ان کا سامنا کریں تاکہ امیر المومنین خود ان گورنروں سے ان افواہوں کے متعلق پوچھیں جو لوگ پھیلا رہے تھے۔ مزید برآں گورنر صاحبان امیر المومنین کو ٹھیک ٹھیک خیر خواہانہ مشورہ دیں۔[1]

مختلف شہروں کے گورنروں سے مشورے

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں کے درج ذیل گورنروں کو فوری طور پر بلا بھیجا: عبداللہ بن عامر، معاویہ بن ابی سفیان اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہم۔ ان کے علاوہ سابقہ گورنروں سعید بن عاص اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو بھی مشورے کے لیے بلایا۔ یہ میٹنگ خفیہ اور نہایت اہم تھی۔ اس میٹنگ میں مملکت اسلامیہ کے دار الخلافہ مدینہ تک پہنچنے والی مختلف خبروں کی روشنی میں مستقبل کا لائحہ عمل اور مملکت کو پیش آمدہ مسائل پر تبادلۂ خیال کیا گیا۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تمھارا بھلا کرے! یہ شکایات اور افواہوں کا معاملہ کیا ہے؟ اللہ کی قسم! مجھے خدشہ ہے کہ کہیں یہ تمھارے خلاف سچ ثابت نہ ہو جائیں اور اس کے نتیجے میں مجھی کو قصور وار ٹھہرایا جائے۔'' انھوں نے کہا: ''آپ نے تفتیشی ٹیمیں نہیں بھیجیں؟ کیا انھوں نے وہاں کی صورت حال نہیں بتائی کہ حالات معمول پر ہیں اور انھیں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آئی۔ اللہ کی قسم! یہ خبریں پھیلانے والے سچے نہیں ہیں۔

[1] عثمان بن عفان لعبد الستار الشیخ، ص: 212. [2] عثمان بن عفان لعبد الستار الشیخ، ص: 212.

نہ وہ راست باز معلوم ہوتے ہیں بلکہ ان باتوں کی کوئی بنیاد ہی نہیں، ہم کسی کو گرفتار کر کے اسے کسی بات کا ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتے، یہ سب باتیں افواہوں پر مبنی ہیں، ان کی بنا پر کسی کا مؤاخذہ نہیں ہوسکتا۔ نہ اس سے کوئی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''پھر مجھے مشورہ دو کہ کیا کیا جائے؟'' سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ خفیہ سازش ہورہی ہے اور باقاعدہ پلان کے تحت یہ بات ناسمجھ لوگوں تک پہنچائی جاتی ہے اور وہ آگے اس بات کو نشر کر دیتے ہیں اور مختلف محفلوں میں اس کی تشہیر کی جاتی ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''پھر اس کا علاج کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''ان لوگوں کو بلایا جائے اور جن کی طرف سے یہ افواہیں پھیلائی جاتی ہیں انھیں قتل کر دیا جائے۔'' سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر آپ ان لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں تو ان سے واجبات بھی وصول کریں۔ یہ بات انھیں آزاد چھوڑنے سے بہتر ہے۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ نے مجھے حاکم مقرر کیا۔ میں ایسے علاقے کا ذمہ دار ہوں جہاں کے باشندوں کی طرف سے آپ کو کوئی ناخوشگوار بات نہیں پہنچے گی۔ اور یہ دونوں حضرات اپنے علاقوں سے زیادہ واقف ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''پھر کیا رائے ہے؟'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ان کی بہتر تربیت کی جائے۔'' آپ نے فرمایا: ''عمرو! آپ کی کیا رائے ہے؟'' سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرے فہم کے مطابق آپ نے عوام کے ساتھ زیادہ نرمی کر رکھی ہے اور انھیں ڈھیلا چھوڑ دیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے زیادہ وظائف اور عطیات دینے شروع کر دیے ہیں، میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے دونوں پیش رووں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طریقے پر چلیں۔ جہاں سختی کا موقع ہو وہاں سختی کریں اور جہاں نرمی کی ضرورت ہو وہاں نرمی اختیار کریں کیونکہ جو لوگوں کے ساتھ بدخواہی کرنے اور سازشیں کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، اس کے ساتھ سختی کرنی چاہیے اور جو لوگوں کا خیر خواہ ہے، اس کے ساتھ نرمی کرنی چاہیے۔ مگر آپ نے دونوں

کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا ہے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سننے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: ''تم لوگوں نے جو مشورے دیے میں نے سن لیے ہیں۔ ہر کام انجام دینے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ وہ بات جس کا اس امت کو اندیشہ ہے ہو کر رہے گی۔ اس فتنے کا جو دروازہ بند ہے، اسے نرمی، موافقت اور اطاعت کے ذریعے ہی بند رکھنے کی کوشش کی جائے گی، البتہ حدود اللہ میں کسی قسم کی مداہنت نہیں ہوگی، ان کی بھرپور حفاظت کی جائے گی۔ اگر اس فتنے کو کسی چیز نے روکا ہوا ہے تو وہ نرمی ہے، تاہم فتنے کا دروازہ ضرور کھل کر رہے گا۔ میرے خلاف کسی کو انگشت نمائی کا کوئی حق نہیں کیونکہ اللہ جانتا ہے کہ میں نے اپنی اور لوگوں کی بھلائی کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ کی قسم! فتنہ و فساد کی چکی گردش میں آ کر رہے گی۔ عثمان کے لیے کیا ہی اچھا ہے کہ وہ اس کا باعث بننے سے پہلے ہی فوت ہو جائے۔ تم لوگوں کو روکو، ان کے حقوق ادا کرو، نیز ان سے درگزر کرو، البتہ اللہ کے حقوق میں مداہنت نہ کرو۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سختی والے مشورے کو قبول کرنے سے انکار کیا جبکہ اپنے پیش روؤں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے نقش قدم پر چلنے کے مشورے کو رد نہیں کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ فتنوں کی چکی گردش میں آنے والی ہے اس کا علاج سختی سے کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ سختی سے زیادہ فتنے پیدا ہوتے ہیں اور انھیں مزید ہوا ملتی ہے۔ امیر المومنین کسی صورت بھی ان کا آغاز کرنے والا نہیں بننا چاہتے۔ عثمان کے لیے خوش بختی ہوگی کہ وہ فتنوں کی آگ بھڑکنے سے پہلے ہی فوت ہو جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ واضح کر دیا کہ اللہ کی حدود کے بارے میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا، نہ ان کے نفاذ میں مداہنت اختیار کی جائے گی۔ جہاں تک باقی معاملات کا تعلق ہے تو ان میں نرمی اور عفو و درگزر ہی افضل اور اولیٰ ہے، اسے ہی اختیار کیا جائے گا اور لوگوں کے تمام حقوق کی پاسداری کی جائے گی۔[2]

[1] تاریخ الطبري: 351/5. [2] عمرو بن العاص للدکتور منیر الغضبان، ص: 447.

بعض روایات میں، جن کے راوی ضعیف اور مجہول ہیں، یہ تاثر دیا گیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے تعلقات خراب تھے۔ ان ساقط الاعتبار روایات میں ان دونوں حضرات کے باہمی تعلقات کو اس طرح مسخ کر کے دکھایا گیا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پہلے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا منصوبہ تیار کر کے انھیں شہید کیا اور پھر خود ہی ان کے خون کا مطالبہ شروع کر دیا۔ اس طرح کی تمام روایات اہل تاریخ اور محدثین کے نزدیک ضعیف اور مردود ہیں۔[1]

ایک غیر معتبر اور انتہائی ضعیف روایت میں ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے عثمان! تم بنو امیہ جیسے لوگوں کے ساتھ عوام پر بری طرح سوار ہو گئے ہو۔ جو کچھ تم نے کہا، وہی انھوں نے کہا۔ تم بھی راہ مستقیم سے ہٹ گئے اور وہ بھی راہ اعتدال پر باقی نہ رہے۔ تم اعتدال سے کام کرو، ورنہ خلافت سے دستبردار ہو جاؤ۔ اگر یہ بھی نہیں کرتے تو مصمم ارادہ کر کے آگے بڑھو۔''[2] اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میری رائے ہے کہ آپ انھیں فوجی مہموں میں مشغول رکھیں تاکہ ہر ایک اپنے کام میں اتنا مصروف ہو جائے کہ اسے افواہیں پھیلانے کی فرصت ہی نہ ملے۔''[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنروں کو ہدایت کی کہ وہ شور وغل کرنے والوں کو قید یا قتل وغیرہ جیسی سزا نہ دیں بلکہ ان کے ساتھ نرمی اور بھلائی کا معاملہ کریں۔[4] پھر گورنروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں اپنی ذمہ داریاں انجام دینے کے لیے چلے جائیں اور جو ہدایات انھیں دی گئی ہیں ان کی روشنی میں پیش آمدہ خطرات کا تدارک کریں۔[5]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی دو تجاویز اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قبول کرنے سے انکار: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شام جانے سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

[1] عمرو بن العاص للدكتور منير الغضبان، ص:448. [2] تاريخ الطبري:340/5. [3] تاريخ الطبري: 340/5. [4] خلافة عثمان للدكتور السلمي، ص: 77. [5] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص:151.

''امیر المومنین! حالات ساز گار نہیں ہیں۔ اس سے پہلے کہ حالات کنٹرول سے باہر ہو جائیں اور آپ ان پر قابو نہ پا سکیں، آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیں کیونکہ وہاں میرا مکمل کنٹرول ہے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا، چاہے میری گردن تن سے جدا ہو جائے۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''تب میں شام سے ایک فوجی دستہ آپ کی حفاظت کے لیے بھیج دیتا ہوں جو یہاں رہ کر متوقع خطرات سے نبٹ سکے اور ایمرجنسی کی صورت میں آپ کا اور اہل مدینہ کا دفاع کر سکے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''نہیں! اس سے یہاں کی معاشی صورت حال خراب ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ آبادی کے بڑھ جانے سے خوراک کے مسائل پیدا ہوں گے، اور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں اور مہاجرین و انصار کو ہرگز تنگ نہیں کرنا چاہتا۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''امیر المومنین! اللہ کی قسم! آپ پر اچانک حملہ ہوگا یا پھر آپ کو جنگ کرنا پڑے گی۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہی سب سے اچھا کارساز ہے۔''[1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے صورت حال کا جائزہ لے کر یہ بھانپ لیا کہ ان فتنوں کی پشت پناہی نہایت شرپسند عناصر کر رہے ہیں اور ان کے مقاصد نہایت گھناؤنے اور خطرناک ہیں۔ وہ کسی بھی صورت امیر المومنین کو شہید کرنے یا خلافت ختم کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے مختلف تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ آخری حد تک ان شرپسند عناصر کے ساتھ صلح کی کوشش کی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور لوگوں کے ہاں ان کے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ انھیں دنیا و آخرت میں رسوا کرے۔ یہ عظیم امام عادل کے صبر اور برداشت کا بہت بڑا مظاہرہ تھا۔[2]

شرپسندوں کی مدینہ آمد: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت باخبر اور محتاط تھے۔ انھوں نے شرپسندوں

[1] تاريخ الطبري: 5/353. [2] عثمان بن عفان لعبد الستار الشيخ، ص: 214.

کے حالات معلوم کرنے اور ان کے عزائم جاننے کے لیے دو ایسے مسلمانوں کی خدمات حاصل کیں جنھیں ماضی میں خلیفہ کی طرف سے، ان کی کسی غلطی کی وجہ سے، سزا مل چکی تھی۔ انھیں بھیجنے میں حکمت یہ تھی کہ چونکہ وہ سزا یافتہ ہیں، اس لیے شر پسند سمجھیں گے کہ یہ بھی ہمارے ساتھی ہیں اس طرح وہ انھیں راز کی بات بتا دیں گے۔ ایک شخص کا تعلق قبیلۂ مخزوم سے اور دوسرے کا تعلق قبیلۂ زہرہ سے تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ہدایت کی کہ تم دونوں معلوم کرو کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرو۔ یہ دونوں حضرات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تادیبی کارروائی کا شکار ہو چکے تھے، تاہم ان دونوں نے حق و صداقت کا احترام کرتے ہوئے امیر المومنین کی تادیب سے دل میں کوئی کینہ یا بغض نہیں رکھا۔ جب سبائیوں نے انھیں دیکھا تو ان سے کھود کرید کی اور انھیں اپنے مقاصد سے آگاہ کیا۔ ان دونوں نے پوچھا: ''مدینہ میں کون تمھارے ساتھ ہے؟'' وہ بولے: ''تین افراد ہیں۔'' ان دونوں نے کہا: ''ان سے کوئی عہد و پیمان ہوا ہے؟'' وہ کہنے لگے: ''نہیں۔'' پھر انھوں نے پوچھا: ''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' سبائیوں نے اپنی سازش کی تفصیل اور مستقبل کے منصوبے کی مکمل وضاحت کی اور کہا: ''ہم اسے، یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو چند باتیں یاد دلانا چاہتے ہیں جن کے بارے میں ہم لوگوں کو پہلے ہی بتا چکے ہیں اور وہ باتیں ہم نے لوگوں کے دلوں میں پختہ کر دی ہیں۔ پھر ہم واپس جا کر عوام کو بتائیں گے کہ ہم نے امیر المومنین کو یہ باتیں یاد دلائیں مگر انھوں نے ان کی تلافی نہیں کی۔ نہ توبہ کی۔ اس کے بعد ہم حاجیوں کی حیثیت سے آئیں گے اور ان کا محاصرہ کر کے انھیں معزول کر دیں گے۔ اگر انھوں نے خلافت چھوڑنے سے انکار کیا تو انھیں قتل کر دیں گے۔ کوئی تیسری صورت قبول نہیں کریں گے۔''

انھوں نے واپس آ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو صورت حال سے آگاہ کیا تو آپ ہنس پڑے۔ پھر فرمایا: ''اے اللہ! انھیں اس فتنہ پردازی سے بچا لے، اگر تو نے انھیں نہ بچایا تو

یہ لوگ بد بخت ٹھہریں گے۔'' آپ نے اہل بصرہ اور اہل کوفہ کو خط لکھے۔ بعد ازاں لوگوں کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور منبر کے بالکل قریب بیٹھ گئے۔ آپ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد ان فتنہ پرور لوگوں کے حالات سے انھیں آگاہ کیا اور ان کے عزائم بتائے کہ پہلے وہ بغاوت کریں گے اور پھر مجھ سے معزولی کا مطالبہ کریں گے اور انکار کرنے پر قتل کرنے کی کوشش کریں گے، دونوں مخبر کھڑے ہو گئے، انھوں نے شر پسندوں کی ساری صورت حال بتائی۔ اس پر تمام مسلمانوں کے متفقہ تاثرات یہ تھے کہ امیر المومنین انھیں قتل کر دیں کیونکہ وہ امیر المومنین کے خلاف بغاوت کرنا اور مسلمانوں میں انتشار پھیلانا چاہتے ہیں۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کرنے کی تجویز مسترد کر دی کیونکہ ظاہراً ان کا شمار مسلم رعایا ہی میں ہوتا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کسی قیمت بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ لوگ یہ کہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے مخالف مسلمانوں کو قتل کراتے ہیں، اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر ان کی تجویز کو رد کر دیا: ''ہم انھیں قتل نہیں کریں گے بلکہ انھیں معاف کرتے ہیں ہم ان سے درگزر کریں گے اور مقدور بھر انھیں سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ ہم کسی مسلمان کو اس وقت تک قتل نہیں کریں گے جب تک وہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرے جس کی سزا قتل ہے۔ اگر وہ ایسا جرم کریں گے تو ہم ضرور انھیں قتل کریں گے یا اگر وہ مرتد ہو جاتے ہیں تو ہم انھیں نہیں چھوڑیں گے۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سبائیوں پر اتمامِ حجت

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد مسجد کی کھلی کچہری لگائی۔ سبائیوں کو بلایا اور انھیں کہا کہ تمھارے جو شبہات یا اعتراضات ہیں بتاؤ، میری جو غلطیاں ہیں یا میں نے جن حدود سے تجاوز کیا ہے اور شریعت کی مخالفت کی ہے، ان سے آگاہ کرو۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے

[1] تاريخ الطبري:355,354/5.

انھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر مسلمانوں کے سامنے کھلم کھلا اعتراضات اٹھانے کی اجازت دی۔ سبائیوں نے اپنے اعتراضات پیش کیے۔ ان کے خیال کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جن غلطیوں کے مرتکب ہوئے تھے، ان کا بھی تذکرہ کیا۔ اس کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے اعتراضات کے جوابات دیے اور دلائل کے ذریعے اپنے موقف کی وضاحت کی کہ انھوں نے یہ کام کیوں اور کس لیے کیے ہیں۔ تمام منصف مزاج مسلمان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس کھلی کچہری اور مجلس محاسبہ کی گفتگو سن رہے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا۔ ان کے بیان کردہ واقعات کی حقیقت سے آگاہ فرمایا اور ثابت کر دیا کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے اقدامات نہایت قابل تعریف ہیں۔ مسجد میں موجود تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے موقف کی تائید کی اور آپ کی کارگزاریوں کی تحسین کی۔ [1]

یہاں ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جوابات کا اختصار سے تذکرہ کرتے ہیں:

❊ آپ نے فرمایا: ''ان کا اعتراض یہ ہے کہ میں نے سفر میں نماز پوری پڑھی ہے جبکہ مجھ سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ایسا نہیں کیا۔ سنو! میں نے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آکر پوری نماز پڑھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں میرے اہل وعیال ہیں اور میں مکہ مکرمہ میں مقیم ہوتا ہوں۔ مسافر نہیں۔ کیا بات اسی طرح نہیں ہے؟''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تصدیق کی: ''ہاں، اللہ کی قسم! اسی طرح ہے۔''

❊ آپ نے فرمایا: ''وہ کہتے ہیں کہ میں نے چراگاہوں کو محفوظ اور خاص کیا ہے (عام لوگوں کو ان کے استعمال سے روک دیا ہے) اور مسلمانوں پر تنگی کی ہے، نیز ایک وسیع وعریض رقبے کو اپنے اونٹوں کے چرنے کے لیے خاص کرلیا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ میرے برسر اقتدار آنے سے پہلے صدقہ اور جہاد کے اونٹوں کے لیے چراگاہ محفوظ تھی۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اسے خاص کیا۔ میں نے صرف اتنا

[1] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص:155,154.

کیا ہے کہ صدقہ اور جہاد کے اونٹ زیادہ ہونے کی وجہ سے اس میں توسیع کر دی ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ ہم غریب مسلمانوں کے اونٹوں کو وہاں چرنے سے نہیں روکتے۔ جہاں تک میری ذات کا مسئلہ ہے تو میں نے اپنے لیے کوئی چراگاہ محفوظ نہیں کی۔ یاد رکھو! جب میں برسر اقتدار آیا تو مسلمانوں میں سب سے زیادہ اونٹ اور بکریاں میرے پاس تھیں جو تمام کی تمام میں نے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں۔ اب میرے پاس کوئی بکری ہے نہ اونٹنی، کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف سواری کے لیے دو اونٹ ہیں جنھیں حج کے لیے جانے کی نیت سے رکھا ہوا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تصدیق کی: ''ہاں، اللہ کی قسم! اسی طرح ہے۔''

❋ آپ نے فرمایا: ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کئی مصاحف کی شکل میں تھا، میں نے اسے ایک مصحف میں کر دیا اور باقی تمام نسخوں کو جلا دیا ہے۔ سنو! قرآن یقیناً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اللہ کی طرف سے ہے اور ایک ہی ہے۔ میں نے صرف یہ کیا ہے کہ مسلمانوں کو ایک قرآن پر جمع کر دیا ہے اور انھیں اس سے اختلاف کرنے سے منع کیا ہے، میں اس معاملے میں اپنے پیش رو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تابع ہوں۔ انھوں نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا اور میں نے ایک قراءت پر مسلمانوں کو جمع کر دیا۔ کیا ایسا نہیں ہے؟'' تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تصدیق کی: ''اللہ کی قسم! یہی بات ہے۔''

❋ یہ لوگ کہتے ہیں: ''میں نے حکم بن ابی العاص کو طائف سے واپس بلا لیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طائف کی جانب جلا وطن کر دیا تھا۔ سنو! حکم مکہ کے رہنے والے ہیں، مدینہ کے باشندے نہیں ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مکہ سے جلا وطن کیا تھا اور پھر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے، راضی ہونے کے بعد، انھیں واپس بلا لیا تھا، لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے انھیں جلا وطن کیا اور آپ ہی نے انھیں واپس بلایا۔ کیا ایسا نہیں ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''بے شک اسی طرح ہے۔''

❊ یہ لوگ کہتے ہیں: ''میں نے کم سن اور نئے اسلام لانے والوں کو حاکم بنادیا ہے۔ میں نے قابل، پسندیدہ اور متحمل مزاج ہی کو حاکم بنایا ہے۔ یہ لوگ ان ذمہ داریوں کے اہل تھے۔ ان کے بارے میں تم ان کے علاقوں کے باشندوں اور رعایا سے دریافت کر سکتے ہو کہ وہ کس خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مجھ سے پہلے میرے پیش روؤں نے ان سے بھی زیادہ چھوٹے اور نئے اسلام لانے والوں کو حاکم مقرر کیا۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو سپہ سالار مقرر کیا، حالانکہ وہ میرے مقرر کردہ حکام سے بھی چھوٹے تھے اور باتیں کرنے والوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جتنی ہرزہ سرائی کی وہ میرے بارے میں کی گئی باتوں سے کہیں زیادہ تھی۔ کیا ایسا نہیں ہے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے تصدیق کی: ''اللہ کی قسم! یہی بات ہے۔ بلاشبہ یہ اعتراضات کرنے والے جو اعتراضات کرتے ہیں انھیں ثابت نہیں کر سکتے۔''

❊ یہ کہتے ہیں: ''میں نے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت سے خصوصی عطیہ دیا۔ میں نے انھیں مال غنیمت کے خمس میں سے پانچواں حصہ بطور انعام افریقیہ کی فتح پر ان کے جہادی کارناموں کا لحاظ رکھتے ہوئے دیا تھا جس کی مالیت بمشکل ایک لاکھ درہم بنتی ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ میں نے انھیں کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے افریقیہ تمھارے ہاتھ پر فتح کر دیا تو تمھیں خمس کا پانچواں حصہ بطور انعام دوں گا۔ اور میں نے یہ کوئی نیا کام نہیں کیا۔ مجھ سے پہلے سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ اس کے باوجود لشکر کے مجاہدین نے اعتراض کیا کہ ہمیں یہ بات ناپسند ہے کہ آپ انھیں خمس کا پانچواں حصہ دیں، اگرچہ یہ اعتراض کرنا ان کا حق نہیں تھا لیکن پھر بھی میں نے خمس کا پانچواں حصہ ان سے واپس لے کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح گویا ابن سعد رضی اللہ عنہ نے ایک روپیہ بھی زائد نہیں لیا۔ کیا یہ معاملہ اسی طرح نہیں ہے؟'' تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تصدیق کی: ''بالکل اسی طرح ہے۔''

❁ آپ نے فرمایا: ''یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے قرابت داروں سے محبت کرتا ہوں اور انھیں نوازتا ہوں۔ جہاں تک میری رشتہ داروں سے محبت کا تعلق ہے تو اس بنا پر میں کسی پر کوئی ظلم نہیں کرتا بلکہ میں ان کے حقوق ادا کرتا ہوں اور ان سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ہوں۔ جہاں تک انھیں عطیات دینے کا تعلق ہے تو وہ میں اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں، مسلمانوں کے مال سے نہیں دیتا کیونکہ مسلمانوں کا مال میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں نہ کسی اور کو دینا جائز خیال کرتا ہوں۔ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی اپنی ذاتی ملکیت سے خطیر رقم بطور عطیہ اور خیرات دیا کرتا تھا، حالانکہ میں ان دنوں جوان تھا اور مال کی تمنا اور حرص بھی زیادہ تھی۔ اب جبکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری عمر ختم ہو چکی ہے اور تمام سرمایہ اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کے لیے چھوڑے جا رہا ہوں تو اس زمانے میں ملحد مجھ پر باتیں بنائے جا رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے کسی شہر کا ضرورت سے بچ جانے والا مال بھی کبھی حاصل نہیں کیا جس کی وجہ سے لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع ملا ہو بلکہ میں زائد مال انھی شہروں میں تقسیم کرا دیتا ہوں، دارالخلافہ مدینہ منورہ میں صرف غنیمتوں کا خمس آتا ہے اور اس میں سے بھی میں نے اپنے لیے کبھی کوئی چیز روا نہیں رکھی، مسلمان ہی اس مال کو لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں اور مستحقین تک پہنچاتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے آج تک اس میں سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ میں صرف اپنے ذاتی مال سے گزر اوقات کرتا ہوں اور اسی میں سے اپنے عزیز و اقارب کو بھی دیتا ہوں۔''

❁ وہ کہتے ہیں: ''میں نے مفتوحہ زمینیں خاص لوگوں کو عطا کی ہیں۔ دیکھو! ان زمینوں کی فتح میں مہاجرین، انصار اور دیگر مجاہدین شریک تھے اور یہ زمینیں میں نے انھی فاتحین میں تقسیم کی ہیں۔ اب کچھ تو وہیں مقیم ہو گئے اور کچھ اپنے اہل و عیال کے پاس واپس آ گئے۔ اب ان کی زمینیں تو ساتھ منتقل نہیں ہوئیں مگر وہ ان کی ملکیت رہیں۔ ان میں سے بعض نے وہ زمینیں فروخت کر دیں۔ ان کی قیمت بھی انھی کے پاس تھی، میری ملکیت میں نہیں تھی۔''

اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب اعتراضات کا جواب دیا جو سبائیوں نے آپ پر اٹھائے تھے، آپ نے ان اعتراضات کی وضاحت کی اور اصل حقائق سے پردہ اٹھا دیا۔[1]

مذکورہ بالا گفتگو سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کس مستحکم طریقے سے اپنا دفاع کیا اور ناہنجار لوگوں کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر ان کی بے لگام تنقید کا کتنی شائستگی سے جواب دیا۔ سبائیوں نے جو غلط افواہیں پھیلا رکھی تھیں اور جن کی ترویج کے لیے وہ شام وسحر کوشاں تھے، آپ نے ان سب اعتراضات کا اجمالاً ذکر کرکے تسلی بخش جواب دیا اور حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے لوگوں پر ساری صورت حال واضح فرمائی کہ انھوں نے یہ کام کیوں کیے؟ کیسے کیے؟ آپ نے ثابت کیا کہ آپ کے پاس مبنی برصداقت قطعی دلائل موجود ہیں۔ لیکن سبائی خود غرض تھے۔ ان کے سامنے ایک تخریبی مقصد تھا۔ وہ راست روی نہیں چاہتے تھے نہ کوئی صحیح فیصلہ قبول کرنے کے لیے تیار تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ان کے ساتھ مباحثہ ایک ایسے مخلص اور نیک طینت شخص کے مباحثے کی طرح تھا جس کا فریق مخالف اس کے بام و در پر گردش ایام کا منتظر ہو اور اس کی لغزش کا انتظار کر رہا ہو کہ کب وہ کوئی غلطی کرے تو وہ اسے نشانہ بنائے اور اس پر کیچڑ اچھال کر لوگوں کو اس سے متنفر کرے۔ ایسا شخص دلیل سے کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ نہ کوئی برہان اسے راہ راست پر لاسکتی ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ راست پر لانے والا نہیں۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وضاحتی تقریر صحابہ کرام کی طرح فتنہ پرور لوگوں کے زعماء بھی منبر کے ایک طرف بیٹھے سن رہے تھے، عام مسلمان صالحین نے بھی یہ گفتگو توجہ سے سنی۔ مسلمان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سچائی اور توضیحات سن کر متاثر ہوئے، انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے کلام کی تصدیق کی اور ان کے دلوں میں سیدنا عثمان کے لیے محبت میں اضافہ ہوا جبکہ گروہ

[1] العواصم من القواصم لابن العربي، ص: 61-111، وتاريخ الطبري:356,355/5، والخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 158، و الفتنة لأحمد عرموش، ص: 10-14. [2] تاريخ الجدل لمحمد أبوزهرة، ص:99,98.

بندی اور فتنے کی دعوت دینے والے سبائی اس سے ذرا متاثر نہ ہوئے۔ نہ انھوں نے اپنے ناپاک ارادوں سے توبہ کی کیونکہ وہ حق کے متلاشی تھے نہ خیر میں رغبت رکھنے والے۔ ان کا مقصد صرف فتنہ برپا کرنا اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر مسلمانوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ ان سبائیوں کو، جو فتنہ گروں کے سرغنے ہیں، قتل کر دیجیے کیونکہ ان کا جھوٹ اور سازش ظاہر ہو چکی ہے۔ اور ان کا کینہ بھی کھل کر سامنے آچکا ہے۔ انھوں نے اصرار کیا کہ آپ ہر صورت انھیں قتل کر دیں اور مسلمان معاشرے کو اس ناسور سے بچائیں تاکہ مسلمانوں کے شہروں میں امن و اماں مستحکم ہو اور اس فتنے کی جڑ کاٹ دی جائے جسے آئے روز فتنہ گروں کے پیروکار مسلمانوں کے شہروں میں پھیلاتے رہتے ہیں۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس رائے کے برعکس دوسری رائے رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک اس کا حل نرمی تھی۔ انھوں نے ان شرپسندوں کو چھوڑنے اور قتل نہ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ فتنے کے واقع ہونے میں جس قدر تاخیر ممکن ہو سکے، اس کی بہر حال کوشش کی جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مصر، کوفہ اور بصرہ سے آئے ہوئے سبائیوں کے خلاف ان کے مقاصد علم میں آجانے کے باوجود کوئی ایکشن نہ لیا اور انھیں صحیح سلامت مدینہ سے رخصت ہونے اور اپنے شہروں میں جانے کی اجازت دے دی۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سبائیوں کے بعض مطالبات تسلیم کر لیے

سبائیوں نے بعض گورنروں کی تبدیلی اور ان کی جگہ اپنے من مانے گورنر تعینات کرنے کا مطالبہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی مرضی کے مطابق گورنر تبدیل کر دیے۔ اتنی بات ہی احقاق حق اور حجت قائم کرنے کے لیے کافی تھی بشرطیکہ اعتراضات درست ہوتے اور امور کو فطری طریقے سے حل کرنے کی کوشش کی جاتی لیکن حقیقتاً معاملہ اس کے برعکس تھا

[1] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 158-159.

کہ ان شکایات اور افواہوں کی آڑ میں دیگر مذموم مقاصد کا حصول پیش نظر تھا، جاہلی کینہ پروری مسلمانوں میں فتنہ بھڑکانے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں سرگرم عمل تھی۔ چنانچہ بالآخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق مظلوم خلیفہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا۔[1]

فتنوں سے نمٹنے کے عثمانی ضابطے

جو شخص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں پیدا ہونے والے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے عثمانی اقدامات پر غور کرتا ہے اس کے لیے بعض ایسے قواعد و ضوابط کا استنباط نہایت آسان ہو جاتا ہے جن کی روشنی میں ایک مسلمان فتنوں کا بخوبی مقابلہ کر سکتا ہے۔ ان میں سے چند ضوابط درج ذیل ہیں:

تحقیق و تفتیش: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں کی طرف تحقیقی کمیٹیاں روانہ کیں۔ وہاں کے باشندوں کی رائے لی اور کوشش کی کہ سبائیوں کی جاسوسی کر کے ان کے اصل اغراض و مقاصد اور حقیقی صورت حال سے آگاہی حاصل کریں۔ آپ نے ان پر حکم نافذ کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیا۔

عدل و انصاف کا التزام: آپ نے مختلف شہروں کے عوام کی طرف جو خطوط لکھے اور انھیں دعوت دی کہ جس کا کوئی مسئلہ ہو یا اس پر کسی گورنر نے زیادتی کی ہو یا گالی گلوچ کی ہو تو وہ حج کے موسم میں آئے اور جس طرح چاہے اپنا حق وصول کرے۔ میں یا میرا کوئی گورنر جس سزا کا مستحق ہوا وہ اسے قبول کرے گا۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے کس قدر بے لاگ عدل و انصاف کا التزام کیا۔[2]

حلم و بردباری اور ہوش مندی کا ثبوت: اس ضابطے کا اندازہ اس سے ہو جاتا ہے کہ

[1] خلافة عثمان للدكتور السلمي، ص: 78. [2] تاريخ الطبري: 349/5.

جب اہل کوفہ نے آپ سے سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے اور ان کی جگہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا تقرر کرانا چاہا تو آپ نے اہل کوفہ کو لکھا: ''اللہ کی قسم! میں تمھارے لیے اپنی عزت بھی قربان کر دوں گا۔ جہاں تک ہو سکا صبر سے کام لوں گا۔ تمھاری اصلاح کی ہر ممکن کوشش کروں گا اور تم جو مطالبہ کرو گے، پورا کروں گا، جب تک اس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی نہ ہو اور جسے تم ناپسند کرو گے اس پر تمھیں ہرگز مجبور نہیں کروں گا، ہاں اگر اس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت ہوگی تو پھر کسی صورت تسلیم نہیں کروں گا۔''[1]

اتفاق و اتحاد کی کوشش اور انتشار سے اجتناب: اسی جذبے کے پیش نظر آپ نے لوگوں کو ایک مصحف پر اکٹھا کیا۔ اسی طرح جب اشتر نخعی نے آپ کو دھمکی دی اور تین مطالبے کیے، جن کی تفصیل آئندہ آئے گی، تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر تم نے مجھے قتل کیا تو میں کسی ایسے فعل کا مرتکب نہیں ہوا ہوں جس سے میرا قتل واجب ٹھہرتا ہو۔ اللہ کی قسم! مجھے قتل کرنے کے بعد تم کبھی باہمی محبت سے نہیں رہ سکو گے، میرے بعد کبھی اکٹھے ہو سکو گے نہ یک جان ہو کر دشمن سے لڑ سکو گے۔[2]

کثرت کلام سے پرہیز: فتنوں کے دور میں کثرت کلام سے گریز کرنا چاہیے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نہایت کم گو تھے۔ نفع بخش علم کی کوئی بات ہوتی تو گفتگو کرتے تھے یا کوئی نصیحت و حکم دینا ہوتا تو کلام کرتے یا باطل الزامات کی تردید کے لیے زبان کھولتے تھے۔ آپ بہت خاموش طبع اور کم گو انسان تھے۔

علمائے ربانی سے مشورہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ علماء صحابۂ کرام، جیسے سیدنا علی، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا محمد بن مسلمہ، سیدنا ابن عمر اور سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات سے مشاورت کرتے تھے۔ کیونکہ علماء ہی امن کے رکھوالے اور فتنوں کا سدباب کرنے والے ہیں۔ کٹھن حالات اور حیران کن فتنوں میں انھی کا سہارا لیا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ ایسے

[1] تاریخ الطبري:343/5. [2] البداية والنهاية:184/7.

حالات کی حقیقت سے آگاہ ہوتے ہیں اور انجام کار پر نظر رکھتے ہیں۔ پس جو ایسے حالات میں ان سے رہنمائی لے گا وہ صحیح نظر وفکر اور واضح شرعی موقف تک پہنچ جائے گا۔[1]

فتنوں کے سدباب کے لیے رسول اکرم ﷺ کی احادیث سے رہنمائی: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فتنوں کے دور میں خارجیوں اور سبائیوں کے بارے میں جذباتی موقف اختیار نہیں کیا۔ نہ بغاوت کرنے والوں کی سرکشی دیکھ کر آپ نے کوئی لائحۂ عمل تیار کیا بلکہ آپ کا موقف چراغ نبوت کی کرنوں سے منور تھا۔ جس طرح رسول اکرم ﷺ نے انھیں صبر کرنے، اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھنے اور کسی صورت قتال نہ کرنے کا حکم دیا تھا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے من وعن تسلیم کیا اور رسول اکرم ﷺ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا۔ رسول اکرم ﷺ نے ان سے جو عہد لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں خلافت کی خلعت پہنائے گا۔ لوگ اسے اتارنا چاہیں گے تم ہرگز نہ اتارنا۔[2] آپ نے زندگی کے آخری سانس تک اس عہد کو نبھایا یہاں تک کہ اپنے پاکیزہ خون میں لت پت ہو کر شہید ہو گئے۔[3]

محبّ الدین خطیب کا بیان ہے: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنا دفاع نہ کرنے اور خود کو تقدیر الٰہی کے سپرد کرنے کے احوال سے متعلق وارد تمام دلائل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فتنے کو ناپسند کرتے تھے، اس لیے مزاحمت سے اجتناب کرتے رہے۔ آپ مسلمانوں کا خون نہیں بہانا چاہتے تھے۔ اس بارے میں اللہ سے ڈرتے تھے، البتہ آخری وقت میں آپ کی یہ خواہش ضرور تھی کہ ان کے پاس اتنی افرادی قوت ہوتی تو اچھا تھا کہ باغی اس سے خوف زدہ ہو کر اپنے ناپاک ارادوں سے باز آجاتے۔ اس طرح اسلحہ کے استعمال کی ضرورت بھی پیش نہ آتی حالانکہ حالات اس قدر سنگین ہونے سے پہلے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ پیشکش کی تھی کہ وہ شام سے ان کے لیے دفاعی فوج بھیج دیتے ہیں

[1] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 728. [2] جامع الترمذي، حديث: 3705. [3] استشهاد عثمان و وقعة الجمل للدكتور خالد الغيث، ص: 116.

جو ان کے اشاروں پر کام کرے گی۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پیش کش اس لیے قبول نہیں کی کہ اس طرح دارِ ہجرت مدینہ منورہ کے باشندے آبادی میں اضافے اور معاشی دباؤ بڑھنے سے پریشان ہوں گے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ اندازہ نہ تھا کہ صورت حال اس قدر بگڑ جائے گی کہ اسلام کا دعویدار ایک گروہ اولین ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے خلیفہ پر ٹوٹ پڑے گا۔

جب باغیوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا تو انھیں یقین ہو گیا کہ اب دفاع کئی جانوں کے خون کا نذرانہ پیش کیے بغیر ناممکن ہے، اس لیے انھوں نے اپنے پیروکاروں اور اطاعت پر قائم لوگوں سے مطالبہ کیا کہ وہ ان سنگین حالات میں اپنے ہاتھ اور اسلحہ روک کر رکھیں۔ کسی قسم کا کوئی جوابی اقدام نہ کریں۔ آپ کے دوستوں اور دشمنوں کی لکھی ہوئی کتابوں میں نقل کیے گئے بعض واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر باغیوں کے خلاف میدان میں بھرپور، منظّم اور بارعب افرادی قوت موجود ہوتی جو انھیں ڈیڈ لائن دیتی کہ اس سے تجاوز کرنے پر ان کا قلع قمع کر دیا جائے گا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خوشی محسوس کرتے، ورنہ اس بات سے تو وہ پہلے ہی مطمئن تھے کہ انھیں شہادت کی موت نصیب ہوگی۔[1]

فتنہ پروروں کا مدینہ منورہ پر قبضہ

اہل فتنہ نے اپنے منصوبے کو حتمی شکل دینے کے لیے باہم طے کیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر مدینہ منورہ ہی میں چڑھائی کر دی جائے اور انھیں مجبور کیا جائے کہ وہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ اگر وہ انکار کریں تو انھیں قتل کر دیا جائے۔ اس کے لیے انھوں نے فیصلہ کیا کہ حج کے موسم میں تینوں مراکز، مصر، کوفہ اور بصرہ سے مدینہ کا رخ کیا جائے۔ اور حج کا ارادہ رکھنے والوں کے ساتھ ہی شہروں سے نکلا جائے اور حاجیوں ہی کا روپ دھارا جائے۔

(1) العواصم من القواصم لابن العربي، ص: 138.

لوگوں کو یہی باور کروایا جائے کہ وہ حج کے لیے جا رہے ہیں۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچیں تو حاجیوں سے جدا ہو کر وہیں رک جائیں، حجاج مناسک حج ادا کرنے کے لیے مکہ چلے جائیں گے۔ مدینہ کے بھی اکثر باشندے حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ جا چکے ہوں گے۔ مدینہ خالی ہوگا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عثمان (رضی اللہ عنہ) کا محاصرہ کر کے انھیں معزول ہونے پر مجبور کیا جائے۔ وہ انکار کریں تو انھیں قتل کر دیا جائے۔[1]

شوال 35ھ کو فتنہ گر مدینہ منورہ کے گرد و نواح جمع تھے۔[2] انھوں نے طریقۂ واردات یہ اختیار کیا کہ مصر سے وہ چار ٹولیوں میں نکلے، ہر گروہ کا ایک سردار تھا، پھر ان سب کا ایک سردار تھا اور ان کے ساتھ ان کا شیطان اعظم عبداللہ بن سبا بھی تھا۔

چاروں گروہوں کے سرداروں کے نام یہ ہیں: عبدالرحمٰن بن عدیس بلوی، کنانہ بن بشر تجیبی، سودان بن حمران سکونی، قتیرہ بن فلان سکونی ان چاروں غنڈوں کا سردار غافقی بن حرب عکی تھا۔ ان چاروں گروہوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔

کوفہ سے بھی ایک ہزار شر پسند چار گروہوں میں نکلے۔ ان گروہوں کے سردار، زید بن صوحان عبدی، اشتر نخعی، زیاد بن نضر حارثی اور عبداللہ بن اصم تھے اور ان سب کا رئیس عمرو بن اصم تھا۔

بصرہ سے بھی ایک ہزار سرکش چار گروہوں میں تقسیم ہو کر نکلے۔ ان چاروں گروہوں کے سرغنے یہ تھے: حکیم بن جبلہ عبدی، ذریح بن عباد عبدی، بشر بن شریح قیسی اور ابن محرش ابن عبدالحنفی، ان سب کا سربراہ حرقوص بن زہیر سعدی تھا۔ ابن سبا ان کے ساتھ خوش و خرم جا رہا تھا کیونکہ اس کا شیطانی منصوبہ اسے کامیاب ہوتا نظر آ رہا تھا۔

مصر سے نکلنے والے باغیوں کا اعلان یہ تھا کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ہونا چاہیے۔ کوفہ کے فتنہ پرور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کرتے ہوئے آ رہے

[1] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 159. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 159.

تھے، جبکہ بصرہ کے شرپسند سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر کر رہے تھے۔[1]

اس سارے پروپیگنڈے کا مقصد یہ باور کرانا تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس مسئلے میں ان سے ہم آہنگ ہیں تاکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں پھوٹ پڑ جائے۔ امام آجری اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کو ان فرقوں سے دور رکھا، ان شرپسندوں کے ساتھ ان جلیل القدر ہستیوں کا کوئی تعلق نہ تھا۔ شرپسندوں نے ان کا نام لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں انتشار پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کو اس سازش میں شریک ہونے سے محفوظ رکھا۔''[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کی آمد کی خبر ہوگئی، آپ اس وقت مدینہ منورہ سے باہر ایک بستی میں تھے۔ جب فتنہ گروں کو معلوم ہوا کہ آپ وہاں ہیں تو انھوں نے ادھر کا رخ کیا۔ وہاں وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے۔ روایات میں اس بستی کے نام کی صراحت نہیں کی گئی۔ مدائنی نے ان کی آمد کا وقت ذوالقعدہ میں بدھ کی رات بتایا ہے۔[3]

سب سے پہلے مصری باغی ٹولہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ ان لوگوں نے آپ سے کہا: ''مصحف منگوائیے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف منگوایا تو وہ کہنے لگے: ''سابعہ کھولیے۔'' وہ سورۂ یونس کو سابعہ کہتے تھے۔ آپ نے سورۂ یونس کی تلاوت شروع کی۔ جب درج ذیل آیت پر پہنچے۔

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ ﴾

''کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو، اللہ نے تمھارے لیے جو رزق نازل کیا، پھر تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال ٹھہرالیا۔ کہہ دیجیے: کیا اللہ نے تمھیں (یہ) حکم دیا

(1) تاريخ الطبري: 357/5. (2) استشهاد عثمان ووقعة الجمل للدكتور خالد الغيث، ص: 118.
(3) فتنة مقتل عثمان للدكتور محمد عبد الله الغبان: 127/1.

ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو؟''[1]

تو انھوں نے کہا: ''رکیے اور غور کیجیے! آپ نے جو چراگاہ خاص کی ہے؟ کیا اللہ نے اس کا حکم دیا ہے یا آپ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''آگے چلو۔ اس کی شان نزول تو یہ ہے۔ اور جہاں تک چراگاہ کو خاص کرنے کا تعلق ہے تو مجھ سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صدقے کے اونٹوں کے لیے اسے خاص کیا تھا۔ جب میں برسراقتدار آیا تو صدقے کے اونٹوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ اس وجہ سے لامحالہ چراگاہ کا رقبہ بھی بڑھانا پڑا۔'' وہ ایک ایک آیت پڑھ کر آپ پر اعتراض کرتے رہے۔ آپ اس کا جواب دیتے رہے کہ آگے چلو یہ فلاں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ بالآخر وہ مطمئن ہوگئے۔ انھوں نے آپ پر اعتماد کا اظہار کیا اور آپ کے سامنے چند شرائط رکھیں۔ آپ نے انھیں پورا کرنے کا عہد کیا۔ آپ نے ان سے یہ عہد لیا کہ وہ کبھی نافرمانی اور بغاوت نہیں کریں گے اور جب تک خلیفہ ان کی شرائط کی پابندی کرے گا وہ مسلمانوں کی جماعت سے جدا نہیں ہوں گے۔ بعد ازاں وہ خوش وخرم واپس چلے گئے۔[2]

شرپسندوں سے مذاکرات کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روانگی: شرپسندوں کا یہ ٹولہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ڈیڑھ ماہ پہلے مقام ذی مروہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے مذاکرات کرنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ایک اور آدمی کو بھیجا، دوسرے آدمی کا نام نہیں بتایا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''تم کتاب اللہ کی پیروی کرو۔ تمھیں ہر ملامت وخفگی سے خوش کر دیا جائے گا۔''

وہ اس بات سے متفق ہوگئے۔''[3]

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے نہایت سخت رویہ اختیار کیا۔ دو تین بار تلخ کلامی

[1] یونس 59:10. [2] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد اللہ الغبان: 128/1. [3] تاریخ دمشق ترجمة عثمان، ص: 328، و تاریخ خلیفة بن خیاط، ص: 169، 170.

ہوئی، پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد ہیں۔امیر المومنین کے قاصد ہیں اور کتاب اللہ کو پیش کر رہے ہیں۔لہٰذا ان کی بات نہ ماننا غیر مناسب ہے۔پس انھوں نے ان کی بات مان لی۔[1] اور درج ذیل پانچ شرائط پر صلح کر لی:

- جلا وطن افراد کو واپس آنے کی اجازت دی جائے۔
- جن کے وظائف بند ہیں، ان کے وظائف جاری کیے جائیں۔
- مال فے عام کیا جائے۔
- تقسیم مال میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔
- امانت دار اور باصلاحیت افراد گورنر مقرر کیے جائیں۔

ان شرائط کو انھوں نے ایک وثیقے کی شکل دی۔ان شرائط صلح میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بصرہ کا گورنر مقرر کیا جائے اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بدستور کوفہ کا گورنر رہنے دیا جائے۔اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر وفد کے ساتھ مصالحت کی اور تمام وفود اپنے اپنے علاقوں کی طرف واپس روانہ ہوگئے۔[2]

اہلِ مصر کے وفد کو قتل کرنے کا جعلی حکم نامہ: جب تمام وفود کے ساتھ صلح ہوگئی اور وہ سب راضی خوشی اپنے اپنے گھروں کو پلٹ گئے تو فتنوں کی آگ بھڑکانے والوں کو اپنا منصوبہ ناکام ہوتا نظر آیا۔وہ سمجھ گئے کہ ان کے گھٹیا عزائم کی تکمیل اس طرح ناممکن ہے۔ اگر اب کی بار ان کی کوشش ناکام ہوگئی تو دوبارہ کامیابی ممکن نہیں ہوگی، لہٰذا انھوں نے فوراً ہی دوسرا ایسا منصوبہ تشکیل دیا جس سے فتنے کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور مختلف شہروں کے ٹولوں کے مابین ہونے والی صلح کا فیصلہ کالعدم قرار پایا۔وہ منصوبہ اس طرح سامنے آیا:

[1] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ، للدكتور محمد عبد الله الغبان: 129/1. [2] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 129/1.

اہل مصر نے واپسی پر ایک اونٹ سوار شخص دیکھا جو کبھی ان کے قافلے میں شامل ہو جاتا اور کبھی ان سے جدا ہو جاتا اور یہ ظاہر کرتا کہ وہ ان سے کنی کترا کر بھاگنا چاہتا ہے۔ گویا وہ خود دعوت دے رہا تھا کہ مجھے پکڑ لو۔ انھوں نے اسے پکڑ لیا۔ اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ تو اس نے کہا: میں امیر المومنین کا قاصد ہوں اور مصر کے عامل کی طرف امیر المومنین کا پیغام لے کر جا رہا ہوں۔'' انھوں نے اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس ایک خط پایا جو امیر المومنین کی طرف سے مصر کے عامل کے نام تھا۔ اس پر امیر المومنین کی مہر بھی ثبت تھی۔ انھوں نے خط کھول کر پڑھا۔ اس میں مصر کے عامل کو لکھا گیا تھا کہ یہ شرپسند جونہی پہنچیں انھیں سولی پر لٹکا دینا یا قتل کر دینا یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت کاٹ دینا۔ یہ دیکھ کر مصری قافلہ دوبارہ مدینہ آ گیا۔ (1)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس خط سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''میں نے یہ خط نہیں لکھا۔ تم اس پر دو گواہ پیش کرو یا مجھ سے اللہ کی قسم لے لو کہ میں نے یہ لکھا نہ املا کرایا نہ مجھے اس کا علم ہے۔ بسا اوقات جعلی خط لکھ کر بھی کسی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور مہر بھی دو نمبر بن سکتی ہے۔ لیکن انھوں نے آپ کی بات کی تصدیق سے انکار کر دیا۔'' (2)

یہ وہ خط تھا جسے بنیاد بنا کر ان سرکشوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور کہا کہ اس خط پر ان کی مہر تھی اور اس خط کو لے جانے والا آپ کا ایک غلام تھا جو صدقے کے اونٹ پر سوار تھا اور مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے نام یہ حکم لے کر جا رہا تھا کہ ان سب باغیوں کو قتل کر دو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ خط جھوٹ کا پلندہ تھا جسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا۔ اس خط کے جھوٹ ہونے کی وجوہ درج ذیل ہیں:

(1) تاریخ الطبري: 379/5. (2) فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 132/5، والبداية والنهاية: 197/7.

❁ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ خط لے جانے والا مصریوں کے اس قافلے سے چھیڑ خوانی کرتا رہا۔ کبھی ان میں شامل ہو جاتا اور کبھی جدا ہو جاتا۔ اس طرح وہ خود اپنے آپ کو مشکوک بنا کر پیش کر رہا تھا کہ میرے پاس تمھارے کام کی ایک چیز ہے وہ لے لو۔ اگر یہ شخص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوتا تو اس قافلے کے قریب بھی نہ پھٹکتا بلکہ ان سے بچ بچا کر جلد از جلد مصر کے گورنر کے پاس جاتا تاکہ انھیں صورت حال سے آگاہ کرے اور وہ برموقع کارروائی کر سکیں۔

❁ اس خط کے خود ساختہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عراقیوں کو اس خط کے بارے میں کیسے معلوم ہوا، جبکہ وہ اہل مصر سے الگ ہو کر اپنے شہروں کا رخ کر چکے تھے اور ان کے مابین میلوں مسافت تھی۔ عراقی مدینہ سے مشرق میں تھے جبکہ مصری مدینہ سے مغرب میں۔ اس کے باوجود دونوں گروہ یک لخت مدینہ آ گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی طے شدہ سوچی سمجھی سازش تھی کہ جن لوگوں نے بھاڑے کا ایک ٹٹو اہل مصر کے قافلے کی طرف روانہ کیا وہ یہ ظاہر کرے کہ وہ کوئی خط لے کر جا رہا ہے اور مصریوں کے سامنے ایسا ڈرامہ کرے کہ وہ اسے پکڑ لیں، انھوں نے اپنے ایک دوسرے گماشتے کو اہل عراق کی طرف روانہ کر دیا کہ وہ انھیں قتل کے حکم نامے والے مزعومہ خط کی داستان سنائے، اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تھا:

> ''اے بصرے اور کوفے والو! تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ مصریوں نے اس طرح کا خط پکڑا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے منصوبے کے مطابق یونہی تھوڑا سا چل کر پھر واپس آ گئے ہو۔''[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی یا: ''اللہ کی قسم! یہ سارا منصوبہ مدینہ میں بنایا گیا ہے۔''[2]

❁ اس خط کے جھوٹ ہونے کی تیسری دلیل یہ ہے کہ خارجیوں کی سرکشی اور ان کے مدینہ

[1] تاریخ الطبري: 359/5. [2] تاریخ الطبري: 359/5.

آنے کے بعد مصر کے معاملات خراب ہوگئے۔ محمد بن ابی حذیفہ نے وہاں کا کنٹرول سنبھال لیا تو ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ منورہ آنے کی اجازت طلب کی اور اپنا قاصد روانہ کیا۔ یہ قاصد مدینہ پہنچ چکا تھا اور ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ وہاں سے عریش اور فلسطین سے ہوتے ہوئے عقبہ پہنچ چکے تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے وہاں سے روانہ ہونے کی خبر تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مل چکی تھی پھر وہ خط کس طرح لکھ سکتے تھے؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ خط سراسر جھوٹ اور جعل سازی پر مبنی تھا۔

❊ اس خط کے باطل ہونے کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے محاصرے کے وقت تو ان سرکشوں کو قتل نہ کیا، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے دفاع کی اجازت دی، نہ خارجیوں سے جنگ کی اجازت دی، تو آپ اس وقت اس طرح کا خط کیسے لکھ سکتے تھے جبکہ فتنہ گر توبہ کر کے اپنے مذموم عزائم سے دستبردار ہو کر وہاں سے جا چکے تھے۔

❊ سرکشوں کے چلے جانے کے بعد حکیم بن جبلہ اور اشتر نخعی کا مدینہ منورہ میں ٹھہرنا معنی خیز بات تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کارستانی ان دونوں ہی کی تھی۔ ورنہ ان کا مدینہ میں پیچھے رہ جانے کا کوئی جواز نہ تھا۔ وہ یقیناً اپنے ناپاک مقاصد ہی کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے اور صلح کے ٹوٹ جانے ہی میں ان کا مفاد تھا۔[1] غالب امکان ہے کہ ایسا عبداللہ بن سبا کے حکم سے ہوا ہو، کیونکہ صلح کے ٹوٹنے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا کوئی مفاد نہ تھا نہ مروان بن حکم کی اس میں کوئی مصلحت تھی۔ جو لوگ مروان پر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے یہ خط لکھا تھا، وہ صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خلیفہ اپنی ذمہ داریوں سے اس قدر غافل تھے کہ انھیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کوئی شخص ناجائز طور پر ان کی مہر استعمال کر رہا ہے اور ایوان خلافت میں معاملات اس طرح طے پا جاتے ہیں جن کا خلیفہ کو سرے سے علم ہی نہیں ہوتا۔ اس طرح وہ ان بدمعاشوں، مجرموں اور غداروں کو بری ظاہر کرتے ہیں۔ اگر

[1] عثمان بن عفان لعبد الستار الشیخ، ص: 227.

مروان نے یہ خط لکھا ہوتا تو وہ اپنے قاصد کو یقیناً تاکید کرتا کہ ان فتنہ پردازوں سے دور رہنا۔ راستے میں ان سے کوئی تعرض نہ کرنا مبادا وہ تجھے پکڑ لیں۔ بہ الفاظ دیگر اس کا مطلب تو یہ ہے کہ مروان بھی خفیہ طور پر ان سرکشوں سے ملا ہوا تھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش میں شریک تھا۔ یہ بات محال اور بعید از قیاس ہے۔

❁ یہ جعلی خط کا معاملہ اپنی نوعیت کا کوئی پہلا واقعہ نہ تھا۔ یہ اہل باطل کے پرانے حربوں میں سے ایک حربہ ہے۔ شرپسندوں نے اس سے پہلے امہات المومنین کی طرف، سیدنا علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف بھی جعلی خطوط منسوب کیے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر اسی طرح کا جھوٹ باندھا گیا کہ انھوں نے لوگوں کو خط لکھا کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کریں۔ انھوں نے اس کا انکار کرتے ہوئے فرمایا: ''ہرگز نہیں، اس اللہ کی قسم جس پر مومن ایمان لائے ہیں اور کافروں نے کفر کیا ہے! میں جب سے یہاں ہوں میں نے تو انھیں کوئی کورا کاغذ بھی نہیں بھیجا۔'' [1]

اعمش ان کا مؤاخذہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ خط سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے لکھا گیا ہے۔ [2] واپس آنے والوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مورد الزام ٹھہرایا کہ آپ ہی نے تو ہمیں مدینہ واپس آنے کے لیے خط لکھا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا اور قسم کھا کر فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں نے تو تمھیں کوئی خط نہیں لکھا۔'' [3]

اسی طرح انھوں نے اور بھی کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ جھوٹی بات منسوب کی کہ انھوں نے مختلف شہروں کے لوگوں کو مدینہ آنے کی دعوت دی ہے اور لکھا ہے کہ دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بگاڑ آ چکا ہے، لوگوں نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ اب مدینہ منورہ میں جہاد کرنا دور دراز سرحدوں کی حفاظت سے بہتر ہے۔ [4]

[1] تحقیق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:334/1. [2] تاريخ خليفة بن خياط، ص: 169. [3] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:335/1. [4] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:335/1.

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کا یوں رد کیا ہے: ''یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر صریحاً اتہام اور واضح جھوٹ ہے، شر پسندوں نے جعلی خط لکھ کر ان کی طرف منسوب کیے۔ قاتلین عثمان خارجیوں کے نام سیدنا علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف سے جعلی خطوط تیار کیے گئے جن سے انھوں نے براءت کا اظہار کیا۔ اسی طرح یہ جعلی خط بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا۔ اس خط کے لکھنے کا آپ نے حکم دیا نہ آپ کو اس کے بارے میں کوئی علم تھا۔''[1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے کلام کی تائید طبری اور خلیفہ بن خیاط کی ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں ان کبار صحابہ: سیدنا علی، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کا صریح انکار موجود ہے کہ انھوں نے ایسا کوئی خط نہیں لکھا۔ یہ ان کتابوں کی صحیح ترین روایات ہیں۔[2]

بلاشبہ جن مجرم ہاتھوں نے جھوٹے خطوط کی جعل سازی کر کے اسے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کیا، وہ شروع سے لے کر آخر تک فتنوں کی آگ بھڑکانے والوں ہی کی کارستانی تھی، انھی لوگوں نے یہ لمبا چوڑا فساد برپا کیا۔ جھوٹی باتیں گھڑ گھڑ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے منسوب کیں اور معاشرے میں پھیلائیں کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) نے یہ کر دیا۔ عثمان (رضی اللہ عنہ) نے وہ کر دیا۔ بازاری لوگوں نے اسے سچ سمجھ لیا۔ بالآخر ایک جعلی خط لکھ کر اسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے سر منڈھ دیا تاکہ وہ شہادت کے مرتبے پر فائز ہو کر اپنے رب کے پاس چلے جائیں۔

اس یہودی سبائی سازش کے تحت صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی ذات پر ظلم نہیں ڈھایا گیا بلکہ اس کے ذریعے اسلام کو بھی نقصان پہنچایا گیا، تاریخ اسلام کا حلیہ بگاڑ دیا گیا اور آئندہ آنے والی مسلمان نسل پر یہ ظلم کیا گیا کہ انھی کی تاریخ ان کے روبرو مسخ کر کے پیش کی گئی۔

لہٰذا ضروری ہے کہ مسلمان اپنی صحیح تاریخ سے آگاہی حاصل کریں اور اپنی تاریخ

[1] البداية والنهاية: 175/7. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 335/1.

کے عظیم لوگوں کی بے مثال قربانیوں اور درخشاں کردار سے مجاہدانہ زندگی کا سبق سیکھیں۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ اس دور کے مسلمان مؤرخین اللہ سے ڈریں اور ان معصوم اور بے گناہوں کی روحوں کو اپنے قلم سے مجروح کرنے سے پہلے حقائق کی چھان بین کرلیں تاکہ وہ بھی دوسروں کی طرح اندھا دُھند غلطی پر غلطی نہ کرتے چلے جائیں؟ [1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ۔ فتنہ پروروں کے سرغنے کے پیچھے نماز ادا کرتے رہنے کی ہدایت

صحیح روایات میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ملتی کہ محاصرہ کس طرح شروع ہوا اوراس کی ابتدائی شکل کیا تھی، البتہ اس سے پیشتر رونما ہونے والے واقعات سے اس کی ابتدائی حالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہوا یوں کہ ایک روز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کو وعظ فرمارہے تھے۔ اچانک مجلس میں سے ''اعین'' نامی ایک شخص اٹھا۔ اس نے آپ کی بات کاٹتے ہوئے کہا: ''اے نعثل! (عرب تنقیص کے لیے یہ کلمہ بولتے ہیں) تو نے دین کو بدل دیا ہے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' لوگوں نے بتایا: ''یہ اعین ہے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اصل حقیقت یہ ہے کہ تم بدل گئے ہو۔'' یہ سن کر لوگ اعین پر ٹوٹ پڑے بالآخر بنولیث کے ایک شخص نے لوگوں کی منت سماجت کر کے اس کی جان بچائی اور اسے گھر لے گیا۔ [2] باغیوں کی دوبارہ واپسی اورمحاصرہ ہونے سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز کے لیے تشریف لاتے تھے اور کوئی ملنا چاہتا تو اسے بھی کھلے عام ملنے کی اجازت تھی، پھر آپ کو گھر سے نکلنے سے روک دیا گیا، یہاں تک کہ باغیوں نے آپ کو فرض نمازوں کی ادائیگی کے لیے بھی مسجد میں آنے کی اجازت نہیں دی۔ [3]

(1) عثمان بن عفان لعبد الستار الشیخ، ص:229,228. (2) فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد اللّٰه الغبان:143/1، و تاریخ دمشق ترجمة عثمان، ص:247، إسناده حسن. (3) تاریخ دمشق ترجمة عثمان رضی اللہ عنہ، ص:342,341، إسناده حسن.

محاصرہ کرنے والوں میں سے ایک شرپسند شخص لوگوں کو نماز پڑھاتا تھا۔ عبیداللہ بن عدی بن خیار نے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہ سمجھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں مشورہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے پیچھے نماز پڑھتے رہو، مزید فرمایا کہ نماز ان لوگوں کے اچھے اعمال میں سے ہے۔ جب یہ لوگ اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ مل کر اچھا کام کرو اور جب برائی کریں تو اس میں ان کا ساتھ نہ دو۔[1]

بعض ضعیف روایات میں ہے کہ نماز پڑھانے والا ان کا سرغنہ غافقی بن حرب عکی (مصری) تھا۔[2]

اسی طرح واقدی کی بیان کردہ وہ روایت بھی غیر معتبر ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کے بعد ابتدائی ایام میں نماز پڑھائی، پھر عید کی نماز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور بعدازاں وہی نماز پڑھاتے رہے۔[3] اس روایت کے ضعیف ہونے کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر سیدنا علی یا سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہما لوگوں کو نماز پڑھاتے تو عبیداللہ بن عدی بن خیار کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔[4]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور محاصرہ کرنے والوں کے مابین مذاکرات

جب باغیوں نے آپ کے گھر کو پوری طرح گھیرے میں لے لیا تو انھوں نے آپ سے خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ کیا اور دھمکی دی کہ اگر آپ دستبردار نہ ہوئے تو آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔[5] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دستبردار ہونے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: «لَا أَخْلَعُ سِرْبَالًا سَرْبَلَنِيهِ اللّٰهُ»

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب: إمامة المفتون والمبتدع، حديث: 695. [2] فتنة مقتل عثمان رضي الله عنه للدكتور محمد عبد الله الغبان: 145/1. [3] تاريخ الطبري: 444/5. [4] فتنة مقتل عثمان رضي الله عنه للدكتور محمد عبد الله الغبان: 145/1. [5] الطبقات لابن سعد: 66/3.

''میں وہ قمیص نہیں اتاروں گا جو اللہ نے مجھے پہنائی ہے۔''[1]

آپ کا اشارہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی طرف تھا۔ اسی طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ بھی تھی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دستبردار ہو جانا چاہیے تاکہ ان کا خون محفوظ رہے۔ ان میں سیدنا مغیرہ بن اخنس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔[2]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے خلافت سے دستبردار نہ ہونے کا مشورہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''دیکھیے! یہ لوگ کہتے ہیں کہ خلافت سے دستبردار ہو جاؤ اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔'' سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اگر آپ دستبردار ہو گئے تو کیا آپ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے؟'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں۔'' انھوں نے فرمایا: ''اگر آپ دستبردار نہ ہوں تو وہ قتل کرنے سے زیادہ تو کچھ نہیں کر سکتے؟'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں۔'' انھوں نے فرمایا: ''کیا وہ آپ کو جنت یا جہنم بھیجنے کا اختیار رکھتے ہیں؟'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں۔'' ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''میں یہ بات ٹھیک نہیں سمجھتا کہ آپ وہ قمیص اتار دیں جو اللہ نے آپ کو پہنائی ہے۔ اس طرح تو یہ طریقہ چل نکلے گا کہ جب کوئی قوم خلیفہ کو ناپسند کرے گی وہ حملہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہو گی اور خلیفہ کو قتل کر دے گی۔''[3]

اللہ تعالیٰ ابن عمر سے راضی و خوشنود رہے۔ وہ کس قدر دوراندیش تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلفاء کے لیے کوئی ایسا برا طریقہ جاری کر جائیں جس سے خلفاء کھیل تماشا بن کر رہ جائیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایسا کرنے والے بھی کہاں تھے؟ اگر آپ ان سبائی باغیوں کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے خلافت سے دستبردار ہو جاتے تو خلفاء نفس پرستوں

[1] التمهيد و البيان لمحمد بن يحيىٰ الأندلسي، ص:47,46. [2] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد اللّٰه الغبان:147/1. [3] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل:473/1، إسناده صحيح.

اور خود غرضوں کے ہاتھوں کھیل تماشا بن جاتے۔ خلافت کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتیں اور خلیفہ کا دبدبہ ختم ہو جاتا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے بعد والوں کے لیے اچھی مثال قائم کی کہ صبر واستقامت سے کام لیا۔ ثواب کی نیت سے ڈٹ گئے۔ دستبردار نہیں ہوئے۔ نہ اس معاملے میں مسلمانوں کا خون بہایا۔[1]

شر پسند حقیر اقلیت تھے۔ انھوں نے اسلام کے لیے کبھی کوئی قربانی نہیں دی۔ وہ فقیہ تھے نہ رجال کار۔ یہ ادنی، آوارہ، بازاری اور سازشی لفنگوں کا ٹولہ تھا۔ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان گھٹیا لوگوں کے مطالبوں کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے تو امت کی ساکھ بری طرح متاثر ہونے کا خدشہ تھا۔ اس طرح خلافت کا رعب زائل ہو جاتا اور عوام اور حاکم کا باہمی رشتہ ٹوٹ جاتا۔ اتنے برے اثرات سے امت کو بچانے کے لیے برگزیدہ خلیفہ نے اپنی قیمتی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ آپ خوب سمجھتے تھے کہ باغیوں کے مطالبے ٹھکرانے کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ آپ نے ساری صورت حال پر ایک عظیم مدبر کی طرح غور کیا اور پوری سنجیدگی سے ہرچہ باد اباد کہہ کر عزیمت و استقامت کے درجے پر قائم رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنی ذات کی مطلق پروا نہ کی، امت کی مصلحت کو ترجیح دی جس سے آپ کی قوت، شجاعت، عزیمت اور ارادے کی پختگی کا پتہ چلتا ہے اور ان لوگوں کے منہ میں خاک پڑتی ہے جو کہتے ہیں کہ آپ میں یہ صلاحیتیں نہیں تھیں اور آپ کی قوت ارادی نہایت کمزور تھی۔ آپ فتنے کی سرکوبی کی بحمد اللہ خوب صلاحیت رکھتے تھے۔ آپ نے حالات کا جائزہ لے کر مصلحت اسی میں سمجھی کہ ہتھیار نہ اٹھائے جائیں، ورنہ یہ بات نہیں تھی کہ آپ انھیں لگام نہیں دے سکتے تھے، اس لیے عباس محمود العقاد کا اس سانحہ کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ صرف ایک عوامی فتنہ تھا اور اسے کنٹرول کرنے کی کسی میں طاقت نہیں تھی، غلط ہے۔[2] کیونکہ اس سے بالواسطہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور شجاعت پر زد پڑتی ہے۔ اس میں

[1] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 179. [2] ذوالنورين عثمان بن عفان لمحمد مال الله، ص: 122.

کوئی شک نہیں کہ یہ ایک عوامی فتنہ تھا لیکن اسے لگام نہ دینا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی منقبت میں شامل ہے کہ آپ نے اللہ کے لیے اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کر دیا کہ شاید امت انتشار سے بچ جائے۔ اس معاملے میں آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر بھی عمل کیا۔ [1]

محاصرین کی طرف سے قتل کی دھمکی: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں محصور تھے۔ شرپسندوں نے آپ کے گھر کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ آپ گھر کے بیرونی دروازے کے قریب گئے تو باغیوں کی طرف سے قتل کی دھمکی کی آوازیں سنیں۔ آپ وہیں سے متغیر چہرے کے ساتھ گھر والوں کے پاس لوٹے۔ آپ نے فرمایا: ''وہ ابھی ابھی مجھے قتل کی دھمکیاں دے رہے تھے؟'' گھر والوں نے کہا: ''اے امیر المومنین! اللہ آپ کو ان سے کفایت کر جائے گا۔'' آپ نے فرمایا: ''آخر وہ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ إِلَّا فِي إِحْدٰى ثَلَاثٍ: رَجُلٌ كَفَرَ بَعْدَ إِيمَانِهِ، أَوْ زَنٰى بَعْدَ إِحْصَانِهِ، أَوْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ، فَوَاللّٰهِ! مَا زَنَيْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَّلَا فِي إِسْلَامٍ قَطُّ، وَلَا تَمَنَّيْتُ أَنَّ لِي بِدِينِي بَدَلًا مُّنْذُ هَدَانِيَ اللّٰهُ، وَلَا قَتَلْتُ نَفْسًا، فَفِيمَ يَقْتُلُونَنِي؟»

''کسی مسلمان کا خون بہانا سوائے تین صورتوں کے جائز نہیں ہے: ایک وہ آدمی جو اسلام لانے کے بعد دوبارہ کافر ہو جائے، یا کوئی شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کرے، یا کسی نفس کو بغیر بدلے کے قتل کرے۔ اللہ کی قسم! میں نے جاہلیت اور اسلام میں کبھی بدکاری نہیں کی اور جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی ہے میں نے کبھی اس کے علاوہ کسی اور دین کا سوچا بھی نہیں۔ نہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے۔ پھر یہ لوگ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں۔'' [2]

[1] فتنة مقتل عثمان رضي الله عنه للدكتور محمد عبد الله الغبان: 149/1. [2] مسند أحمد: 63/1، وقال أحمد شاكر: إسناده صحيح.

پھر محاصرہ کرنے والوں کو جھانک کر دیکھا۔ان کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور امام کے خلاف بغاوت سے باز رہنے کا حکم دیا۔آپ نے ان کے اعتراضات کا رد کیا اور ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا کہ شاید وہ اپنی اس حرکت شنیعہ سے باز آجائیں اور رشدو ہدایت کی راہ اختیار کرلیں، پھر آپ نے محاصرہ کرنے والوں سے کہا کہ اپنا کوئی نمائندہ میرے ساتھ بات کرنے کے لیے منتخب کرو۔انھوں نے صعصعہ ابن صوحان کا انتخاب کیا۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ''بتاؤ میرے کس جرم کی پاداش میں تم نے یہ ہنگامہ کھڑا کیا ہے۔''[1]

صعصعہ کے غلط استدلال کا مدلل رد صعصعہ نے کہا: ہمیں ناحق گھروں سے نکالا گیا، حالانکہ جرم صرف یہ تھا کہ ہم نے کہا: اللہ ہمارا رب ہے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قرآن سے اس کی دلیل پیش کرو۔'' اس نے درج ذیل آیات پڑھیں:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ ﴾

''جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے انھیں (جہاد کی) اجازت دی گئی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے۔ وہ لوگ جنھیں ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا، صرف اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو بلاشبہ خانقاہیں اور گرجے اور (یہودی) عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (کے

[1] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد اللہ الغبان: 150/1.

دین) کی مدد کرے گا، بے شک اللہ یقیناً بہت قوت والا، خوب غالب ہے۔''[1]

یہ سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ تیری اور تیرے ساتھیوں کی دلیل نہیں بنتی، اس کے برعکس یہ تو میری اور میرے ساتھیوں کی دلیل ہے، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وہی آیات پڑھیں جن سے صعصعہ نے استدلال کیا تھا اور ان کے بعد والی آیت تلاوت کی جو ماقبل کی تفسیر ہے اور صعصعہ کے استدلال کی تردید کرتی ہے، پس آپ نے پڑھا:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾

''(یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو آیت کا صحیح مفہوم سمجھایا اور شان نزول کی وضاحت فرمائی۔ آیت کا مالہ وماعلیہ کھول کر بیان کیا تاکہ آیت کی تلاوت کرنے والے پر اس کا مفہوم خلط ملط نہ ہو جائے اور وہ ناسمجھی میں اس کا غلط مفہوم مراد لے کر حقیقت کے برعکس استدلال نہ کرے۔[3]

اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کو جلا وطن کیا تھا انھیں بھی صرف اس آیت پر عمل کرتے ہوئے جلا وطن کیا تھا جو صعصعہ کی استدلال کردہ آیت کے بعد والی ہے۔ اس میں برسر اقتدار آنے والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔ آپ نے انھیں ان کی بعض زیادتیوں اور فتنہ برپا کرنے کی کوششوں کی وجہ سے جلا وطن کر دیا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضا تھا۔[4]

(1) الحج 22:39,40. (2) الحج 22:41. (3) فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد اللّٰہ الغبان: 151/1. (4) فتنہ مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد اللّٰہ الغبان: 152/1.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے فرامین نبویہ کی روشنی میں اپنے مقام و مرتبے کی یاد دہانی: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صعصعہ کے استدلال کی تردید کرنے کے بعد لوگوں کو اپنے مقام و مرتبے کا لحاظ رکھنے کی یاد دہانی کرائی اور اللہ کی قسم دے کر اپنے بعض فضائل کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ جو شخص اس بارے میں علم رکھتا ہے یا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ ضرور لوگوں سے بیان کرے۔ آپ نے فرمایا:

''میں اس شخص سے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جو ''یوم حراء'' کو اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب آپ نے پہاڑ کے حرکت کرنے پر اس پر اپنا پاؤں مارا۔ اور پھر فرمایا:

«اُسْکُنْ حِرَاءُ! فَمَا عَلَیْكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّیقٌ أَوْ شَهِیدٌ»

''اے حراء! ٹھہر جا، تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہی تو ہیں۔''[1]

اور میں اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔''

لوگوں نے آپ کی اس بات کی گواہی دی کہ واقعتاً ایسا ہی ہے، پھر آپ نے فرمایا:

''میں اس شخص سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو بیعت رضوان کے روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مشرکین مکہ کے پاس بھیجا تھا اور میرے شہید ہونے کی افواہ پھیل گئی تھی اور آپ نے قتال کی بیعت لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «هٰذِهِ یَدِي وَ هٰذِهِ یَدُ عُثْمَانَ» یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ہے، پھر آپ نے میری طرف سے بیعت کی تھی۔'' لوگوں نے اس بات کی بھی گواہی دی۔ پھر آپ نے فرمایا:

''میں اس شخص سے قسم دے کر پوچھتا ہوں جو اس مجلس میں موجود تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: «مَنْ یُوَسِّعُ لَنَا لِهٰذِهِ الْبَیْتِ فِي الْمَسْجِدِ بِبَیْتٍ

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2417.

لَهُ فِي الْجَنَّةِ»

"یہ (مسجد نبوی سے ملحقہ) گھر کون خرید کر مسجد کو وسیع کرے گا کہ اللہ اس کے بدلے میں جنت میں اسے گھر دے گا؟" تو میں نے وہ گھر خرید کر مسجد وسیع کر دی۔"
آپ کی یہ بات سن کر لوگوں نے گواہی دی کہ واقعتًا ایسا ہی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا:

"میں قسم دے کر ان لوگوں سے پوچھتا ہوں جو جیش العسرہ (تبوک) کے روز اس مجلس میں موجود تھے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: «مَنْ يُّنْفِقُ الْيَوْمَ نَفَقَةً مُتَقَبَّلَةً» "آج کون خرچ کرتا ہے کہ اس کے قبول ہونے کی گارنٹی میں دیتا ہوں؟" تو میں نے آدھا لشکر اپنے مال سے تیار کیا تھا۔" لوگوں نے آپ کی بات کی تصدیق کی۔

پھر آپ نے فرمایا:

"میں تم سے اللہ کے لیے پوچھتا ہوں کہ بتاؤ! جب رومہ کا پانی مسافر بھی پیسوں کے بغیر استعمال نہیں کرسکتا تھا تو میں نے اسے خرید کر مسافروں کے لیے وقف کیا تھا؟"
تمام لوگوں نے آپ کی بات کی تصدیق کی۔[1]

ابوثور فہمی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: "میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں واپس جانے لگا تو مصر کے خارجی دوبارہ واپس آگئے۔ میں واپس سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور آپ کو ان کے آنے کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا: "تو نے دیکھا وہ کس ارادے سے آئے ہیں؟" میں نے کہا: "ان کے چہروں سے شر ٹپک رہا ہے اور ان کا سربراہ ابن عدیس بلوی ہے۔" پھر ابن عدیس منبر نبوی پر چڑھا اور لوگوں کو نماز جمعہ پڑھائی اور خطبے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی۔ میں نے اس کی تمام باتیں جا کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بتائیں تو آپ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! ابن عدیس نے جھوٹ بولا ہے۔

[1] مسند أحمد: 59/1 وقال أحمد شاكر: إسناده صحيح.

اور اگر اس نے یہ لغویات نہ کی ہوتی تو میں جو باتیں آپ کو بتانے لگا ہوں کبھی نہ بتاتا۔ میں اسلام لانے والا چوتھا شخص ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی ایک بیٹی کا رشتہ دیا، وہ فوت ہوگئی تو دوسری بیٹی بھی مجھ سے بیاہ دی۔ میں نے جاہلیت یا اسلام میں کبھی بدکاری نہیں کی نہ کبھی چوری کی۔ اسلام لانے کے بعد نہ کبھی میں نے گانا گایا ہے نہ اس کی تمنا پیدا ہوئی۔ جب سے میں نے دائیں ہاتھ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے کبھی یہ ہاتھ شرمگاہ کو نہیں لگایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں میں نے قرآن مجید جمع کیا۔ اسلام لانے کے بعد ہر جمعہ کے دن میں ایک غلام آزاد کرتا چلا آیا ہوں۔ اور اگر کسی جمعہ کے روز نہ کر سکا تو اگلے جمعے کو دو غلام آزاد کیے۔"[1]

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ باغی اپنے عزائم سے باز آنے والے نہیں اور وہ انھیں قتل کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو آپ نے انھیں ایسا قدم اٹھانے سے ڈرایا اور دیوار کے سوراخ سے جھانک کر انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے لوگو! مجھے قتل نہ کرو۔ نہ مجھے ناراض کرو۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے قتل کردو گے تو دشمن سے کبھی اکٹھے ہو کر نہیں لڑ سکو گے۔ نہ کبھی دشمن سے جہاد کر سکو گے۔ تمھارے اختلافات اس قدر شدید ہو جائیں گے کہ ایک دوسرے سے برسر پیکار ہو جاؤ گے، پھر آپ نے دونوں انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے فرمایا کہ تم اس طرح ایک دوسرے سے الجھ جاؤ گے۔"[2]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اے لوگو! مجھے قتل نہ کرو، میں تمھارا حاکم اور مسلمان بھائی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے استطاعت بھر تمھاری اصلاح ہی کی کوشش کی ہے۔ اجتہادی طور پر میری

[1] المعرفة والتاريخ للفسوي:488/2، وخلافة عثمان للدكتور السلمي، ص:91. [2] الطبقات لابن سعد:71/3، وتاريخ خليفة بن خياط، ص:171، إسناده صحيح.

رائے درست تھی یا غلط یہ اور بات ہے۔ اگر تم مجھے قتل کرو گے تو کبھی اکٹھے نماز ادا نہیں کر سکو گے نہ اکٹھے کبھی جہاد کر سکو گے نہ تمھاری فے (آمدنی) تمھارے درمیان تقسیم ہوگی۔''[1]

نیز آپ نے فرمایا:

''اگر وہ مجھے قتل کریں گے تو کبھی باہم محبت سے نہ رہ سکیں گے۔ نہ کبھی دشمن سے لڑ سکیں گے۔''[2]

وہی کچھ ہوا جس سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ڈرایا اور خبردار کیا تھا۔ آپ کے شہید ہونے کے بعد وہ تمام خدشات جن کا آپ نے اظہار کیا تھا حقیقت بن کر سامنے آئے۔ اسی بارے میں حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے: ''اللہ کی قسم! (شہادت عثمان کے بعد) اگر لوگوں نے اکٹھے نماز پڑھی بھی تو ان کے دل ایک دوسرے سے دور تھے۔''[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے دفاع کی پیش کش مسترد کر دی

جب باغیوں نے آپ کا محاصرہ کر لیا اور قتل کی دھمکی دینے لگے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے (اپنے خادمین کو بھیج کر) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو ان کا موقف یہ تھا:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ: ابن عساکر رحمہ اللہ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا: ''میرے ساتھ پانچ سو زرہ پوش ہیں، آپ کی اجازت ہو تو میں ان لوگوں کا مقابلہ کر کے آپ کا دفاع کروں؟ کیونکہ آپ نے کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہیں کیا کہ آپ کا خون بہانا حلال ہو۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے خون خرابہ ہو۔''[4]

[1] الطبقات لابن سعد: 68,67/3، وفتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 156/1. [2] تاريخ خليفة بن خياط، ص: 171، وفتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 157/1، إسناده حسن. [3] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 157/1.
[4] تاريخ دمشق لابن عساكر، ص: 403.

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی پیش کش: سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ابوحبیبہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ گھر میں محصور تھے، مجھے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک خط دے کر ان کے پاس بھیجا۔ میں ایک گرم دن میں آپ کے پاس گیا۔ آپ کرسی پر تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس سیدنا حسن بن علی، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ میں نے کہا: ''مجھے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے۔ وہ آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میں اپنی اطاعت پر قائم ہوں، نہ بدلا ہوں اور نہ میں نے عہد توڑا ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کے گھر میں آپ کے پاس آجاتا ہوں اور آپ کا دفاع کرنے والوں میں شامل ہوجاتا ہوں۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں اپنے ہی گھر میں رہتا ہوں، بنوعمرو بن عوف نے کل صبح میرے پاس آنے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ جو حکم دیں ہم کرنے کے لیے تیار ہیں۔'' جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ خط والا پیغام سنا تو فرمایا: ''اللہ اکبر! ہر قسم کی تعریف اللہ کی ذات عالی کے لیے ہے جس نے میرے بھائی کو بچا لیا''، پھر ابوحبیبہ سے فرمایا: ''انھیں میرا سلام کہنا اور پیغام دینا کہ مجھے اس بات کی سب سے زیادہ خوشی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تمھارے ذریعے سے میرا دفاع کرے۔'' جب سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ خط پڑھا تو کھڑے ہوکر فرمایا: ''کیا میں تمھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بنفس نفیس سنی ہوئی بات نہ بتاؤں؟'' لوگوں نے کہا: ''کیوں نہیں! ضرور بتائیے۔'' انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! یقیناً میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«تَكُونُ بَعْدِي فِتَنٌ وَّ أُمُورٌ، فَقُلْنَا: فَأَيْنَ الْمَنْجٰى مِنْهَا؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: إِلَى الْأَمِينِ وَ حِزْبِهٖ، وَ أَشَارَ إِلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ»

''میرے بعد فتنے اور کئی امور ہوں گے۔'' ہم نے کہا: اللہ کے رسول! نجات کا کوئی راستہ تو ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم امین اور اس کے گروہ میں شامل

ہو جانا۔‘‘ پھر آپ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔‘‘

لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ’’یقیناً اب تو دلیل ہمارے ہاتھ آ گئی ہے، لٰہذا اے امیر المومنین! آپ ہمیں جہاد کی اجازت مرحمت فرمائیں۔‘‘ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’جو میری اطاعت پر قائم ہے میں اسے حکم دیتا ہوں کہ وہ قتال نہ کرے۔‘‘[1]

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ: محاصرے کے دوران سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: ’’آپ عوام الناس کے امام ہیں اور جو صورت حال پیدا ہو چکی ہے آپ کے علم میں ہے، میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ تین باتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیں:

- آپ میدان میں نکل آیئے۔ ان کا مقابلہ کیجیے۔ آپ کے پاس افراد بھی ہیں اور قوت بھی، پھر آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔
- دوسری صورت یہ ہے کہ آپ عقبی دروازے سے نکلیں اور سواری پر بیٹھ کر مکہ چلے جائیں۔ یہ لوگ وہاں آپ پر دست درازی نہیں کر سکیں گے۔
- تیسری صورت یہ ہے کہ آپ شام چلے جائیں کیونکہ اہل شام اطاعت پر قائم ہیں اور دفاع کی طاقت بھی رکھتے ہیں اور پھر وہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔‘‘

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ’’جہاں تک ان سے قتال اور لڑائی کا تعلق ہے تو میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پہلا خون بہانے والا نہیں بننا چاہتا۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ میں مکہ چلا جاؤں اور یہ مجھ پر دست درازی نہیں کریں گے تو وہاں اس لیے نہیں جاؤں گا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

«يَلْحَدُ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ بِمَكَّةَ يَكُونُ عَلَيْهِ نِصْفُ عَذَابِ الْعَالَمِ»

’’قریش کا ایک آدمی مکہ کی بے حرمتی کرے گا اور اس پر پورے نصف عالم

[1] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 512,511/1، إسناده صحيح.

(جہاں) کا عذاب ہوگا۔‘‘

اور میں ایسا شخص ہرگز نہیں بننا چاہتا۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ میں شام چلا جاؤں کہ اہل شام باوفا اور لڑائی کی صلاحیت رکھنے والے لوگ ہیں اور پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وہاں کے امیر ہیں تو میں اپنا دار الہجرت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس چھوڑ کر کہیں نہیں جانا چاہتا۔‘‘[1]

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی رائے: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کا پختہ عزم کرلیا اور بعض آپ کے گھر میں داخل ہوگئے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں سختی سے روک دیا اور انھیں ہر صورت لڑائی سے باز رہنے اور تلوار نہ اٹھانے کا حکم دیا جس کی وجہ سے وہ آپ کا دفاع نہ کر سکے اور ان کا عزم صرف خواہش تک محدود رہا۔ ان حضرات میں سے ایک سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے، انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ آپ ان سے لڑائی کریں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان سے لڑائی کرنا حلال کیا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’نہیں، اللہ کی قسم! میں ان سے کبھی لڑائی نہیں کروں گا۔‘‘[2]

ایک روایت میں ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: ’’اے امیر المومنین! آپ کے ساتھ گھر میں ایک سمجھدار گروہ موجود ہے، اللہ تعالیٰ تو اس سے بھی کم عدد کی مدد کرتا ہے۔ آپ ہمیں لڑائی کی اجازت دیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

’’میں اللہ کی قسم دے کر منع کرتا ہوں کہ کوئی شخص میری وجہ سے اپنا خون نہ بہائے۔‘‘[3]

پھر گھر میں موجود افراد پر ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو امیر مقرر کر کے فرمایا:

’’جو میری اطاعت پر قائم ہے وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بات مانے۔‘‘[4]

سیدنا کعب بن مالک اور زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہما کی پیش کش: سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے انصار کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد پر آمادہ کیا اور ان سے کہا: ’’اے گروہ انصار!

[1] البداية والنهاية: 211/7. [2] الطبقات لابن سعد: 70/3، إسناده صحيح. [3] الطبقات لابن سعد: 70/3، وتاريخ خليفة بن خياط، ص: 173. [4] الطبقات لابن سعد: 70/3، إسناده صحيح.

دو مرتبہ اللہ کے انصار بن جاؤ۔'' یہ سن کر انصار آئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کی: ''انصار دروازے پر حاضر ہیں۔ آپ کا حکم ہو تو ہم دوسری مرتبہ انصار اللہ بننے کے لیے تیار ہیں۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لڑنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ''مجھے اس بارے میں دفاع کی ضرورت نہیں۔''[1]

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو واپس چلے جانے کا حکم: سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور آپ سے کہا: ''میں اپنی تلوار میان سے نکال لوں؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں، اگر تم یہ قدم اٹھاؤ گے تو میں تمھارے خون سے بری ہوں۔ اپنی تلوار میان میں ڈال لو اور اپنے باپ کے پاس واپس چلے جاؤ۔''[2]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسلح ہوکر آ گئے: جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ معاملہ سنگین ہو چکا ہے اور پانی سر سے گزرنے لگا ہے تو بعض صحابہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مشورے کے بغیر ہی آپ کا دفاع کرنے کا عزم کیا۔ وہ لڑائی کے لیے تیار ہو کر آپ کے گھر میں داخل ہوگئے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان میں شامل تھے۔ آپ نے تلوار لٹکا رکھی تھی اور زرہ بھی پہن رکھی تھی لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سختی سے منع کر دیا اور حکم دیا کہ آپ چلے جائیں کیونکہ لڑائی کی صورت میں ان کے قتل ہونے کا اندیشہ تھا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما دوبارہ پھر مسلح ہوکر آئے لیکن آپ کے منع کرنے پر پھر واپس چلے گئے۔[3]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو تلوار اٹھانے کی ممانعت: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے اور عرض کی: ''اے امیر المومنین! لڑائی حلال ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''ابو ہریرہ! تم پسند کرتے ہو کہ میں بھی مارا جاؤں اور تمام لوگ بھی۔'' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے

[1] فتنة مقتل عثمان رضي الله عنه للدكتور محمد عبد الله الغبان: 162/1. [2] فتنة مقتل عثمان رضي الله عنه للدكتور محمد عبد الله الغبان: 162/1، والمصنف لابن أبي شيبة: 224/15. [3] فتنة مقتل عثمان رضي الله عنه للدكتور محمد عبد الله الغبان: 163/1.

کہا: ”نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! اگر تم نے ایک آدمی کو بھی قتل کیا تو وہ تمام انسانیت کا قتل ہوگا۔“ یہ سن کر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے اور لڑائی نہ کی۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تلوار لٹکا کر آئے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں منع کر دیا۔[1]

سلیط بن سلیط کے جذبات: وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قتال سے منع کر دیا۔ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہمیں ان خارجیوں سے لڑائی کی اجازت دے دیتے تو ہم انھیں مار مار کر مدینہ سے بھگا دیتے۔[2]

امام ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر میں سات سو افراد تھے۔ اگر آپ انھیں باغیوں سے لڑائی کی اجازت دیتے تو ان شاء اللہ وہ انھیں مار بھگاتے۔ گھر میں موجود لوگوں میں سیدنا ابن عمر، سیدنا حسن بن علی اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔“ امام ابن سیرین رحمہ اللہ ہی کا بیان ہے: ”سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ان کا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی گردن میں تلوار لٹکائے موجود تھے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں لڑائی کرنے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔“[3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین و انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نصرت اور حمایت نہ کرنے کا الزام سراسر غلط ہے اور اس بارے میں جتنی بھی روایات مروی ہیں وہ متن اور سند دونوں اعتبار سے ضعیف اور مجروح ہیں۔[4]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ کی طرف نکل جانے کی تجویز مسترد کر دی: جب صحابہ نے دیکھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ باغیوں سے کسی صورت بھی لڑائی کرنے کی اجازت نہیں دے رہے اور وہ آپ کو قتل کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو ان کے پاس حمایت کرنے کا ایک ہی

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط، ص: 164. [2] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد اللہ الغبان: 165/1. [3] تاریخ دمشق لابن عساکر، ترجمة عثمان، ص: 395. [4] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد اللہ الغبان: 166/1.

راستہ تھا کہ وہ آپ کو بحفاظت وہاں سے مکہ نکال کر لے جائیں تا کہ آپ کو خارجیوں کے شر سے بچایا جا سکے، چنانچہ یہ مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر، مغیرہ بن شعبہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے آپ کو علیحدہ علیحدہ پیش کش کی کہ ہم آپ کو بحفاظت مکہ لے جاتے ہیں لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ تمام پیش کشیں مسترد کر دیں۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے جنگ سے کنارہ کشی کے اسباب: فتنے کے بارے میں مروی روایات کے تتبع اور ان میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی درج ذیل پانچ وجوہ تھیں:

❁ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو رازدارانہ طور پر وصیت کی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو باز رہنے کا حکم دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا انکشاف محاصرے کے روز کیا اور بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جو عہد لیا تھا میں اس پر کاربند ہوں۔[2]

❁ آپ کا یہ ارشاد کہ میں نہیں چاہتا کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء میں سے وہ پہلا شخص بنوں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا خون بہائے، یعنی انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لڑائی کی اجازت اس لیے نہیں دی کہ آپ مسلمانوں کے خون کا الزام اپنے سر نہیں لینا چاہتے تھے۔[3]

❁ تیسری وجہ یہ تھی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ باغیوں کا ٹارگٹ صرف میں ہوں، لہٰذا آپ نے مومنوں کے ذریعے بچنا ناپسند کیا اور اپنی جان پر انھیں ترجیح دے کر انھیں بچا لیا۔[4]

[1] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 166/1. [2] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 166/1. [3] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 167/1، و مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 396/1. [4] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 167/1، وإسناد الرواية فيه ضعف.

❊ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو یقین تھا کہ وہ اس فتنے میں قتل کر دیے جائیں گے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے قبل انھیں مصائب اور تکلیفوں کے بدلے میں جنت کی بشارت دے چکے تھے اور یہ بھی بتا چکے تھے کہ وہ حق پر قائم ہوں گے اور انھیں شہید کر دیا جائے گا۔ قرائن بتا رہے تھے کہ وہ وقت آچکا ہے اور جس رات آپ شہید ہوئے، اسی رات آپ نے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ کل روزہ ہمارے ہاں افطار کرنا، اس سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ شہادت کا وقت آ گیا ہے۔

❊ آپ نے سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کیا جب انھوں نے کہا کہ آپ ڈٹ جائیں، اس سے آپ کا موقف زیادہ مستحکم ہوگا اور دشمن پر حجت قائم ہو گی۔[1]

بالآخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئیاں سچ ثابت ہوئیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو عنقریب شہید کر دیا جائے گا، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَجَا مِنْ ثَلَاثٍ فَقَدْ نَجَا۔ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ مَوْتِي وَالدَّجَّالِ وَ قَتْلِ خَلِيفَةٍ مُّصْطَبِرٍ بِالْحَقِّ مُعْطِيهِ»

''جو تین (فتنوں) سے نجات پا گیا وہ یقیناً بچ گیا، آپ نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی، میری وفات، فتنۂ دجال اور حق پر قائم رہنے والے مظلوم خلیفہ کی شہادت۔''[2]

گزشتہ تفصیل سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی فکر سلیم اور طبیعت میں ٹھہراؤ کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مصائب کی شدت بھی ان کے اور ان کی فکرِ سدید اور مثبت رائے کے مابین حائل نہ ہو سکی، نیز تمام اسباب خارجیوں سے لڑائی نہ کرنے کے موقف کی تائید کرتے ہیں۔ بلاشبہ آپ نے جو موقف اختیار کیا اس میں آپ برحق تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی صحیح احادیث میں ان فتنوں کی بابت اشارے ملتے ہیں۔ اور

[1] الطبقات لابن سعد: 71/3، إسناده حسن. [2] مسند أحمد: 419/4 و 346/5.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے برحق ہونے کی گواہی دی ہے۔[1]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خون بہانے میں تمام لوگوں سے بڑھ کر محتاط تھے اور جن لوگوں نے آپ کی توہین کی، آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی اور آپ کا محاصرہ بھی کرلیا، باوجود یکہ آپ ان کے ناپاک ارادوں سے بخوبی آگاہ تھے، آپ نے ان کے بارے میں صبر کی انتہا کردی۔ مسلمان آپ کی مدد کے لیے آئے اور باغیوں سے لڑائی کا مشورہ دیتے رہے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کو لڑائی نہ کرنے کا حکم دیتے رہے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: ''جو میری اطاعت پر قائم ہے وہ ان سے ہرگز نہ لڑے۔'' آپ کو مشورہ دیا گیا کہ مکہ چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں مکہ میں خون خرابہ نہیں کرانا چاہتا۔'' آپ سے کہا گیا: ''تب آپ شام چلے جائیے۔'' آپ نے فرمایا: ''میں اپنے دارالہجرت سے الگ نہیں ہونا چاہتا۔'' آپ سے کہا گیا کہ پھر ان سے لڑائی کیجیے۔ آپ نے فرمایا: ''میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء میں کشت وخون کرنے والا پہلا شخص نہیں بننا چاہتا۔'' آپ نے صبر کیا یہاں تک کہ مسلمانوں کے نزدیک اعلیٰ ترین مرتبۂ شہادت پر فائز ہوگئے۔[2]

امہات المومنین اور بعض دیگر صحابیات رضی اللہ عنہن کا موقف

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما بال بال بچ گئیں: ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ان حادثات میں انتہائی خطرناک موقف اختیار کیا۔ اس قدر خطرناک موقف تھا کہ وہ ان ہنگاموں میں قتل ہوتے ہوتے بچ گئیں۔ وہ اس طرح کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا اور آپ کا پانی بھی بند کردیا گیا تو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں کو، جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پڑوسی تھے، پیغام دے کر

[1] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد اللہ الغبان: 8/1. [2] منهاج السنة لابن تيمية: 203,202/3.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا کہ باغیوں نے پانی بند کر دیا ہے، ممکن ہو تو کسی طریقے سے پانی اندر بھیجو۔ اسی طرح سیدنا طلحہ، زبیر، عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کی طرف بھی یہی پیغام بھیجا۔ سیدنا علی اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے ان کی معاونت کی کوشش کی۔ اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مکمل طور پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد میں مشغول ہو گئیں جیسا کہ ابن عساکر نے کہا ہے۔ اور یہ طبعی تقاضا تھا کیونکہ ان کا تعلق بھی بنو امیہ سے تھا۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا معاونت کرنے کے لیے آگے بڑھیں تو باغیوں نے ان کے خچر کے چہرے پر مارا۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''بنو امیہ کے کچھ افراد کی وصیتیں عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ہیں، میں ان سے مل کر ان وصیتوں کے متعلق پوچھنا چاہتی ہوں تاکہ یتیموں اور بیوگان کے اموال ضائع نہ ہو جائیں۔'' باغیوں نے کہا کہ آپ جھوٹ بولتی ہیں، پھر وہ آپ پر حملہ آور ہوئے اور آپ کے خچر کی رسی تلوار سے کاٹ دی۔ خچر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ لوگوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ایک طرف لڑھک گئیں۔ لوگ خچر سے چمٹ گئے اور اسے پکڑ لیا۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بال بال بچیں، پھر لوگ انھیں ان کے گھر لے گئے۔[1]

بعض شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام ابن جراح کو بھی حکم دیا کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، اتنے شدید ہنگاموں کے باوجود ابن جراح آخری وقت تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔[2]

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے لکڑی کا پل بنا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کھانا پہنچایا: سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا موقف اختیار کیا۔ کنانہ بن عدی سے مروی ہے کہ میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی سواری کی لگام تھامے ہوئے تھا اور وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنا چاہتی تھیں۔ راستے میں اشتر ملا[3]، اس نے آپ کے خچر کے چہرے پر مارا

[1] دور المرأة السياسي لأسماء محمد، ص:340. [2] تاريخ المدينة لابن شبة:2/298. [3] دور المرأة السياسي لأسماء محمد، ص:340.

یہاں تک کہ آپ گر گئیں، اس پر آپ نے فرمایا: ''مجھے چھوڑ دو، یہ مجھے رسوا نہیں کر سکتا!'' بعد ازاں اپنے گھر کی چھت سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی چھت تک لکڑی کا پل بنایا۔ وہ اس پل کے ذریعے کھانا اور پانی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر منتقل کرتی رہیں۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا باغیوں پر برہم ہوکر مدینہ سے چلی گئیں: سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بدتمیزی لوگوں پر بہت گراں گزری، اسی وجہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا باغیوں پر برہم ہوکر مدینہ چھوڑ کر چلی گئیں۔ مروان بن حکم نے ان سے گزارش کی کہ ام المومنین! اگر آپ یہاں رہتیں تو ممکن تھا کہ لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کر سکتے۔ اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''کیا تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا گیا؟ پھر مجھے کوئی ایسا شخص بھی نہ ملے جو میری حفاظت کر سکے۔ اللہ کی قسم! میں عار نہیں دلائی جاؤں گی، کوئی ایسا اقدام نہیں کروں گی جو باعث ملامت ہو۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں کا معاملہ کہاں تک پہنچے گا۔''[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مدینہ چھوڑنے کا مقصد یہ تھا کہ شاید ان کے اس طرح احتجاجاً چلے جانے کی وجہ سے خارجیوں کو حیا آئے اور وہ اپنے ناپاک مقاصد سے باز آجائیں۔ پھر تمام امہات المومنین نے حج کے ارادے سے وہاں سے چلے جانے کی تیاری کر لی۔ ان سب کا مقصد فتنے سے فرار یا محض ڈر کر وہاں سے نکلنا نہ تھا بلکہ ان فتنہ پرور لوگوں کے چنگل سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نکالنا تھا کہ شاید اس طرح وہ باز آجائیں۔ ان فتنہ پرور لوگوں میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھائی محمد بن ابوبکر بھی تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ معاملہ اتنا توجہ طلب تھا کہ سیدنا حنظلہ کاتب رضی اللہ عنہ بھی محمد بن ابوبکر کے انکار سے خوفزدہ ہوگئے۔ انھوں نے محمد بن ابوبکر سے کہا: ''اے محمد! ام المومنین (سیدہ عائشہ) تمھیں اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہتی

[1] سير أعلام النبلاء:237/2. [2] تاريخ الطبري:401/5.

ہیں تو تم ان کے ساتھ نہیں جاتے مگر یہ عرب کے بھیڑیے تمھیں ناجائز کام کی دعوت دیتے ہیں تو تم ان کے پیچھے لگ جاتے ہو۔'' لیکن محمد بن ابوبکر نے پھر بھی انکار کر دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر میرے بس میں ہوتا تو میں لوگوں کو ضرور ان کی کوششوں سے روکتی۔''[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنے بھائی کو روکنا اور اظہار افسوس کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ حملہ آوروں کو کسی طریقے سے منتشر کرنا چاہتی تھیں اور آپ کے مکہ جانے کا اعلان بھی اس لیے تھا کہ عوام الناس ان کے جانے کی خبر سن کر حملہ آوروں کے خلاف ہو جائیں۔ امام ابن العربی نے بڑے وثوق سے یہ رائے دی ہے، وہ کہتے ہیں: ''یقیناً یہ بات مروی ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے باغیوں کا ہنگامہ ختم کرنے کے لیے مدینہ سے چلے جانے کا ارادہ کیا۔ انھیں یہ امید تھی کہ یہ لوگ جب اپنی ماؤں کو مدینہ منورہ سے نکلتا دیکھیں گے تو اپنے نبی کی حرمت کا پاس کرتے ہوئے انھیں واپس لانے کی کوشش کریں گے۔[2] اور ان کی بات غور سے سنیں گے جس کے لیے وہ آفاقِ عالم سے ان کی جانب قصد کرتے تھے۔''[3]

یعنی ان کے نکلنے کا مقصد لوگوں کے اس ہجوم کو کسی طرح منتشر کرنا تھا کیونکہ لوگوں میں یہ بات معروف تھی کہ وہ امہات المومنین کی آراء اور فتاویٰ کے منتظر رہتے تھے۔ یہ بات تو امہات المومنین کے تصور میں بھی نہیں تھی کہ معاملہ اس قدر سنگین ہو جائے گا کہ شرپسند خلیفہ کو قتل کر دیں گے۔[4]

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابوبکر اور محمد بن جعفر کو روکا اور ٹوکا: سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے دونوں بیٹوں کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔ انھوں نے اپنے

[1] تاريخ الطبري: 401/5. [2] العواصم من القواصم لابن العربي، ص: 156. [3] دورالمرأة السياسي لأسماء محمد، ص:342. [3] دور المرأة السياسي لإسماء محمد، ص:343.

دونوں بیٹوں محمد بن ابوبکر اور محمد بن جعفر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے فاسد عزائم سے باز آجائیں۔ انھوں نے فرمایا: ''چراغ خود جلتا ہے اور دوسروں کو روشنی دیتا ہے، لہٰذا تم ایسے معاملے میں گناہ کے مرتکب نہ ٹھہرو جس میں تمھارا روئے سخن ایسے شخص کی طرف ہے جو تمھارے بارے میں گناہ کا مرتکب نہیں ہوا۔ اس نے تم پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ جو کچھ تم آج کررہے ہو یہ کل غیروں کے ہاتھوں میں چلا جائے گا، یعنی دوسرے اس سے فائدہ اٹھائیں گے، لہٰذا تم اپنے موجودہ اقدامات سے بچو مبادا یہ اقدامات کل تمھارے لیے باعثِ ندامت ہوں۔'' لیکن ان دونوں نے ضد کی۔ اپنے رویے پر قائم رہے وہ شور مچا کر اور غضبناک ہوکر یہ کہتے ہوئے نکل گئے: ''عثمان نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ ہم نہیں بھولیں گے۔'' سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کہہ رہیں تھیں: ''اس نے تمھارے ساتھ کیا کیا ہے؟ کیا اس نے تمھیں احکام الٰہی کی پابندی کا حکم نہیں دیا؟''

بعض کہتے ہیں کہ یہ گفتگو لیلیٰ بنت اسماء اور اس کے بھائیوں کے درمیان ہوئی تھی۔[1]

مذکورہ گفتگو میں سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا اشارہ اس طرف تھا کہ جب مختلف شہروں کے باغی آئے۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے تبادلۂ خیال کیا اور آپ نے انھیں دلائل کے ذریعے سے مطمئن کردیا تو انھوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ واپس جارہے ہیں۔ لیکن وہ جلد ہی یہ دعویٰ کرتے ہوئے واپس آگئے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو قتل کردیں۔ ان کے دعوے کے مطابق ان میں محمد بن ابوبکر بھی تھا۔[2]

شاید محمد بن ابوبکر نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''عثمان نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا ہم اسے نہیں بھول سکتے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس خط سے لاعلمی اور لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر تم سچے ہو تو اس پر دو گواہ پیش کرو بصورت دیگر مجھ سے قسم لے لو کہ میں نے یہ خط لکھا ہے نہ

① تاريخ الطبري: 202/5. ② دور المرأة السياسي لأسماء محمد، ص: 343.

اس کا حکم دیا ہے۔'' اور ایسا عموماً ہوتا ہے کہ کوئی تحریر کسی آدمی کی طرف سے لکھ کر اس کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے اور دو نمبر مہر بھی بنالی جاتی ہے۔[1]

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا صورت حال سے آگاہ تھیں اور وہ اندرون خانہ ہونے والی خفیہ سازشوں کو بھانپ گئی تھیں جن کا مقصد مسلمانوں کے حالات خراب کرنا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے معزول کرنا تھا، اسی لیے انھوں نے اپنی مامتا کا لحاظ کیے بغیر اپنے بیٹوں پر واضح کیا کہ ان کا موقف درست نہیں ہے۔ اتنا بڑا اقدام اور بیٹوں کے موقف کی تردید صرف حق کو واضح کرنے کے لیے ہی ہوسکتی ہے اور یہ موقف بلاشبہ معمولی نہیں۔ اس سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حق گوئی اور عدالت کی روشن تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔[2]

سیدہ صعبہ بنت الحضرمی رضی اللہ عنہا: جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ شدید ہوگیا تو صعبہ بنت الحضرمی رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے طلحہ بن عبیداللہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر ان سے درخواست کریں کہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر شہروں کے باشندوں کو ان کا دفاع کرنے کی اجازت دیں اور خود اکیلے اپنے آپ کو دشمنوں کے سپرد کرنے پر اصرار نہ کریں، پھر صعبہ رضی اللہ عنہا خود نکلیں اور اپنے بیٹے طلحہ بن عبیداللہ سے کہا: ''عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ شدید ہوگیا ہے، لہٰذا تم جاؤ اور ان سے بات کرو تاکہ وہ تنہا مقابلہ کرنے کی ضد نہ کریں۔''[3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صعبہ رضی اللہ عنہا خائف تھیں مبادا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نقصان پہنچ جائے۔ اسی طرح سیدہ ام عبداللہ بن رافع نے بھی دفاع عثمان کا اہتمام کیا۔ صعبہ بنت الحضرمی سے یہ واقعہ نقل کرنے والی ام عبداللہ بن رافع ہی ہیں، تقریباً یہی موقف تمام مسلمان عورتوں کا تھا اور سنگین حالات اور معاملات کے التباس کے باوجود ان کا موقف نہایت معتدل تھا۔ اس سے ان کی وسعت نظر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ بہرحال تمام

[1] العواصم من القواصم لابن العربي، ص: 120. [2] دورالمرأة السياسي لأسماء محمد، ص: 344. [3] دورالمرأة السياسي لأسماء محمد، ص:345.

صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی موقف تھا۔[1]

فتنے کے دوران 35ھ کا خطبۂ حج، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا آخری خطاب

35ھ کا خطبۂ حج: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ذمہ داری سونپی کہ وہ اس سال لوگوں کو خطبۂ حج دیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کی: ''امیر المومنین! مجھے اپنے ساتھ رہنے دیجیے تاکہ میں ان (خوارج) کا مقابلہ کروں، اللہ کی قسم! ان خارجیوں سے جنگ کرنا مجھے حج سے زیادہ محبوب ہے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرا حکم ہے کہ آپ لوگوں کو حج کا خطبہ دیں۔'' اب ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ماننے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھ کر ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیا کہ وہ یہ خط خطبۂ حج میں لوگوں کو سنائیں۔ اس میں آپ نے باغیوں کی صورت حال واضح فرمائی۔ اپنا موقف اور ان کے مطالبات بھی بیان کیے۔[2]

خط کا متن حسب ذیل تھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! اللہ کے بندے امیر المومنین عثمان کی طرف سے مومنوں اور مسلمانوں کے نام۔ تم پر سلامتی ہو۔ میں تمھارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ امابعد! میں تمھیں اللہ جل شانہٗ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں جس نے تم پر انعام واکرام کیے۔ تمھیں اسلام کی تعلیم سے روشناس کرایا۔ گمراہی کے اندھیروں سے نکالا۔ نور ہدایت عطا کیا، کفر سے نجات بخشی اور تمھیں واضح نشانیاں دکھائیں۔ رزق کی فراوانی فرمائی۔ دشمن کے خلاف تمھاری مدد کی اور اپنی نعمت تم پر پوری کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اور اس ذات عالی کا قول برحق ہے:

[1] دورالمرأة السياسي لأسماء محمد، ص:346,345. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 168,167.

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝

''اور اس نے تمھیں ہر وہ چیز دی جو تم نے اس سے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو انھیں شمار نہ کر سکو گے۔ بے شک انسان بڑا ظالم، نہایت ناشکرا ہے۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

''اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو اور تم اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچا لیا، اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔ اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔ اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور تم

[1] إبراھیم 34:14.

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور ان کے پاس واضح نشانیاں آجانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور ان لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ ﴾

''اور تم پر اللہ کی جو نعمت ہوئی اسے یاد رکھو، اور وہ عہد بھی یاد رکھو جو اس نے تم سے معاہدہ کیا، جب تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے۔''[2]

نیز اس ذات برحق کا مبنی برحق فرمان ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! اگر کوئی نافرمان تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔ اور جان لو! بلاشبہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر بہت سے معاملات میں وہ تمھاری اطاعت کریں (تو) یقیناً تم مشقت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارا محبوب بنا دیا ہے اور اس نے اسے تمھارے دلوں میں آراستہ پیراستہ کر دیا ہے اور اس نے تمھارے لیے کفر وفسق اور نافرمانی کو ناپسند بنا دیا ہے (اور) یہی لوگ

[1] آل عمرٰن 3:102-105. [2] المائدۃ 5:7.

رشد و ہدایت والے ہیں۔ اللہ کے فضل اور احسان سے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔“[1]

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○

”بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں، ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور قیامت کے روز اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“[2]

اور کہا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

”چنانچہ جہاں تک تمھاری استطاعت ہو تم اللہ سے ڈرو اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو، یہ تمھاری ذات کے لیے بہتر ہے اور جسے اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“[3]

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰی مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَیُبَیِّنَنَّ لَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَا

[1] الحجرات 49:6-8. [2] آل عمرٰن 3:77. [3] التغابن 64:16.

كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ○ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط إِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ط وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

''اور اللہ کا عہد پورا کرو جب تم آپس میں عہد کرلو اور قسمیں پکی کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم نے اللہ کو اپنا کفیل بنایا ہو۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت محنت سے کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو باہم فریب کا ذریعہ بناتے ہو کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے (مالِ وافر میں) بڑھ جائے۔ بے شک اللہ اس (عہد و پیماں) سے تمھیں آزماتا ہے۔ اور یوم قیامت وہ تم پر ضرور واضح کر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور تم سے ضرور اس کا سوال ہوگا جو تم عمل کرتے تھے۔ اور تم اپنی قسموں کو باہم فریب دینے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ (اسلام پر کسی کا) قدم جمنے کے بعد ڈگمگا جائے اور تم (دنیا میں) اس کی سزا بھگتو کہ تم نے (اسے) اللہ کی راہ سے روکا اور (آخرت میں) تمھارے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔ اور اللہ کے عہد کے بدلے میں تھوڑی قیمت (دنیوی فائدے) نہ خریدو، بے شک اللہ کے ہاں (اجر) ہے وہی بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ (ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم ضرور انھیں ان کا اجر و ثواب

ان بہترین اعمال کے بدلے میں دیں گے جو وہ کرتے تھے۔''[1]

اور کہا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان برحق ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝﴾

''اے ایمان والو! تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔''[2]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝﴾

''جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا اور یقیناً ان کی حالت خوف کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔''[3]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان برحق ہے:

[1] النحل 16:91-96. [2] النسآء 4:59. [3] النور 24:55.

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾

''بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو بس اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے عہد شکنی کی، تو بس وہ اپنی ہی ذات کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے، اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا، تو عنقریب وہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔''[1]

''امابعد! اللہ تعالیٰ نے تمھارے سمع و طاعت اور جماعت المسلمین کے ساتھ لگے رہنے کو پسند فرمایا ہے اور تمھیں معصیت اور اختلاف و انتشار (کے نقصانات) سے ڈرایا، نیز تمھیں پہلے لوگوں کے کردار سے آگاہ کیا ہے کہ افتراق و انتشار پیدا کرنے کے نتیجے میں ان کا کیا انجام ہوا اور تمھیں خبردار اس لیے کیا ہے کہ اگر تم اس کی نافرمانی کرو تو تمھارے خلاف کارروائی کے لیے دلیل رہے، لہٰذا (بہتری اسی میں ہے کہ) اللہ عزوجل کی نصیحت قبول کرو اور اس کے عذاب سے بچ جاؤ۔ تم دیکھ لو کہ پہلی تمام امتیں جو ہلاک ہوئیں ان کی تباہی کا باعث اختلاف و انتشار ہی تھا۔ الا یہ کہ اس قوم کا کوئی سربراہ ہو جو اسے متحد رکھے۔ اگر تم اس طرح (سمع وطاعت) نہیں کرو گے تو یاد رکھو! کبھی اکٹھے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکو گے، اللہ تم پر تمھارا دشمن مسلط کر دے گا۔ تم ایک دوسرے کی حرمت پامال کرو گے اور جب ایسا ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا دین قائم نہیں رہے گا۔ اور تم گروہ بندیوں میں بٹ جاؤ گے۔''

اللہ عزوجل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

[1] الفتح 10:48.

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○

''بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ بازی کی اور وہ گروہوں میں بٹ گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، بے شک ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، پھر وہ انھیں ان کاموں سے آگاہ کرے گا جو وہ کرتے رہے۔''[1]

''اور میں بھی تمھیں اسی بات کی وصیت کرتا ہوں جس بات کی اللہ تعالیٰ نے تمھیں نصیحت کی ہے اور تمھیں اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

وَيَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَن يُصِيبَكُم مِّثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ ○ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ○

''اور اے میری قوم! میری مخالفت تمھیں (ایسے کام پر) نہ اکسائے کہ تم پر ویسا عذاب آئے جیسا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر آیا تھا اور لوط کی قوم (کا علاقہ بھی) تم سے کچھ دور نہیں اور تم اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو، بے شک میرا رب بڑا رحم کرنے والا، نہایت محبت کرنے والا ہے۔''[2]

''امابعد! کئی قومیں ایسی ہیں جو کہتی ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور وہ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ اور حق کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ دنیا سے انھیں کوئی سروکار نہیں۔ نہ وہ اس میں الجھنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب ان پر حق پیش کیا گیا تو ان کا اصلی روپ سامنے آیا۔ کچھ تو حق قبول کرنے لگے لیکن وقت آنے پر انکار کر دیا۔ کچھ ایسے ہیں جنھوں نے حق کو ترک کر دیا۔ کسی چیز کو ناحق لینے کی کوشش کرنے لگے۔ (وہ میری موت کا انتظار کرتے رہے جبکہ) میری عمر طویل

[1] الأنعام 159:6. [2] هود 11:89، 90.

ہوگئی اوران کی حصول اقتدار کی خواہشات انھیں جلد پوری ہوتی ہوئی نظر نہ آئیں تو انھوں نے تقدیر الٰہی کو طلب کرنے میں جلدی کی۔ انھوں نے تمھاری جانب لکھا تھا کہ جو کچھ میں نے انھیں دیا ہے وہ لے کر واپس چلے گئے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ جو عہد و پیان میں نے ان سے کیے تھے ان میں سے کسی کے بارے میں بھی کوتاہی کی ہو۔ ان کے خیال کے مطابق مسئلہ یہ تھا کہ میں حدود کو قائم نہیں کرتا، انھوں نے اپنے خیال کے مطابق حدود قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا: ''جس کے بارے میں تمھیں علم ہوجائے کہ اس نے حدود کو پامال کیا ہے، اس پر حد قائم کرو۔ دور نزدیک کا جو بھی فرد تم پر ظلم کرے اس پر حد قائم کرو۔'' انھوں نے کہا: ''کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے۔'' میں نے کہا: ''جو چاہے کتاب اللہ کی تلاوت کرے مگر اللہ کے نازل کردہ احکام میں حد سے تجاوز نہ کرے۔'' انھوں نے کہا: ''محروم کو رزق دیا جائے اور مال کا پورا پورا حق ادا کیا جائے تاکہ اس بارے میں عمدہ روایات قائم ہوسکیں۔ مال خمس میں دست درازی نہ ہو اور نہ صدقہ کے مال میں کوئی خلل پڑے۔ امانت دار اور طاقت ور شخص کو والی مقرر کیا جائے۔ لوگوں کی غصب کی ہوئی چیزیں انھیں واپس دی جائیں۔'' میں نے ان کے سارے مطالبات تسلیم کیے اور اس پر قائم ہوں۔ میں تمھیں اور اپنے ساتھیوں کو مطلع کر رہا ہوں کہ انھوں نے تقدیر کے کاموں میں عجلت کی۔ مجھے نماز پڑھانے سے روک دیا، وہ میرے اور مسجد کے درمیان حائل ہوگئے، یعنی مسجد میں میرا آنا جانا بند کر دیا۔ مدینہ منورہ سے جو کچھ لوٹ سکتے تھے لوٹ لیا۔ اب جب کہ میں تمھیں یہ خط لکھ رہا ہوں وہ مجھے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار دے رہے ہیں:

- وہ کہتے ہیں کہ آپ نے جسے بھی صحیح یا غلط طریقے سے سزا دی ہے ہم اس کا بدلہ لیں گے اور اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں کریں گے۔

❊ میں خلافت سے علیحدہ ہو جاؤں اور وہ میرے علاوہ کسی دوسرے شخص کو خلیفہ مقرر کر لیں۔

❊ انھیں ان فوجیوں اور شہریوں کی طرف بھیجا جائے جو ان کے فرمانبردار ہیں اور وہ میری اس وفاداری اور اطاعت سے آزادی کا اعلان کر دیں جو اللہ نے ان پر فرض کر دی ہے۔

میں نے اس کے جواب میں ان سے کہا: ''جہاں تک مجھ سے بدلہ لینے کا تعلق ہے تو مجھ سے پہلے بھی خلفاء گزرے ہیں جو صحیح فیصلہ بھی کرتے تھے اور ان سے غلط فیصلے بھی صادر ہوئے مگر ان سے کوئی بدلہ نہیں لیا گیا۔ مجھے بخوبی علم ہے کہ وہ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں۔''

''اور جہاں تک خلافت سے دستبرداری اور علیحدگی کا تعلق ہے تو میں اسے کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ مجھے سخت ترین سزا بھی دیں تو وہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں اللہ بزرگ و برتر کے کام اور اس کی خلافت سے اعلان دستبرداری کروں۔''

'' اور جہاں تک میری اطاعت سے بے زاری کی اجازت کا تعلق ہے تو اس کا جواب میں نے یہ دیا ہے کہ میں ان کا وکیل نہیں ہوں۔ میں نے اس سے پہلے ان لوگوں کو زبردستی اطاعت پر مجبور نہیں کیا وہ اپنی رضامندی سے میری اطاعت کر رہے ہیں کیونکہ ان کا مقصد اللہ بزرگ و برتر کی رضا جوئی ہے، نیز وہ باہمی اصلاح کے خواہش مند ہیں۔ اور جو تم میں سے دنیا کا طلب گار ہے تو اسے اسی قدر حصہ ملے گا جس قدر اللہ بزرگ و برتر نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے اور جو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، روز آخرت اور اصلاح امت کا طلبگار ہے اور اللہ کی مرضی، رسول اللہ ﷺ کی سنت اور دونوں خلفاء کے طریقے پر چلنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور اس کا بدلہ دے گا، میں اس کو (مناسب) بدلہ نہیں دے سکتا۔ میں تمھیں ساری دنیا دے دوں تب بھی یہ تمھارے دین کی قیمت نہیں بن سکتی۔ اس سے تمھیں کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچے گا، لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہو اور اسی سے

بدلے کی امید رکھو۔ اگر تم میں سے کوئی وعدے کی خلاف ورزی کرنا چاہتا ہے تو میں اسے پسند کروں گا نہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تم اس سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دو۔''

''اور وہ جس بات پر مجھے مجبور کر رہے ہیں وہ تمام تر خلافت اور اقتدار کا جھگڑا ہے۔ (وہ کسی طریقے سے اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں) اب میں صرف اپنی ذات اور اپنے ساتھیوں کا اختیار رکھتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی نعمت کی تبدیلی کا انتظار کر رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی غلط روایت قائم ہو اور امت اسلامیہ میں اختلاف و انتشار پیدا ہو اور ناحق خونریزی ہو، اس لیے میں تمھیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ صرف حق بات قبول کرو میرے ساتھ بھی حق کے مطابق سلوک کرو۔ اہل حق کے خلاف بغاوت ترک کر دو۔ اور ہمارے معاملے کے بارے میں بھی عدل و انصاف کرو جیسا کہ اللہ عزوجل نے تمھیں حکم دیا ہے۔ میں اللہ عزوجل کا واسطہ دے کر تمھیں وعدے کی پاسداری اور اللہ کے دین کی نصرت و مدد کا عہد یاد دلاتا ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ ﴾

''اور تم عہد پورا کرو، بے شک عہد کی بابت سوال کیا جائے گا۔''[1]

''میں نے یہ معذرت اللہ کے سامنے پیش کر دی ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں قطعی طور پر اپنے آپ کو بے گناہ قرار نہیں دیتا کیونکہ یہ نفس برائی کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ ہاں میرا پروردگار مجھ پر رحم فرما دے تو دوسری بات ہے، وہ بہت بخشنے والا اور رحیم ہے۔ اگر میں نے کچھ لوگوں کو سزا دی ہے تو اس صورت میں بھی میری نیت صرف بھلائی کی تھی۔ اس

[1] بنی إسرآئیل 34:17.

کے باوجود میں اللہ کے حضور ہر (برے) کام سے توبہ کرتا ہوں اور اس سے معافی کا طلبگار ہوں کیونکہ وہی گناہ معاف کرسکتا ہے۔ یقیناً میرے رب کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ صرف بھٹکے ہوئے لوگ ہی اس کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔ وہ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ برائیوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خوب واقف ہے۔''

''میں اللہ عزوجل سے اپنی اور تمھاری مغفرت کا طلبگار ہوں۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے دلوں کو بھلائی پر متحد کرے اور ان کے دلوں میں برائی سے نفرت پیدا فرمائے۔

والسلام عليكم و رحمة الله و بركاته، أيها المؤمنون والمسلمون!

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ گرامی نامہ حجاج کرام کو مکہ میں 7 ذوالحجہ کو پڑھ کر سنایا۔[1]

کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنروں سے مدد طلب کی؟: سیف بن عمر کا خیال ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب محصور ہوگئے تو انھوں نے مختلف شہروں کے گورنروں کو لکھا کہ مدینہ منورہ میں ان کی مدد کے لیے امدادی افواج بھیجیں، چنانچہ اس کے جواب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔ اسی طرح مصر سے سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے معاویہ بن حدیج کی قیادت میں لشکر روانہ کیا۔ کوفہ سے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر نکلے۔[2]

لیکن یہ موقف درج ذیل وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں ہے:

* یہ خیال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی فتنوں کا مقابلہ کرنے کی پالیسی سے ٹکراتا ہے کیونکہ ان کا موقف یہ تھا کہ وہ ہر صورت امن اور عافیت کو ترجیح دیں گے اور لڑائی سے دور رہیں گے۔

[1] تاريخ الطبري: 5/425-431. [2] تاريخ الطبري: 5/379,380.

* سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے باعث یقین تھا کہ انھیں شہید کردیا جائے گا، اس لیے امداد طلب کرنا بے معنی معلوم ہوتا ہے۔
* کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد نے بارہا دفاع کرنے کی اجازت طلب کی لیکن آپ نے منع کردیا۔ ان کے موقف کی حمایت نہیں کی حتی کہ اپنے غلاموں کو بھی سختی سے لڑائی سے روک دیا۔ اعلان کیا کہ جو میری بات مان کر لڑائی سے دور رہے گا وہ میرے بعد آزاد شمار ہوگا، ...... جب صورتحال یہ تھی تو آپ فوج کس طرح طلب کرسکتے تھے؟

البتہ یہ ممکن ہے کہ جس طرح کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے بار بار روکنے کے باوجود بھی خود اپنی طرف سے آپ کا دفاع کیا، اسی طرح کئی علاقوں کے فوجی لشکر بھی ازخود ان کے کمانڈروں کے توجہ دلانے سے مظلوم خلیفہ کے تحفظ کے لیے نکل پڑے ہوں۔ یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ ہم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے شخص، جن کی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے رشتہ داری بھی تھی، کے بارے میں یہ گمان کریں کہ وہ یا ان کا لشکر انتظار کرتے رہے ہوں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوجائیں تو پھر جائیں گے۔ یوں انھوں نے جان بوجھ کر سستی کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح مصر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت کرنے والوں کے بارے میں بھی یہ گمان غلط ہے، جن کے کمانڈر معاویہ بن حدیج اور مسلمہ بن مخلد جیسے بہادر جرنیل ہوں، وہ اس انتظار میں رہے ہوں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوجائیں تو پھر بدلہ لینے کے لیے نکلیں گے اور اپنی جانیں پیش کریں گے بلکہ عین ممکن ہے کہ جب صورت حال خراب ہوگئی ہو اور افواہیں پورے ملک میں پھیل گئیں ہوں تو ان شہروں کے لشکر ازخود حرکت میں آگئے ہوں اور خلیفہ کی طرف سے مدد طلب کیے بغیر ہی ان کی مدد کے لیے مدینہ روانہ ہوگئے ہوں۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا آخری خطاب: محاصرہ ہوئے کئی ہفتے گزر گئے۔ ایک دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے خطاب کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے تمام لوگوں کو بلا بھیجا۔

[1] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين للدكتور حمدي شاهين، ص: 279,278.

سب جمع ہو گئے۔ حاضرین میں آپ کے خلاف بغاوت کرنے والا سبائی ٹولہ بھی تھا اور اطاعت پر قائم اہل مدینہ بھی۔ سیدنا علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم پیش پیش تھے۔ جب لوگ بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تمھیں دنیا صرف اس لیے دی ہے کہ تم اس کے ذریعے آخرت طلب کرو۔ دنیا اس لیے نہیں دی گئی کہ تم اس کے پجاری بن جاؤ اور اس پر مائل ہو جاؤ۔ دنیا فانی ہے۔ آخرت دائمی ہے۔ یہ فانی دنیا تمھیں دھوکے اور غرور میں مبتلا نہ کرے۔ ہمیشہ باقی رہنے والی آخرت سے غافل نہ کر دے۔ باقی رہنے والی آخرت کو فنا ہونے والی دنیا پر ترجیح نہ دو۔ تم دنیا کو جلد چھوڑ کر جدا ہو جاؤ گے۔ تمھارا ٹھکانا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اللہ عزوجل کا تقویٰ اختیار کرو۔ اس کا تقویٰ اس کے عذاب اور پکڑ سے بچاؤ کا ذریعہ اور ڈھال ہے۔ اپنی (مسلمانوں کی) جماعت کے ساتھ منسلک رہو اور گروہ بندیوں میں مت بٹو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ۠ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو اور تم اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچا لیا، اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔''[1]

پھر مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

[1] آل عمرٰن 103:3.

”اے اہل مدینہ! میں تمھیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اسی سے خواستگار ہوں کہ میرے بعد تمھیں اچھے خلیفہ سے نوازے۔ اللہ کی قسم! میں آج کے بعد کسی کے سامنے نہیں آؤں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں اپنا فیصلہ جاری فرما دے۔ میں ان خوارج کو دروازے کے پیچھے ہی رکھوں گا، ان سے کوئی سمجھوتہ نہیں کروں گا۔ انھیں ان کے ناروا مطالبات کے سلسلے میں کوئی رعایت نہیں دوں گا جس سے فائدہ اٹھا کر یہ لوگ تمھارے دین و دنیا میں بگاڑ پیدا کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جو پسند کرے فیصلہ فرما دے۔“

اس کے بعد آپ نے اہل مدینہ کو واپس جانے کا حکم دیا۔ انھوں نے پس و پیش کیا تو انھیں قسم دے کر واپس جانے کا حکم دیا، چنانچہ بیشتر لوگ لوٹ گئے، البتہ سیدنا حسن بن علی، محمد اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ اپنے والدین کے حکم کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے ہی پر بیٹھے رہے۔ کئی دیگر لوگ بھی ان کی طرف لوٹ آئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ گوشہ نشین ہو گئے[1] اور شہادت تک گوشہ نشین ہی رہے۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ

خلیفہ کی امداد کے لیے مختلف شہروں میں لشکر متحرک ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ حج کے ایام بھی تیزی سے گزر رہے تھے۔ اس بات کا بھی قوی امکان ظاہر کیا جا رہا تھا کہ حجاج کرام جلد خلیفہ کی مدد کے لیے پہنچ رہے ہیں، بالخصوص سیدنا ابن عباس اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم جیسے خلیفہ کے حمایتی بھی حجاج میں موجود تھے۔ باغیوں اور سبائیوں کو یہ خبریں موصول ہونے لگیں کہ مختلف شہروں کی فوج کے علاوہ حجاج کرام بھی خلیفہ کی کمک پر ہیں اور مدینہ کا رخ کر چکے ہیں چنانچہ شیطان نے انھیں اپنے جال میں پھنسایا اور انھوں نے سوچا کہ ہم

[1] تاريخ الطبري: 400,399/5.

جس مشکل میں گھر چکے ہیں اس سے نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جائے تاکہ لوگوں کی توجہ ہم سے ہٹ کر اس سانحے کی طرف لگ جائے۔[1]

محاصرے کی آخری رات اور خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت: محاصرے کے آخری روز، جس دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا، آپ سوئے اور صبح بیدار ہو کر لوگوں کو بتایا کہ یہ سبائی لوگ مجھے شہید کر دیں گے۔[2] پھر فرمایا: ''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: «یَا عُثْمَانُ! أَفْطِرْ عِنْدَنَا» ''اے عثمان! آج ہمارے ہاں افطار کرو۔'' اس روز عثمان رضی اللہ عنہ نے روزہ رکھا اور اسی روز شہید کر دیے گئے۔[3]

شہادتِ عثمان کے المناک مناظر: شقی القلب باغیوں نے آپ کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ سیدنا حسن بن علی، عبداللہ بن زبیر، محمد بن طلحہ، مروان بن حکم اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام کے صاجزادوں نے مزاحمت کی۔ لڑائی چھڑ گئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھا تو بلند آہنگی سے فرمایا: ''اللہ! اللہ! تم میری نصرت سے بری الذمہ ہو، لڑائی نہ کرو۔'' لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام آگے بڑھے کہ آپ کی مدد کریں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں روک دیا بلکہ اعلان کر دیا کہ جو لڑائی نہیں کرے گا وہ آزاد ہے۔[4] پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑے اصرار کے ساتھ پر زور اعلان فرمایا: ''جو شخص سمجھتا ہے کہ اس پر میری اطاعت اور پیروی ضروری ہے میں اسے حکم دیتا ہوں کہ وہ لڑائی سے باز رہے۔''[5] اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے باعث یقین ہو چکا تھا کہ اب انھیں شہید کر دیا جائے گا، اس لیے وہ نہیں چاہتے

[1] تاریخ الطبري: 402/5. [2] الطبقات لابن سعد: 75/3، وفتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 172/1. [3] الطبقات لابن سعد: 75/3، وفتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 175/1. [4] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين للدكتور حمدي شاهين، ص: 282، والبداية والنهاية: 190/7. [5] العواصم من القواصم لابن العربي، ص: 133.

تھے کہ ان کی خاطر کشت وخون ہو اور مسلمانوں کے مابین فتنہ کھڑا ہو جائے۔[1]

مغیرہ بن اخنس ان لوگوں میں سے تھے جو حج سے فراغت پا کر جلد ہی وطن واپس آگئے تھے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے مدینہ منورہ پہنچ گئے وہ آپ کے دفاع کے لیے آپ کے گھر میں داخل ہو گئے اور حضرت عثمان سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: ''اگر ہم نے آپ کو اسی طرح شدید خطرے کی حالت میں چھوڑ دیا تو ہم اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ ہم طاقت رکھتے ہیں اور ہم آپ کا اس وقت تک دفاع کریں گے جب تک ہمیں موت نہ آجائے۔'' باغیوں نے گھر کے دروازے اور چھت کو آگ لگا دی، اہل خانہ مشتعل ہو گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے، فارغ ہو کر انھیں سمجھایا کہ مشتعل نہ ہوں۔ مغیرہ بن اخنس، حسن بن علی، محمد بن طلحہ، سعید بن عاص، مروان بن حکم اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے لڑائی کی اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ انھیں پیغام بھیجتے رہے کہ لڑائی ترک کر دو۔ واپس چلے جاؤ، پھر وہ نماز میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے نماز میں سورۂ طٰہٰ کی تلاوت شروع کی:

﴿طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝﴾

''طٰہٰ۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ مگر (یہ تو) اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔''[2]

آپ قراءت کرتے رہے، شور وغل اور ہنگامہ آرائی سے ذرا متاثر نہ ہوئے۔ بغیر کسی غلطی اور رکاوٹ کے اپنی قراءت جاری رکھی اور خارجیوں کے اندر گھس آنے سے پہلے پہلے سورت کے آخر تک قراءت کر ڈالی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو بیٹھ گئے۔ اور یہ آیت پڑھی:

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝﴾

[1] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين للدكتور حمدي شاهين، ص: 283. [2] طٰهٰ 20:1-3.

"تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں، چنانچہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (نبیوں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟"[1]

اس روز قریش کے چار نوجوان: سیدنا حسن بن علی، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، محمد بن حاطب اور مروان بن حکم رحمہ اللہ زخمی ہوئے۔[2] اور مغیرہ بن اخنس، نیار بن عبداللہ اسلمی اور زیاد فہری شہید ہو گئے۔[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دفاع کرنے والوں کو مطمئن کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ گھر سے چلے جائیں۔ اب آپ کے اور محاصرہ کرنے والوں کے مابین کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ گھر میں صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ رہ گئے۔ اب محاصرین کے سامنے کوئی دفاع کرنے والا موجود نہ تھا، چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گھر کا دروازہ کھول دیا۔[4]

جب دفاع کی غرض سے آئے ہوئے سب لوگ چلے گئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف کھول لیا اور تلاوت قرآن شروع کر دی۔ اس دن آپ روزے سے تھے۔ محاصرین میں سے ایک باغی، جس کے نام کا روایات میں کوئی ذکر نہیں ملتا، آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا: "میرے اور تیرے درمیان کتاب اللہ ہے۔"[5] وہ شخص آپ کو اسی حالت میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ ابھی وہ نکلا ہی تھا کہ ایک اور شخص گھس آیا۔ یہ بنوسدوس قبیلے کا فرد تھا۔ اسے "موت الاسود" کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اس نے تلوار کا وار کرنے سے پہلے آپ کا گلا دبایا۔ اس کا بیان ہے: "اللہ کی قسم! میں نے ان کی گردن سے زیادہ ملائم چیز کبھی نہیں دیکھی۔ میں نے جب ان کا گلا دبایا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ان کے جسم میں جن گردش کر رہا ہے۔"[6] پھر اس نے ان پر تلوار کا وار کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہاتھ

[1] آل عمرٰن 3:137. [2] فتنة مقتل عثمان رضي الله عنه للدكتور محمد عبد الله الغبان: 169/1. [3] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 185,184، والبداية والنهاية: 196/7. [4] فتنة مقتل عثمان رضي الله عنه للدكتور محمد عبد الله الغبان: 188/1. [5] تاريخ الطبري 406,405/5. [6] تاريخ خليفة بن خياط، ص: 175,174 إسناده صحيح أو حسن.

سے اس کے وار کو روکا تو ان کا ہاتھ کٹ گیا۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! یہ پہلی ہتھیلی تھی جس نے مفصل سورتوں کو لکھا تھا۔[1] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وہ پہلے کاتب وحی تھے جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مصحف کی املاء کی۔ انھیں کلام الٰہی کے عین سامنے شہید کردیا گیا۔ ہاتھ کٹنے کے بعد بہنے والے خون کے چھینٹے اس مصحف پر پڑے جس کی آپ تلاوت فرما رہے تھے۔ زندگی کی آخری ہچکی لیتے ہوئے ذوالنورین کی زبان سے یہ آسمانی الفاظ نکلے:

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

''سو ان کے مقابلے میں آپ کو اللہ کافی ہے اور وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''[2]

ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جس بدبخت نے آپ پر وار کیا وہ رومان یمانی تھا اور اس نے آپ پر ہاکی کی طرح ڈنڈے کا وار کیا۔ جب خارجی آپ کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے تو آپ نے یہ اشعار پڑھے:

أَرَى الْمَوْتَ لَا يُبْقِي عَزِيزًا وَّلَمْ يَدَعْ ... لِعَادٍ مَلَاذًا فِي الْبِلَادِ وَ مَرْبَعَا
يُبَيِّتُ أَهْلَ الْحِصْنِ وَالْحِصْنُ مُغْلَقٌ ... وَيَأْتِي الْجِبَالَ فِي شَمَارِيخِهَا الْعُلَى

''میں دیکھتا ہوں کہ موت کسی طاقتور کو نہیں چھوڑتی۔ اس نے قوم عاد کے لیے شہروں میں کوئی جائے پناہ نہیں چھوڑی۔ وہ قلعہ بند لوگوں کو بھی آلیتی ہے، حالانکہ قلعہ بند ہوتا ہے۔ موت وہ چیز ہے جو بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیاں پھلانگ کر بھی آدبوچتی ہے۔''[3]

جب باغیوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو گھیرے میں لے لیا تو آپ کی بیوی سیدہ نائلہ

[1] تاريخ الطبري:398/5. [2] البقرة2:137، وتاريخ الطبري:398/5 والخبر حسن لغيره. [3] فتنة مقتل عثمان رضي الله عنه للدكتور محمد عبد الله الغبان: 191/1، والبداية والنهاية: 192/7.

بنت فرافصہ نے آپ کا دفاع کیا اور آپ پر جھک کر آپ کے وجود پر چھا گئیں اور تلوار کے قاتلانہ وار اپنے ہاتھ پر روکتی رہیں۔ سودان بن حمران نے اس واجب الاحترام نہتی خاتون کا بھی کوئی پاس لحاظ نہیں کیا۔ اس بدبخت نے ان پر بھی حملہ کر دیا۔ تلوار مار کر ان کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ جب وہ مڑیں تو ان کے پہلو پر بھی تلوار کا کچوکا لگا دیا۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نجیح نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے صدمے سے لرز اٹھے۔ اور غصے سے بے قابو ہو کر سودان بن حمران پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے اس ظالم کو آن کی آن میں قتل کر دیا۔ ادھر قتیرہ بن فلان سکونی نے جب دیکھا کہ نجیح نے سودان کو قتل کر دیا ہے تو اس نے نجیح پر وار کر کے انھیں شہید کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا صبیح نامی ایک اور غلام قتیرہ بن فلان پر ٹوٹ پڑا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب گھر میں چار افراد کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے دو شہید تھے اور دو مجرم۔ شہید سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کا غلام نجیح تھے جبکہ مجرم سودان اور قتیرہ تھے اور دونوں سکونی تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو ایک سبائی پکارا: ''جس کا خون ہمارے لیے حلال تھا اس کا مال بھی حلال ہے، لہٰذا اس گھر میں جو کچھ ہے لوٹ لو''، پھر سبائیوں نے گھر میں لوٹ مار شروع کر دی۔ گھر کی ہر چیز لوٹ لی یہاں تک کہ عورتوں کے زیورات بھی چھین لیے۔ ایک سبائی کلثوم تجیبی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ پر جھپٹا اور ان کی چادر چھین لی۔ اس نے ان کے پہلو میں تلوار کا چرکا بھی لگایا اور بدزبانی بھی کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک غلام صبیح نے جب یہ وحشیانہ منظر دیکھا اور گستاخانہ گفتگو سنی تو تلوار لے کر تجیبی پر ٹوٹ پڑا اور اسے قتل کر دیا۔ ایک سبائی نے اس غلام پر حملہ کر کے اسے شہید کر دیا۔ گھر کو لوٹنے کے بعد انھوں نے صدا لگائی کہ اب بیت المال کا رخ کرو اور جلدی پہنچو تاکہ کوئی اسے محفوظ مقام پر نہ لے جائے اور وہاں جو کچھ بھی ملے، لوٹ لو۔

[1] تاریخ الطبري: 407,406/5.

بیت المال کے محافظوں نے جب یہ اعلان سنا تو انھوں نے ایک دوسرے سے کہا:
''ارے! بھاگ چلو یہ تو صرف دنیا کے دیوانے ہیں۔'' بیت المال میں صرف دو بوریاں
غلہ تھا جسے سبائی لوٹ کر لے گئے۔[1]

خارجیوں اور سبائیوں کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا۔ انھوں نے امیر المومنین کو شہید کر دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد چرواہے اور بازاری قسم کے لوگ جنھیں سبائی اپنے مقاصد کے لیے آلۂ کار کے طور پر استعمال کر رہے تھے متفکر ہو گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنا وحشیانہ قدم بھی اٹھایا جائے گا کہ امیر المومنین کو شہید کر دیا جائے گا۔ انھیں ان کے شیاطین سبائیوں نے غافل رکھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف یورش میں ان سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور انھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل جیسے بھیانک اور الم انگیز معاملے میں گھسیٹ لائے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سبائیوں نے سب سے بڑا ظلم خود ڈھا کر الزام ان بازاری اور چرواہے قسم کے لوگوں پر ڈال دیا۔ ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہوا جس طرح بنی اسرائیل کے ساتھ بچھڑے کو معبود بنانے کے بعد ہوا تھا کہ اسے معبود بنانے کے بعد بعض لوگ نادم اور پریشان ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ○ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

''اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات سے ایک بچھڑا بنا لیا، وہ ایک جسم تھا جس کی آواز گائے کی تھی۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ وہ ان سے کلام نہیں کرتا اور نہ انھیں کوئی راستہ بتاتا ہے؟ (پھر بھی) انھوں نے اسے (معبود) بنا لیا اور وہ ظالم تھے۔ اور جب انھیں شرمندگی ہوئی اور انھوں نے

[1] تاریخ الطبري:5/407.

دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے: اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں (شامل) ہو جائیں گے۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صلحائے مدینہ نہایت غمگین اور پریشان ہو گئے، ان کی زبانوں پر انا للہ وانا الیہ راجعون کے الفاظ تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی۔ لیکن وہ بے بس تھے آخر کیا کرتے؟ مدینہ منورہ پر سبائی قابض تھے۔ وہ فساد برپا کر رہے تھے۔ مقامی باشندوں کو کوئی اقدام کرنے کی اجازت نہ تھی۔ عملی طور پر مدینہ منورہ کا حاکم مصر کے خارجیوں کا سرغنہ غافقی بن حرب عکی تھا اور فسادیوں کے ساتھ اس حادثے کا اصل منصوبہ ساز شیطانِ اعظم عبداللہ بن سبا تھا۔ وہ اپنے مقاصد کی تکمیل اور یہودی اہداف کے پورا ہونے پر نہایت خوش تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے درج ذیل تبصرے کیے:

※ ... بن عوام رضی اللہ عنہ: سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ عثمان پر رحم فرمائے! إنا للّٰه وإنا إليه راجعون.'' انھیں بتایا گیا کہ قاتلین عثمان اب بہت پریشان اور نادم ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ''وہ غور و فکر کرتے رہے۔ لیکن راہِ راست نہ پا سکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ نادم رہیں گے۔

... بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِم مِّن قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ ...

''اور ان کے اور ان چیزوں کے درمیان جنھیں وہ چاہتے ہیں، آڑ حائل کر دی جائے گی، جیسے اس سے پہلے ان جیسوں کے ساتھ کیا گیا تھا، بلاشبہ وہ ایسے شک میں مبتلا تھے جو تردّد میں ڈالنے والا ہے۔''[2]

※ سیدنا ... بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ: سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے کہا:

[1] الأعراف 6:148,149. البداية والنهاية: 7/197,198. [2] سبا 34:54.

’’اللہ عثمان پر رحم فرمائے! إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون.‘‘ ان سے کہا گیا کہ اب قتل کرنے والے لوگ پریشان ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ’’تف ان پر، وہ تباہ ہوں۔‘‘ انھیں یقیناً اللہ کا عذاب آ پکڑے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا:

﴿ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ○ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ○ ﴾

’’وہ تو صرف ایک (ہولناک) چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جو انھیں آ پکڑے گی جبکہ وہ (آپس میں) جھگڑ رہے ہوں گے، پھر نہ تو وہ کسی وصیت کرنے کی طاقت رکھیں گے اور نہ اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ ہی سکیں گے۔‘‘[1]

❁ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہادت عثمان کا علم ہوا تو انھوں نے فرمایا: ’’اللہ عثمان پر رحمتوں کا نزول فرمائے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون.‘‘ انھیں بتایا گیا کہ قاتلین اب نادم ہو رہے ہیں تو انھوں نے درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ پڑھا:

﴿ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾

’’ان کی مثال شیطان کی سی ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر، پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے: بے شک میں تجھ سے بری ہوں، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ لہٰذا ان دونوں کا انجام یہی ہوگا کہ بے شک وہ ہمیشہ (دوزخ کی) آگ میں رہیں گے اور ظالموں کی سزا یہی ہے۔‘‘[2]

❁ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ: جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو شہادتِ عثمان کا علم ہوا تو انھوں نے فرمایا: ’’اللہ عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے‘‘ پھر درج ذیل آیت تلاوت فرمائی:

[1] یٰسٓ 36:49، 50۔ [2] الحشر 59:16، 17۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ أَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝

''کہیے: کیا ہم تمھیں اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ پانے والے بتائیں؟ جن کی سعی دنیاوی زندگی میں اکارت گئی، جبکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یقیناً وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، چنانچہ ان کے اعمال برباد ہوگئے، لہٰذا روزِ قیامت ہم ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔ یہ ہے ان کی سزا جہنم، اس وجہ سے کہ انھوں نے کفر کیا، اور میری آیات اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا بنایا۔''[1]

پھر سعد رضی اللہ عنہ نے ان خارجیوں کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! انھیں ذلیل و خوار کر۔ پھر ان کا مؤاخذہ فرما۔''[2] اللہ تعالیٰ نے سعد رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی۔ وہ مستجاب الدعوات تھے۔ بالآخر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تمام لوگ پکڑے گئے جیسے عبداللہ بن سبا، غافقی، اشتر، حکیم بن جبلہ اور کنانہ تجیبی وغیرہ۔ پھر انھیں قتل کر دیا گیا۔[3]

تاریخِ شہادت، نمازِ جنازہ اور کفن دفن

تاریخِ شہادت: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سن شہادت پر تقریباً مؤرخین کا اجماع ہے کہ یہ 35ھ ہے، البتہ مصعب بن عبداللہ سے مروی ہے کہ آپ 36ھ میں شہید ہوئے۔[4] لیکن ان کا یہ قول شاذ ہے کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہے اور پہلے قول کے قائلین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سرفہرست عبداللہ بن عمرو بن عثمان، عامر بن شرحبیل شعبی، نافع

[1] الكهف 18:103-106. [2] تاريخ الطبري:5/408,407، والبداية والنهاية: 7/198,197.
[3] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص:192. [4] تاريخ الطبري5/436,435.

مولی ابن عمر اور مخرمہ بن سلمان ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اہل علم کی کثیر تعداد ہے جو پہلے قول ہی کی تصدیق کرتی ہے۔[1]

اسی طرح آپ کی شہادت کے مہینے میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ ذوالحجہ کا مہینہ تھا، البتہ دن اور وقت میں اختلاف ضرور ہے۔ میرے نزدیک ان اقوالِ اہل علم میں سے راجح یہ ہے کہ آپ کو 18 ذوالحجہ 35 ھ کو شہید کیا گیا۔[2] ہفتے کے دنوں میں سے کون سا دن تھا تو اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ میرے نزدیک جمہور کا قول راجح ہے کہ آپ کو بروز جمعہ شہید کیا گیا۔[3] کیونکہ یہ قول تمام اقوال سے زیادہ قوی ہے۔ اسی طرح وقت کے متعلق جمہور کا قول، جو زیادہ قوی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کو جمعے کے دن صبح کے وقت شہید کیا گیا۔[4]

عمر مبارک: شہادت کے وقت آپ کی عمر کتنی تھی، اس میں خاصا اختلاف ہے اور اس کی وجہ روایات میں پایا جانے والا اضطراب ہے، اس لیے امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہم سے پہلے سلف میں بھی آپ کی عمر کے بارے میں اختلاف پایا جاتا تھا کہ آپ نے حیات مستعار کے کتنے دن گزارے۔''[5]

میرا میلان یہ ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر 82 سال تھی۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ یہ قول درج ذیل وجوہ کی بنا پر راجح ہے:

❊ سن شہادت اور سن ولادت کا حساب لگایا جائے تو اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ آپ عام الفیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے اور 35 ھ کو شہید ہوئے، یوں درمیانی عرصہ 82 سال ہی بنتا ہے۔

❊ یہ قول اس لیے بھی راجح ہے کہ جمہور اہل علم کا یہی خیال ہے۔ ان کے مقابلے میں

[1] فتنة مقتل عثمان للدكتور محمد عبد الله الغبان: 1/193,194. [2] تاريخ الطبري: 5/435.
[3] تاريخ الطبري: 5/436. [4] تاريخ الطبري: 5/437. [5] تاريخ الطبري: 5/438.

دیگر حضرات کے پاس کوئی دلیل نہیں۔[1]

جسدِ خاکی، نمازِ جنازہ اور کفن دفن: جس دن آپ شہید ہوئے اسی دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے آپ کو غسل دیا اور کفن دفن کا انتظام کیا۔ ان میں حکیم بن حزام، حویطب بن عبدالعزی، ابو الجہم بن حذیفہ، دینار بن مکرم اسلمی، جبیر بن مطعم، زبیر بن عوام، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اور آپ کے عزیز واقارب، آپ کی دو بیویاں نائلہ بنت فرافصہ اور ام البنین بنت عتبہ بن حصین بھی شامل تھیں۔ اسی طرح کئی بچے بھی آپ کے جنازے میں شامل ہوئے۔

نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ دوسرا قول سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اسی طرح مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ کے متعلق بھی آتا ہے کہ انھوں نے پڑھائی۔[2] راجح یہ ہے کہ آپ کی نماز جنازہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مسند احمد کی ایک روایت میں وضاحت ہے کہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جنارہ پڑھائی اور انھیں دفن کیا کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی نے اس کی وصیت کی تھی۔[3] رات کے وقت آپ کو دفن کیا گیا۔ اس کی تائید ابن سعد اور امام ذہبی کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ کو مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں دفن کیا گیا۔[4]

اور جو طبرانی کی عبدالملک بن ماجشون کے طریق سے روایت ہے کہ انھوں نے امام مالک سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی میت تین دن تک فلاں قبیلے کے کوڑے کے ڈھیر پر بے گوروکفن پڑی رہی۔[5] تو اس روایت کی سند ضعیف اور اس کا

[1] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدكتور محمد عبد الله الغبان: 204/1. [2] البداية والنهاية: 199/7.
[3] مسند أحمد: 74/1، اس کی سند منقطع ہے۔ [4] الطبقات لابن سعد: 78/3، وتاريخ الإسلام للذهبي (عهد الخلفاء)، ص: 481. [5] المعجم الكبير: 78/1، واستشهاد عثمان، ص: 194.

متن باطل ہے۔ اس کی سند میں دو علتیں (کمزوریاں) ہیں:

* عبدالملک بن ماجشون ضعیف راوی ہے جو امام مالک سے منکر روایات بیان کرتا ہے۔

* یہ روایت مرسل ہے کیونکہ امام مالک شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت موجود نہیں تھے۔ ان کی پیدائش 93 ھ میں ہوئی تھی۔[1]

اسی طرح اس روایت کا متن بھی باطل ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو شخص یہ کہے کہ آپ کی لاش تین دن تک کوڑے کے ڈھیر پر بے گوروکفن پڑی رہی تو یہ سراسر جھوٹی اور من گھڑت بات ہے۔ یہ اس شخص کی من گھڑت کہانی ہے جسے ذرا حیا نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن کفار قریش کی لاشوں کو بھی کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا تھا اور ان پر مٹی ڈال دی تھی، حالانکہ وہ اللہ کی مخلوق میں سے بدترین لوگ تھے۔ اسی طرح آپ نے بنوقریظہ کے یہود کے لیے بھی گڑھے کھدوائے، حالانکہ وہ روئے زمین کے سب سے زیادہ بدچلن لوگ تھے، لہٰذا مومن اور کافر کو چھپانا، یعنی دفنانا مسلمانوں پر فرض ہے۔ کیا کوئی صاحب ضمیر، حیا کی ادنیٰ سے رمق رکھنے والا انسان بھی اس بات کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی طرف منسوب کرسکتا ہے کہ ان کے سامنے ان کے سب سے بڑے صاحب حیا اور برگزیدہ خلیفہ کی میت تین دن تک بے گوروکفن کوڑے کے ڈھیر پر پڑی رہی ہو اور انھوں نے اسے دفن نہ کیا ہو۔''[2]

رافضیت کی بیماری سے محفوظ کوئی ذی شعور انسان یہ تصور ہی نہیں کرسکتا کہ انھوں نے اپنے امام کی میت کو تین دن تک کوڑے کے ڈھیر پر پڑا رہنے دیا ہو، چاہے محاصرین اور بلوائی کتنے ہی زورآور ہوں اور ان کا غلبہ ہو، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے لوگوں سے، جن کی اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی بیان کی ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے

[1] تهذيب التهذيب لابن حجر: 408/6. [2] الفصل في الملل والأهواء والنحل لابن حزم الظاهري: 240,239/4.

نہیں ڈرے تھے یہ واقع کیسے ممکن ہے؟ اس طرح کی روایات جو کتب تاریخ میں در آئی ہیں وہ سب افسانے کی جھوٹی داستان سرائیاں ہیں۔[1]

محمد بن ابی بکر کے بارے میں ایک شبہے کا ازالہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بدبخت قاتل ایک مصری تھا۔ روایات میں اس کے نام کی صراحت نہیں ملتی تاہم اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ سدوسی قبیلے کا تھا۔ اس کا رنگ کالا تھا۔ کالے رنگ کی وجہ سے ''جبلہ'' کے لقب سے معروف تھا اور اسے موت الاسود بھی کہا جاتا تھا۔ محبّ الدین خطیب کا موقف یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل عبداللہ بن سبا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بات ثابت ہے کہ ابن سبا مصری ٹولے کے ساتھ تھا کیونکہ وہ فسطاط سے انھی کے ساتھ نکلا تھا اور انھی کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا تھا۔ وہ ہر وقت پس پردہ رہ کر طرح طرح کی خباثتیں پھیلانے کا خوگر تھا۔ ممکن ہے ''موت الاسود'' اسی کا کوئی خفیہ نام ہو جس سے اصل مقصود وہی ہوتا کہ وہ اسلام کو سبوتاژ کرنے میں اپنی تخریبی کارروائیاں جاری رکھ سکے۔[2] اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن سبا کالے رنگ کا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے اسے خبیث اور کالا کہا ہے۔ اس کے بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کیا لفظ یہ ہیں: «الخبیث الأسود» کالا خبیث۔[3]

محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں جو یہ معروف ہے کہ انھوں نے چھری یا چاقو کا وار کر کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، بالکل جھوٹ ہے۔ اس بارے میں وارد روایات ضعیف ہیں اور ان کے متون شاذ ہیں کیونکہ یہ ان صحیح روایات کے یکسر خلاف ہیں جن میں ہے کہ آپ کو ایک مصری نے شہید کیا۔[4]

[1] عقیدۃ أهل السنة للدکتور ناصر بن علي: 1091/3. [2] العواصم من القواصم بحوالة عن فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد الله الغضبان: 207/1. [3] لسان المیزان لابن حجر: 290/3. [4] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد الله الغبان: 209/1.

دکتور یحییٰ الیحیی نے کئی اسباب بیان کیے ہیں جن سے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی براءت ثابت ہوتی ہے:

❊ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ کی جانب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے نکلیں۔ اگر ان کے بھائی بھی ان میں سے ہوتے تو بعد میں ان کے قتل ہونے پر افسوس اور غم نہ کرتیں۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

❊ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان سے براءت کا اظہار کیا اوران پر لعنت کی۔ اس کا تقاضا تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنا قرب یا کسی علاقے کی گورنری نہ دیتے، حالانکہ انھوں نے محمد بن ابوبکر کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ اگر وہ قتل عثمان میں ملوث ہوتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ انھیں کبھی گورنر مقرر نہ کرتے۔

❊ ابن عساکر میں ہے صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام کنانہ بیان کرتے ہیں کہ شہادت عثمان کے وقت میں موجود تھا اور میری عمر چودہ سال تھی۔ میں نے پوچھا: ''کیا محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خون کیا۔'' انھوں نے کہا: ''معاذ اللہ! ہرگز نہیں۔'' وہ ان کے گھر میں داخل ہوئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''بھتیجے! تم میرے قاتل نہیں ہو۔'' یعنی تمھیں قتل زیب نہیں دیتا تو وہ باہر نکل گئے اوران کے ہاتھ خونِ عثمان سے آلودہ نہیں ہوئے۔''[1]

اس کی تائید حسن بصری رحمہ اللہ کے قول سے بھی ہوتی ہے، یہ بھی اس روز وہاں موجود تھے، کہ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما داخل ہوئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی پکڑی تو انھوں نے فرمایا: ''تم نے یہ ایسی حرکت کی ہے جسے کرنے کی تمھارے والد بھی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔'' یہ بات سن کر محمد بن ابوبکر باہر نکل گئے۔[2]

[1] مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري، ص:243. [2] مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري، ص:244، و تهذيب الكمال للمزّي:97/6.

اس سے معلوم ہوا کہ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما خون عثمان سے بری تھے۔ اور اس الزام کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے تھے۔[1] امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے گفتگو کی تو انھیں حیا آگئی اور وہ واپس چلے گئے، بہت نادم ہوئے۔ اپنا چہرا ڈھانپ لیا اور لڑائی سے باز رہے لیکن ان کی علیحدگی ان کے لیے سود مند نہ ہوئی (اور وہ اس الزام میں دھر لیے گئے۔)[2]

شہادتِ عثمان کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف

بعض کتب تاریخ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے الم انگیز قتل کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے اور اس کی بنیادی وجہ رافضیوں کی وہ روایات ہیں جنھیں بیشتر مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔ اس حادثے کے متعلق طبری اور دیگر کتب میں ابو مخنف، واقدی اور ابن اعثم وغیرہ اور دیگر مؤرخین کی روایات کو دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس پوری سازش کے پیچھے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔

ابو مخنف شیعیت کی طرف میلان رکھتا ہے۔ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر یہاں تک اتہام لگانے میں باک محسوس نہیں کرتا کہ ان سے بڑی غلطیاں سرزد ہوئیں، لہٰذا جو سلوک ان کے ساتھ کیا گیا وہ اسی کے مستحق تھے۔ وہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح پیش کرتا ہے جیسے وہ بھی بلوائیوں ہی کے ایک فرد تھے جن کے سینے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام لینے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ واقدی کی روایات بھی اس سے ملتی جلتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مدینہ آتے تھے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی اور طعن کرتے تھے۔ اسی طرح رافضیوں کی بہت سی روایات اس سازش کے پس پردہ صحابہ کرام کو کارفرما بتاتی ہیں کہ انھوں نے یہ فتنہ برپا کیا اور لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اکسایا۔ لیکن یہ سراسر جھوٹ

[1] فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ للدکتور محمد عبد الله الغبان: 209/1. [2] البداية والنهاية: 193/7.

اور کذب بیانی ہے۔[1] روافض کی ان موضوع اور ضعیف روایتوں کے برعکس الحمدللہ محدثین کی کتابوں میں صحیح روایات بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابۂ کرام سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پر جوش حمایتی اوران کا دفاع کرنے والے تھے اوران کے قتل سے بری تھے۔ یہ صحابہ کرام ہی تھے جنھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا۔ اس لیے ان کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ان فتنوں کو ہوا دینے یا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے میں کسی بھی طرح شریک تھے۔[2]

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری تھے۔ جو شخص اس کے برعکس نظریہ رکھے اور کہے کہ صحابہ بھی اس میں شریک تھے تو اس کا موقف باطل ہے جسے پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لیے وہ ایک بھی صحیح دلیل پیش نہیں کرسکتا۔ اسی لیے خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے۔ اُن سے پوچھا گیا: ''کیا کوئی انصاری یا مہاجر صحابی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھا؟'' تو انھوں نے فرمایا: ''نہیں، اہل مصر کے سنگ دل لوگوں نے آپ کو شہید کیا۔'' امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ کے قتل میں کوئی صحابی شریک نہیں تھا۔ آپ کو قتل کرنے والے اجڈ، گھٹیا، شرپسند، رذیل اور کمینے لوگ تھے جو مختلف ٹولیوں کی شکل میں آپ کے قتل کے ارادے سے مصر سے آئے، مدینہ میں موجود صحابہ انھیں روکنے سے عاجز تھے۔ باغیوں ہی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا اور بالآخر آپ کو شہید کردیا۔''[3]

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ''وہ مختلف شہروں کے گنوار اور اجڈ تھے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''وہ مختلف قبائل کے جھگڑالو لوگ تھے۔''[4] ابن سعد فرماتے ہیں: ''وہ گھٹیا اور کمینے لوگ تھے جو شر اور فساد پر متفق ہوگئے تھے۔''[5]

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 2/14-18. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور أمحزون: 2/14-18. [3] شهيد الدار عثمان بن عفان لأحمد الخروف، ص: 148. [4] شرح النووي على صحيح مسلم: 15/148. [5] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 1/481، والطبقات لا بن سعد: 3/71.

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فساد کرنے والے، گمراہ، باغی اور حد سے تجاوز کرنے والے خارجی لوگ تھے۔''[1] امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وہ شریروں کے سردار اور پرلے درجے کے بے فیض اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونے والے لوگ تھے۔''[2] ابن عماد حنبلی اپنے شذرات میں ان کے متعلق فرماتے ہیں: ''وہ اوباش قبیلوں کے گھٹیا لوگ تھے۔''[3]

ان کی ان مذکورہ بالا خصلتوں کی تائید دوران محاصرہ ان کے کردار سے ہوتی ہے کہ انھوں نے خلیفہ برحق پر کس قدر ظلم و عدوان روا رکھا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس پانی سے بھی روک دیا جسے انھوں نے اپنے ذاتی مال سے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا تھا۔[4] وہ کھانے کی چیزیں بھی آپ کے گھر نہ جانے دیتے، جبکہ مسلمانوں پر جب بھی کوئی تنگی آئی یا قحط سالی ہوئی انھوں نے اپنا ڈھیروں مال مسلمانوں کی راحت کے لیے بے دریغ پیش کر دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کے مصائب اور مشکلات میں مسلسل خرچ کرنے والے تھے۔[5] حتی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس صورت حال میں محاصرین کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! جو کچھ تم کر رہے ہو مسلمان تو درکنار کافر بھی ایسا نہیں کرتے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا پانی اور کھانا بند نہ کرو۔ یہ کام تو رومی اور ایرانی (کافر) بھی نہیں کرتے، وہ بھی جسے قید کرتے ہیں اس کا کھانا پینا بند نہیں کرتے۔''[6]

صحیح تاریخی روایات اور تاریخی واقعات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خون عثمان رضی اللہ عنہ سے بری تھے اور وہ اس حادثے میں کسی طرح بھی شریک نہیں تھے۔ انھوں نے لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکایا نہ قتل میں شریک ہوئے۔[7]

[1] منهاج السنة لابن تيمية:3/189-206. [2] دول الإسلام للذهبي:1/512. [3] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:1/482، وشذرات الذهب لابن العماد الحنبلي:1/40. [4] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:1/482، وشذرات الذهب لابن العماد الحنبلي:1/40. [5] التمهيد والبيان لمحمد بن يحيى الأندلسي، ص:242. [6] تاريخ الطبري: 5/400. [7] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:2/18.

ذیل میں ہم خون عثمان سے براءت کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال نقل کرتے ہیں:

اہل بیت رضی اللہ عنہم کی طرف سے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ سے بری ہونے کا اعلان

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو برا کہنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو: فاطمہ بنت عبدالرحمٰن یشکریہ اپنی والدہ سے بیان کرتی ہیں کہ انھیں ان کے چچا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ آپ کا ایک بیٹا سلام عرض کرتا ہے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے کیونکہ (کئی) لوگ ان کے بارے میں بڑی باتیں کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ''جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو برا کہے اس پر لعنت ہو۔ اللہ کی قسم! وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ٹیک لگائے ہوتے اس دوران جبریل علیہ السلام وحی لے کر آجاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اُكْتُبْ عُثْمَانُ!'' اے عثمان! لکھو۔'' اور اس (کتابت وحی کے) مرتبے پر اللہ تعالیٰ اسی کو فائز فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک معزز ہو۔''[1]

مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''تم نے انھیں محاصرہ کر کے اور پریشانیوں میں ڈال کر میل سے پاک صاف کپڑے کی طرح کر دیا ہے، یعنی ان کے گناہ تو اسی آشوب سے ختم ہو گئے، پھر تم انھیں اس طرح ذبح کرنے کی کوشش کر رہے ہو جس طرح مینڈھا ذبح کیا جاتا ہے۔'' مسروق کہنے لگے: ''یہ آپ ہی کا کام ہے۔ آپ ہی نے تو لوگوں کو ان کے خلاف اکسایا اور لکھا تھا اور انھیں بغاوت کا اشارہ دیا تھا۔'' اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''ہرگز نہیں! اس اللہ کی قسم

[1] تحقیق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 378/1، و مسند أحمد: 250/6 و261، والبداية والنهاية: 219/7.

جس پر مومن ایمان لائے اور کافروں نے اس ذات باری تعالیٰ کا انکار کیا! میں نے ایک حرف بھی ان کی طرف نہیں لکھا۔‘‘[1]

اس سے پہلے سبائیوں کی کذب بیانیوں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ ان کے جھوٹے خطوط کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو انھوں نے مختلف شہروں کے باشندوں کو لکھ کر انھیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کیا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب حج کے بعد مکہ سے مدینہ جانے کے لیے نکلیں تو انھیں راستے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ وہ دوبارہ مکہ لوٹ آئیں۔ مسجد حرام میں داخل ہوئیں۔ حطیم میں ان کے لیے پردے کا انتظام کیا گیا۔ وہ وہاں ٹھہریں تو لوگوں کا ہجوم ہو گیا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

’اے لوگو! مختلف شہروں اور چشموں کے فتنہ پروروں اور اہل مدینہ کے غلاموں نے مل کر اس شہید امیر پر الزام لگایا اور کہا کہ یہ کم عمر لوگوں کو عامل مقرر کرتے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں انھی کی عمر کے عامل رہ چکے ہیں اور ان کم سن گورنروں نے کئی مواقع پر ان کی حفاظت بھی کی ہے۔ ان سے زیادہ وہاں کوئی شخص موزوں نہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی بات مانی۔ ان کی اصلاح کی خاطر ان گورنروں کو معزول کر دیا۔ ان کی جگہ دوسرے گورنر مقرر کر دیے، جب ان کے اعتراضات ختم ہو گئے اور انھیں فتنے فساد کا کوئی عذر نہ مل سکا تو وہ بغاوت پر اتر آئے۔ اس طرح ان کے قول و فعل کا تضاد کھل کر سامنے آ گیا۔ انھوں نے وہ خون بہایا جس کا بہانا حرام تھا۔ انھوں نے ایک محترم شہر کو خونریزی کے لیے حلال کر لیا۔ وہ مال جس کا لینا حرام تھا اسے لوٹ لیا، پھر حرمت والے مہینے ذوالحجہ کی حرمت کو پامال کیا۔ اللہ کی

[1] فتنة مقتل عثمان رضي الله عنه للدكتور محمد عبد الله الغبان: 391/1، و تاريخ خليفة بن خياط، ص: 176، إسناده صحيح.

قسم! اگر ان قاتلین عثمان جیسے لوگوں سے کرۂ ارض کے تمام طبقات بھر دیے جائیں تب بھی ان سب کے مقابلے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی کہیں بہتر ہے۔ تمھیں چاہیے کہ ان باغیوں کے خلاف مل کر کارروائی کرو تاکہ انھیں سزا دی جائے او ان کی جمعیت کا صفایا کیا جائے تاکہ اس کے بعد کسی کو ایسی جراءت نہ ہو۔ اللہ کی قسم! اگر فی الواقع ایسا ہی تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کسی گناہ میں مبتلا تھے جس کی بنا پر انھوں نے بغاوت کی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس گناہ سے شہادت کی بدولت ایسے پاک صاف ہوگئے ، جیسے سونا یا کپڑا میل کچیل سے صاف ہو جاتا ہے۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے باہمی احترام کے تعلق کی جو خوبصورت تصویر سابق الذکر قابل وثوق روایات سے نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے ں کے بالکل برعکس طبری وغیرہ میں ایسی روایات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے باہمی تعلقات نہایت خراب تھے۔ یہ روایات سید ئشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت و جلالت کے منافی ہیں۔ ان میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے حضرت عثماں رضی اللہ عنہ کی حمایت کو داغدار کر کے پیش کیا گیا ہے اور سبائیوں کی شعبدہ بازیو کو سمجھنے والے اقدامات کو بھی مسخ کیا گیا ہے۔[2]

عقد الفرید، اغانی، تاریخ یعقوبی، تاریخ مسعودی، انساب الا ف کی روایات اور عہد عثمانی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سیاسی کردار اور کارناموں سے متعلق ان روایات سے کیے گئے استدلالات کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ یہ صحیح روایات کے لاف ہیں۔ ان کی بنیاد نہایت کمزور اور بے سروپا روایات پر ہے[3] ان میں سے اکثر روایات اسناد کے بغیر ہیں اور جو مسند ہیں ان کی اسناد مجروح اور ناقابلِ استدلال ہیں، ان روایات کا صحیح اور حقیقت

[1] تاریخ الطبري:474,473/5. [2] دورالمرأة السیاسي لأسماء محمد، ص:352. [3] الصدیقة بنت الصدیق لعباس محمود العقاد، ص: 116-124.

سے قریب تر روایات سے موازنہ کیا جائے تو ان کے متون کا بطلان بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے۔[1]

محترمہ سیدہ اسماء محمد احمد نے فتنوں کے دور میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سیاسی کردار سے متعلق تمام روایات کی اسناد اور متون کی تحقیق کی ہے۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سیاسی اختلافات سے متعلق وارد ہونے والی روایات کا تنقیدی جائزہ لے کر ان کی جعل سازی اور جھوٹی باتوں کے بخیے اُدھیڑے ہیں اور لکھا ہے: ''مناسب یہ ہے کہ ہم ان روایات کے پایۂ استقلال سے ساقط اور غیر معتمد ہونے کی وجہ سے ان سے کلی طور پر اعراض کریں اور انھیں یکسر رد کردیں کیونکہ جن طرق سے یہ روایات ملی ہیں وہ بالکل غیر معتبر ہیں۔ ان کے بعض راوی شیعہ، رافضی اور کذاب ہیں۔ ہم نے ان روایات کا ذکر محض اس لیے کیا ہے کہ اکثر جدید تحقیقات میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ ہمارا دوسرا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ روایات کس طرح صریحاً ساقط الاعتبار قرار پاتی ہیں۔ ان روایات میں، جیسا کہ واضح ہو چکا ہے، ایسی خود ساختہ تاریخ ہے جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں، مثلاً: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان اختلاف اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام صحابہ کا باہم اختلاف۔[2] اگر یہ بات صحیح مان لی جائے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا باغیوں سے متفق تھیں اور انھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکانے میں بھی سیدہ کا ہاتھ تھا تو وہ یقیناً باغیوں کے حق میں کوئی عذر تراش لیتیں کہ یہ لوگ حق بجانب ہیں لیکن ان سے ایک بھی صحیح روایت ایسی نہیں ہے جس میں انھوں نے باغیوں کے اقدام کی تائید یا حوصلہ افزائی کی ہو۔''

'' اگر اس بارے میں وارد روایات میں بظاہر کوئی روایت صحیح بھی ہو کہ حضرت عثمان کے قتل میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ ہے تو یہ ان کی عظمت وعدالت اور اس میں شریک تمام

[1] دورالمرأة السياسي لأسماء محمد، ص:370. [2] دورالمرأة السياسي لأسماء محمد، ص:370.

صحابہ کی دیانت و عدالت پر قدغن لگانے کے لیے کافی ہے لہٰذا ایسی تمام روایات ضعیف ہیں جن کی وجہ سے صحابہ کی بے داغ دیانت و عدالت پر حرف آتا ہو کیونکہ ان کی دیانت و عدالت کی گواہی خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ کسی روایت کے ساقط الاعتبار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس سے صحابہ کی دیانت و عدالت پر حرف آتا ہو۔ لیکن ہم نے ان روایات کو اس لیے اہمیت دی اور ان پر اس لیے غور کیا تاکہ ان کی جعل سازی اور ضعف پوری طرح مؤکد ہو جائے اور ان سے کیے گئے استدلالات کی قلعی بھی کھل جائے اور تمام دینی، علمی اور تاریخی دلائل، جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں، وہ سب یکجا ہو جائیں۔''[1]

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بڑا احترام کرتے تھے اور ان کے حق (خلافت) کے معترف تھے۔ اس کی تائید درج ذیل باتوں سے ہوتی ہے:

❁ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بعد یہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی تھے جنھوں نے سیدنا عثمان کی سب سے پہلے بیعت کی۔[2] قیس بن عباد کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا، انھوں نے فرمایا: ''وہ ایسے آدمی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا أَسْتَحِي مِنْ رَّجُلٍ تَسْتَحِي مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ»

''کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔''[3]

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے جنتی ہونے کی گواہی دی۔ نزال بن سبرہ سے مروی ہے کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

[1] د. المرء السياسي لأسماء محمد، ص:371. [2] صحيح البخاري، حديث:3700. [3] صحيح مسلم، حديث:2401.

''وہ عظیم انسان تھے۔ رسول اکرم ﷺ کی دو بیٹیوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرنے پر فرشتوں میں ذوالنورین کے لقب سے معروف تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں بہ نفسِ نفیس جنت کی ضمانت دی تھی۔''[1]

٭ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، خلیفۃ المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مطیع اور آپ کی امامت وخلافت کے معترف تھے۔ کسی معاملے میں ان کی نافرمانی نہیں کرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: ''اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجھے صراصر (مدینہ سے تین میل عراق کے راستے پر ایک جگہ) کی طرف بھی جلا وطن کر دیتے تب بھی میں ضرور ان کی سمع و طاعت کرتا۔''[2]

ان الفاظ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کمال درجہ اطاعت اور فرماں برداری کی دلیل چمک رہی ہے۔[3]

٭ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک قراءت پر جمع کیا اور سب متفق ہو گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر یہ ذمہ داری مجھ پر پڑتی تو میں بھی اسی طرح کرتا جس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔''[4]

٭ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحۂ شہادت پر بڑے دکھ اور ناگواری کا اظہار فرمایا اور اس میں شمولیت سے براءت کا اظہار کیا۔ بعد ازاں وہ اپنے خطبوں میں بھی قسم کھاتے تھے کہ میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے نہ ان کے قتل کا حکم دیا ہے نہ اس سلسلے میں تعاون کیا ہے۔ نہ میں اس پر راضی تھا۔ یہ باتیں ان سے متعدد واسطوں سے ثابت ہیں جن سے یقین ہو جاتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس سانحے میں ہرگز ملوث نہیں تھے۔[5] بخلاف رافضیوں کے جو کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ قتل عثمان پر راضی تھے۔[6]

[1] العقيدة في أهل البيت بين الإفراط والتفريط للدكتور سليمان بن سالم، ص: 227. [2] السنة للخلال: 325/1، حديث: 416، إسناده صحيح. [3] العقيدة في أهل البيت بين الإفراط والتفريط للدكتور سليمان بن سالم، ص: 227. [4] السنن الكبرٰى للبيهقي: 42/2. [5] البداية والنهاية: 202/7. [6] العقيدة في أهل البيت بين الإفراط والتفريط للدكتور سليمان بن سالم، ص: 229، و حق اليمن لعبد الله شبر، ص: 189.

امام حاکم رحمہ اللہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں روایات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''جہاں تک مبتدعین (رافضیوں) کے اس دعوے کا تعلق ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کی مدد کی تھی اور وہ قتل عثمان پر راضی تھے تو یہ تمام باتیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بلند مقامی پر اتہام سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ یہ متواتر روایات کے خلاف ہیں۔''[1]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ سب کچھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر بہتان اور جھوٹ ہے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ قتل عثمان میں ہرگز شریک نہیں تھے نہ انھوں نے ایسا کوئی حکم دیا نہ وہ اس پر راضی تھے۔ یہ بات ان سے بڑے ثقہ، معتبر اور انتہائی نیک شخص نے بیان کی ہے۔[2] سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ» ''اے اللہ! میں خون عثمان سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔''[3]

قیس بن عباد کہتے ہیں: میں نے جنگ جمل کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اے اللہ! میں خون عثمان سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔'' جس دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے میری عقل جواب دے گئی۔ اور مجھے اجنبیت محسوس ہونے لگی۔ لوگ میرے پاس بیعت کے لیے آئے تو میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں ان لوگوں سے بیعت لوں جنھوں نے ایسے شخص کو شہید کر دیا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔'' اللہ کی قسم! مجھے بیعت لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے جبکہ ابھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی میت کو دفن بھی نہیں کیا گیا۔'' پس وہ لوگ چلے گئے، جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا تو لوگ دوبارہ میرے پاس آئے۔ انھوں نے مجھ سے بیعت لینے کی درخواست کی تو میں نے کہا: ''اے اللہ! جو کام میں کرنے لگا ہوں اس بارے میں

[1] منهاج السنة لابن تيمية: 406/4. [2] العقيدة في أهل البيت، ص: 230، إسناده حسن، والطبقات لابن سعد: 69/3. [3] المستدرك للحاكم: 103/3.

خوف زدہ ہوں۔" پھر میرے دل کو حوصلہ ہوا تو میں نے بیعت لے لی۔ اور جب لوگوں نے پکارا: اے امیر المومنین! تو مجھے یوں لگا جیسے میرا کلیجہ پھٹ گیا ہو۔ میں نے کہا: "اے اللہ! عثمان کے لیے مجھ سے اتنا کام لے لے کہ تو راضی ہو جائے۔" [1]

محمد بن حنفیہ کا بیان ہے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک مقام "مربد" میں ہیں اور قاتلین عثمان پر لعنت کر رہی ہیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ چہرے تک بلند کر دیے اور فرمایا: "میں بھی قاتلین عثمان پر لعنت کرتا ہوں۔ ان لوگوں پر میدانوں اور پہاڑوں میں اللہ کی پھٹکار ہو!" یہ بات انھوں نے دو یا تین مرتبہ فرمائی۔ [2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا۔ نہ اس کا حکم دیا بلکہ میں تو فسادیوں کو روکتا رہا۔ اللہ کی قسم! میں نے عثمان کو قتل کیا نہ اس کا حکم دیا بلکہ باغیوں نے میرے منع کرنے پر مجھے مغلوب کر کے انھیں شہید کر دیا۔" آپ نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی۔ [3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جو دین عثمان سے براءت کا اظہار کرے اس نے گویا کہ ایمان سے براءت کا اعلان کیا۔ اللہ کی قسم! میں ان کے قتل میں شریک تھا نہ میں نے اس کا حکم دیا۔ نہ میں اس پر راضی ہوں۔" [4]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے فرمایا: "وہ ہم میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ ہم سب سے بڑھ کر اپنے رب سے ڈرنے والے تھے۔" [5]

محمد بن حاطب کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں

[1] المستدرك للحاكم: 95/3، حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه ووافقه الذهبي.
[2] فضائل الصحابة: 555/1، حديث: 733، إسناده حسن. [3] الطبقات لابن سعد: 82/3، والبداية والنهاية: 202/7. [4] الرياض النضرة لمحب الطبري، ص: 543. [5] صفة الصفوة لابن الجوزي: 306/1.

دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: ''وہ ان لوگوں میں سے تھے جو ایمان لائے اور پھر تقویٰ اختیار کیا، پھر ایمان لائے، پھر متقی ہوئے......''[1]

عمیرہ بن سعد کہتے ہیں کہ ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ فرات کے کنارے موجود تھے کہ ایک کشتی گزری جس کے بادبان خاصے بلند تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ○

''اور اسی کے ہیں چلنے والے (جہاز اور کشتیاں) جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے ہوئے ہیں۔''[2]

اس ذات کی قسم جس نے اس کشتی کو اپنے سمندروں میں سے ایک سمندر میں چلایا! میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا نہ ان کے قتل میں کسی قسم کا کوئی تعاون کیا۔''[3]

محمد بن حاطب کہتے ہیں: ''میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو درج ذیل آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے سنا۔ دورانِ تفسیر انھوں نے کہا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی انھی میں سے تھے.

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ○

''بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی نیکی اور بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ اس (دوزخ) سے دور رکھے جائیں گے۔''[4]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جس دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔ میں اس دن بے بس تھا۔''[5]

امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے وہ تمام روایات جمع کی ہیں اور ان کے طرق کا ذکر بھی کیا ہے جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خونِ عثمان سے براءت کا اظہار و اعلان کیا گیا ہے۔

[1] فضائل الصحابة: 580/1، إسناده صحيح [2] الرحمٰن 24:55 [3] فضائل الصحابة: 560,559/1، حديث: 379. [4] الأنبيآء: 101:21 دیکھیے: فضائل الصحابة: 580/1، حديث: 771، إسناده صحيح. [5] المنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي 61/5.

انھوں نے اپنے جن خطبوں میں قسم کھا کر فرمایا ہے کہ میں خون عثمان رضی اللہ عنہ سے بری ہوں اور میں نے اس سانحے میں کسی سے کسی قسم کا کوئی تعاون نہیں کیا۔ انھیں بھی نقل کیا ہے۔ یہ روایات اس قدر کثرت سے ہیں کہ تواتر کا فائدہ دیتی ہیں۔[1]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''اگر لوگ قتل عثمان پر ایکا کر لیتے تو ان پر قوم لوط کی طرح پتھر برسائے جاتے۔''[2]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح اور ان کی تنقیص کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ ابو عمرو (عثمان رضی اللہ عنہ) پر رحم فرمائے وہ مددگاروں میں سے سب سے زیادہ سخی تھے۔ صالحین میں سے سب سے افضل تھے۔ سحری کے وقت اٹھنے والے تھے، تہجد گزار تھے، آگ کے ذکر پر کثرت سے آنسو بہاتے تھے، ہر قابل قدر کام کے لیے مستعد رہتے تھے، نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے، ہر دلعزیز، خوددار اور وفا دار تھے۔ جیش العسرہ کے لیے تبوک کے موقع پر لشکر کو مال فراہم کرنے والے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ ان پر لعن طعن کرنے والوں پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو۔ لعنتیں بھیجنے والے ان پر لعنتیں بھیجتے رہیں۔''[3]

سیدنا زید بن علی رحمہ اللہ: ابن عساکر رحمہ اللہ نے سدی کے حوالے سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں زید بن علی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جبکہ وہ کوفہ کے ایک قبیلے بارق میں تھے، میں نے عرض کی: ''آپ ہمارے سردار اور حاکم ہیں۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' انھوں نے فرمایا: ''ان سے محبت رکھو۔'' وہ فرمایا کرتے تھے: ''ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے براءت درحقیقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے براءت ہے۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے براءت گویا سیدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم تینوں سے براءت ہے۔''[4]

[1] البداية والنهاية 193/7. [2] فضائل الصحابة: 563/1، حديث: 746. [3] العقيدة في أهل البيت للدكتور سليمان بن سالم، ص: 234، ومروج الذهب للمسعودي: 64/3. [4] العقيدة في أهل البيت للدكور سليمان بن سالم، ص: 335، وتهذيب تاريخ دمشق: 6/ 12.

سیدنا علی بن حسین رحمہ اللہ: سیدنا علی بن حسین رحمہ اللہ، سیدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں رافضیوں کے عقیدے سے براءت کا اعلان کرتے تھے۔ ان کے فرزند ارجمند محمد بن علی سے مروی ہے کہ ایک روز ان کی مجلس میں عراق کے کچھ لوگ بیٹھے تھے کہ سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ چل نکلا تو انھوں نے ان برگزیدہ ہستیوں کو برا بھلا کہا، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن توڑنے شروع کر دیے۔ اس پر میرے والد محترم علی بن حسین رحمہ اللہ نے ان سے پوچھا:

''یہ بتاؤ کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

''(مالِ فَے) ان مہاجر فقراء کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنی جائیدادوں سے نکالے گئے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔''[1]

انھوں نے کہا: ''نہیں۔'' والد محترم علی بن حسین رحمہ اللہ نے پھر پوچھا: ''کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۫ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

''اور (ان کے لیے ہے) جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنا لیا تھا اور ان (مہاجرین) سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) اس سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ فلاح

[1] الحشر 8:59.

پانے والے ہیں۔“[1]

انھوں نے کہا: ”نہیں“، تب والد محترم علی بن حسین رحمہ اللہ نے ان سے کہا: ”تم نے تسلیم کیا ہے کہ تم مہاجرین میں سے نہیں ہو۔ اور نہ مہاجرین کو جگہ دینے والوں میں سے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم تیسرے گروہ میں سے بھی نہیں ہو جن کے متعلق اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

”اور (فے ان کے لیے ہے) جو ان (مہاجرین وانصار) کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت نرمی والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“[2]

پس تم لوگ یہاں سے اٹھ جاؤ اور دفع ہو جاؤ، اللہ تمھیں برباد کرے۔ تمھارے گھر اُجاڑ دے۔ تم اسلام کا مذاق اڑانے والے ہو، اسلام کو ماننے والے نہیں ہو۔[3]

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا موقف

جن تاریخی روایات میں رطب و یابس اکٹھا کر دیا گیا ہے، اُن میں یہ بات موجود ہے کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلافات تھے۔ اس بارے میں دو طرح کی روایات ہیں۔ کچھ ایسی ہیں جن کی اسناد برائے نام ہیں۔ کچھ بغیر سند کے بے سروپا ہیں، ان کے بارے میں مزید غور و خوض کرنے سے سوائے ملامت کے کچھ حاصل نہیں

[1] الحشر 59:10. [2] الحشر 59:10. [3] العقيدة في أهل البيت للدكتور سليمان بن سالم، ص: 236، والبداية والنهاية: 6/112، و تفسير القرطبي: 18/31,32.

ہوتا۔ ایسے موضوع سے تعرض کرتے ہوئے، جس میں انبیاء کے بعد سب سے پاکیزہ مخلوق اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ محبّ حضرات کی عزت داغدار ہو، ان روایات پر اعتماد ممکن نہیں ہے کیونکہ ایک طرف تو یہ بلا سند ہیں اور دوسری طرف ان نفوس قدسیہ کے عزت و شرف کو داغدار کر رہی ہیں جن کو شرفِ صحابیت حاصل ہے۔[1] ان ضعیف، جعلی اور من گھڑت روایات میں درج ذیل اتہامات لگائے گئے ہیں:

کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو پیٹا؟ اس موضوع کے سلسلے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی پٹائی والی روایات بہت مشہور ہیں۔ یہ تعداد میں بھی بہت زیادہ ہیں۔ ان روایات کو گھڑنے والوں نے سیدنا عثمان کے سزا دینے کے کئی طریقے بیان کیے ہیں اور پھر اس کے نتائج کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ یہ روایات اسناد کے بودے پن کے ساتھ ساتھ متن کے شدید تضاد کا انوکھا نمونہ ہیں۔[2]

قاضی ابوبکر ابن العربی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایات اور دروغ گوئیوں کے بطلان کو ثابت کرتے ہوئے، فرماتے ہیں: ”جہاں تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مارنے اور ان کے عطیات روکنے کا تعلق ہے تو یہ سراسر جھوٹ ہے، اسی طرح سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو مارنے کا واقعہ بھی بہتان تراشی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر انھوں نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی انتڑیاں پھاڑ دی ہوتیں تو وہ زندہ ہی نہ بچتے۔ علماء نے ان روایات کے متعدد جواب دیے ہیں۔ انھیں بیان کرنے کی اس لیے کوئی ضرورت نہیں کہ یہ روایات سراسر باطل ہیں اور باطل پر حق کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ اور ہم زیادہ دیر تک جاہلوں کے ساتھ انھی کی چال نہیں چل سکتے (کہ ان کی بے ہودگیوں کا معقول جواب تلاش کرتے رہیں جبکہ ان کے اعتراضات کی سرے سے کوئی اصل ہی نہ ہو) اس قسم کی لغویات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔[3]

[1] عمار بن ياسر لأسامة أحمد، ص: 122. [2] عمار بن ياسر لأسامة أحمد، ص: 122. [3] العواصم من القواصم لا بن العربي، ص: 82-84.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر، حیا، ایمان، نرم مزاجی، خدا ترسی، سبقتِ اسلامی اور عظیم مقام و مرتبے کی بنا پر یہ بات محال ہے کہ وہ اس قدر گھٹیا حرکت پر اتر آئیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی کے ساتھ یہ رویہ اختیار کریں جن کے فضل و شرف اور سبقتِ اسلامی سے وہ بخوبی واقف تھے۔ اختلافات چاہے کیسے اور کتنے ہی زیادہ ہوں کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسی مہذب شخصیت سے یہ توقع کی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں! کیونکہ انھوں نے تو لوگوں کو باہمی قتال سے روکنے کے لیے خود اپنی جان کی قربانی دے دی لیکن انھیں آپس میں لڑنے نہیں دیا۔ بھلا ایسا شخص سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ، ان کے علم و فضل کو جانتے ہوئے، اس طرح کا رویہ کس طرح اختیار کرسکتا ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو حکم دے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو مارو، اتنا مارو کہ وہ بے ہوش ہوجائیں، پھر اس حالت میں عثمان رضی اللہ عنہ انھیں ٹھوکر ماریں اور ان کا پیٹ پھاڑ دیں؟

پھر کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسے صاحب حیا انسان سے ممکن ہے کہ وہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو جاہلانہ طرز اختیار کرتے ہوئے ان کی ماں سمیہ رضی اللہ عنہا کی عار دلائیں؟ (کہ وہ لونڈی کے بچے ہیں) حالانکہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کے شرف و فضل اور اسلام کے لیے ان کی قربانیوں سے وہ بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ وہ پہلی شہید خاتون ہیں۔ نعوذ باللہ! انھوں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔

معتبر اور صحیح روایات میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے سزا دینے اور سرزنش کرنے کا ایسا گرا ہوا انداز کہیں نہیں ملتا، علاوہ ازیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اخلاق، طبیعت اور سیرت و کردار سے یہ بات کوسوں دور ہے۔

بلاشبہ ایسی موضوع اور من گھڑت روایات کی جانچ پڑتال کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان میں مذکور مضامین کا موازنہ ان ائمۂ اعلام کے معروف اخلاق سے کیا جائے جو اس دور میں ان معزز ہستیوں کے بارے میں جانی پہچانی چیز ہے۔ اس سے ان جھوٹے

وضاعین اور افترا پردازوں کا چہرہ پوری طرح بے نقاب ہو جائے گا۔[1]

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ پر [illegible] اور ہنگامہ کرانے کا الزام سیدنا عمار رضی اللہ عنہ پر قتل عثمان کا الزام ثابت کرنے کے لیے مؤرخین نے جن روایات کو بنیاد بنایا ہے ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں۔ کسی کی سند پر کلام ہے تو کسی کا متن منکر اور نا قابل اعتبار، اسی طرح سیدنا عمار رضی اللہ عنہ پر الزامات بھی طرح طرح کے لگائے گئے ہیں کہ انھوں نے فتنے کی آگ بھڑکائی، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو اکسایا، عوام الناس کو سرکشی پر آمادہ کرنے کے لیے انڈر گراؤنڈ کام کیا۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو مصر کی صورت حال کا جائزہ لینے اور عوامی بغاوت کی خبروں کی تصدیق کے لیے بھیجا تو وہ سبائیوں کے ہتھے چڑھ گئے اور ان کے جھوٹے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے۔ یہ روایت طبری نے بیان کی ہے لیکن اس کی سند میں شعیب بن ابراہیم تمیمی کوفی مجہول راوی ہے۔ اس کے بارے میں مزید کہا گیا ہے کہ یہ راوی معروف نہیں ہے، اس نے کئی اور روایات ذکر کی ہیں اور اس کی روایات میں منکر یعنی غلط خبریں ہوتی ہیں اور یہ ایسی روایات بھی بیان کرتا ہے جن میں سلف صالحین پر طعن درازی ہوتی ہے۔[2]

اسی طرح یہ روایت عمر بن شبہ نے تاریخ مدینہ میں ذکر کی ہے لیکن اس کی سند میں خود عمر کا استاد علی بن عاصم ضعیف (نا قابل اعتبار) راوی ہے۔ امام ابن مدینی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ”علی بن عاصم بہت غلط بیانی کرتا ہے اور جب اسے تنبیہ کی جائے تب بھی اپنے موقف کو نہیں چھوڑتا۔ وہ حدیث میں معروف ہے لیکن منکر روایات بیان کرتا ہے۔“[3]

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ”وہ کسی کام کا

[1] الخليفة المفترى عليه عثمان بن عفان، ص: 14-41، وعمار بن ياسر لأسامة أحمد، ص: 137.

[2] استشهاد عثمان و وقعة الجمل للدكتور خالد الغيث، ص: 30. [3] سير أعلام النبلاء: 253/9.

نہیں۔''[1] بسا اوقات فرمایا: «كَذَّابٌ لَيْسَ بِشَيْءٍ» ''وہ جھوٹا ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔''[2]

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''متروك الحديث'' ہے۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک وہ قوی نہیں ہے اور انھوں نے اس میں کلام کیا ہے۔[4]

بعض علماء نے اس کے بارے میں قدرے نرم رویہ اختیار کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: «صَدُوقٌ، يُخْطِىءُ وَ يُصِرُّ وَ رُمِيَ بِالتَّشَيُّعِ» ''وہ صدوق راوی ہے، غلطیاں کر کے ان پر اصرار کرتا ہے۔ اس پر شیعیت کا الزام بھی ہے۔''[5]

جس روایت کی سند کی یہ صورت حال ہو اس پر دل مطمئن نہیں ہوتا بالخصوص اس وقت جب اس سے ایک صحابی رسول کی عظمت پر زد پڑتی ہو۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے زہد وورع نے یقیناً انھیں ان آلائشوں میں الجھنے سے دور رکھا ہوگا اور جن باتوں کو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے ہمارے خیال میں یہ کام کسی کینہ پرور سبائی اور یہودی کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ تو عین ممکن ہے کہ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اختلافات ہوں لیکن معاذ اللہ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ایک صحابی رسول دوسرے صحابی رسول سے کسی اختلاف کی بنا پر، اتنا گر جائے اور اس قدر گھٹیا رویہ اختیار کرے، جو عیسائیوں اور یہودیوں نے اپنے طور پر گھڑ کر سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے سر منڈھ دیا ہے۔

خالد غیث فرماتے ہیں: ''سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ خبر کہ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں میں نفرت پیدا کی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و عدالت سے ٹکراتی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ خبر صحیح طریق سے مروی بھی نہیں۔''[6]

[1] سير أعلام النبلاء: 255/9. [2] سير أعلام النبلاء: 257/9. [3] سير أعلام النبلاء: 255/9. [4] سير أعلام النبلاء: 255/9. [5] تقريب التهذيب لابن حجر، ص: 403. [6] استشهاد عثمان ووقعة الجمل للدكتور خالد الغيث، ص: 86.

اس موضوع کی باطل روایات میں سے کچھ روایات ایسی بھی ہیں جو سیدنا سعید بن میبّب رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے حسد کرتے تھے اور خار کھاتے تھے، اسی لیے بعض نے انھیں سزا دی اور ان پر برہم ہوئے، بالخصوص سیدنا ابوذر، ابن مسعود اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم۔''[1] یہ روایات یکسر غیر معتبر ہیں۔ انھیں تسلیم کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ ان میں تدلیس ہے اور سند سے ایک کذاب اور جھوٹی روایات گھڑنے والے راوی کا نام حذف کرکے سند کے ظاہر کو خوشنما بنا دیا گیا ہے اور وہ راوی ہے اسماعیل بن یحییٰ بن عبیداللہ۔ علمائے حدیث نے اس روایت کے ضعف کی صراحت کی ہے اور محمد بن عیسیٰ بن سمیع، جو ابن ابی ذئب سے یہ روایت بیان کرتا ہے، کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے اس روایت کا بطلان کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ابن سمیع کے بارے میں فرماتے ہیں: ''کہا جاتا ہے کہ شہادت عثمان کے بارے میں زہری کی روایت ابن سمیع نے ابن ابی ذئب سے نہیں سنی۔'' ابن حبان فرماتے ہیں: ''ابن سمیع نے یہ روایت ابن ابی ذئب سے نہیں سنی بلکہ اس نے یہ روایت اسماعیل بن یحییٰ سے سنی ہے اور اس کے کذاب ہونے کی وجہ سے تدلیس کرتے ہوئے اس کا واسطہ ترک کرکے ابن ابی ذئب کا نام لکھ دیا ہے۔'' امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابو محمد، یعنی ابن سمیع نے ابن ابی ذئب سے ایک منکر روایت نقل کی ہے اور وہ ہے شہادت عثمان والی روایت۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی کتاب میں اسماعیل بن یحییٰ عن ابن ابی ذئب تھا لیکن اس نے بیان کرتے وقت اس کا تذکرہ اس لیے نہیں کیا کہ اسماعیل غیر معتبر راوی ہے۔''[2]

دکتور یوسف عش فرماتے ہیں: سعید بن میبّب کی طرف روایت سے کنارہ کشی ضروری ہے کیونکہ جانچ پڑتال سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت

[1] تاریخ دمشق: 415/39، وعمار بن یاسر لأسامة أحمد، ص: 144. [2] تحقيق موقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 2/16-18، والتاريخ الكبير للبخاري: 1/203، وتهذيب التهذيب: لابن حجر: 9/391,392.

ہے، جیسا کہ امام حاکم نے صراحت کی ہے کہ اس کی سند میں ساقط الاعتبار راوی ہے اور یہ روایت منکر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سعید بن مسیّب سے مروی دوسری صحیح روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جس ادب و احترام کا تذکرہ ملتا ہے یہ روایت ان کے منافی ہے۔[1]

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی خونِ عثمان سے براءت: جن روایات میں مسروق رحمہ اللہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو متہم ٹھہرایا گیا ہے کہ انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر اہل کوفہ کو متنفر کیا تھا، ان روایات کی سند میں شعیب مجہول راوی ہے اور اسی طرح سیف بن عمرو بھی ضعیف ہے، اس وجہ سے یہ روایات ضعیف ہیں، پھر صحیح بخاری میں جو واقعہ درج ہے اس میں اس طرح کی کوئی بات موجود نہیں۔ گویا یہ اضافہ ضعیف راوی کا ہے جو ناقابل قبول ہے۔ اس کے بطلان کی مزید دلیل یہ ہے کہ اس سے صحابی رسول پر طعن کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد گرامی کی مخالفت بھی ہے کہ آپ نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ شیطان سے محفوظ رہے گا۔[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''عمار کا ایمان اس کی گردن تک بھرا ہوا ہے، یعنی ایمان ان کے رگ و ریشے میں سرایت کر چکا ہے۔''[3]

علماء نے اس طرح کے تمام الزامات کی تردید کی ہے جو صرف سیدنا عمار رضی اللہ عنہ تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کا دائرہ کئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک وسیع ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا اور وہ ان کے قتل پر خوش تھے تو ایسی رائے کسی بھی صحابی کے بارے میں صحیح نہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سانحہ کو سخت ناپسند کیا، اس پر شدید برہمی ظاہر کی اور باغیوں کی شدید مذمت کی۔''[4]

[1] الدولة الأموية للدكتور يوسف، ص:39. [2] صحيح البخاري، حديث:3743. [3] عمار بن ياسر لأسامة أحمد، ص:147. [4] البداية والنهاية:207/7.

قاضی ابوبکر ابن العربی کہتے ہیں: ''اس موضوع میں یہی (مذکورہ) بات زیادہ قرین صواب ہے اوراہل حق کا یہی منہج و موقف ہے کہ ایک صحابی نے بھی آپ کے خلاف بغاوت نہیں کی نہ آپ کو بے یارو مددگار چھوڑ کر پیچھے ہٹے بلکہ خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں سختی سے روک دیا۔ اگر وہ دفاع کی اجازت دے دیتے تو چند ہزار اجنبی وہاں کے کم وبیش بیس ہزار مقامی افراد پر کبھی غالب نہیں آسکتے تھے۔ لیکن انھوں نے لوگوں کو خانہ جنگی سے بچانے کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔'' [1]

وہ فرماتے ہیں کہ بعض سرکش اور جاہل لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہر جلیل القدر صحابی نے لوگوں کو آپ کے خلاف ہنگامہ آرائی کے لیے اکسایا اور جو کچھ ہوا وہ دیگر صحابہ کی رضا مندی سے ہوا۔ اس کے لیے انھوں نے ایک خود ساختہ خط کو دلیل بنایا جو نہایت فصیح و بلیغ ہے۔ ان کے بقول یہ خط سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام مدد طلب کرنے کے لیے لکھا۔ لیکن یہ ساری کہانی خود ساختہ ہے اور اس کا مقصد صرف مسلمانوں کے دلوں میں سلف صالحین اور خلفائے راشدین کے بارے میں بغض اور نفرت پیدا کرنا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم تھے اور ان پر بلاوجہ اور بغیر دلیل کے ظلم کیا گیا اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے خون سے بری الذمہ ہیں کیونکہ انھوں نے بار بار دفاع کی پیش کش کی اور خارجیوں سے لڑنے کی اجازت طلب کی لیکن جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت ہی نہ دی تو وہ ان کے حکم پر پیچھے ہٹ گئے۔ [2]

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خونِ عثمان رضی اللہ عنہ سے براءت

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرلیا گیا تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے شام کا قصد کیا اور فرمایا: ''اے اہل مدینہ! تم میں سے جس کے یہاں قیام کے دوران سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو

[1] العواصم من القواصم لابن العربي، ص: 129. [2] العواصم من القواصم لابن العربي، ص: 132.

شہید کر دیا گیا تو یقین جانو کہ اللہ اسے ضرور رسوا کرے گا۔ جو ان کی مدد کی استطاعت نہیں رکھتا اسے بھاگ جانا چاہیے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد کے ساتھ وہاں سے چلے گئے۔ ان کے بعد سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی وہاں سے نکل گئے، پھر ان بزرگوں کی پیروی کرتے ہوئے کئی لوگ وہاں سے چلے گئے۔ (1)

جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی اور انھیں بتایا گیا کہ لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے تو وہ کہنے لگے: ''میں بھی ابوعبداللہ ہوں، اب جنگ ہوگی اس میں جس زخم کو کریدا جائے گا، وہ بہہ پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اور انھیں بخش دے۔'' اس پر سلامہ بن زنباغ جذامی نے کہا: ''اے قریش کے لوگو! تمھارے اور دوسری عرب قوموں کے درمیان ایک دروازہ قائم تھا، اب وہ دروازہ ٹوٹ گیا ہے۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا دروازہ لگاؤ۔'' اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ اب اس دروازے کو ستالی (لکڑی میں سوراخ نکالنے کا آلہ) ہی ٹھیک کرے گی۔ اس لڑائی کی کوکھ سے حق جنم لے گا اور لوگوں کو مساوی عدل میسر آئے گا۔''

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے کردار کی یہی اصل تصویر ہے جو ان کی شخصیت کے شایان شان ہے۔ ان کی زندگی کے کارناموں کے تناظر میں دیکھا جائے تب بھی ان کی شخصیت کا یہی نقشہ بنتا ہے۔ جن روایات کی بنا پر انھیں لالچی، مفاد پرست اور دنیا کا طالب کہا گیا ہے وہ تمام روایات بے بنیاد اور جھوٹ کا پلندہ ہیں جیسا کہ واقدی کی موسیٰ بن یعقوب سے روایت ہے۔ (2) بہت سے تذکرہ نگار اور مؤرخین ان ضعیف اور بے اصل روایات سے متأثر ہوئے ہیں اور انھوں نے یہ تأثر دیا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ) گھٹیا آدمی تھے، جیسا کہ محمود شیت خطاب، (3) عبدالخالق سید ابورابیہ (4) نے لکھا ہے۔ یہی

(1) تاریخ الطبري، بحوالة عمرو بن العاص للدكتور منير الغضبان، ص: 464. (2) عمرو بن العاص للدكتور منير الغضبان، ص: 481. (3) سفراء النبي ﷺ للدكتور محمود شيت خطاب، ص: 508. (4) عمرو بن العاص لعبد الخالق سيد أبو رابية، ص: 316.

حال عباس محمود عقاد کا ہے، وہ سند کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور قارئین کو یہ تأثر دیتا ہے کہ سند کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) ابن الوقت، موقع پرست اور خود غرض خیال کرتا ہے۔

جن روایات کو اس نے بنیاد بنایا ہے جرح و نقد کرنے والوں کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ ناقابل استدلال اور باطل ہیں۔لیکن عباس محمود عقاد کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ وہ اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے من گھڑت اور بے بنیاد روایات بیان کرنے کے بعد کہتا ہے: ''ان روایات کے بطلان اور ضعیف ہونے کے بارے میں نقد و جرح کرنے والے اور مؤرخین جو چاہیں کہتے رہیں بہر حال یہ منقول تو ہیں، چاہے ان کی سند صحیح اور ثابت نہ ہو۔'' پھر کہتا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ حصول اقتدار کے لیے گٹھ جوڑ کی اس کہانی اور سودے بازی کو باطل کہتی ہے کہ ان دونوں (سیدنا معاویہ اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہما) نے طے کر رکھا تھا کہ ہم اقتدار کو اس طرح تقسیم کریں گے۔لیکن اگر ان میں یہ گٹھ جوڑ نہ ہوتا تو ان کا باہمی اتفاق ناممکن تھا۔[1]

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی شخصیت کی اصل کلید یہ ہے کہ وہ ایک اصول پسند انسان تھے۔ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے کے لیے بے تاب تھے۔لیکن وہ سیدنا عثمان کی حد درجہ نرمی اور خونریزی سے اجتناب کی وجہ سے بے بس تھے۔ دریں حالات جب وہ عاجز آ گئے تو انھوں نے مدینہ چھوڑ دیا۔ وہ آپ کی شہادت پر بہت روئے۔ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قریبی دوستوں اور خصوصی مشیروں میں سے تھے اور وہ اس وقت بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شوریٰ کے رکن تھے جبکہ وہ خود کسی عہدے پر فائز نہیں تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا باہمی اتحاد بلاوجہ نہ تھا۔ یہ دونوں حضرات خاص طور پر اس لیے اکٹھے ہو گئے کہ وہ قاتلین عثمان کے خلاف متحد ہو کر ان سے مظلوم خلیفۂ راشد کے بہیمانہ قتل کا بدلہ لے سکیں۔[2]

[1] عمرو بن العاص لعباس محمود العقاد: 232,231. [2] عمرو بن العاص للدكتور منير الغضبان، ص: 490,489.

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس قدر اندوہناک تھا کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی رگوں میں آپ کو شہید کرنے والے سفاک مجرموں کے خلاف غیظ و غضب کی بجلیاں کوندنے لگیں اور جنھوں نے حرم رسول کی بے حرمتی کرتے ہوئے خلیفۂ راشد کو سرعام شہید کیا تھا، وہ ان سے بدلہ لینے کے لیے مدینہ منورہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا انتخاب کرنا چاہتے تھے۔ ان کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے غم میں اس قدر غضبناک ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ وہ ان کے بڑے قریبی اور معتمد ساتھی تھے۔

ہر چند کئی روایات ان کے اس تعلق کے بارے میں تشکیک پیدا کرتی ہیں اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اقتدار اور کرسی کا بھوکا ظاہر کرتی ہیں لیکن ایسی تمام روایات لغو اور جھوٹ کا پلندہ ہیں۔[1]

شہادت عثمان کے بارے میں دیگر صحابۂ کرام کے تأثرات

[illegible] مالک رضی اللہ عنہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ سیدنا عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کی محبت ایک دل میں اکٹھی نہیں ہوسکتی تو انھوں نے فرمایا: ”جو یہ کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ ہمارے دلوں میں ان دونوں کی محبت بیک وقت موجود ہے۔“[2]

سیدنا حذ[illegible] بن یمان رضی اللہ عنہما: خالد بن ربیع کا بیان ہے کہ ہمیں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی علالت کا پتہ چلا۔ ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ اور دیگر کچھ لوگ ان کی تیمار داری کے لیے گئے۔ وہ ان دنوں مدائن میں مقیم تھے، وہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی بات چل نکلی تو انھوں نے فرمایا: ”اللہ گواہ ہے! نہ میں وہاں موجود تھا، نہ میں نے انھیں شہید کیا، نہ میں ان کے قتل پر راضی تھا۔“[3]

[1] عمرو بن العاص للدكتور منير الغضبان، ص: 492. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 25/2، وتهذيب التهذيب لابن حجر: 141/7. [3] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 27/2.

ابن سیرین رحمہ اللہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ انھیں شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے فرمایا: ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں خون عثمان سے بری ہوں۔ اگر قاتلین عثمان کا یہ فیصلہ درست ہے تب بھی میں ان سے بری ہوں۔ اگر انھوں نے غلط قدم اٹھایا ہے تو تو میری براءت سے خوب واقف ہے۔ اہل عرب عنقریب جان لیں گے کہ ان کا فیصلہ صحیح تھا یا غلط؟ اگر ان کا فیصلہ ٹھیک ہوا تو وہ بہت جلد اس کے اچھے ثمرات سے فیض پائیں گے اور اگر ان کا فیصلہ غلط ہوا تو وہ جلد ہی اپنے کیے کا مزہ کشت و خون کی شکل میں چکھیں گے ...... پھر کیا ہوا؟ کشت و خون کا ایسا بازار گرم ہوا کہ آج تک تلوار نیام میں آئی نہ قتل و غارت کا سلسلہ بند ہوا۔''[1]

جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فتنے کے دنوں میں میری ملاقات سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے فرمایا: ''باغی اور خارجی انھیں جلد ہی شہید کردیں گے۔'' جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے پوچھا: ''اگر وہ شہید کردیے گئے تو ان کا انجام کیا ہوگا؟'' انھوں نے فرمایا: ''جنت۔'' میں نے کہا: ''ان کے قاتل کہاں جائیں گے؟'' انھوں نے فرمایا: ''آگ میں۔''[2]

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا: ام سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا نے جب شہادت عثمان کی خبر سنی تو انھوں نے فرمایا: ''اللہ ان پر رحم فرمائے! یقیناً اب یہ لوگ اپنے کیے کا انجام کشت و خون کی شکل میں پائیں گے، اب خون خرابے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔''[3]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: ابو مریم کا بیان ہے کہ میں نے شہادت عثمان کے دن سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ ان کے سر پر دو مینڈھیاں تھیں۔ وہ انھیں پکڑ کر کہہ رہے تھے: ''اللہ کی قسم!

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 28/2. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 28/2، وتاريخ دمشق لابن عساكر، ص: 388. [3] البداية والنهاية: 195/7.

عثمان رضی اللہ عنہ کو ناحق قتل کیا گیا ہے۔"[1]

سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ: امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "میں آسمان سے زمین پر گر جاؤں، یہ مصیبت مجھے قتل عثمان میں شریک ہونے سے زیادہ پسند ہے۔"[2]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ: ابوعثمان نہدی سے مروی ہے کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل صحیح اقدام ہوا تو امت دودھ دوہے گی، یعنی اسے فیض و برکات حاصل ہوں گی، بصورت دیگر خون دوہے گی اور باہم کشت وخون کا مزہ چکھے گی۔"[3]

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ: سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: اسلام ایک مضبوط قلعے میں تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے انھوں نے اس قلعے میں دراڑ ڈال دی۔ انھوں نے خود اپنے ہی ہاتھوں اسے نشتر لگائے ہیں۔ وہ قیامت تک اس شگاف کو پر نہیں کر سکتے۔ خلافت اہل مدینہ کے پاس تھی۔ انھوں نے اسے نکال دیا۔ اب یہ ان کے پاس کبھی واپس نہیں آئے گی۔"[4]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما: ابونعیم نے اپنی سند سے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے، انھوں نے فرمایا: "سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو ظلماً شہید کیا گیا، اس طرح انھیں مظلوم اور شہید ہونے کا دوہرا اجر دیا گیا۔"[5]

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ: سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 31/2، وتاريخ دمشق لابن عساكر، ص: 493. [2] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 31/2، وتاريخ دمشق لابن عساكر، ص: 493. [3] تاريخ المدينة لابن شبة: 124/4. [4] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتورمحمد أمحزون: 31/2، وتاريخ دمشق لابن عساكر، ص: 388.
[5] معرفة الصحابة لأبي نعيم: 245/1، والمعجم الكبير للطبراني: 46/1.

شہید نہ کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو کبھی اکٹھے نماز نہیں پڑھ سکو گے۔[1] اللہ کی قسم! ان کا خون بہانے سے تمھیں اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔''[2]

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما: طلق بن خشاف کا بیان ہے کہ ہم قرط بن خیثمہ کے ساتھ مدینہ گئے۔ وہاں ہم حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بھی ملے۔ قرط نے ان سے عرض کی: ''شہادت عثمان کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟'' انھوں نے فرمایا: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً شہید کیے گئے۔''[3]

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ: یزید بن ابوعبیدہ کا بیان ہے کہ بدری صحابی سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ شہادت عثمان کے بعد مدینہ سے چلے گئے۔ ربذہ میں مقیم ہوگئے اور پھر وفات سے کچھ دیر پہلے تک وہیں مقیم رہے۔[4]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: ابو حازم کہتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔ ان کے اس قدر فضائل و مناقب بیان کیے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا اس طرح تذکرہ کیا کہ انھیں شیشے سے بھی زیادہ صاف شفاف بنا دیا، پھر سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو ان کے فضائل و مناقب، سبقتِ اسلامی اور قرابت داری کا ذکر اس قدر خوبصورت پیرائے میں کیا کہ انھیں بھی شیشے سے زیادہ آب و تاب والا بنا کر دکھا دیا۔ پھر فرمایا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ بے قصور تھے۔ ''جو ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ کرنا چاہے وہ اسی طرح کرے ورنہ ان کا تذکرہ ہی نہ کرے۔''[5]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو برا مت کہو، یقیناً ہم انھیں افضل اور برگزیدہ لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔''[6]

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 34/2، وفضائل الصحابة: 491/1، إسناده صحيح. [2] الطبقات لابن سعد: 81/3. [3] تاريخ المدينة لأبي نعيم: 124/4.
[4] تاريخ المدينة لأبي نعيم: 124/4. [5] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 379/1. [6] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 379/2، وفضائل الصحابة: 416/1، إسناده صحيح.

شہادت عثمان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فتنے

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے کئی فتنے پھوٹ پڑے اور بعد میں پیدا ہونے والے فتنوں پر یہ سانحہ بہت اثر انداز ہوا۔ لوگوں کے دلوں میں تغیر پیدا ہوگیا، جھوٹ عام ہوگیا۔ عقیدۂ اسلام اور شریعت سے صریحاً انحراف شروع ہوگیا۔[1] لوگوں کے مابین فتنوں کا سب سے بڑا سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی۔ اسی وجہ سے امت آج تک انتشار و اختلاف کا شکار ہے۔[2] اسی سے دلوں میں نفرتیں پیدا ہوئیں، بے چینی اور پریشانی کا گراف بہت اوپر چلا گیا، بدکردار لوگ غالب آگئے۔ اچھے لوگ دب کر رہ گئے۔ جو بیکار اور نااہل تھے وہ سرگرم ہوگئے اور جو باصلاحیت اور صحیح رہنمائی کے خوگر تھے وہ عاجز اور بے بس ہوگئے۔ بالآخر لوگوں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اس وقت وہی سب سے زیادہ اس کے اہل اور مستحق تھے اور باقی ماندہ صحابہ میں سب سے افضل تھے۔ لیکن دلوں میں نفرت کا بیج بویا جاچکا تھا۔ فتنے کی آگ بھڑک چکی تھی، اس لیے مسلمان متحد نہ ہوسکے۔ ان کی جماعت میں انتشار پھیل گیا۔ خلیفہ اور امت کے برگزیدہ افراد اپنے نیک مقاصد اور تعمیری اہداف پورے نہ کرسکے۔ اس اختلاف اور فتنے میں کئی قومیں شامل ہوگئیں۔[3]

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانے میں فتوحات کا سلسلہ آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہوا تو اسلامی شہروں اور مرکز خلافت میں فتنے اٹھنے لگے جن کا نتیجہ شہادت عثمان کے المیے کی شکل میں سامنے آیا۔ پھر فتنوں کا سلسلہ پھیل گیا، جو معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام تک جاری رہا، پھر اسلامی حکومت مستحکم ہوگئی اور فتوحات کا سلسلہ

[1] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 59. [2] مجموعة الفتاوى لابن تيمية: 162/25. [3] مجموعة الفتاوى لابن تيمية: 162/25.

شرق و غرب اور شمال میں چل نکلا۔"[1]

دوسروں پر ظلم و زیادتی دنیا و آخرت کی بربادی کا باعث ہے

یقیناً دوسروں پر ظلم و زیادتی دنیا و آخرت کی تباہی کا باعث ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتِلْكَ الْقُرَىٰٓ اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴾

"اور یہ بستیاں ہم نے انھیں ہلاک کیا جب انھوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک مقرر وقت طے کیا تھا۔"[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں اور آپ پر زیادتی کرنے والوں کے حالات کا جائزہ لینے والا یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مہلت نہیں دی۔ انھیں بُری طرح ذلیل و رسوا کیا۔ ان سے انتقام لیا اور ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔[3]

خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں عمران بن حدیر کے متعلق صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: اگر مجھے عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ نے یہ بات نہ بتائی ہوتی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا پہلا قطرہ قرآن مجید کی آیت: ﴿ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ﴾ پر گرا تھا، تو میں مان لیتا کہ انھیں مظلوم شہید نہیں کیا گیا۔ ابو حریث کہتے ہیں کہ میں اور سہیل نمیری گئے اور وہ مصحف نکال کر ان کے پاس لائے تو خون کا قطرہ واقعی قرآن مجید کی آیت: ﴿ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ﴾ پر تا حال موجود تھا۔ اسے کھرچ کر صاف نہیں کیا گیا تھا۔

تاریخ ابن عساکر میں محمد بن سیرین سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک آدمی کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: "اے اللہ! مجھے بخش دے حالانکہ

[1] أحداث وأحاديث فتنة الهرج للدكتور عبد العزيز دخان، ص: 591. [2] الكهف 59:18.
[3] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 483/1.

مجھے یقین نہیں ہے کہ تو مجھے معاف کرے گا۔" میں نے کہا: "اے اللہ کے بندے! تو عجیب آدمی ہے میں نے آج تک کسی کو کبھی تیری طرح دعا کرتے نہیں دیکھا؟" اس نے اپنا حال بتایا۔ کہنے لگا: "میں نے قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے مجھے موقع دیا تو میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھپڑ ضرور ماروں گا، چنانچہ جب انھیں شہید کر دیا گیا، ان کا جنازہ ان کے گھر پڑا تھا۔ لوگ دمبدم چلے آرہے تھے اور ان کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔ اُس وقت میں بھی یہ ظاہر کرتے ہوئے ان کے گھر میں گھس گیا کہ آپ کے لیے دعا کرنا چاہتا ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ آس پاس اور کوئی نہیں ہے تو میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور تھپڑ مارا...... پھر میں نے ان کا چہرہ دوبارہ چادر سے ڈھانپ دیا۔ اُسی وقت اچانک میرا دایاں ہاتھ خشک ہوگیا۔" محمد بن سیرین کہتے ہیں: "میں نے اس کا دایاں ہاتھ دیکھا تو وہ لکڑی کی طرح خشک تھا۔"[1]

اگر ان باغیوں اور ظالموں کے انجام بد کے یہ آثار نہ بھی ظاہر ہوتے تب بھی مسلمانوں کی جو تلواریں قیامت تک ان کے سروں پر چمکیں گی، وہ انھیں اور ان کے ہم مشربوں کو سزا دینے کے لیے کافی ہیں۔

قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا گزر مدینہ کے کسی گلی کوچے سے ہوا تو انھوں نے دو آدمیوں کو یہ کہتے ہوئے سنا: "ابن بیضاء (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا گیا اور اسلام اور عرب میں ان کا بہت بڑا مقام ہے اور اُن کی خدمات جلیلہ بے شمار ہیں۔ ان کے مرتبے جیسا کوئی اور نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! اس میں کوئی دوسری رائے بھی نہیں ہے۔" سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت فرمایا: "تم نے کیا کہا؟" تو انھوں نے دوبارہ وہی بات

[1] سير الشهداء لعبد الحميد السحياني، ص:67، وتاريخ دمشق لابن عساكر، ص:458، وتحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون:485/1.

دہرائی۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! بالکل ایسا ہی ہے۔“[1]

شہادت عثمان پر عام مسلمانوں کے تاثرات اور حزنیہ اشعار

شہادت عثمان سے مسلمانوں پر بہت بڑی مصیبت ٹوٹ پڑی۔ وہ بے حد غمزدہ ہوئے۔ حزن و ملال کی تصویر بن گئے۔ ان کے آنسوؤں کی برسات تھمنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ ان کی زبانوں پر سیدنا عثمان کی مدح کے ترانے تھے۔ اور ان کے لیے دمبدم دعائے مغفرت کے کلمات جاری تھے۔ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ کی شہادت پر نہایت غمزدہ ہوئے۔ انھوں نے آپ کی مدح میں اشعار کہے۔ قاتلین عثمان کی مذمت کی اور ان کے وحشیانہ فعل کے انجام کی وعید سنائی۔ وہ فرماتے ہیں:

أَتَرَكْتُمْ غَزْوَ الدُّرُوبِ وَرَاءَكُمْ ... وَ غَزَوْتُمُونَا عِنْدَ قَبْرِ مُحَمَّدِ

فَلَبِئْسَ هَدْيُ الْمُسْلِمِينَ هَدَيْتُمْ ... وَلَبِئْسَ أَمْرُ الْفَاجِرِ الْمُتَعَمِّدِ

إِنْ تُقْدِمُوا نَجْعَلْ قِرَى سَرَوَاتِكُمْ ... حَوْلَ الْمَدِينَةِ كُلَّ لِينٍ مِذْوَدِ

أَوْ تُدْبِرُوا فَلَبِئْسَ مَا سَافَرْتُمْ ... وَ لِمِثْلُ أَمْرِ أَمِيرِكُمْ لَمْ يُرْشَدِ

وَ كَأَنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ عَشِيَّةً ... بُدْنٌ تُذَبَّحُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ

أَبْكِي أَبَا عَمْرٍو لِحُسْنِ بَلَائِهِ ... أَمْسَى مُقِيمًا فِي بَقِيعِ الْغَرْقَدِ

”کیا تم نے سرحدوں اور پہاڑوں پر جہاد ترک کر دیا ہے کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس ہم سے جنگ کرنے آگئے ہو۔ تم نہایت برے طریقے پر نکل کھڑے ہوئے اور بہت پاجی اور بدکار لوگوں کے نقش قدم پر چل پڑے۔ اگر تم آگے بڑھے تو ہم تمھارے سرداروں کی مدینے کے آس پاس ہر قسم کے نرم دفاعی آلات سے مہمان نوازی کریں گے۔ یا واپس لوٹ جاؤ۔ تو بہت برا سفر ہے جو تم نے

[1] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة للدكتور محمد أمحزون: 485/1.

کیا۔ تمھارے امیر کے کام ہدایت کے خلاف ہیں۔ شہادت کی رات نبی ﷺ کے صحابہ کی کیفیت یہ تھی کہ گویا وہ قربانی کے اونٹ ہیں جنھیں مسجد کے دروازے پر ذبح کیا جا رہا ہے۔ میں ابوعمرو (عثمان رضی اللہ عنہ) کے لیے روتا ہوں۔ وہ اپنے امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ اب وہ بقیع الغرقد میں آرام فرما رہے ہیں۔''[1]

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار بھی لائق مطالعہ ہیں۔ دیکھیے ان اشعار میں خلیفہ راشد کی شہادت کا قلق کس طرح سمٹ آیا ہے:

مْ مِنْ أَخِي الدِّينِ بَارَكَتْ ... يَدُ اللّٰهِ فِي ذَاكَ الْأَدِيمِ الْمُقَدَّدِ
يَّ اللّٰهِ فِي جَوْفِ دَارِهِ ... وَجِئْتُمْ بِأَمْرٍ جَائِرٍ غَيْرِ مُهْتَدِ
عَيْتُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ بَيْنَكُمْ ... وَأَوْفَيْتُمْ بِالْعَهْدِ عَهْدِ مُحَمَّدِ
فِيكُمْ ذَا بَلَاءٍ وَمَصْدَقٍ ... وَأَوْفَاكُمْ عَهْدًا لَدَى كُلِّ مَشْهَدِ
تْ أَيْمَانُ قَوْمٍ تَبَايَعُوا ... عَلَى قَتْلِ عُثْمَانَ الرَّشِيدِ الْمُسَدَّدِ

''میرے دینی بھائی سے تم نے کیا چاہا؟ اس کے نحیف جسم میں اللہ تعالیٰ نے برکت ڈالی۔ تم نے اللہ کے ولی کو اس کے گھر میں گھس کر قتل کیا۔ تم نے بڑے بھیانہ گمراہ کن فعل کا ارتکاب کیا۔ تم نے اللہ کے عہد کی پاسداری بھی نہ کی۔ تم نے محمد ﷺ کے عہد سے بھی وفاداری نہ کی۔ کیا وہ تم لوگوں میں سب سے زیادہ احسان کرنے والا اور سب سے بڑھ کر سچا اور راست باز انسان نہ تھا؟ کیا وہ ہر میدان میں تم لوگوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر وفادار نہ تھا؟ کبھی مراد کو نہ پہنچیں ان بدبختوں کے عہد و پیمان جنھوں نے ہدایت یافتہ اور راہ مستقیم کے مسافر عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے پر ایکا کر لیا۔''[2]

انھوں نے مزید فرمایا:

[1] تاریخ الطبري:445/5. [2] البداية والنهاية:205/7.

مَنْ سَرَّهُ الْمَوْتُ صِرْفًا لَا مِزَاجَ لَهُ فَلْيَأْتِ مَأْسَدَةً فِي دَارِ عُثْمَانَا
مُسْتَحْقِبِي حَلَقِ الْمَاذِيِّ قَدْ سَفَعَتْ فَوْقَ الْمَخَاطِمِ بَيْضٌ زَانَ أَبْدَانَا
صَبْرًا فِدًى لَكُمْ أُمِّي وَ مَا وَلَدَتْ قَدْ يَنْفَعُ الصَّبْرُ فِي الْمَكْرُوهِ أَحْيَانَا
فَقَدْ رَضِينَا بِأَهْلِ الشَّامِ نَافِرَةً وَ بِالْأَمِيرِ وَ بِالْإِخْوَانِ إِخْوَانَا
إِنِّي لَمِنْهُمْ وَ إِنْ غَابُوا وَ إِنْ شَهِدُوا مَا دُمْتُ حَيًّا وَ مَا سُمِّيتُ حَسَّانَا
لَتَسْمَعُنَّ وَشِيكًا فِي دِيَارِهِمْ اَللّٰهُ أَكْبَرُ يَا ثَارَاتِ عُثْمَانَا

”جسے سراسر شہادت کی موت مرنا پسند ہو، وہ شیروں کے مسکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر اس حال میں آئے کہ اس نے زرہ پہنی ہوئی ہو، زرہ کی وجہ سے اس کے جسم پر نشان پڑ چکے ہوں۔ سر پر خود ہو جس کی وجہ سے اس کا جسم خوبصورت لگ رہا ہو۔ میری ماں اور اس کی اولاد تجھ پر قربان! صبر کرو! یقیناً سختیوں میں صبر ہی کار آمد ہوتا ہے۔ ہم اہل شام کے ساتھ لڑائی کے لیے نکلنے پر، ان کے امیر پر اور بھائیوں کے بھائی چارے پر خوش ہیں۔ سن لو! جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک مجھے حسان کہہ کر پکارا جائے گا، میں انھی اہل شام ہی میں سے ہوں، چاہے وہ میرے پاس موجود ہوں یا نہ ہوں۔ اے عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے والو! تم ان کے گھروں میں اللہ اکبر کی صدائیں ضرور سنو گے۔“[1]

سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کے یہ دردناک اشعار بھی غم عثمان رضی اللہ عنہ کے آئینہ دار ہیں:

إِنْ تُمْسِ دَارُ ابْنِ أَرْوٰى مِنْهُ خَاوِيَةً بَابٌ صَرِيعٌ وَ بَابٌ مُحْرَقٌ خَرِبُ
فَقَدْ يُصَادِفُ بَاغِي الْخَيْرِ حَاجَتَهُ فِيهَا وَ يَهْوِي إِلَيْهَا الذِّكْرُ وَالْحَسَبُ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَبْدُوا ذَاتَ أَنْفُسِكُمْ لَا يَسْتَوِي الصِّدْقُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْكَذِبُ

”ہر چند آج ابن اروی (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کا گھر خالی پڑا ہے، اس گھر کے کچھ

[1] تاریخ الطبري: 447/5.

دروازے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ کچھ جلے ہوئے ہیں، کچھ خراب حالت میں پڑے ہیں۔ لیکن ایک وقت تھا جب خیر کے طالب آتے تھے اور یہاں سے حاجتیں پوری کرتے تھے۔ حسب ونسب اور ذکر خیر اسی پر ختم ہوتا تھا۔ اے لوگو! اپنے آپ کو بے نقاب کرو۔ اللہ کے ہاں سچ اور جھوٹ برابر نہیں ہو سکتے۔''[1]

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ کی شہادت پر اس طرح اظہارِ ملال کیا:

وَيْحٌ لِأَمْرٍ قَدْ أَتَانِي رَائِعٌ ۔۔۔ هَدَّ الْجِبَالَ فَانْقَضَتْ بِرُجُوفِ

قَتْلُ الْإِمَامِ لَهُ النُّجُومُ خَوَاضِعٌ ۔۔۔ وَالشَّمْسُ بَازِغَةٌ لَّهُ بِكُسُوفِ

يَا لَهْفَ نَفْسِي إِذْ تَوَلَّوْا غُدْوَةً ۔۔۔ بِالنَّعْشِ فَوْقَ عَوَاتِقٍ وَّ كُتُوفِ

وَلَّوْا وَدَلَّوْا فِي الضَّرِيحِ أَخَاهُمْ ۔۔۔ مَاذَا أَجَنَّ ضَرِيحُهُ الْمَسْقُوفُ

مِنْ نَائِلٍ أَوْ سُؤْدَدٍ وَ حَمَالَةٍ ۔۔۔ سَبَقَتْ لَهُ فِي النَّاسِ أَوْ مَعْرُوفِ

كَمْ مِنْ يَتِيمٍ كَانَ يَجْبُرُ عَظْمَهُ ۔۔۔ أَمْسَى بِمَنْزِلَةِ الضَّيَاعِ يَطُوفُ

فَرَّجْتَهَا عَنْهُ بِرَحْمِكَ بَعْدَ مَا ۔۔۔ كَادَتْ وَ أَيْقَنَ بَعْدَهَا بِحُتُوفِ

مَازَالَ يَقْبَلُهُمْ وَ يَرْأَبُ ظُلْمَهُمْ ۔۔۔ حَتّٰى سُمِعَتْ بِرَنَّةِ التَّلْهِيفِ

أَمْسَى مُقِيمًا بِالْبَقِيعِ وَ أَصْبَحُوا ۔۔۔ مُتَفَرِّقِينَ قَدْ أَجْمَعُوا بِحُفُوفِ

اَلنَّارُ مَوْعِدُهُمْ بِقَتْلِ إِمَامِهِمْ ۔۔۔ عُثْمَانَ صِهْرٍ فِي الْبِلَادِ عَفِيفُ

جَمَعَ الْحِمَالَةَ بَعْدَ حِلْمٍ رَاجِحٍ ۔۔۔ وَالْخَيْرُ فِيهِ مُبَيَّنٌ مَّعْرُوفُ

يَا كَعْبُ! لَا تَنْفَكَّ تَبْكِي هَالِكًا ۔۔۔ مَا دُمْتَ حَيًّا فِي الْبِلَادِ تَطُوفُ

''اس سانحے پر افسوس ہے۔ یہ میرے کانوں پر نہایت خوفناک خبر بن کر بجلی کی طرح گرا ہے۔ اس المیے نے پہاڑوں کو بھی لرزا دیا۔ وہ بھی اس خبر سے تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ اس امام عالی مقام کے قتل کی خبر سے ستارے ماند پڑ گئے ہیں

[1] تاريخ الطبري: 446/5.

سورج بھی کسوف کی حالت میں ہے۔ کل ان کی نعش کندھوں پر اٹھائی جائے گی تو میرے اضطراب اور بے قراری کا کیا عالم ہوگا؟ انھوں نے اپنے بھائی کو لپیٹ کر قبر کے حوالے کر دیا، اس کی چھت والی قبر نے کیا کیا چھپا لیا؟ عطیات دینے والے، سردار کو چھپا لیا، بوجھ اٹھانے والے غم گسار کو چھپا لیا۔ انھوں نے لوگوں کے لیے نیک اور معروف کام کیے تھے۔ کتنے یتیم ہیں جن کی وہ ضرورت پوری کرتے تھے، آج وہ یتیم گمشدہ جانور کی طرح دربدر ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی شفقت سے ان یتیموں کی بری حالت کو اچھی حالت سے بدل دیا، اس کے باوجود کہ انھیں اپنے مرنے کا یقین ہو چکا تھا۔ وہ ہمیشہ ان لوگوں کو قبول کرتے رہے۔ ان کی کوتاہی اور ظلم سے درگزر فرماتے رہے تا آنکہ ہائے افسوس! ہائے افسوس! کی حُزنیہ صدائیں بلند ہوئیں۔ سیدنا عثمان بقیع میں آرام فرمانے لگے اور وہ سفاک لوگ منتشر ہو گئے جنھوں نے گھیرا ڈالنے پر اتفاق کیا تھا۔ امام عثمان رضی اللہ عنہ فولاد کی طرح مضبوط اور انتہائی عفیف تھے ایسے امام کو قتل کرنے کی وجہ سے ظالموں کا انجام آگ ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نہایت دانشمندی سے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔ ان میں بھلائی کے جوہر تھے۔ ان کی نیکی معروف تھی۔ اے کعب! تو جب تک زندہ ہے اور شہر در شہر آنے جانے کے قابل ہے، غمِ عثمان رضی اللہ عنہ میں ہمیشہ روتا رہے گا۔''[1]

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے مزید کہا:

فَكَفَّ يَدَيْهِ ثُمَّ أَغْلَقَ بَابَهُ ... وَ أَيْقَنَ أَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِغَافِلِ

وَ قَالَ لِأَهْلِ الدَّارِ لَا تَقْتُلُوهُمْ ... عَفَا اللّٰهُ عَنْ كُلِّ امْرِئٍ لَمْ يُقَاتِلِ

فَكَيْفَ رَأَيْتَ اللّٰهَ صَبَّ عَلَيْهِمْ ... اَلْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ بَعْدَ التَّوَاصُلِ؟

[1] التمهيد والبيان لمحمد بن يحيى الأندلسي، ص: 211.

وَكَيْفَ رَأَيْتَ الْخَيْرَ أَدْبَرَ بَعْدَهُ عَنِ النَّاسِ إِدْبَارَ النَّعَامِ الْجَوَافِلِ؟

''انھوں (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) نے اپنے ہاتھوں کو روک لیا، پھر اپنا دروازہ بھی بند کر لیا۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اس ساری صورت حال سے غافل نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ ان سے لڑائی مت کرو۔ میری اس شخص کے لیے جو آج لڑائی نہیں کرے گا دعا ہے کہ اللہ اسے معاف کر دے۔ تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی باہمی محبت کے بعد ان پر بغض و عداوت کا عذاب کیسے مسلط کیا، تم نے دیکھا کہ ان کے چلے جانے کے بعد نیکی لوگوں سے روٹھ کر اس طرح بھاگ گئی جیسے شتر مرغ بھاگتے ہیں۔''[1]

اونٹوں کے چرواہے نمیری نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا:

عَشِيَّةَ يَدْخُلُونَ بِغَيْرِ إِذْنٍ عَلَى مُتَوَكِّلٍ أَوْفَى وَ طَابَا

خَلِيلُ مُحَمَّدٍ وَّ وَزِيرُ صِدْقٍ وَّ رَابِعُ خَيْرِ مَنْ وَّطِئَ التُّرَابَا

''(ظالم لوگ) دن کے دوسرے حصے میں بغیر اجازت اُس متوکل، وفادار اور اچھے انسان پر دھاوا بولنے آ گھسے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے دوست تھے۔ سچے وزیر تھے۔ اور زمین پر بسنے والوں میں سب سے عالی رتبہ لوگوں میں چوتھے نمبر پر تھے۔''[2]

خلاصہ

❊ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایام جاہلیت میں بھی نہایت برگزیدہ اور افضل لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ بہت با اثر، مالدار، شرم و حیا کے پیکر اور شیریں کلام تھے۔ آپ کی قوم کو آپ سے بڑی محبت تھی۔ لوگ آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ آپ زمانۂ جاہلیت میں بھی کسی بت

[1] البداية والنهاية: 205/7. [2] البداية والنهاية: 206/7، آخری شعر کا مطلب یہ ہے کہ پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل انسان تھے، دوسرے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، تیسرے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور چوتھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔

کے سامنے سجدہ ریز ہوئے نہ کبھی بے حیائی کا ارتکاب کیا۔ آپ نے زمانۂ جاہلیت میں کبھی شراب نہیں پی۔

❁ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اسلام کی دعوت دی۔ اُس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر چونتیس (34) برس تھی۔ آپ نے بلا حیل و حجت کسی پس و پیش کے بغیر فوراً اسلام قبول کر لیا اور سابقین اولین میں شامل ہو گئے۔

❁ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام پر مسلمان نہایت خوش ہوئے۔ آپ کے اور مسلمانوں کے درمیان رشتۂ اخوت نہایت مستحکم ہو گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا اعزاز بخشا۔

❁ قانون الٰہی چلا آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ افراد، جماعتوں، معاشروں، قوموں اور سلطنتوں کو آزماتا ہے تاکہ کھرے اور کھوٹے کی حقیقت کھل جائے۔ اس ذات عالی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی آزمایا اور وہ ہر آشوب اور آزمائش میں سرخرو نکلے۔ انھوں نے پہاڑوں کو بھی ہلا دینے والے مصائب برداشت کیے۔ اپنا مال اور خون اللہ کے رستے میں قربان کیا۔ ان پر جو مشکلات آئیں وہ بیان سے باہر ہیں۔ مسلمانوں کے سرکردہ اور معززین کو بھی ان آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ کے رستے میں، اپنے چچا حکم بن ابوالعاص کے ہاتھوں، شدید مصائب اور دکھ جھیلنے پڑے۔

❁ قبول اسلام کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسلسل غیر منقطع طور پر ہمیشہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ ضرورت کے بغیر آپ سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اجازت سے آپ نے ہجرت کی۔ آپ باقی خلفائے راشدین ہی کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ یہ ان کی نمایاں خوبی تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت فرمائی تھی اور اسی خوبی نے انھیں پے در پے یکے بعد دیگرے خلافت کا بار اٹھانے کا اہل بنایا۔

❁ دعوتِ اسلام کے آغاز ہی سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا گہرا تعلق

تھا، اس لیے آپ نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے تمام گوشوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ دور نبوت کے بعد دور خلافت میں بھی سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی زندگیاں آپ کے سامنے تھیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی ریاست کی تشکیل کے لیے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے آپ ان سے پوری طرح آگاہ تھے۔

٭ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس منہج کے زیر سایہ پروان چڑھے وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید کا منہج تھا۔

٭ سب سے اہم چیز جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی صلاحیتوں کو جلا بخشنے اور آپ کی روحانی طاقت کو اُجاگر کرنے اور تہذیب نفس کا باعث بنی وہ رسول اکرم ﷺ کی رفاقت تھی۔ آپ کو مدرسۂ نبوت میں زانوئے تلمذ تہ کرنے کا شرف حاصل رہا۔ قبول اسلام کے بعد مکہ میں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اکثر و بیشتر رسول اکرم ﷺ ہی کے ساتھ رہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام پر ایک مدبر کی طرح غور کیا اور اپنی صلاحیتوں کو فوری طور پر منظم کر کے نبی ﷺ کے درس سے استفادہ کیا، یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کے دامن کو معلم انسانیت اور ہادی کونین کے علوم و معارف کے جواہر پاروں سے بھر دیا۔

٭ غزوۂ بدر کے لیے عام منادی نہیں تھی، اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کسی سستی کی وجہ سے بدر سے پیچھے نہیں رہے جیسا کہ خواہشات پرستوں کا ٹولہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ آپ بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ اہل بدر کو جو فضیلت ملی وہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت ہی کی وجہ سے تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی رسول اکرم ﷺ کے اعلان پر آپ کے ساتھ نکل پڑے لیکن رسول اکرم ﷺ نے اپنی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کے پیش نظر تیمارداری کی غرض سے آپ کو واپس بھیج دیا، چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے واپس آگئے۔ رسول اکرم ﷺ نے انھیں مال غنیمت میں شریک کیا اور دوسرے بدری صحابۂ کرام کے برابر اجر وثواب کی خوشخبری دی کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ

اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری کے لیے ہی پیچھے رہے۔

❁ حدیبیہ میں آپ کو درج ذیل وجوہ کی بنا پر نمایاں حیثیت حاصل ہے:

❁ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے قائم مقام قرار دیا کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ آپ کا پیغام لے کر مکہ گئے تھے۔

❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں مسلمان قیدیوں کے نام پیغام پہنچانے کے لیے بھی آپ ہی کا انتخاب کیا۔

❁ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ گئے تو مشرکین مکہ نے کہا کہ آپ طواف کرتے جائیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہیں کر لیتے میں طواف نہیں کروں گا۔'' ادھر لوگوں نے کہا: ''عثمان رضی اللہ عنہ نے تو طواف کر لیا ہوگا۔'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَوْ مَكَثَ كَذَا مَا طَافَ حَتّٰى أَطُوفَ» ''چاہے وہ کتنی ہی دیر ٹھہرے رہیں جب تک میں طواف نہیں کروں گا وہ بھی نہیں کریں گے۔'' اس طرح آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کا شرف حاصل ہوا۔

❁ فتح مکہ کے موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی السرح کی سفارش کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی سفارش قبول فرمائی۔

❁ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ کی وفات کے بعد سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ سے آپ کی شادی ہوئی۔ آپ کا بیٹا عبداللہ وفات پا گیا پھر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی رحلت فرما گئیں۔

❁ آپ نے بئر رومہ بیس ہزار درہم میں خریدا اور اسے بلا امتیاز ہر امیر اور فقیر کے لیے وقف کر دیا۔ مسجد نبوی کی توسیع اور غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ نے بہت زیادہ مال خرچ کیا۔

❁ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں متعدد احادیث مروی ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن میں آپ کے ساتھ دوسروں کے مناقب بھی بیان ہوئے ہیں اور کچھ احادیث میں صرف آپ ہی کے مناقب کا تذکرہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنے کی بھی پیش گوئی کی تھی جس میں

آپ کو شہید کیا گیا۔

٭ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار ان سربرآوردہ ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی رائے کو عہد صدیق میں اہمیت دی جاتی تھی۔ مملکت اسلامیہ کے بنیادی مسائل میں ان سے مشورہ کیا جاتا تھا۔ وہ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک ثانی اثنین (دو میں سے دوسرے) تھے، یعنی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے نہایت محتاط اور سخت طبیعت کے مشیر تھے جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت نرم دل اور صابر مزاج مشیر تھے۔ گویا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حیثیت وزیر اعظم اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حیثیت جنرل سیکرٹری یا ناظم اعلیٰ کی تھی۔ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے راز داں اور کاتب بھی تھے۔

٭ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی بہت قدر و منزلت تھی۔ لوگ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی بات دریافت کرنا چاہتے تو وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے کرتے۔ آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نائب شمار ہوتے تھے۔ جب معاملہ سیدنا عثمان اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کے بس سے باہر ہوتا تو لوگ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔

٭ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت کی طلب سے دستبردار ہوگئے، حالانکہ وہ بھی ان لائق لوگوں میں سے تھے جن کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب کیا تھا سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف نے امت کے صاحب رائے افراد کے مشورے سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بطور خلیفہ انتخاب کیا اور اس ذمہ داری کو بھرپور طریقے سے نبھا کر امت کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر متحد کیا۔

٭ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ ارکان شوریٰ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کے معاملے میں شیعوں اور رافضیوں نے بہت حد تک من مانی داستان سرائی کی ہے۔ انھی روایات کو مستشرقین نے اچھال کر اپنے مقاصد حاصل کیے اور بہت سے جدید مؤرخین اور مفکرین

بھی شیعوں کے بہائے ہوئے جھوٹ کے دریا میں غوطے لگا کر ان کے ہمنوا متاثر ہو گئے۔ انھوں نے ان روایات کی تحقیق کیے بغیر ہی انھیں قبول کر لیا۔ اس طرح جھوٹ کا یہ پلندہ مسلمانوں میں بھی پھیل گیا۔

❁ بہت سے دلائل کی روشنی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے۔ حاملین کتاب وسنت اس بات پر متفق ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، تابعین اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے مستحق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

❁ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے اور لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی تو آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے اپنے سیاسی منہج کی یوں وضاحت فرمائی: ''میں کتاب و سنت اور شیخین سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے نقش قدم پر چلوں گا۔'' اسی طرح آپ نے صاف صاف اعلان کیا: ''میں لوگوں کے ساتھ حلم و بردباری اور حکمت و دانائی کے ساتھ معاملہ کروں گا، البتہ حدود کے نفاذ میں کسی رعایت سے کام نہیں لوں گا، آپ ایک ایسے حکمران تھے جسے لوگوں کی دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر تھی۔ آپ ہر موقع محل پر دنیا کی دلفریبیوں کی قلعی کھولتے تھے اور نہایت دل سوزی سے آخرت کی تیاری کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ لوگوں کو دنیا کی طرف میلان کے خطرے سے آگاہ کیا اور انھیں اس کے فتنوں سے بچنے کی تاکید کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس کے حصول میں مقابلہ بازی شروع کر دیں اور آپس میں حسد و عداوت کرنے لگیں، جس سے امت میں انتشار پیدا ہو جائے۔

❁ آپ زبردست قائدانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ایک ربانی قائد کی جملہ صفات، جیسے علم، ذہن سازی اور تعلیم و تربیت کی صلاحیت، حلم و بردباری، سخاوت، عفوودرگزر، تواضع، حیا، پاکدامنی، شجاعت و پامردی، حزم و احتیاط، صبر، عدل، عبادت گزاری، محاسبۂ نفس، خوف و بکاء، زہد، شکر گزاری کا جذبہ، لوگوں کی خبر گیری، اختیارات کی تحدید اور

باصلاحیت افراد سے استفادہ کرنا، یہ تمام خوبیاں آپ کی شخصیت میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

❊ کسی شخص کے بارے میں یہ جاننے کے لیے کہ آیا وہ صحیح بنیادوں پر امت کی قیادت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس جانچ پرکھ کی بہترین اور بے لاگ کسوٹی خلفائے راشدین کی سیرت ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے پیش رو بزرگوں کی طرح ہمہ صفت موصوف تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے عہد مبارک میں ہر طرف اسلام کا بول بالا ہو گیا۔

❊ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مالی پالیسی بڑی صاف شفاف تھی: انھوں نے اسلام کی عادلانہ مالی پالیسی کا نفاذ کیا، رعایا کے حقوق و فرائض کا پورا پورا خیال رکھا، مسلمانوں پر بیت المال کا جو حق تھا وہ وصول کیا۔ ذمیوں پر بیت المال کا جو حق ٹیکس وغیرہ کی صورت میں لاگو تھا وہ وصول کیا اور ان کا جو حق بنتا تھا وہ پوری فراخدلی سے ادا کیا۔ انھوں نے خراج وصول کرنے کے لیے نہایت دیانتدار عملے کا تقرر کیا اور ان عوامل کا سدباب کیا جن سے عوام میں یہ تأثر پیدا ہو کہ عاملین نازونعمت میں رہتے ہیں۔

❊ سرکاری عہدے داروں اور گورنروں کی تنخواہیں، افواج کی تنخواہیں، حج کے اخراجات، مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر، مسجد حرام کی توسیع، پہلا اسلامی بیڑا بنانے کے اخراجات، بندرگاہ کو شعیبہ سے جدہ منتقل کرنے کے اخراجات، کنوؤں کی کھدائی، مؤذنوں کی ضروریات زندگی پر خرچ ہونے والی رقم اور دیگر کئی ضروری امور سرکاری اخراجات میں شامل تھے۔

❊ شرپسندوں اور باغیوں کا ایک الزام یہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں ناجائز تصرف کرتے ہوئے اپنے عزیز و اقارب کو نوازا ہے، ان کا یہ الزام سراسر باطل ہے جس کی پشت پناہی سبائیوں نے کی اور رافضی آج تک اس کا ڈھنڈورا پیٹتے چلے آرہے ہیں۔ جس کے زیر اثر یہ بات کتب تاریخ میں بھی چلی آرہی ہے۔ محققین اور مؤرخین نے حقیقت کا جائزہ لیا تو یہ الزام سراسر خود ساختہ اور بے اصل ثابت ہوا۔

❊ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت، خلافت راشدہ کی درمیانی کڑی ہے اور آپ کے

دورِ حکمرانی کی اہمیت عہد نبوی کے قریب ہونے کی وجہ سے بالکل عیاں ہے۔ خلفائے راشدین کا دور ہر لحاظ سے مثالی تھا۔اس کے عدالتی نظام کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ عہد نبوی ہی کے نظام کا تسلسل تھا اور جو فیصلے عہد نبوی میں ہو چکے تھے اگر ان جیسے معاملات بعد میں پیش آئے تو ان کے بارے میں من وعن عہد نبوی ہی کا فیصلہ لاگو کیا گیا اور اس کا مکمل نفاذ کیا گیا حتی کہ اس کی عبارت اور معانی کا بھی خیال رکھا گیا۔

❁ فتوحات کے بارے میں آپ کا لائحۂ عمل نہایت فیصلہ کن اور ضبط وتحمل پر مبنی تھا۔ آپ نے روم اور فارس کے سرکشوں کو مطیع کیا اور ان شہروں میں اسلام کی شان وشوکت دوبارہ بحال کی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے ختم ہوگئی تھی۔ آپ نے ان شہروں سے بھی آگے بڑھ کر فتوحات اور جہاد کا سلسلہ جاری رکھا تاکہ انھیں جو دشمن کی طرف سے امداد پہنچتی ہے اس کو روکا جائے۔ اسلامی شہروں کے دفاع کے لیے مسلمانوں کے درمیان رابطہ، اس کے قواعد وضوابط اور اسلامی ریاست کی کماحقہ حفاظت کے پیش نظر بحری فوج کی تیاری آپ کے نہایت اہم کارناموں میں شامل ہے۔

❁ عہد عثمان میں لشکرِ اسلام کی چھاؤنیاں اور حفاظتی چوکیاں مملکت کے اطراف و جوانب کے صوبوں میں نہایت منظّم پیمانے پر قائم کی گئی تھیں۔ عراق کی چھاؤنیاں کوفہ اور بصرہ میں قائم تھیں۔ جب شام کا پورا علاقہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر انتظام آگیا اور وہ اس کے گورنر بن گئے تو اس کی فوجی چھاؤنی دمشق میں بنا دی گئی۔ مصر کی چھاؤنی کا صدر مقام فسطاط تھا۔ یہ چھاؤنیاں مملکت اسلامیہ کے دفاع کے علاوہ فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنے اور اسلام کا پیغام دور دراز تک پہنچانے کا فریضہ بھی انجام دیتی تھیں۔

❁ عہد عثمان کی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کرنے والے مشہور کمانڈرز، احنف بن قیس، سلیمان بن ربیعہ، عبدالرحمٰن بن ربیعہ اور حبیب بن مسلمہ تھے۔

❁ ذات الصواری کا معرکہ صحیح اور مضبوط عقیدے کے جنگی تجربے پر غلبے کا مظہر تھا۔ اس

سے یہ حقیقت پھر ثابت ہوگئی کہ اگر عقیدہ صحیح اور پختہ ہو تو جنگی سازوسامان اور تعداد کی کثرت بھی اس کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتی۔ اہل روم کو بحری جنگ کا بڑا پرانا تجربہ تھا۔ وہ سالہا سال سے سمندروں میں رہتے چلے آرہے تھے جبکہ مسلمانوں کی یہ پہلی بحری معرکہ آرائی تھی۔

❁ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کی فتوحات سے حاصل ہونے والے اہم اسباق، فوائد اور عبرتیں مندرجہ ذیل ہیں:

❁ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تمکن کا وعدہ ہمیشہ کی طرح پھر سچا نکلا اور مسلمانوں کو باطل پر غلبہ حاصل ہوا۔

❁ جنگی اور سیاسی میدان میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔

❁ مسلمانوں نے سمندر کی موجوں میں بھی کمند ڈال کر اپنے غلبے کی دھاک بٹھا دی۔

❁ دشمن کی نگرانی اور جاسوسی کا نظام مستحکم ہوا۔

❁ دشمن کے مقابلے میں باہمی تعاون اور وحدت کی فضا قائم ہوئی۔

❁ عہد عثمانی میں جمع قرآن کے واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اختلاف سے ممانعت کی آیات کے فہم میں کس قدر وسعت رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف سے منع کیا ہے اور اس سے ڈرایا ہے۔ ان آیات کے بارے میں گہری سوچ رکھنے ہی کا نتیجہ تھا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب قرآن مجید کی قراءت سے متعلق اختلاف کی مبادیات، یعنی تیری قراءت غلط میری صحیح، سنیں تو ان پر لرزہ طاری ہوگیا اور انھوں نے فوراً مدینہ منورہ پہنچ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نہایت قلیل وقت میں اس اختلاف کا ہمیشہ کے لیے سدباب کر دیا۔

❁ مسلمانوں کی تالیف قلبی اور ان کی وحدت کو قائم رکھنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ مسلمانوں کے غلبے اور اسلامی ریاست کی بقا کے لیے یہ از حد ضروری ہے۔ اسی طرح

شرعی قوانین کی بالا دستی کے لیے بھی یہ اقدام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ خلفائے راشدین کی یہی پالیسی تھی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کرنا اسی پالیسی کا سب سے زیادہ روشن اور مایۂ ناز واقعہ ہے۔

- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مملکت کے کل صوبے یہ تھے: مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بحرین، یمامہ، یمن، حضرموت، شام، آرمینیا، مصر، بصرہ اور کوفہ۔
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سرکاری حکام اور گورنروں کی مختلف طریقوں سے کڑی نگرانی کرتے تھے اور ان کے حالات سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کا طریقۂ کار یہ تھا کہ آپ
- حج پر تشریف لے جاتے اور مختلف شہروں اور ریاستوں سے آئے ہوئے حجاجِ کرام سے ان کے حالات براہِ راست دریافت فرماتے تھے۔
- مختلف ریاستوں کی طرف تفتیشی ٹیمیں روانہ کرتے تھے۔
- عند الضرورت گورنروں کو مدینہ منورہ طلب کر کے ان سے خود پوچھ گچھ کرتے۔ سیدنا عثمان انتہائی حساس اور ذمہ دار حکمران تھے۔ وہ اپنے ماتحت حکام کی نگرانی سے کبھی غافل نہیں رہے۔
- خلافت راشدہ میں گورنروں کے حقوق یہ تھے:
- جب تک اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں ان کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے۔
- ان سے خیر خواہی کا برتاؤ کیا جائے۔
- ان تک صحیح اطلاعات پہنچائی جائیں۔
- ان کی معزولی کے بعد بھی ان کا احترام کیا جائے۔
- انھیں ماہانہ تنخواہ دی جائے۔
- خلافت راشدہ میں گورنروں اور دیگر سرکاری حکام کی ذمہ داریاں درج ذیل تھیں:

❊ احکام دین کا نفاذ۔

❊ رعایا کے لیے امنِ عامہ کا استحکام۔

❊ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

❊ لوگوں کی معاشی ترقی کے لیے کوشش کرنا۔

❊ صوبہ بھر میں ملازمین اور تحصیل داروں کا تقرر کرنا۔

❊ ذمیوں کا خاص خیال رکھنا۔

❊ اپنے علاقے کے صائب الرائے لوگوں سے ریاست کے امور میں مشاورت کرنا۔

❊ ریاست کے باشندوں کے معاشرتی احوال کی دیکھ بھال کرنا۔

❊ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد تھے۔ آپ کی اقتدا کی جاتی ہے اور آپ کے افعال اس امت کے لیے ایک دستوری ضابطے کا درجہ رکھتے ہیں۔ جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ جاری کیا کہ عزیز واقارب کو امور مملکت سے دور رکھا جائے اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اسوہ یہ ہے کہ اگر اقرباء انتظامی معاملات سنبھالنے کے اہل ہوں تو انھیں امور مملکت میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر جن کاموں کے بارے میں اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ ان کے لیے کم از کم مباح ضرور تھے۔

❊ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے جن جن رشتہ داروں کو سرکاری عہدوں پر فائز کیا انھوں نے ثابت کیا کہ وہ واقعی اس کے اہل اور اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے کئی شہر فتح کیے اور انھوں نے اپنی رعایا کے ساتھ عدل و انصاف ہی نہیں، احسان کا برتاؤ کیا۔ ان میں کئی تو ایسے تھے جو عہد صدیق اور عہد فاروق رضی اللہ عنہما میں بھی نہایت اہم پوسٹوں پر فائز رہ چکے تھے۔

❊ جو شخص تاریخی واقعات میں سے صرف صحیح واقعات کی طرف رجوع کرتا ہے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنروں کے حالات سے آگاہی حاصل کرتا ہے اور دعوتِ اسلام

کی تاریخ میں ان کے جہاد کے اثر جمیل کو دیکھتا ہے بلکہ ان کے حسن انتظام اور امت کی تعمیر وترقی میں ان کے کردار کا جائزہ لیتا ہے، وہ تاریخ کے اس عظیم دور پر فخر اور شادمانی کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

❋ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بہت سے غیر منصف اور غیر محقق تذکرہ نگاروں کی قلمی جراحتوں سے محفوظ نہیں رہے۔ بہت سے تذکرہ نگار ضعیف روایات اور رافضیوں کے من گھڑت اتہامات میں الجھ گئے اور انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں شدید ناانصافی پر مبنی آراء قائم کر لیں، مثلاً: طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب الفتنة الكبرى میں، راضی عبدالرحیم نے اپنی کتاب النظم الإسلامية میں، محمد الریس نے اپنی کتاب النظريات السياسية میں، علی حسین خربوطلی نے اپنی کتاب الإسلام و الخلافة میں، ابوالاعلیٰ مودودی نے ''خلافت وملوکیت'' میں اور سید قطب نے اپنی کتاب العدالة الاجتماعية میں انھی باطل اور پامال روایات پر انحصار کر کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی مؤرخین اس جہالت کی کیچڑ میں پھسل کر گمراہ ہو گئے۔ اس اعتبار سے تاریخ کے کٹہرے کو دیکھا جائے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ واقعی انتہائی مظلوم شخصیت نظر آتے ہیں۔ اُن پر پہلے دور کے مخالفین نے جھوٹے الزام و دشنام کے تیر چلائے۔ اور بعد میں آنے والے تذکرہ نگاروں اور مؤرخین نے بھی ان کے ساتھ شدید ناانصافی کی۔

❋ تاریخی حقائق شاہد ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو جلاوطن نہیں کیا بلکہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجازت طلب کرنے پر انھیں جانے کی اجازت دی۔ جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دشمن یہ پروپیگنڈہ کرتے نہیں تھکتے کہ آپ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کر دیا تھا۔

❋ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن سبا یہودی کی فکری آوارگی سے بالکل متأثر نہیں ہوئے۔ وہ وفات تک ربذہ ہی میں گوشہ نشین رہے اور کسی فتنے میں شریک نہیں ہوئے۔

* شہادت عثمان کے کئی وجوہ واسباب تھے۔ ان میں سے چند اسباب وعوامل یہ ہیں:
* خوشحالی اوراس کے لائے ہوئے بدیہی اثرات۔
* عہد عثمان میں رُونما ہونے والی قدرتی سماجی تبدیلیاں۔
* سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت سنبھالنا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت سخت طبیعت کے مالک تھے جبکہ ان کے برعکس سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی حلیم فرمانروا تھے۔
* کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مدینہ منورہ سے چلے جانا۔
* جاہلی عصبیت کا دوبارہ سر اٹھانا۔
* فتوحات کا رک جانا۔
* ورع کے غلط مفہوم کا پھیلنا۔
* اسلامی مملکت کے انہدام کے آرزو مندوں اور کینہ پروروں کی پیہم سازشیں۔
* اسلام اور مسلمانوں کے دشمن سبائیوں کی طرف سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف طرح طرح کی افواہیں پھیلانے اور لوگوں کو بھڑکانے کا منظم پروپیگنڈہ۔
* فتنہ برپا کرنے میں عبداللہ بن سبا یہودی کا اشتعال انگیز کردار۔
* فتنے کا آغاز کوفہ سے ہوا۔ وہاں سے شر پسندوں کو شام بھیج دیا گیا، پھر انھیں جزیرہ میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کے پاس منتقل کر دیا گیا۔ یہاں یزید بن قیس نے ان سے خط کتابت کی۔ وہ جزیرہ سے نکل بھاگے اور دوبارہ کوفہ آ گئے۔
* سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی یہ تھی کہ فتنوں کی آگ حلم و بردباری اور نرمی و نوازش سے بجھائی جائے اور شریروں سے بھی مبنی برعدل سلوک کیا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فتنوں کو دبانے کے لیے یہ طریقے اختیار کیے:
* تفتیشی کمیٹیوں کو مختلف صوبوں میں بھیجا۔
* مختلف صوبوں کے عوام کے نام کھلا خط ارسال کیا کہ جسے کوئی شکایت ہو وہ اس کے

ازالے کے لیے ہمارے پاس آجائے۔

- مختلف شہروں کے گورنروں سے مشورے کیے۔
- سرکشوں پر دلائل کی روشنی میں حجت قائم کی۔
- ان کے بعض مطالبات تسلیم کر لیے۔
- فتنوں کی آندھی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز عمل پر غور کیا جائے تو بعض ایسے سنہرے قواعد وضوابط سامنے آتے ہیں جن پر فتنوں کے دور میں ہر مسلمان کو عمل پیرا ہونا چاہیے۔

ان ضابطوں میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

- ثابت قدمی۔
- عدل وانصاف کو ہر حال میں لازم پکڑنا۔
- حلم و بردباری اور احتیاط و سنجیدگی اختیار کرنا۔
- نفع بخش امور کو اختیار کرنا اور ایسے امور سے اجتناب کرنا جن سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑے۔
- خاموشی اختیار کرنا اور کثرت کلام سے گریز و پرہیز کرنا۔
- ربانی علماء سے مشورہ کرنا۔
- فتنوں کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے رہنمائی لینا۔
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے درج ذیل وجوہ کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتال سے منع کر دیا:
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس وصیت پر عمل کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی میں کی تھی۔ اس وصیت کا اظہار سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وقت کیا جب وہ گھر میں محبوس تھے۔ آپ نے بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد لیا تھا کہ میں صبر کروں، لہٰذا میں اس عہد پر کاربند رہوں گا اور صبر سے کام لوں گا۔
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ گوارا نہیں کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی

امت میں خون بہانے والے پہلے شخص کہلائے جائیں۔

※ انھیں بخوبی علم تھا کہ باغیوں کا ہدف صرف انھی کی ذات ہے، لہٰذا انھوں نے محض اپنی جان بچانے کے لیے کسی مومن کی جان کو معرضِ خطر میں ڈالنا گوارا نہیں کیا۔ اس کے برعکس انھوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے مومنوں کی جان بچانے کو ترجیح دی۔

※ انھیں معلوم تھا کہ وہ اس فتنے میں شہید کر دیے جائیں گے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کو جنت کی بشارت دی تھی تو معاً یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان پر آزمائش آئے گی۔ اور انھیں حق پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے عنقریب شہید کر دیا جائے گا۔

※ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ حق پر ہیں۔ اس لیے آپ ڈٹ جائیں۔ باغیوں کا مطالبہ ہرگز تسلیم نہ کریں اور جنگ سے بھی رکے رہیں، اس طرح آپ کے موقف کو تائید وتقویت ملے گی۔ آپ نے اس مشورے پر عمل کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لڑنے کی اجازت نہیں دی۔

※ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل ایک مصری تھا، لیکن روایات میں اس شقی القلب کا نام مذکور نہیں۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے آپ کو برچھا مار کر شہید کیا تھا تو یہ بات سرا سر باطل اور جھوٹ ہے۔ اس بارے میں وارد تمام روایات ضعیف ہیں۔ ان کے متون بھی اُن صحیح روایات، جن میں آپ کا قاتل مصری بتایا گیا ہے، کی مخالفت کی وجہ سے شاذ ہیں۔

※ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری تھے۔ صحیح روایات اور تاریخی ثبوت شاہد ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی آپ کے خلاف کسی سرگرمی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ انھوں نے لوگوں کو کبھی نہیں بھڑکایا۔ نہ وہ آپ کے قتل میں شریک ہوئے۔

※ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بڑے بیدار مغز حکمران تھے۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کی بے خبری میں سازش زور پکڑ گئی۔ بلکہ وہ چاہتے تو باغیوں کی صفوں کو درہم برہم کر سکتے تھے۔ ان کے

منصوبوں کا پول کھول سکتے تھے اور اس سازش کا بہادری سے مقابلہ کر سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ بات قبول نہیں کی کہ مسلمانوں کی تلواریں ایک دوسرے کی گردنوں پر چمکنے لگیں، اس کے برعکس وہ خود امتِ مسلمہ کی بھلائی اور یک جہتی کے لیے مر مٹے۔ واقعہ یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت قربانی و ایثار کی معراج ہے۔

❊ شہادت عثمان کا سانحہ دیگر کئی فتنوں کے پھوٹ پڑنے کا سبب بنا اور بعد میں پیدا ہونے والے فتنوں پر اس کا براہ راست اثر پڑا۔ لوگوں کے دل بدل گئے، جھوٹ عام ہو گیا اور اسلامی عقیدے اور شریعت سے انحراف کی رفتار بڑھتی ہی چلی گئی۔

❊ دوسروں پر ناحق ظلم و زیادتی دنیا و آخرت میں تباہی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝

”اور یہ بستیاں ہم نے انھیں ہلاک کیا جب انھوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک وقت مقرر کیا تھا۔“[1]

جو شخص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں اور آپ پر ظلم ڈھانے والوں کے حالات پڑھتا ہے وہ فوراً یہ حقیقت جان جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو مہلت نہیں دی بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خونِ ناحق کی پاداش میں انھیں ذلیل و رسوا کیا۔ اُن سے انتقام لیا اور ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچا۔

❊ شہادت عثمان کا سانحہ مسلمانوں پر قیامت بن کر ٹوٹا۔ وہ ہوش کھو بیٹھے۔ انھوں نے نہایت غم زدہ ہو کر آنسو بہائے، ان کی زبانوں پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح کے ترانے تھے۔ وہ آپ کے لیے رحمت کی دعائیں کر رہے تھے۔ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کی وفات پر بڑے دردناک اشعار کہے۔ انھوں نے آپ کی شہادت پر بڑے قلق

[1] الکہف 59:18.

کا اظہار کیا۔ قاتلوں کی مذمت کی۔ رلا دینے والے اشعار کہے۔ انھیں تاریخ نے ہمارے لیے محفوظ رکھا۔ نہ سیاہ راتیں انھیں ختم کر سکیں نہ زمانے اور زندگی کے حالات و حوادث انھیں تاریخ کے اوراق سے مٹا سکے۔

اختتامیہ: سیرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی تکمیل ہونے پر میں یہی کہوں گا کہ اس میں جو بھی تفصیلات بیان ہوئی ہیں ان میں سے جو ٹھیک ہیں وہ مجھ پر صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے اور جو تفصیلات اس میں غلط ہیں میں ان پر اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس سے بری ہیں۔ میں تو صرف اس بات کا متمنی تھا کہ خلیفۂ راشد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی کا تذکرہ اصل حقائق اور دلائل و براہین کی روشنی میں کروں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مسلمانوں کے لیے نفع بخش بنائے۔ احباب سے خصوصی گزارش ہے کہ یہ کتاب پڑھتے وقت مجھے اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، اس لیے کہ مسلمان کی کسی مسلمان کے لیے اس کی عدم موجودگی میں دعا قبول ہوتی ہے۔ میں اس کتاب کا اختتام اس آیت کریمہ پر کرتا ہوں:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿﴾

”اور (فے ان کے لیے ہے) جو ان (مہاجرین و انصار) کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت نرمی والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“[1]

[1] الحشر 10:59.

اور آخر میں شاعر کا قول ذکر کرتا ہوں:

إِنْ تَجِدْ عَيْبًا فَسُدَّ الْخَلَلَا   جَلَّ مَنْ لَّا عَيْبَ فِيهِ وَ عَلَا

''اگر آپ اس میں کوئی نقص دیکھیں تو اسے پورا کردیں (کیونکہ) عیوب سے پاک ہستی صرف اللہ جل جلالہ کی ہے۔''

اور سب سے اخیر میں، میں بزبان شاعر یہ نصیحت کروں گا:

أُطْلُبِ الْعِلْمَ وَلَا تَكْسَلْ، فَمَا   أَبْعَدَ الْخَيْرَ عَلَى اَهْلِ الْكَسَلِ

اِحْتَفِلْ لِلْفِقْهِ فِي الدِّينِ وَلَا   تَشْتَغِلْ عَنْهُ بِمَالٍ وَّ خَوَلِ

وَاهْجُرِ النَّوْمَ وَ حَصِّلْهُ فَمَنْ   يَعْرِفُ الْمَطْلُوبَ يَحْقِرُ مَا بَذَلَ

لَا تَقُلْ قَدْ ذَهَبَتْ أَرْبَابُهُ   كُلُّ مَنْ سَارَ عَلَى الدَّرْبِ وَصَلَ

''علم کے متلاشی بنو اور اس کے حصول میں سستی اور کاہلی کا مظاہرہ نہ کرو۔ (اس لیے کہ) خیر کاہل اور سست لوگوں سے بہت دور ہوتی ہے۔ دین کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاؤ اور اس کا اہتمام کرو اور اس کو چھوڑ کر مال و دولت اور ادھر ادھر کی چیزوں میں مشغول نہ ہو جاؤ۔ نیند کو چھوڑ دو اور اسے اتار پھینکو، (اپنے آپ کو اس سے الگ کرو۔) جو اپنے مطلوب کی اہمیت کو پہچان لیتا ہے وہ پھر اس کے حصول کے لیے کسی قربانی کی پروا نہیں کرتا۔ تم یہ نہ کہو کہ اہل علم تو چلے گئے۔ جو بھی شاہراہ پر چل نکلتا ہے بالآخر منزل پر پہنچ جاتا ہے۔''[1]

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين

① دیوان ابن مشرف:332/1.



سیرتِ عثمان ذوالنورین ؓ

یہ کتاب مسلمانوں کے تیسرے خلیفۂ برحق حضرت عثمان ؓ کی اُجلی سیرت کے مستند واقعات کا مرقع ہے۔ حضرت عثمان ؓ کی عظمتوں کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، وہ ذوالنورین تھے۔ ناشرِ قرآن تھے۔ سچائی اور سخاوت کا مجسمہ تھے۔ ان کے نورِ ایمانی کی ضیا اور حیا ضرب المثل تھی۔ ان کے عہد کی سپر پاور سلطنتِ روم کی فوجوں نے مسلمانوں پر بحری حملے کیے تو حضرت عثمان ؓ نے اپنا وقار ملحوظ رکھتے ہوئے رومیوں کی جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا۔ آپ پہلے مسلمان فرمانروا تھے جنھوں نے بحری بیڑا بنایا اور مجاہدینِ اسلام کو حکم دیا کہ سمندر کی موجوں اور باطل کی فوجوں کو روند ڈالو۔ مسلمان اس معرکے میں کامیاب رہے.......... دولت کی بہتات انسان کو بدلتی ہی نہیں بے نقاب بھی کر دیتی ہے۔ حضرت عثمان ؓ دولت کی آزمائش میں بھی سرخرو رہے۔ وہ نہ صرف ذاتی طور پر بہت امیر آدمی تھے بلکہ سرکاری سطح پر بھی ان کا عہد خلافت دولت کی زبردست ریل پیل کا زمانہ تھا۔ حضرت عثمان نے مسلمانوں میں دولت کی منصفانہ تقسیم کی عدیم النظیر مثال قائم کر دی، شکست خوردہ رومی اور ایرانی مسلمانوں کی یہ شان گوارا نہ کر سکے، انھوں نے عبداللہ بن سبا کے ساتھ مل کر عالم اسلام میں بغاوت کی آگ بھڑکائی اور امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان کو نہایت سفاکی سے شہید کر دیا۔ یہ تمام واقعات مستند حوالوں سے جاننے کے لیے یہ کتاب پڑھیے۔ اس میں آپ کو اپنے روشن ماضی کی جیتی جاگتی تصویریں نظر آئیں گی۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
9786035000543
دارالسلام
DARUSSALAM